دسمبر ۲۹ء   جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

سلسلۂ رقعاتِ عالمگیر

سلطان الہند محمد اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات کی جمع و ترتیب و اشاعت

کا جو کام دار المصنفین میں چھ سات برس سے ہو رہا ہے

اور جسکو

ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلیٰحضرت شہریارِ دکن خلد اللہ ملکہ

کا

شرفِ انتساب حاصل ہے

اوسکی

ایک جلد اور اس پر ایک بسیط مقدمہ دونوں چھپکر تیار ہیں مقدمہ میں اسلام میں

ہندوستان میں صیغۂ انشا کا حال اور انشا کے اصول اور خاص عالمگیر کی طرز انشا پر بحث، عالمگیر کی تاریخ کے

تفصیل اور پھر اسکی پیدائش سے لیکر بھائیوں کی خانہ جنگی تک کے تمام واقعات و سوانح پر خطوط و رقعات کی روشنی

اس مقدمہ کی زبان اردو ہے، عالمگیر کے متعلق اس وقت تک کسی زبان میں اس سے بہتر واقعات کوئی

لکھی گئی ہے، حصول سلطنت تک عالمگیر پر جسقدر اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن سب کا محققانہ جواب ہے،

لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۵۰۰، قیمت: صہ

رقعاتِ عالمگیر جلدِ اوّل، شروع سے برادرانہ خانہ جنگی تک کے تمام خطوط و رقعات آگئے ہیں جو مرتب

لکھے ہیں آخر میں متعدد ضمیمے ہیں جن میں شاہجہان، داراشکوہ، شاہ شجاع، جہان آرا وغیرہ کے جوابی خطوط شامل ہیں --

تاریخ کا ذخیرہ ہیں جنکا پڑھنا تیموری تاریخ اور فارسی ادب کے پڑھنے والوں کا فرض ہے،

لکھائی چھپائی اعلیٰ، ورق رنگین و مطلا، جابجا سلاطین و شہزادگان تیموریہ کے خطوط کے عکسی فوٹو، سلطان

ضخامت ۴۰۰ صفحے - - - قیمت للعہ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

پچیسوین جلد

از

جنوری سنہ ۱۹۳۰ء تا جون سنہ ۱۹۳۰ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی،

مطبع معارف، دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد بست و پنجم جنوری سنہ ۱۹۳۰ء تا جون سنہ ۱۹۳۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

(جلد بست و پنجم جنوری سنہ ۱۹۳۰ء تا جون سنہ ۱۹۳۰ء)

جلد بست و پنجم	ماہ رجب المرجب ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء	عدد ۱

مضامین

شذرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس طرح ہمارا پرانا سال ایک بڑے قومی حادثہ یعنی پرانی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ (مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی دیوبندی) کے دائمی فقدان پر ہوا اسی طرح ہمارے نئے سال کا آغاز بھی ایک بڑے قومی حادثہ یعنی نئی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ (مولوی مظہر الحق صاحب بیرسٹر پٹنہ) کی دائمی جدائی سے ہوا، مولوی مظہر الحق صاحب مرحوم کی قومی و سیاسی حیثیت تو الگ ہے، انکی اخلاقی اور علمی حیثیت بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہین ہے، وہ فارسی سے واقف، عربی سے آشنا، انگریزی کے ادیب و خطیب اور فلسفہ کے نہایت دقیقہ رس طالب العلم تھے، اُن کے علمی کارنامون کا آغاز افلاطون کی بحث سے ہوا، اپنچ پٹنہ، اور وقت گورکھپور اُن کے ابتدائی علمی مباحث کے جولانگاہ تھے، اُن کی سب سے آخری علمی تحریر غالبًا وہ ہے جو ابھی پونہ سے شائع ہونے والی انگریزی کی کتاب تصوف و روحانیات پر مقدمہ ہے، وہ نسبًا فاروقی تھے اس لیے اُن کی اخلاقی قوت و جرأت کیا سلطنت اور کیا قوم دونون کے مقابلہ مین برابر تھی، جسکو حق سمجھتے تھے اُس کے اظہار مین نہ اُن کو سلطنت کی پروا ہوتی تھی اور نہ قوم کی، اُن کا یورپین طرز معاشرت کو الوداع کہکر دفعۃً مشرقی اور رغالی مشرقی بن جانا اُن کی بے مثال اخلاقی جرأت کا نمونہ ہے، مرحوم کی آخری عمر روح و روحانیات کی تحقیق مین صرف ہوئی، خدا اُن کی روح کو اپنی مغفرت کی لازوال دولت سے مالا مال کرے، کہ اب وہ وہان پہنچ چکی ہے، جہان کے کشفِ راز کے لیے وہ بیقرار تھی،

سال گذشتہ کی طرف سے اس مہینہ جو نئی کتابین چھپکر تیار ہو رہی ہین، اُن مین مقدمہ رقعات عالمگیری رقعات عالمگیری جلد اول کے علاوہ جس تیسری کتاب کا ذکر ہم نے دسمبر مین کیا تھا، اُس کا نام اب الجہاد فی الاسلام ہے، اُسکے مؤلف مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی ہین، تقریبًا ۵۰۰ صفحون مین یہ کتاب

ہے، جس میں اسلامی جہاد کے اصول و مسائل معترضین کے جوابات، مخالفین کے شکوک و شبہات کی تردید، یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور بودھوں کے اصول سے اُن کا مقابلہ اور یورپ کے موجودہ قوانینِ جنگ پر تبصرہ، اور جہاد کے اسلامی قوانین سے اُن کا موازنہ ہے، عربی اور انگریزی کی بہترین مستند کتابوں کے حوالوں سے یہ لکھی گئی ہے، خیال ہے کہ اس ضروری مسئلہ پر اس سے زیادہ مدلل، مبرہن، اور مبسوط کتاب اب تک نہیں لکھی گئی،

سنن کبریٰ بیہقی کا جو سلسلہ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں زیر طبع ہے اب اسکی تیسری جلد چھپکر شائع ہوئی ہے اس کی بقیہ جلدوں کی تصحیح و مقابلہ کے لیے دائرہ کی طرف سے مولوی سید ہاشم صاحب ندوی اور مولوی احمد اللہ صاحب ندوی رامپور میں مہینوں سے مقیم تھے اور ریاست کے سرکاری کتبخانہ کے نسخہ سے مسودہ کا مقابلہ کر رہے تھے ہمیں امید ہے کہ سنن کی تصحیح و مقابلہ میں ہمارے یہ نوجوان فضلاء پوری ہمت اور مستعدی سے کام لیں گے، اور نسخوں کے اختلافات کے ضبط میں بھی پوری محنت کرینگے، اُن کے اس کام کی قدر اہل نظر کی نگاہوں میں کسی مستقل تصنیف سے ہرگز کم نہ ہوگی

دائرہ کی طرف سے مدت ہوئی کہ امام طحاوی کی مشکل الآثار چار جلدوں میں چھپکر شائع ہوئی تھی، اب حال میں حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کے جو ذیل ابو المحاسن دمشقی اور حافظ سیوطی کی تصنیف سے چھپے ہیں اُن کے ناشر نے ایک تعلیق میں لکھا ہے، کہ مشکل الآثار طحاوی کا مطبوعہ نسخہ ناتمام ہے، اصل نسخہ سات جلدوں میں قسطنطنیہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام فیض اللہ (قریب مسجد الفاتح) میں مشکل الحدیث کے نام سے موجود ہے، اور ابن السائق کا مقابلہ کردہ پورا قلمی نسخہ ہے، ضرورت ہے کہ اس واقعہ کی اچھی طرح تحقیق کیجائے، اور اگر یہ تعلیق صحیح ہو تو مطبوعہ نسخہ کی پوری تکمیل کیجائے،

نواب مسعود جنگ سید راس مسعود صاحب کی کوششوں سے مسلم یونیورسٹی میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں ان میں ایک قابل ذکر چیز مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر کرنکو کا عربی پروفیسری کے لیے انتخاب ہے، وہ موجودہ

تمام یورپین مستشرقین مین اسلام اور مسلمانون سے زیادہ محبت رکھتے ہین، بلکہ کبھی کبھی ان کو مسلمان بھی سمجھ لیا جاتا ہے، نواب عماد الملک مرحوم ان کے سب سے بڑے مربّی اور قدردان تھے، اور انھین کی وساطت سے ہماری ان کی معرفت ہے، اور انھین کے اشارہ سے تقریباً آٹھ برس سے وہ برابر دائرۃ المعارف حیدرآباد کی کتابون کی تصحیح و مقابلہ مین حصّہ لے رہے ہین، جمہرۃ العرب کی تصحیح مین ان کا ہاتھ شامل تھا، ابن ہیثم کی کتاب المرایا والمناظر کی بھی وہی تصحیح کر رہے تھے، دمشق کی مشہور المجمع العلمی العربی کے وہ رکن رکین ہین، اور اسمین مضامین لکھا کرتے ہین، نسلاً جرمن ہین، مگر مدت سے انگلستان ہی مین مقیم تھے، اور یہین بیٹھکر وہ اپنے علمی کام انجام دیتے تھے، ہالینڈ کی یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹر کی ڈگری دی ہے، ہمین امید ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور ہندوستان مین وہی علمی ناموری اور اخلاقی ہر دلعزیزی حاصل کرینگے جو ڈاکٹر یوسف ہاروِٹز کو حاصل ہوئی تھی۔

لاہور کے چند نوجوان مسلمان اہل علم اور فضلا نے مل کر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی ہے، جس کے زیر اہتمام مختلف اہم اسلامی تاریخی مباحث پر مضامین پڑھے اور خطبے سنائے جاتے ہین، اب تک اس قسم کے متعدد مضامین اور خطبے اس مجلس مین پڑھے اور سنائے جا چکے ہین، اب مجلس نے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے رفیق دار المصنفین کو عالمگیر پر تقریر کرنے کے لیے دعوت دی ہے، اور نوجوان طلبہ کو اپنے گذشتہ اکابر کے حالات سے واقفیت کے لیے یہ طے کیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و سیرت کے مختلف پہلوؤن پر پرچے لکھ کر دیئے جائین جن کے لیے حسب ذیل خطیبون کا انتخاب ہوا ہے،

۱- شبلی کے سوانح و حالات و اخلاق	سید سلیمان ندوی،
۲- شبلی بحیثیت مورخ و سوانح نگار	"
۳- شبلی بحیثیت مصنف	میان بشیر احمد صاحب بی اے، بیرسٹر لاہور،
۴- شبلی بحیثیت نقاد	پروفیسر محمد دین صاحب تاثیر، ایم اے، لاہور
۵- شبلی بحیثیت شاعر	پروفیسر صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم، ایم اے، لاہور
۶- شبلی بحیثیت سیاسی مفکر	مولوی چراغ حسن صاحب حسرت، مدیر روزنامہ انصاف لاہور،

دار المصنفین کے سلسلۂ تعمیرات کے لیے جس چندہ کی ہم نے اپیل کی تھی، اب تک اس مد میں ہم کو تقریباً دو ہزار کی رقم نقد وصول ہوئی ہے، جس میں سے حسب ذیل نام خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں،

۱۔ نواب سر احمد سعید خان بہادر آف چھتاری ما ؎ (۳) جناب سلیمان صاحب تاجر سنگاپور سا؎

۲۔ سیٹھ جمال محمد صاحب۔ مدراس۔ صما (سو روپیہ ماہوار ایک ہزار تک)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کا ایک ہزار کا وعدہ بھی نقد ہی سمجھنا چاہیئے، ساتھ ہی ان کے ذریعہ سے ایک فیاض صاحب خیر کا تعمیر مسجد کا وعدہ بھی ان کے دار المصنفین کی آمد پر موقوف ہے،

حیدرآباد کے موجودہ علم دوست اکابر میں نواب محمد یار جنگ بہادر کی ذات بھی بسا غنیمت ہے، موصوف کو دار المصنفین سے بڑی ہمدردی ہے، ہماری امدادی اپیل پر انھوں نے خاص توجہ فرمائی، اور اپنی مخلصانہ کوشش سے حیدرآباد کے اکثر اکابر سے جنمین نواب سر حیدری، نواب مہدی یار جنگ، نواب نظامت جنگ، نواب اکبر یار جنگ، نواب ذوالقدر جنگ، نواب امین جنگ، نواب ناظر یار جنگ، نواب مرزا یار جنگ، نواب رفعت یار جنگ، اور دوسرے اکابر سے انھون نے سو پچاس پچیس روپے لیکر آٹھ سو روپیہ کی پہلی قسط، نواب صدر یار جنگ صدر نشین دار المصنفین کے ذریعہ عنایت فرمائی ہے، مگر دار المصنفین کی "جہنم" سے اب بھی ھل من مزید کی جو صدا بلند ہو رہی ہے، کیا ممدوح اسکو سن رہے ہیں؟

علم کلام میں قدماء کی قابل قدر کتابوں میں سے ایک اور نئی کتاب العواصم من القواصم، قسطنطینہ واقع الجزائر میں چھپی ہے، یہ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی مالکی کی تصنیف ہے، جنکا زمانہ ۴۶۸ھ سے ۵۴۳ھ تک ہے، اور جنکی کتاب احکام القرآن چھپ چکی ہے، العواصم من القواصم میں فلاسفہ، سوفسطائیہ، طبیعیین، الہیین، باطنیہ، حلولیہ، غالی صوفیہ، اور ظاہریہ کے خیالات وعقائد کی تردید و تغلیط اور انکی جگہ صحیح اسلامی عقائد و مسائل کا مدلل ثبوت ہے، اس کتاب کا نسخہ تونس کے جامع زیتونہ میں تھا جو ۵۶۰ھ کا لکھا ہوا اندلسی عربی خط میں تھا، دو جلدین چھپی ہیں، مسلمانون نے فلسفۂ یونان

کی جو تنقید و تقسیم کی ہے اس کا اندازہ اسی قسم کی کتابون سے ہو سکتا ہے،

اعلیحضرت نادر خان خواہ افغانستان کے جائز بادشاہ ہون یا نہ ہون، مگر اسمین شک نہین کہ افغانستان کو جس قسم کے معتدل مصلح کی اس وقت ضرورت ہے اُسکو نادر خان کی شخصیت یقیناً پوری کریگی، وہ تجدید و انقلاب کی تدریجی حمایت کیساتھ یہ بھی جانتے ہین کہ ہر پرانی چیز قابلِ ترک، اور ہر نئی چیز قابلِ اخذ نہین ہے، وہ یہ بھی جانتے ہین کہ صرف ہیٹ پہننے سے ہیٹ کے نیچے کا دماغ نہین بدل جاتا، اس لیے سر و سینہ کی پوشاک بدلنے کی ضرورت نہین، بلکہ دماغ و دل کے بدلنے کی ضرورت ہے، علماء کی حالت ان کے قید و قتل و جلاوطنی سے درست نہین ہو سکتی، بلکہ مذہبی مدارس کی اصلاح و ترمیم سے ہو سکتی ہے،

اس سلسلہ مین یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ اعلیحضرت نادر خان نے افغانستان مین ایک مجلس العلماء کے قیام کا فرمان جاری کیا ہے، جسمین قندھار، ہرات، مزار شریف، قطغن و بدخشان، ولایت کابل فراہ، جہنہ اور سمت مشرقی کے ممتاز علماء مین سے ایک ایک دو دو ممبر منتخب کیے جائین گے، یہ مجلس شریعت کے احیاء، حفاظت و ترقی اور افغانون کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف تجویزون پر غور کرے گی، یہ وقت ہے کہ افغانستان کے علماء ہوش و فہم سے کام لین، اور سمجھین کہ اسلام اور مسلمان قومون کی درستی و اصلاح و ترقی کے لیے اُن کو کیا کیا کرنا ہے، اور یہ یاد کرین کہ جس طرح توپ کے منہ پر رکھکر اوڑا دینے سے علماء کی اصلاح نہین ہو سکتی، اسی طرح اُن کی تکفیر کے توپخانہ سے امت کی اصلاح نہین ہو سکتی،

اس سلسلہ مین ہم کو بعض تلخ حقیقتون کا بھی اعتراف کرنا ہے، کہ علماء کی جماعت مین ایسے افراد تمام دوسری جماعتون کے افراد سے زیادہ ہین، جنھون نے محض اپنے طرۂ دستار کی بلندی کو اپنے وقار و عظمت کا معیار ٹھہرا

نیچے سے لیکر اونچے تک ہر ایک سے یہی کے متوقع ہین کہ وہ انکی محض اُن کے علم کی خاطر تعظیم کرے، حالانکہ علم بلا عمل نہ دین مین عزت کی چیز ہے، اور نہ دنیا مین، ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے، اور ہوتا رہیگا کہ جو مخدوم بنا ہے، وہ پہلے خادم ہوا ہے، پرانا مقولہ ہے،

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

علما، اگر مخدوم بننا چاہتے ہین، تو پہلے ان کو خلوصِ دل کے ساتھ امت کا خادم بننا چاہیے، تعلیم کی اشاعت، علم کی خدمت، دین کی تبلیغ، اخلاق کی تعلیم، عوام کی مدد، بگڑون کو بنانا، گرتون کو سنبھالنا، غریبون کی تسلی، امیرون کی درستی، گمراہون کی رہنمائی، اور بیکسون کی دستگیری، ان کا فرض ہو، اپنا کھانا نہین، بلکہ بھوکون کا کھلانا، اپنا پہننا نہین، بلکہ ننگون کو پہنانا، اپنی فکر نہین، بلکہ دوسرون کا غم اُن کے ہر روز کا کام ہو، یہ ہے دین و دنیا مین انکے وقار وعظمت کا اصلی معیار،

شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد　　　کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم نے مسلمانون کی کتنی تعلیم گاہین بنائین، کتنے شفاخانے قائم کراے، کتنی مسجدین آباد کرائین، کتنے شرابیون کو پرہیزگار اور کتنے بدکارون کو نکوکار بنایا، کتنے غریبون کی امداد کی، کتنے امیرون کو انکی غلط کاریون پر ٹوکا، کتنے بیمارون کی خدمت کی، کتنے گمراہون کی ہدایت کی، کتنے مسرفون اور فضول خرچون کو معتدل اور انجام بین بنایا، اور کتنے بخیلون کو سخاوت اور فیاضی کی تعلیم دی، مسلمانون کو اس دنیا مین اور اُس دنیا مین کامیاب اور خوشحال بنانے کی کیا کوششین کین،

علما کی ناکامیون، اور بدنامیون کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُنھون نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کا ذریعہ اپنی مولویت کو قرار دیا، اور اسی کو حصولِ رزق کا پیشہ بنایا، حالانکہ ہم سے زیادہ وہ جانتے ہین کہ علمائے سلف

نے ہمیشہ اسکو احتیاط و تقوی کے خلاف سمجھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر تحریک مین اس پر نظر رکھتے ہین کہ اس سے ہمارے نفس، عزت و جاہ پر کیا اثر پڑیگا، جو ہمارے کسب زر کا ذریعہ ہے، حالانکہ اس یقین مین کوئی شک نہین کہ جہان اپنی غرض آئی، اخلاص رخصت ہوگیا، اور جہان اخلاص گیا، کامیابی کوسون دور ہوگئی،

جدید تعلیم کی غرض نہ اخلاقی ہے نہ روحانی، اور نہ اس سے اُس بلند معیار کی توقع کیجاسکتی ہے، ابھی حال مین خود انگریز حاکم اعلیٰ اور سرپی سی رائے نے اس کے نقائص پر جو تقریرین کی ہین، وہ اخبار بین طبقہ سے پوشیدہ نہین، ایسی حالت مین قوم کی اخلاقی و روحانی و تعلیمی تعمیر کے وہ نہ مخاطب ہین نہ اہل ہین، اُن کا منتہاے نظر صرف عہدہ اور منصب ہے، اور جو کچھ وہ انتظار کرتے ہین، وہ صرف اسی کے لیے، مگر علما، اس حکومت مین نہ عہدہ کے اہل ہین، اور نہ منصب کے مستحق، اسلیے اگر وہ ذرا بلند ہمتی، استغنا اور اخلاص کے ساتھ کام کرین تو اُن کی دنیاوی ہردلعزیزی کا بھی کوئی مقابلہ نہین کرسکتا،

مسرت کی بات ہے کہ دنیاے عرب کی منجمد سطح مین بھی حرکت نمایان ہے، عراق کے المرشد کے بعد اب شام کے شہر لاذقیہ سے "المرشد العربی" کے نام سے عربی مین ایک اسلامی مذہبی ماہوار رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، اس کے اڈیٹر شریف عبداللہ علوی حسینی بن شریف حسن بن فضل پاشا سابق امیر ظفار ہین، رسالہ مین اخلاقی و مذہبی مضامین جدید طرز و انداز اور موجودہ طریق و طرز استدلال مین معتدل، اصلاحی خیالات کے ساتھ شائع ہوتے ہین، مذہبی عقاید کی فلسفیانہ تشریح اور جدید شکوک و شبہات کا ازالہ بھی اس کا مقصد ہے، ہندوستان مین اسکی قیمت سالانہ پندرہ روپیے ہے،

مقالات

قرآن مجید اور سائنس

از

جناب مولوی عبد الوحید صاحب، ناظم اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، لاہور

مولوی عبد الوحید صاحب ایک روشن دل اور روشن خیال فاضل ہین، پچھلے سال اورینٹل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور مین اُنھون نے یہ مضمون خطبہ کے طور پر انگریزی مین پڑھا تھا، اور نہایت پسند کیا گیا تھا، ہماری فرمایش پر اُنھون نے یہ انگریزی مضمون اس غرض سے ہمارے پاس بھیجا تھا کہ اسکا ترجمہ معارف مین شائع ہو، بروقت ترجمہ نہ ہونے کے سبب سے یہ کئی مہینے پڑا رہا، آخر ہمارے ایک کرم فرما مولوی ضیاء الرحمان صاحب بی اے نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا، جو آج آپکے سامنے پیش ہے،

مضمون نگار کا مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک نے حقائقِ اشیاء کی تلاش، معرفت، اور اُن سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا سبق دیا، قرآن پاک کی یہی تعلیم تھی جس نے اگلے مسلمانون کو علوم و فنون کی تحصیل، تحقیق اور ترقی کا شوق پیدا کیا، اور مسلمانون کی یہی تحقیقات تھین جنپر یورپ نے اپنی نئی تحقیقات کی بنیاد رکھی،

مضمون چونکہ انگریزی مین تھا، اس لیے قرآن مجید کی اصل آیتون کے بجاے صرف ترجمہ پر قناعت کیگئی، اور ہم بھی تطویل کے خوف سے اصل آیتین نہین لکھتے، اور ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین،

"معارف"

قدرت کے مناظر و ماحول اور اُن کے آپس کے مرتب و منظم تعلق کے علم کا نام سائنس ہے، سائنس کا مقصد یہ ہے کہ وہ موجودات کے وجود کی جیسا کہ ہم اپنے قوار و حسیات سے محسوس کرتے ہین عقلی توضیح کر دے،

اس راہ مین سب سے پہلا قدم حالات و اشیاء کا مشاہدہ ہے جس سے ان کی تقسیم اور مجموعی شکل واضح ہو جائے، انسانی تخیل اس کے بعد اپنے مشاہدات کی بنا پر دعوے مرتب کر لیتا ہے جو غور و فکر اور تجربہ کے بعد قانون قدرت کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے، میرا مقصد اس مضمون سے یہی ظاہر کرنا ہے کہ تاریخ مین سب سے پہلے اسلام کی مقدس کتاب نے مشاہدہ اور تجربہ کا اصرار کر کے انسانی دماغ مین علمی روح پھونکی اور اس طرح موجودہ سائنس کی بنا ڈالی،

موجودہ سائنس کی ابتدا

موجودہ سائنس یونانی علوم اور چودھوین صدی کے زمانہ تجدید کا نتیجہ اور یونانی ادبیات کی دوبارہ ترویج اس کا اصل منبع قرار دیجاتی ہے، لیکن سائنس کی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے ان خیالات کی قطعی طور پر تردید ہوتی ہے،

یونانی علوم کے دو مختلف حصے ہین (۱) ایتھنس کے علوم اور (۲) اسکندریہ کے تحقیقات و انکشافات جہان تک ایتھنس کے علماء کا تعلق ہے ان کی دماغی کیفیت کا حال ایچ۔جی۔ ویلس کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:-

"یونانیون کا دماغ علم کی کمی سے اس درجہ متاثر تھا کہ ہم آج اُس کا اندازہ بھی نہین کر سکتے، اُن کو انسان کی گذشتہ تاریخ کا مطلق علم نہ تھا، بحر روم اور ایرانی سرحد سے آگے وہ جغرافیہ سے بالکل نابلد تھے، علوم نجوم مین انکی معلومات نہایت ابتدائی اور محض قیاس پر مبنی تھی، اقلیدس کی پہلی کتاب کی سینتالیسوین شکل کے متعلق ان کا خیال تھا کہ انسانی دماغ کا انتہائی کارنامہ ہے، عملی تجربات کے لیے ان کے پاس آلات مطلق نہ تھے، وقت کی معمولی تقسیم اور ہر حصہ اور وقفہ کی پیمائش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اعداد و ہندسہ بھی ٹھیک نہ تھے، وزن کے لیے میزان بھی صحیح نہ تھی، اور دوربین و خوردبین کا ابتدائی خاکہ بھی اُن کے ذہن مین نہ تھا،

علوم یونانی کے اسکندریہ والے حصہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ میوزیم، مین نہایت معقول کام ہوا، لیکن یہ شمع علم ایک صدی کے اندر ہی بجھ گئی علوم و فنون اسکندریہ سے رخصت ہو گئے، اور وہان صرف اپنے علم و فضل پر بیجا فخر کرنے والے رہ گئے،

بطلیموس اول (جس نے علمی عجائب خانہ کی بنا ڈالی تھی) نے ایک عبادت گاہ بنائی جس میں تثلیث یعنی دیوتا سیراپس، دیوی ایسیس اور ان کے بچہ ہورس کی پرستش نہایت خلوص سے ہوتی تھی، جو پیر سیراپس اور ایسیس کی عبادت اور عبادت گاہیں اسکندریہ سے تمام مہذب دنیا میں پھیل گئیں، اس طرح اسکندریہ کی تہذیب نے قرین عقل خیالات کی اشاعت کی بجائے نہایت گہرے توہمات آنے والی نسلوں میں راسخ کر دیے، جس کو ہر شخص بے شمار بتوں اور دیوتاؤں کی زبردست حکومت اور دنیاوی معاملات پر ان کے اثر کو دیکھکر محسوس کر سکتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جبتک کثرت کا عقیدہ فنا نہ کر دیا جاے انسانی دماغ میں معقول اور قرین عقل خیالات پیدا ہو ہی نہیں سکتے، جب تک انسان کا عقیدہ ہے کہ ہر حیوان و شجر روح کا آماجگاہ ہے، اس وقت تک کسی جسم یا اس کے گرد و پیش کی تبدیلیوں کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے، لہذا اسکندریہ کی تہذیب نے دنیا کی دماغی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا،

نہ صرف یونانی بلکہ تمام قدیم علوم عملی تحقیق و تجربہ سے معرا تھے، ہر جگہ مشاہدہ کے فرق اور اس کی اجتماعی کیفیات اور ان کے نتائج کے حصول کی بڑی ضرورت تھی، اسی لیے قدما اصول قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے معیاری کو موجودات سے نہ کوئی لگاؤ تھا اور نہ مناسبت مادہ پرست کا رجحان پہلی ہی کیفیت پر جو اس کے سامنے آے قانع ہو جاتا رہا، بجاے اس کے کہ وہ مسئلہ کی تہ تک پہنچے اور تحقیقات کرنے کی کوشش کرے؛

ارسطو | اب ہمیں یونان کے سب سے بڑے حکیم ارسطو کا حال اور اس کے تصنیفات پر غور کرنا ہے، اس سلسلہ میں میں یونان کے اس سب سے بڑے عالم اور مقدمین کی عظیم الشان ہستی کے علمی کارناموں کی حقیقت آشکار کرنے کی کوشش کرونگا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ سب غیر منتظم تھے کیونکہ ان کی بنیاد مشاہدہ اور تجربہ پر نہ تھی جس سے یہ بات ظاہر ہو جائیگی، کہ خود یونانی علوم درحقیقت منظم و مرتب نہ تھے،

سب سے اول میں تسلیم کرتا ہوں کہ ارسطو نے ہر مسئلہ پر جو اس زمانہ میں انسانی دماغ کے پیش نظر ہو سکتا تھا اور آئے زنی کی ہے، وہ دنیاے قدیم کا عظیم الشان حکیم تھا اور اس نے علوم کے یکجا کرنے اور ترتیب دینے میں نیز ایک حیرت انگیز طریقۂ استدلال پیش کرنے میں وہ کام کیا ہے جو کسی ایک شخص سے آج تک ممکن نہ ہوا، اس نے سائنس کے ہر شعبہ مثلاً

منطق، ہیئت، حیوانات، معدنیات، طبیعات، سیاسیات، مابعد الطبیعات، جمالیات، اخلاقیات وغیرہ پر لکھا ہے اور ہر شعبہ مین امام کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی ایک ہی تصنیف بقول ڈوران عہد وسطےٰ کا سنگ بنیاد بنگئی، اور فلسفہ قدیم (جو اگرچہ گنجلک اور مبہم اصولون سے بیکار ہوگیا) بنا قرار پائی جس نے یورپ کے ابتدائی عہد مین انسان کو فکر و استدلال کا طریقہ سکھایا اور موجودہ سائنس کے اصطلاحات تیار کرائے تاہم ارسطو کی سائنس غیر منظم تھی کیونکہ وہ مشاہدہ یا تجربہ پر مبنی نہ تھی، ڈوران کا خیال ہے کہ سائنس کی ترکیب اُس وقت تک قرار نہ پائی تھی، ارسطو کی حقیقی عظمت واقعات کے جمع کرنے اور ان کے تجزیہ مین مضمر ہے جو درحقیقت لاثانی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اُس نے کبھی تجربہ کی جانب التفات نہین کیا جس سے اس کے نتائج کی جانچ ہوسکتی، اُس کی حکومت علمی دنیا پر اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ نئے آلات، مجتمع مشاہدات اور مسلسل تجربات نے سائنس کو دوسری زندگی نہ بخشی"

ارسطو کی علمی روح کے فقدان نے اس کے نظریات کو مشاہدات کا بے ترتیب ڈھیر بنا کر چھوڑ دیا ہے، اس کا خیال تھا کہ مرد کے دانت عورت سے زیادہ ہوتے ہین اور دونون طرف آٹھ آٹھ پسلیان ہین، اس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اجسام اپنے وزن کے لحاظ سے زمین پر گرنے مین دیر لگاتے ہین، درحقیقت "یونانی دماغ فلسفیانہ واقع ہوا ہے اور وہ موجودات کی طرف ملتفت نہین ہوتا" یونان کے اس بڑے حکیم کو کبھی یہ بات نہ سوجھی کہ عورت کے دانت شمار کیے جا سکتے ہین یا دو مختلف وزن اور دھاتون کی گیندین کسی بلندی سے زمین پر گرائی جائین تاکہ معلوم ہو کہ وہ ایک ہی وقت مین زمین پر گرتی ہین یا نہین، لوئیس کہتا ہے:-

"ایک بڑے مبصر کا لقب ارسطو کو نہین دیا جا سکتا، صرف یہی نہین بلکہ اس کا شمار علمی اصطلاح کے مطابق ممتاز مبصرون کے فہرست مین بھی نہین ہو سکتا، اس نے صحیح اور وسیع تفصیلات سے سائنس کو محروم ہی نہین رکھا جس سے تحقیق و تدقیق کی ابتدا ہوتی، بلکہ مشاہدہ کے کامیاب اور صحیح نتائج تک اس کی نگاہ پہنچ ہی نہ سکی، اس نے واقعات بہت جمع کیے لیکن کبھی ان کو پرکھنے اور جانچنے کی ہمت نہ کی"

لوئیس اس نتیجہ پر اس لیے پہنچا ہے کہ ارسطو کی نظریات کی ہر کتاب مین ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو کبھی صحیح

قرار نہین دیے جا سکتے۔ مثلاً ارسطو کہتا ہے :-

"اگر کوئی عورت لال بخار مین مبتلا ہو اور آئینہ مین اپنا چہرہ دیکھے تو ایک قسم کی خونی بھاپ آئینہ پر آجائیگی، اور اگر آئینہ نیا ہو تو بڑی دشواری سے صاف ہوسکیگی"

اسی طرح اُس کا خیال ہے کہ دماغ مین خون نہین ہوتا اور وہ کھوپڑی کے پیچھے کے حصہ تک جو خالی ہوتا ہے نہین پہنچتا۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ خلا مین حرکت ناممکن ہے۔ زورک اور ماربرگ یونیورسٹی کا ایک سابق پروفیسر فلسفہ کہتا ہے کہ :-

"یہ خیال نہایت عام ہوگیا ہے کہ ارسطو انسانی جسم کا بڑا ماہر تھا لیکن یہ معلوم کر کے کہ اس سلسلہ مین اس سے پہلے کیا کچھ حاصل ہوچکا تھا اور ارسطو کس طرح دوسرون کے تجربات اور معلومات کو بغیر اپنی راے قائم کئے ہوئے صحیح تسلیم کرلیتا تھا نیز یہ کہ خود اس کے اقوال کہان تک اس کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی تھے، اس خیال پر کافی نکتہ چینی اور اعتراض ہونے شروع ہوگئے ہین اگرچہ ابھی تک پورے طور پر ان اعتراضات کو تسلیم نہین کیا جاتا"

یہی پروفیسر پھر کہتا ہے کہ :-

"ارسطو اپنے مخالفین کو خود پیش کرتا اور اپنی زبان سے ان کے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اگرچہ یہ خیالات صحیح طور پر پیش نہین کئے جاتے، اس کے بعد ان سے رد و قدح کرتا ہے اور اپنے معاملہ کا آپ ہی جج بنکر فیصلہ کردیتا ہے اس طرح مباحثہ کی کامیابی نتیجہ کی جگہ حاصل کرلیتی ہے، اختلافِ آرا، تجزیہ کا کام دیتا ہے، اور یہ سب ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے ہوتا ہے جس سے کوئی صحیح علم مرتب نہین ہوسکتا"

آرنلڈ ریانڈ کو بھی ارسطو کے یہان تجربہ کی کمی نظر آتی ہے، چنانچہ کہتا ہے :-

"ارسطو طبیعات کو بحیثیت نظری اور ماورالطبیعاتی دیکھتا ہے، وہ مقام و حرکت وغیرہ کے خیال پر نہایت حزم و احتیاط سے بحث کرتا ہے، لیکن بیشتر مظاہرِ عالم کے مفہوم کو غلط سمجھتا ہے، اس نے ایک حد تک اپنے اختلافات سے علم طبیعات کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے"

علم طبیعات میں ارسطو کی غلطیاں اپنی اہمیت او اثر کی وجہ سے نہایت اہم ہیں، نباتات میں جنس کے وجود سے انکار کر دینے کی وجہ سے ارسطو نے ایک بڑی مدت تک جنس کا وجود ظاہر نہ ہونے دیا، اس نے دل کو ذہن کا مسکن قرار دیا، اس طرح دماغ کا کام صرف یہ رہ گیا کہ وہ دل کو خون کی روانی سے ٹھنڈا رکھے اور زیادہ گرم نہ ہونے دے، وہ شریان اور رگ کے صحیح فرق کو نہ سمجھ سکا، یہاں پھر ارسطو کے خیالات نے خون کی گردش کے مسئلہ کو ایک مدت تک نہ ثابت ہونے دیا،

یہاں فرنسس بیکن کی راے ارسطو کے متعلق معلوم کرنی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی، وہ کہتا ہے:-

"کسی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ارسطو کی حیوانات پر جو کتابیں ہیں یا اس کے مسائل اور رسائل ہیں، ان میں سے کسی میں بھی تجربات بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ وہ راے پہلے ہی قائم کر لیتا تھا اور پچھلے تجربوں کا اصول و قوانین مرتب کرتے وقت خیال نہ کرتا تھا بلکہ جب وہ کوئی اصول یا طریق اپنے حسب منشا قائم کر لیتا تھا، اس وقت تجربات کو بھی توڑ موڑ کر اپنے اصول کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا تھا، اس طرح وہ اپنے طریقۂ استدلال و تحقیق میں اپنے موجودہ مقلدین سے بھی جنھوں نے تجربات سے بالکل بے تعلقی پیدا کر لی ہے، زیادہ گمراہ تھا"

جو الفاظ راجر بیکن نے اس قدیم حکیم کے متعلق لکھے ہیں ان سے ارسطو کے عالم ہونے کا مسئلہ بالکل طے ہو جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر اُسے مقدور ہو تو اس اسٹیجر یہ کے باشندہ (ارسطو) کی تمام تصانیف کو جلا ڈالے کیونکہ ان کا مطالعہ صرف تضییع اوقات ہی نہیں ہے بلکہ جہل کو بہت زیادہ ترقی دیتا ہے،

متذکرۂ بالا عبارت سے یہ امر کافی طور پر واضح ہو گیا کہ زمانہ قدیم کا سب سے بڑا حکیم درحقیقت کوئی سائنس داں ہی نہ تھا، سب سے پہلے ارسطو کی استادی کو ختم کر دینا چاہیے تب کہیں انسان اشیاء کا مشاہدہ اور ان سے براہ راست تعلق پیدا کر سکتا ہے،

عہد وسطیٰ کے علوم یونان کے بعد تقریبًا ایک صدی کے لیے اسکندریہ میں علوم و فنون کا بڑا چرچا رہا، لیکن اسکندریہ کے علمی اور دماغی زوال کے بعد علوم و فنون گمنامی و کس مپرسی میں مبتلا ہو گئے، عام طور پر ان کا وجود ہی ناقابل برداشت تھا

صدیوں تک علوم تقریباً ناپید رہے اور ایک نے بتی جمود تمام دنیا پر طاری رہا، انسان کو غور و فکر کی ممانعت رہی اور روایات اس کے دماغ پر مسلط کی گئیں، قدرت کا ہر کرشمہ کسی نہ کسی روح سے متعلق کر دیا گیا، اشیاء کی ہر قسم ایک دیوتا کے قبضہ و اختیار میں دیدی گئی تھی، اگرچہ عیسائیت نے کثرت کے خیال کی تردید کی لیکن حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے غیر علمی عقائد کی اشاعت کر کے آزادیٔ خیال و تدبر و فکر کو قطعاً برباد کر دیا، ہر جگہ استدلال کی کمی، فکر و تدبر کا فقدان اور مشاہدہ سے گریز پایا جاتا تھا، باوجود اس کے کہ عہد وسطیٰ کی زندگی کے متعلق ڈاکٹر ہرشلے کا نہایت اچھا خیال ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"پانچویں صدی سے لیکر پندرہویں صدی عیسوی تک نہایت سختی کا زمانہ تھا، جسمیں مسلسل خون ریزی، تباہ کن مصائب، متواتر قحط، عام جہالت، نہایت رکیک و ادنیٰ توہمات، برباد کن خوف و ہراس اور نہایت سخت حیوانی خواہشات کا دور دورہ تھا" اس مصنف کے بیان کے مطابق "اس ہزار برس کے اندر نہ تو قانونِ قدرت کی ترتیب کا کوئی گمان تھا اور نہ علت و معلول کا کوئی علم، ہر قسم کی حرکت کی رفتار نہایت سست تھی، جمود بہت زیادہ تھا، تکلیف، مصیبت اور موت ہر وقت کی ساتھی تھیں اور زندگی نہایت مختصر اور سخت تھی۔"

اس عہدِ ضلالت و جہل کی ابتدائی حصہ میں اسلام کی مقدس کتاب نے دنیا کے اندر قدرت کے قانون اور ضابطہ کا خیال سب سے پہلے رائج کیا، متعدد دیوتاؤں کے عقیدہ کو پارہ پارہ کر دیا، قدرتی مناظر کے مادی وجود بتائے، فکر و تدبر میں عقل کو رہنما بنایا، مشاہدہ و تجربہ کی بنا پر قدرت کے مطالعہ کی ترغیب دلائی اور اس طرح قدرت اور مظاہرِ قدرت کو سمجھنے اور فکر کرنے کے لیے راستہ صاف کر دیا، اب ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا۔

قانون و نظامِ قدرت | اس امر کا کہ ہر جگہ اور ہر چیز میں قدرت کا ایک قانون اور نظام ہے، اور کہیں بدنظمی اور ابتری نہیں اور اس عالم میں بتدریج ایک مقصد کے حصول کے لیے ترقی ہو رہی ہے، ذیل کی آیات سے اعلان کیا گیا ہے:

"اور آفتاب (یہ کہ) اپنے ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے، یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے اور چاند (یہ کہ) اس کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں

گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہ جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی، نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور (کیا چاند اور کیا سورج) سب اپنے اپنے) مدار (یعنی گھیرے) میں (پڑے) تیر رہے ہیں" (سورہ ۳۶: ۳۸-۴۰)

متذکرہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نظامِ قدرت مقررہ قوانین کے ماتحت ہے، میں اس سلسلہ میں قرآن پاک کی پہلی آیت "الحمد للہ رب العالمین (سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے جو جہانوں کا مالک ہے) کا حوالہ دونگا، لفظ "رب" کے لغوی معنی (جس کا عام طور پر ترجمہ مالک کیا جاتا ہے) سے وہ شخص مراد ہے جو ہر چیز کو رفتہ رفتہ ترقی دے کر معراجِ کمال تک پہنچاتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفرینشِ کائنات کو ایک مقرر کردہ لائحۂ عمل کے مطابق اور ایک مقررہ نظام کے ماتحت ایک خاص مطمحِ نظر تک پہنچاتا ہے،

ناقابلِ تغییر قوانینِ قدرت | پہلی آیت میں جسکا حوالہ دیا گیا ہے، حسب ذیل الفاظ ہیں، "نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوانینِ قدرت بدلنے والے نہیں ہیں، اس مسئلہ کے متعلق قرآن میں نہایت صاف اعلانات موجود ہیں،

"کیونکہ تم خدا کے قانون میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم خدا کے طریقہ میں کوئی رد و بدل نہ دیکھو گے"

"کوئی نہیں ہے جو خدا کے الفاظ کو بدل سکے"

اس طرح قرآن نے یورپ کے ابتدائی زمانۂ جاہلیت میں اعلان کر دیا تھا، کہ (۱) دنیا ایک مقررہ قانون کے ماتحت چل رہی ہے، (۲) وہ قوانین ناقابلِ تغیر ہیں، اس طرح اس نے علمی تحقیق کی بنا ڈال دی، اس راہ میں دوسرا قدم مشاہدۂ اشیاء اور فکر و تدبر تھا جس کے بغیر قوانینِ قدرت متعین نہیں ہو سکتے،

حواس و قوت ادراک کا استعمال | قرآن نے حواس کے استعمال کی تاکید نہایت زوردار اور خوبصورت الفاظ میں کی ہے، مسلمانوں کو تاکید ہے کہ وہ تمام اشیاء کو خود دیکھیں، دنیا میں چاروں طرف پھریں اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مشاہدہ کریں، جو لوگ کہ ان ہدایات پر عامل ہوں ان کے لیے بڑے اور مستقل فوائد کا وعدہ کیا گیا ہے؛

ان پر عمل نہ کریں ان کو نہایت سختی سے مطعون کیا گیا ہے، سورۂ فرقان میں حسب ذیل آیت ہے:-

"(اور نیز) وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت کیجاے تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں (بلکہ اور دانشمندانہ) سنیں اور نصیحت پکڑیں" (سورہ ۲۵: ۷۳)

ان الفاظ سے ہر شخص کو ہدایت ہے کہ وہ خود فکر و تدبر کرے اور خواہ مخواہ کوئی بات تسلیم نہ کرے، ذیل کے الفاظ کے مثل قرآن میں اکثر آیا ہے:-

"تو کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور نہیں کرتے" (سورہ ۴: ۸۲)

سورۂ اعراف میں حسب ذیل الفاظ ہیں:-

"ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے (غرض) یہ لوگ چارپایوں کی طرح کے ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے، یہی وہ (لوگ) ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں" (سورہ ۷: ۱۷۹)

یہ الفاظ کہ "وہ بے خبر ہیں" اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے حواس کو کام میں نہیں لاتے وہ ایک نہایت اہم فرض سے غفلت برتتے ہیں، لیکن قرآن پاک میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ موجود ہیں:

"اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات (یہ کافر ہیں) بہرے گونگے جو (کچھ) نہیں سمجھتے" (سورہ ۸: ۲۲)

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے بہتر الفاظ حواس و ادراک کے استعمال کی ترغیب میں کیا ہو سکتے ہیں۔

مشاہدہ حسب ذیل الفاظ میں گرد و پیش کے احوال و مناظر قدرت کے مشاہدہ پر زور دیا گیا ہے:-

"تو کیا لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں، اور آسمان کی طرف کہ کیسا اونچا بنایا گیا ہے، اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں، اور زمین کی طرف کہ کیسی بچھائی گئی ہے" (سورہ ۸۸: ۲۰)

"جو لوگ (خدا کا) ڈر مانتے ہیں اُن کے لیے رات اور دن کے رد و بدل میں اور جو کچھ خدا نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اُس میں (خدا کی قدرت کے بہتیری ہی) نشانیاں (موجود ہیں)" (سورۃ ۱۰: ۶)

ان الفاظ سے مناظر قدرت کے مشاہدہ کی تاکید کیجاتی ہے ہر قسم کے مناظر کے مطالعہ و مشاہدہ کی ضرورت بتائی جاتی ہے جیسا کہ ذیل کی آیات سے واضح ہوتا ہے:۔

" بیشک آسمانوں (کے) اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (یعنی مال تجارت) سمندر میں لیکر چلتے ہیں، اور مینہ میں جسکو اللہ آسمان سے برساتا پھر اُس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرے (یعنی افتادہ ہوئے) پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے (اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر) پھیرنے میں اور بادلوں میں جو (خدا کے حکم سے) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں (موجود) ہیں" (سورہ ۲: ۱۵۹)

"کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں (چلتے پھرتے) تو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان کا کیا انجام ہوا" (سورہ ۳۰: ۹)

سولھویں سورہ میں ہمیں تاکید ہے کہ ہم حیوانات کو غور سے دیکھیں جس سے ان کے مختلف کام اور فوائد معلوم ہوں:۔

" (اور (لوگو) تمھارے لیے چارپایوں میں بھی سوچنے کی جگہ ہے کہ اُن کے پیٹ میں (الابلا بھری) ہے اس سے (یعنی) گوبر اور خون میں سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جس کو پینے والے آسانی سے (غٹ غٹ) پی جاتے ہیں۔" (سورہ ۱۶: ۶۶)

"اور اللہ ہی نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو ٹھکانا بنایا اور چارپایوں کی کھالوں سے تمھارے

لیے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمے وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے کے وقت ان کو ہلکا (پھلکا) پاتے ہو، اور چار پایون کی اون اور ان کے رودن اور ان کے بالون سے (تمھارے) بہت سے سامان اور بکارآمد چیزین بنائین (کہ تم) ایک وقت خاص تک (ان سے فائدہ اٹھاؤ) (سورہ ۱۶: ۸۰)

زبانون اور قومون کی کثرت و اختلاف پر حسب ذیل الفاظ مین توجہ دلائی گئی ہے:-

"اور آسمانون اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری بولیون اور تمھاری رنگتون کا مختلف ہونا (یہ بھی) اُس کی (قدرت کی) نشانیون مین سے ہے، کچھ شک نہین کہ سمجھنے والون کے لیے (ان باتون مین خدا کی قدرت کی بہتیری ہی) نشانیان ہین" (سورہ ۳۰: ۲۲)

بادلون کے متعلق غور و فکر کرنے کی یون ہدایت ہوتی ہے،

"(اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہین کی کہ اللہ (ہی) بادل کو ہانکتا ہے، پھر بادل (کے ٹکڑون) کو آپس مین جوڑتا ہے، پھر ان کو تہ بہ تہ رکھتا ہے، پھر (اے مخاطب) تو بادل کے بیچ مین سے مینھ کو نکلتے ہوئے دیکھتا ہے" (سورہ ۲۴: ۴۳)

متذکرہ بالا آیت مین مطالعہ قدرت کا صاف حکم ہوتا ہے، قرآن مین بہت کافی آیات اسی موضوع پر مل سکتی ہین، مثلاً

"اور (اسی طرح) پہاڑون مین مختلف رنگتون کے کچھ طبقے ہین (بعض) سفید اور (بعض) لال اور (بعض) کالے سیاہ" (سورہ ۳۵: ۲۷)

"(اس کے علاوہ) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اُس کی منزلین ٹھہرائین تاکہ تم لوگ برسون کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو" (سورہ ۱۰: ۵)

"وہی تم کو تمھاری ماؤن کے پیٹ مین (بتدریج) ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیرون

مین بناتا ہے" (سورہ ۳۹ : ۶)

تیسری سورہ کی چند آیتون کو یہان نقل کرنا چاہتا ہون جبین اُن لوگون کو عقلمند بتایا گیا ہے جو مناظرِ قدرت کا بغور مطالعہ اور دنیا کی آفرینش اور تدریجی ترقی پر فکر و تدبر کرتے ہین،

"کچھ شک نہین کہ آسمان اور زمین کی بناوٹ اور رات دن کے ردوبدل مین عقلمندون (کے سمجھنے) کے لیے (قدرتِ خدا کی بہتیری) نشانیان (موجود) ہین جو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے خدا کو یاد کرتے ہین اور آسمانون اور زمین کی ساخت مین غور کرتے ہین" (سورہ ۳ : ۱۹)

اس آیت مین "عاقل" اس شخص کی صفت بتائی گئی ہے جو زمین و آسمان کی آفرینش پر غور کرے مین حیران ہون کہ اس سے بہتر قدرت، اور مناظرِ قدرت کے مطالعہ کی ترغیب کے لیے کیا الفاظ استعمال ہوسکتے

تجربہ | دوسری سورہ مین آٹھ لفظون کی ایک آیت ہے جو تمام "علمی تحقیقات کی کنجی" کہی جاسکتی ہے،

"وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی کل کائنات پیدا کی" (سورہ ۲ : ۲۸)

اس ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) دنیا کی ہر شے انسان کے استعمال کے لیے ہے،

(۲) وہ جس چیز کو چاہے استعمال کرسکتا ہے،

(۳) اور یہ اس وقت تک ممکن نہین جب تک کہ ہر چیز کے استعمال کا علم نہ ہو،

ایک دوسری آیت تیسوین سورہ مین ہے،

"اور تم سے انعامات کے متعلق اُس روز سوال کیا جاے گا"

یعنی یہ دیکھا جائیگا کہ آیا ہر چیز جو انسان کے قبضہ مین تھی اُس کا صحیح استعمال ہوا یا نہین، ان دونون آیات کو ملا کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ہم کو معدنیات، حیوانات اور نباتات کا استعمال، مقصدِ آفرینش کا لحاظ کرتے ہوے، متعین کرنا چاہیے، یہ ظاہر ہے کہ استعمال متعین کرنے سے ہم قدرت اور ماہیتِ اشیاء

اور ان کی خصوصیات کے علم کی مختلف شاخون کو مرتب کرلین گے، ہمین بتایا گیا ہے کہ

"اور لوہا پیدا کیا کہ (ہتھیارون کے کام مین لایا جائے تو) اس مین بڑا خطرہ ہے اور (اس مین) لوگون کے (بہتیرے) فائدے (بھی) ہین" (سورہ ۵۷: ۲۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوہا سے کام لیا جا سکتا ہے اور لینا چاہئے جس کے لیے معدنیات کے علم کو ترقی دینے کی ضرورت ہے،

ایک دوسری آیت مین شہد کے طبی خواص کی جانب اشارہ ہے،

"(اور) اس مین لوگون (کی بہت سی بیماریون) کی شفا ہے" (سورہ ۱۶: ۶۹)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو مختلف اشیاء کی ماہیت اور طبی خواص معلوم کرنے چاہئین، اس سے فن طب حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو طبیعیات، کیمیا، بیالوجی علم اجسام اور علم تشریح مین مہارت پیدا کئے بغیر حاصل نہین ہو سکتا، دوسری آیت مین ہے:-

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ (یعنی عورت کے رحم مین) نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی پھر ہم ہی نے بندھی بوٹی کی ہڈیان بنائین پھر ہم ہی نے ہڈیون پر گوشت مڑھا پھر (آخرکار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت مین) بنا کر کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والون مین بہتر (بنانے والا) ہے" (سورہ ۲۳: ۱۱-۱۴)

جنین کے اندرون رحم تغیرات کے مطالعہ کی تحریص کا کیسا دلکش پیرایہ ہے، جو SCIE-NCE OF EMBROYOLOGY علم جنینیات کا خاص موضوع بحث ہے،

دوسری سورہ کے چوتھے رکوع مین انسان کی آفرینش کا حال درج ہے جس سے ہمارے

موضوع پر کافی روشنی پڑتی ہے، درحقیقت اگر اس کے اصلی مفہوم کو خوب سمجھ لیا جائے تو پھر انسان کو مشاہدہ اور تجربہ کی حقیقی اہمیت جو علمی تحقیقات مین انہین حاصل ہے، پورے طور پر واضح ہو جائے گی، اس رکوع کا ایک حصہ پیش کئے بغیر مین نہین رہ سکتا۔

"اور (اے پیغمبر لوگون سے اس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمھارے پروردگار نے فرشتون سے کہا کہ مین زمین مین (اپنا ایک نائب) بنانے والا ہون (تو فرشتے) بولے کیا تو زمین مین ایسے شخص (کو نائب) بناتا ہے جو اس مین فساد پھیلائے اور خونریزیان کرے اور (بنانا ہی تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (وثنا) کے ساتھ تیری تسبیح (وتقدیس) کرتے رہتے مین، اور آدم کو سب (چیزون کے) نام بتا دیئے پھر اُن چیزون کو فرشتون کے روبرو پیش کرکے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے مین) سچے ہو تو ہم کو (ان چیزون) کے نام بتاؤ،

بولے تو پاک (ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہین بیشک تو ہی جاننے والا (مصلحت کا پہچاننے والا) ہے،

تب (خدا نے آدم کو) حکم دیا کہ اے آدم تم فرشتون کو (ان چیزون) کے نام بتا دو، پھر جب آدم نے فرشتون کو ان (چیزون) کے نام بتا دیئے تو (خدا نے فرشتون کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا کیون ہم نے تم سے نہین کہا تھا کہ آسمانون کی اور زمین کی سب مخفی چیزین ہمکو معلوم ہین اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے ہو (وہ) اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو (سب) معلوم ہے" (سورہ بقر رکوع ۴)

آیات بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) انسان دنیا مین اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے،

(۲) اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اُس کو علم اشیا ہے،

(۳) اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے انسان کو علم اشیاء حاصل کرنا ضروری ہے،

(۴) انسان کے لیے مختلف علوم کو ترقی دینا لازمی ہے، اور قدرت وماہیت اشیاء کا علم ضروری ہے

لہذا میرے نزدیک انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والی شے منظم ومرتب علم ہی ہے اور یقیناً تاریخ نے اس کو ثابت بھی کر دیا ہے، صرف وہی قومیں زندہ رہ سکتی ہیں جو قدرت کی قوتوں کو بہتر طریقہ سے کام میں لاسکیں یعنی یہ کہ وہ اپنے علم سے عملی فوائد حاصل کرنے کے قابل ہوں،

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسئلہ ارتقا پر قرآن میں نہایت صاف وصریح حوالے موجود ہیں یہ مسئلہ علماء کے ہزاروں برس کی مسلسل جدوجہد کا انتہائی کمال سمجھا جاتا ہے، دو ہزار برس کے متواتر فکر کے بعد علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ زندگی ایک معرکہ ہے جس میں صرف وہی زندہ بچتے ہیں جو سب سے زیادہ اہل ہیں اور نااہل فنا ہو جاتے ہیں، حسب ذیل آیت میں:

"اور ہم زبور میں (پند و) نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے اہل بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہونگے" (سورہ ۲۱: ۱۰۵)

صلاحیت کیا ہے اور "صالح" کون ہے؟ صالح کا ترجمہ روڈ ول نے "نیک" کیا ہے، حالانکہ درحقیقت اس کے لغوی معنی "اہل" کے ہیں، لہذا متذکرۂ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے وارث اہل ہی ہونگے، یہ قانونِ الٰہی ہے اور قانونِ الٰہی میں ردوبدل نہیں ہوتا، یہ امر کہ صرف وہی لوگ باقی رہیں گے جو کشمکشِ حیات میں کامیاب ہوں، ذیل کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے:

"اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اُس نے کوشش کی" (سورہ ۵۳: ۳۹)

اس امر کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ قدرت ان لوگوں کی مدد نہیں کرتی جو خود جدوجہد کرنے کے قابل نہیں ہیں:-

"یقیناً خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کریں"

اس امر کے متعلق کہ نا اہل فنا ہو جاتے ہین اور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جاتے ہین سورۂ ۶ مین بیان کر دیا گیا ہے،

"کیا ان لوگون نے (اس بات پر) نظر نہین کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتون کو ہلاک کر مارا جن کی ہم نے ملک مین ایسی (مضبوط) جڑ باندھ دی تھی کہ (اے منکرو ابھی تک بھی) تمہاری ایسی جڑ نہین باندھی اور ہم نے (بارانی کی اس قدر افراط کی کہ اوپر سے تو) ان پر موسلا دھار مینھ برسایا اور ان کے نیچے سے نہرین روان کر دین پھر ہم نے ان کے گناہون کی سزا مین ان کو ہلاک کر مارا اور ان کو (ہلاک ہوئے) پیچھے اور امتین نکال کھڑی کین" (سورہ ۶: ۶)

اس آیت کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نا اہل کو اس لیے فنا کیا جاتا ہے کہ اہل اس کی جگہ حاصل کرین، وہ نسلین جو اس طرح اپنی کمزوریون کے باعث ایک مرتبہ ہٹا دیجائین پھر دوبارہ میدان مین نہین آسکتین،

"اور جس بستی کو ہم نے (لوگون کی نافرمانی کی وجہ سے) ہلاک کر دیا ہو، ممکن نہین کہ وہ لوگ (قیامت کو ہمارے حضور مین) لوٹ کر نہ آئین"!

انسان کی تاریخ بتاتی ہے کہ بیسیون قومین، جو زوال پذیر ہو گئین، پھر کبھی دنیا مین ابھر نہ سکین، مصر، اسیریہ، ایران، یونان اور روم کی بڑی قومون کا حال ہر تاریخ دان کو معلوم ہے، روم کی شان وشوکت، یونان کا علم وفضل اب ہمیشہ کے لیے دوسرون کو منتقل ہو گیا ہے،

اب تک صرف اصول کا سوال تھا لیکن حسب ذیل الفاظ مین انھین خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی ہدایت ہوتی ہے:-

"اور (مسلمانو اسپاہیانہ) قوت سے اور گھوڑون کو باندھے رکھنے سے جہان تک تم سے ہو سکے کافرون کے (مقابلہ کے) لیے ساز و سامان مہیا کئے رہو" (سورہ ۸: ۶)

قرآن کی یہی ایک آیت علمی تحقیق کی تحریص دلانے کے لیے کافی ہے، زندہ رہنے کے لیے ہر شخص کو جد وجہد لازمی ہے، جد وجہد کے لیے قوت درکار ہے اور قوت حاصل کرنے کے لیے قدرت کے خزانون پر قبضہ حاصل کرنا ہے جو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ مختلف علوم کافی ترقی پا جائین ہر سبب کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، اس لیے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان ہدایات کے (جو ہمارے دعوے کے مطابق قرآن نے پیش کی ہین) عملی نتائج و اثرات کیا ہوے؟

(معارف :۔ اس سوال کا جواب آیندہ نمبر مین آئیگا)

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلیؒ کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیاے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے،

قیمت :۔ للعہ

"منیجر"

حکیم اسپنوزا

از

پروفیسر محمد یوسف خان صاحب سلیم

خاندان اور ابتدائی حالات اسپنوزا جس کا اصلی نام باروچ تھا، ۱۶۳۲ء میں بمقام ایمسٹرڈم واقع ملک ہالینڈ پیدا ہوا، اس کے والدین کا مفصل حال کسی تذکرہ میں مرقوم نہیں ہاں اس قدر یقینی ہے کہ وہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا باپ ایمسٹرڈم میں تجارت کرتا تھا، اسپنوزا کے آباؤ اجداد یہودی تھے اور ان کا وطن اسپین تھا لیکن فرڈیننڈ شاہ اسپین کی سخت گیری سے تنگ آکر ملک ہالینڈ میں آباد ہو گئے تھے، اسپنوزا کا باپ مرفہ الحال تھا، اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو تحصیل علوم دینی کے لیے وقف کر دیا، اور جید علمائے یہود کو اس کی تعلیم پر معین کیا، بعضون کا خیال ہے کہ اولاً اس کے باپ نے اُسے تجارت کے کام میں لگایا لیکن اپنے بیٹے کی طلب علم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا، بہرحال بچپن ہی سے باروچ کی مذہبی تعلیم شروع ہو گئی، اس زمانہ میں یہودیون کا دستور تھا کہ سوا ے دینی علوم کے اور کسی دنیاوی علم کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، توریت اور طالمود یہ دو کتابین ان کی تعلیم مذہبی کا جزو اعظم تھین، میری را ے مین ایسا ہونا عین قرین عقل ہے، نہ یہ کہ جیسا ہمارے دینی مدارس کا حال ہے کہ ساری عمر مختلف علوم و فنون کی تحصیل مین گزر جاتی ہے لیکن قرآن شریف کے صرف ڈھائی پارے تبرکاً پڑھا دیئے جاتے ہین،

اسپنوزا کا حافظہ اور دماغ اس قدر اعلیٰ تھا کہ تھوڑے ہی دنون مین تمام اساتذہ کا محبوب بنگیا اور یہود کے مذہبی امام، سال لیوی مارٹائیرا نے اُسے نہایت محبت کے ساتھ پڑھانا شروع کیا، چودہ سال کی عمر مین باروچ نے اس قدر علم حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے علماے یہود اس سے دینی گفتگو کرتے ہوے شرماتے

تھے۔ تمام قوم اس سبزۂ آغاز نوجوان کو عزت کی نگاہون سے دیکھنے لگی، اور ہر شخص یہ کہتا تھا کہ آگے چل کر یہ نوجوان یہودی قوم کے لیے باعثِ افتخار ہوگا، لیکن افسوس کہ بہت جلد اُن کی امیدون پر پانی پھر گیا، کیونکہ باروچ محض عالم اور فاضل بنجانے کا خواہشمند نہ تھا بلکہ وہ محقق بننا چاہتا تھا، اور کچھ دنون کے بعد اس نے اپنے اساتذہ سے ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کر دیے جن کے جوابات اُن کے پاس نہ تھے،

پہلی الجھن یہ تھی کہ توریت مین مسئلۂ بقائے روح مذکور نہین ہوا، باروچ نے اس بات کا تذکرہ اپنے ہم سبق دوستون سے کیا، انھون نے ازراہِ عناد اس کے شکوک کو خوب نمک مرچ لگا کر اساتذہ سے بیان کر دیا، انھون نے فوراً باروچ کو اپنے سامنے طلب کیا اور سخت لہجہ مین پوچھا، کیا تم نے توریت اور طالمود پر نکتہ چینی کی ہے؟ نوجوان نے سچائی کے ساتھ کہا "بیشک! مجھے توریت پر نہ صرف یہ اعتراض ہے کہ اس مین بقاء و ابدیت روح کا مذکور نہین بلکہ اور بھی کئی اعتراضات ہین، مثلاً موجودہ توریت کی صحت کا کیا ثبوت ہے؟ خدا کی ہستی پر کون کون سے دلائل دیئے گئے ہین؟ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے کیا ذرائع بتائے گئے ہین؟ وغیرہ وغیرہ" ان باتون کو سنکر بیچارے علماء کے ہوش اُڑ گئے اور انھون نے ان سوالات کے جواب مین بس اتنا ہی کہا "نادان لڑکے! تجھے یہ جرأت کیونکر ہوئی، کہ توریت مقدس پر اعتراض کرے؟" لڑکے نے کہا "جناب جو بات مدارِ یقین نہین ہوسکتی وہ مدارِ ایمان کب ہوسکتی ہے؟" اس پر انھون نے لال پیلی آنکھین نکال کر کہا "اگر تم نے ان عقاید کفریہ سے فوراً توبہ نہ کی تو تمھین جماعت سے خارج کر دیا جائے گا اور بھری مجلس مین کفر کا فتویٰ لگ جائیگا" باروچ نے مسکرا کر کہا "اگر میرے اعتراضات کا یہی جواب ہے تو جس قدر جلد عنایت ہوگا مہربانی ہوگی"

غرضکہ یہودی علماء نے اپنے امام ربی مارٹائیرا کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور اس خودسر نوجوان کو راہ راست پر لانے کی استدعا کی۔ امام مذکور نے باروچ کو اپنے سامنے بلایا، لیکن وہ اس کی چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے اتنا ہی متاثر ہوا جتنا کہ دوسرے علما کی کوشش اور دلائل سے۔ مارٹائیرا نے بھری مجلس مین گرج کر کہا "تیرے سامنے صرف دو راہین کھلی ہین یا تو ان کلمات کفریہ سے توبہ کر یا جماعت سے خارج ہونے کی

تیاری ہے" بارو چ نے کہا "مین اپنے ضمیر کی آزادی کو کسی قیمت پر فروخت نہین کر سکتا۔ یہ تو جماعت یہود ہی ہے اگر آپ کل دنیا کی جماعتون سے خارج کر دین تو بھی مین اپنے خیالات مین تبدیلی نہین کرونگا" یہ جواب سنکر مارٹا نیرا نے مجلس کو برخاست ہونے کا حکم دیا، بارو چ بھی خاموش وہان سے اٹھکر اپنے گھر چلا آیا، اُس دن سے اس نے معبد یہود مین جانا بالکل ترک کر دیا، مدرسہ اور دینی تدریس کا خیال دل سے نکالدیا، اگر راستہ مین کوئی یہودی ملجاتا تو وہ خود ہی اس سے گریز کرتا۔ یہ حالت دیکھکر علما، دل ہی دل مین انگارون پر لوٹنے لگے، کیونکہ وہ تو یہ سمجھے ہوے تھے کہ جب ہم اُسے خارج از جماعت کرنے کی دھمکی دینگے تو وہ فوراً راہ راست پر آجائیگا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی قابلیت سے مرعوب ہوکر اور یہ سمجھکر مبادا دوسرے نوجوان اس کی تقلید کرنے لگین، علماے یہود نے کہلا بھیجا کہ اگر تم خاموش ہو اور وقتاً فوقتاً ہیکل کی رسوم مین شریک ہوجایا کرو تو ہم تمھین ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ بطور وظیفہ دیا کرینگے، لیکن نیکدل نوجوان نے اس تجویز کو بنظر حقارت دیکھا، اور صاف انکار کر دیا، اس انکار سے علمار کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور انھون نے بارو چ کی جان لینے کا فیصلہ صادر کیا، چنانچہ ایک شام کو بارو چ، بغرض تفریح تھیٹر مین گیا، جب واپس ہوا تو ایک گلی مین، اچانک کسی بدمعاش نے چھری نکال کر وار کیا، لیکن قاتل کا وار اوچھا پڑا اور بارو چ کے لبادہ اور کوٹ کا کونہ ہی کٹا، بزدل قاتل فوراً بھاگ گیا، اور بارو چ نہایت اطمینان کے ساتھ گھر واپس آیا، گھر آکر واقعہ کے مالہ وماعلیہ پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ خلوت نشینی بہتر ہے تھوڑے دنون کے بعد پھر اُدھر سے سلسلہ جنبانی ہوئی کہ اب بھی مان جاؤ اور گھر بیٹھے چین کرو، لیکن بارو چ نے "ایں است جو اینش کر جوانش ندہی" پر عمل کیا۔ الغرض قطعاً نا امید ہوکر، علما نے اُسے باضابطہ خارج از جماعت کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس رسم کا بیان بارو چ کے فلسفہ پر کوئی روشنی نہین ڈالتا، لیکن اجمالاً اس لیے سپرد قلم کرتا ہون کہ ناظرین اس عجیب رسم سے واقف ہوجائین۔ تاریخ مقررہ پر ہزارہا یہودی ہیکل مین جمع ہوے تاکہ بارو چ پر تبرا کر کے داخل حسنات ہوسکین، جب تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو کارروائی شروع ہوئی، سیاہ موم بتیان روشن کی گئین، اور موسیٰ کی پانچون کتابین کھول کر بڑی میز پر رکھی گئین مارٹا نیرا، سیاہ لباس مین جلوہ گر ہوکر جماعت کے سامنے

دونوں ہاتھوں کو بلند کیے ہوئے کھڑا ہوا اور اس کی ایک جماعت اس کی اقتدا میں کھڑی ہوئی، اس نے مقررہ الفاظ میں فتویٰ کفر ادا کیا اور پہلو سے نفیری بجنے لگی، جماعت نے آمین پکارنا اور عورتوں نے چیخیں مارنا شروع کیا، اسکے بعد سب لوگ خاموش ہوئے تو ہائیرا نے لعنت و دشنام سب و شتم کی شہنائی بجانی شروع کی، تمام شمعیں اوندھی کر دیگئیں، ان کا موم پگھل پگھل کر ان لگنوں میں گرنے لگا جن میں تازہ تازہ خون پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا، ہر فقرہ پر حاضرین بصمیم قلب آمین پکارتے جاتے تھے، جب ابدی لعنت و عذاب الٰہی کا فقرہ ادا کیا گیا تو تمام شمعیں ان لگنوں میں گرا دی گئیں اور ساری مجلس گھپ اندھیرے میں آمین پکارتی رہ گئی،

اس خوفناک شرعی رسم نے باروچ کی زندگی میں بار اول انقلاب عظیم پیدا کر دیا، یہ واقعہ ۲۷ جولائی ۱۶۵۶ء کو ظہور میں آیا، اس تاریخ سے باروچ اتنی بڑی دنیا میں تن تنہا رہ گیا کیونکہ کوئی یہودی نہ اس سے بات کر سکتا تھا نہ اس کے پاس بیٹھ سکتا تھا، چند روز کے بعد اسے دو چار شریف آدمی ایسے مل گئے جو مثل اسی کے از زمانہ اور ابنائے وطن و برادران ملت کے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے۔ کند ہمجنس باہمجنس پرواز۔ انہوں نے باروچ کی حتی الوسع خاطر تواضع اور دلداری کی، لیکن باروچ کو اپنی بہنوں سے بڑی محبت تھی، اور وہ نہ اس سے مل سکتی تھیں نہ بات کر سکتی تھیں، بہرحال "قہر درویش بجان درویش" وہ بھی رفتہ رفتہ اسی زندگی کا خوگر ہو گیا، یہودی نام بدل کر "بینی ڈکٹ" رکھا، اس لفظ کے معنی وہی ہیں جو باروچ کے ہیں،

اب "بینی ڈکٹس" یا "بینی ڈکٹ اسپنوزا" کو یہ خواہش دامنگیر ہوئی کہ غیر یہودی علما، اور فلاسفہ نے ان سوالات کے کیا کیا جوابات دیے ہیں جن کی بدولت وہ جماعت سے خارج کیا گیا، اس نے اب تک عبرانی اور سریانی جرمن، ڈچ اور ہسپانی اور پرتگالی زبانیں حاصل کی تھیں، مگر فلسفہ اور حکمت کی کتابیں تمامتر لاطینی زبان میں تھیں، لہذا اسپنوزا نے لاطینی سیکھنے کی فکر کی جوینده یابنده، اتفاقاً اس کی دوستی امسٹرڈیم کے ایک مشہور طبیب وان ڈن انیڈی سے ہو گئی، یہ شخص ایک تو اپنے پیشہ طبابت کی وجہ سے شہر میں مشہور تھا، دوسرے ماہر لسانیات ہونے کی وجہ سے ایک مدرسہ شبینہ جاری کر رکھا تھا، اور اس کی کامیابی کا یہ عالم تھا کہ شہر کے سارے دولتمند لوگ اپنے

بچون کو دین بھیجتے تھے، اس نے اسپنوزا سے کہا کہ تم میرے شاگردون کو عبرانی اور ہسپانی پڑھاؤ، اس کے عوض میری بیٹی تمھین لاطینی کا درس دیگی اور رہائش اور خوراک دوستانہ مین۔ پریشان حال اسپنوزا کے لیے یہ تجویز نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھی بلکہ بشارتِ کبریٰ۔ بطیب خاطر ڈاکٹر مذکور کے یہان مستقل بود و باش اختیار کرلی، ڈاکٹر مذکور کی نوجوان بیٹی اگرچہ حسین نہ تھی لیکن لاطینی علم ادب اور موسیقی مین یگانۂ روزگار تھی، اسپنوزا کو تھوڑے ہی دنون مین اس سے محبت ہوگئی، اس نے لاطینی زبان کے حاصل کرنے مین غیر معمولی محنت کی تاکہ اسی طرح اُس لڑکی کی توجہ کا مرکز بنجائے۔ کیونکہ سوائے قابلیت کے اور اس کے پاس دھرا ہی کیا تھا، یہ تدبیر کارگر ہوگئی، اُستاد شاگرد پر مہربانی کرنے لگا، لیکن برا ہو اس فلکِ کج رفتار کا، ہیمبرگ کا ایک نوجوان سوداگر لاطینی سیکھنے کے لیے آنے لگا، اس شخص کے پاس محبت کے علاوہ دولت بھی تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تو چند ماہ کے بعد اس لڑکی کا خاوند بنگیا اور ہمارا مفلس بنی ڈکٹ فلاسفر۔

میرا خیال ہے، کہ اس ناکامی کا اس کے دل پر خارج از جماعت ہونے سے بھی زیادہ اثر ہوا، اس نے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا، آنا جانا سب بند کردیا، اور ہمہ تن مطالعہ مین مشغول ہوگیا، کیونکہ دنیا کی بے ثباتی اور دنیاوالون کی تلون مزاجی اس پر آشکارا ہوچکی تھی، پس اس نے ہمیشہ کے لیے اس "بازیچۂ اطفال" سے قطع تعلق کرلیا۔ لاطینی زبان اُسے کافی سے زیادہ آچکی تھی، صرف ایک گھنٹہ طلبا کو عبرانی پڑھادی اور تمام اوقات مین یکسر آزادی ... سے پہلے اس نے قرطبہ کے مشہور یہودی طبیب اور فاضل موسیٰ میمونائیڈیز کی تصانیف کا مطالعہ کیا، اس طبیب کی ولادت ۱۱۳۵ء اور وفات ۱۲۰۴ء مین ہوئی تھی، اس کی مشہور تصنیف جس نے اسپنوزا کے دماغ کو فلسفیانہ سانچہ مین ڈھالا، ہدایت المتحیرین ہے، جس مین طبیب مذکور نے ثابت کیا ہے کہ خدا کائنات سے علیحدہ کوئی شے نہین، اس کے بعد اسپنوزا نے بن گرسن نامی مشہور اندلسی یہودی عالم کی تصانیف پڑھی، جنمین ازلیتِ عالم کا اثبات کیا گیا ہے، اس کے بعد اس نے حسدائی کریسکاس نامی یہودی عالم کی تصانیف کا مطالعہ کیا، یہ سب لوگ ابن رشد کے دسترخوانِ علم کے زلہ ربا گزرے ہین، موسیٰ کی تصنیف

مذکورۂ بالا سے اسپنوزا کو بجائے تسلی کے اور پریشانی ہوئی، کیونکہ اس نے اعتراضات تو خوب بیان کیے ہیں لیکن جوابات میں اجمال بھی ہے ابہام بھی، وجہ یہ تھی کہ موسیٰ بہر کیف یہودی تھا جب مذہب کا خیال آجاتا تھا تو گول مول عبارت میں نیم خاموشی اختیار کر لیتا تھا، یہ اصول اسپنوزا کو کب پسند آسکتا تھا، مجبور ہو کر اس نے ابن عزرا کی دینی تصانیف شروع کیں لیکن وہاں بھی روشنی کے بجائے تاریکی نظر آئی، نتیجہ یہ نکلا کہ ابتک وہ جن باتوں کو یقینی طور پر مانتا رہا تھا، وہ بھی معرض شک میں پڑ گئیں،

اب اس نے فلاسفۂ یونان کا مطالعہ شروع کیا، سقراط، افلاطون، ارسطو، ڈیما کریٹس، اپی کیورس، الکریشش کی تصانیف پڑھیں لیکن اسٹوئیک فلاسفہ کی تصانیف کا اس کے دماغ پر کافی اثر ہوا، اس کے بعد اس نے مشہور متکلمین مثلاً انسیلم، ایبلارڈ، ایکوئیناس وغیرہم کی منطقی موشگافیوں کو ذہن نشین کیا، اس نے برونو (۱۵۴۸ء-۱۶۰۰ء) کی تصانیف پڑھیں، یہ برونو وہ شخص تھا جس نے علم کی خاطر تمام دنیا کی خاک چھانی، اور محکمۂ احتساب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، واجب القتل ٹھہرایا اور حکم صادر کیا کہ برونو کو حتیٰ الوسع رحمدلی کیساتھ قتل کیا جائے تاکہ اس کے خون کا قطرہ زمین پر نہ گرے، یعنی زندہ آگ میں جلایا جائے،

برونو کے خیالات اور عقاید کا خلاصہ یہ ہے کہ "وحدت کا خیال، انسانی دماغ کا شاہکار ہے، اس سے بہتر اور برتر کوئی خیال نہیں، جملہ حقیقت، بلحاظ ذات علت و اصلیت، واحد ہے، اور خدا اور حقیقت ایک ہی شے ہیں، روح اور مادہ بھی ایک ہی ہیں، کیونکہ "حقیقت" کا ہر سالمہ لاینفک طور پر روح اور مادہ سے مرکب ہے، پس فلسفہ کا کام یہ ہے کہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرائے۔ اور مادہ میں روح کا پتہ چلائے، اور روح میں مادہ کا ثبوت بہم پہنچائے، اور ایسا نظام عقلیہ مرتب کرے جس میں اجتماع ضدین ممکن ہو سکے، اور عالمگیر وحدت کے اس ارفع علم کا درس انسان کو دے جسے "محبت الٰہی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے"

برونو کے یہ تمام خیالات، اسپنوزا کے فلسفہ کے سنگ بنیاد نہیں تو بنیادی اصولوں کے اہم اجزا یقینی طور پر کہے جا سکتے ہیں، برونو کے بعد جس فلاسفر نے اسپنوزا کے خیالات میں انقلاب پیدا کیا، وہ فرانس

مشہور فلسفی ڈیکارٹ ہے، اگرچہ ڈیکارٹ کا بڑا کارنامہ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے علم کی اصلیت اور صحت کی بحث کا دروازہ کھول دیا جو تین سو برس تک جاری رہی، اسپنوزا کو اس بحث سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ڈیکارٹ کے فلسفہ میں جو بات اُسے پسند آئی وہ یہ تھی کہ اس نے خدا اور نفس کو چھوڑ کر باقی تمام مظاہرِ کائنات کو ریاضی کے اصولوں سے سمجھایا ہے، نیز یہ کہ اس نے ایک ایسی "ذات" کا تخیل پیش کیا ہے جو "مادہ" کی تمام مختلف صورتوں میں موجود ہے، اور دوسرے ایسی "ذات" کا جو "نفس" کی مختلف صورتوں میں موجود ہے، گویا برخلاف برونو کے، ڈیکارٹ نے حقیقت کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ "اس کے نزدیک تمام کائنات ایک مشین ہے، لیکن خدا اس کائنات سے بیرون ہے"۔

ڈیکارٹ یہیں رک گیا، مگر اسپنوزا ایک قدم آگے بڑھ گیا، جیسا کہ معلوم ہوگا، میں نے یہ باتیں ذرا تفصیل کیساتھ اس لیے لکھدی ہیں کہ ناظرین کو اس بات کا علم ہو جائے کہ کن کن خیالات نے اسپنوزا کو متاثر کیا، اب میں پھر اس کے سوانح حیات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں،

چونکہ ڈاکٹر کی بیٹی نے اسپنوزا کی محبت کی بیقدری کی، پس اس نے اس کے باپ کے گھر رہنا مناسب نہ سمجھا اور ایک رحمدل عیسائی خاندان میں بود و باش اختیار کرلی، یہودی شریعت کے مطابق ہر عالم دین پر کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنا بھی فرض ہے کیونکہ صرف عالم ہونا ہی کافی نہیں ہے آخر انسان کو اپنی بسر اوقات کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ پس اسپنوزا نے دوربین، خوردبین اور عینکوں کے شیشوں پر پالش کرنا سیکھ لیا تھا جو اب کام آیا۔ اس فن میں بھی اسے ایسی مہارت تامہ حاصل تھی کہ مشہور فیلسوف لائب نزنے اپنے ایک خط میں اُسے لکھا کہ منجملہ دیگر خوبیوں کے جو آپ کی ذات میں جمع ہیں، میں نے ایک بڑی خوبی یہ بھی سنی ہے کہ آپ کو عینک سازی کے فن میں بھی کمال حاصل ہے"۔

اس کام میں اسکو اس قدر آمدنی ہو جاتی تھی کہ قوت لایموت کے لیے وہ کسی کا محتاج نہ تھا چند ماہ کی مشق کے بعد مصوری میں بھی بہت عمدہ مشق بہم پہنچائی تھی، چنانچہ شہر نیپلز میں ایک البم کسی امیر آدمی کے یہاں

ــے جو شائع ہوا تھا، جس میں منجملہ دیگر تصاویر خود اسکی تصویر بھی تھی جو اسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تھی، یہی تصویر عموماً آج دیکھنے میں آتی ہے،

سنہ ۱۶۶۰ء میں یعنی اٹھائیس سال کی عمر میں اسپنوزا نے ایمسٹرڈیم کو خیرباد کہا اور رائینز برگ میں عارضی طور پر سکونت اختیار کی، اور ہمہ تن کتب بینی اور غور و فکر میں مشغول ہو گیا۔ نقل مکان کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ عیسائی خاندان، جس نے اُسے مہمان کے طور پر رکھا تھا، اپنی کسی ذاتی مصلحت سے رائینز برگ جانے پر مجبور ہوا تھوڑے عرصہ کے بعد اسپنوزا نے اپنے روحانی استاد ڈیکارٹ کی مشہور کتاب (MEDITATIONS) کا خلاصہ مع ایک ضمیمہ کے شائع کیا، اس کتاب میں اس نے اپنے ذاتی فلسفہ کے اصول بھی بیان کئے ہیں، یہ کتاب اس لیے اور بھی دلچسپ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب ڈیکارٹ اور اس کے فلسفہ کے متعلق نہیں لکھی گئی، اس کے ضمیمہ میں اپنے فلسفۂ اخلاق کے اصول بیان کئے ہیں، اس کتاب نے اسپنوزا کو پردۂ خفا سے باہر نکالا، اور جب دوسرے سال اسپنوزا وربرگ میں سکونت پذیر ہوا تو سینکڑوں آدمی اسکی زیارت کے لیے آنے لگے، اور مخالفین یعنی معترضین بھی کیونکہ خلاصہ میں ڈیکارٹ کے فلسفہ کی کمزوریاں بھی عیاں کردی گئی تھیں، اور ڈیکارٹ کے شاگردوں کو یہ بات طبعاً ناگوار معلوم ہوئی۔ یہ بیچارے اسپنوزا سے بحث کرنے آتے لیکن اپنا سا منہ لیکر واپس جاتے۔ فضلاء اور علماء کی کثیر تعداد نے اسکو ہیگ میں مستقل اقامت اختیار کرنے پر مجبور کیا کیونکہ وربرگ تو ایک غیر معروف گاؤں تھا اور انھوں نے کہا کہ اسپنوزا جیسی قابلیت کے انسان کے لیے ایسی جگہ قطعاً موزوں نہیں۔ علماء کے علاوہ ارباب سیاست بھی اسپنوزا کے مداح نظر آنے لگے جنمیں جین ڈی وٹ کا نام خصوصیت کیساتھ قابل تذکرہ ہے، یہ شخص تھوڑے سے عرصہ کے مراسم کے بعد اسپنوزا کا عاشق زار ہو گیا، اور اگر وہ دنیادار ہوتا تو شاید عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے لگتا لیکن وہ تو حقیقی معنی میں فیلسوف تھا یعنی طالب حکمت نہ کہ طالب زر۔ جب فرانس کی افواج ہالینڈ پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے سپہ سالار کانڈے اعظم نے بھی اس سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی، محض اسلیے کہ اسپنوزا اس کے ہموطن فلاسفر ڈیکارٹ کا بہترین

شارح اور مفسر تسلیم کیا جاتا تھا، اگرچہ یہ ملاقات محض علمی تھی لیکن جب اسپنوزا واپس آیا تو باشندگانِ ہیگ کا جم غفیر اس کے مکان کے گرد اگرد جمع ہو گیا کہ یہ شخص دشمن کی فوج کا جاسوس ہے، مالک مکان گھبرا گیا لیکن اسپنوزا نے اُسے تسلی دی کہ مین سب لوگون کی تسلی کر دونگا، جس جرأت ایمانی سے اس نے ربی مارٹائیرا کے غصہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی جرأت اخلاقی سے اس نے غضبناک مجمع کا، چنانچہ اس نے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک زبردست تقریر کی اور مخالفین کے شکوک کا قطعی ازالہ کر دیا۔ اور پھر مطالعہ کتب مین مشغول ہو گیا

۱۶۷۳ء مین کارل لڈوگ نے ہیڈل برگ یونیورسٹی مین فلسفہ کی کرسی، اسپنوزا کے لیے پیش کی لیکن جس ضمیر کی آزادی کی خاطر اس نے یہود کی پنشن سے انکار کر دیا تھا، اسی ضمیر کو آزاد رکھنے کے لیے اس نے ہزہائنس کو یہ خط لکھا۔

"جناب محترم! اگر مجھے کبھی یہ خواہش رہی ہوتی کہ کسی یونیورسٹی مین پروفیسر ہو جاؤن تو آپ کی مہربانی سے میری یہ خواہش بدرجۂ اتم پوری ہو جاتی، لیکن مجھے خوف ہے مبادا میرے فلسفیانہ لکچرون کی وجہ سے آپ کی بادشاہت مین قائم شدہ مذہب کو کسی قسم کا گزند پہنچے، پس مین باادب عرض کرتا ہون کہ مجھے اس عزت سے معاف فرمایئے، کیونکہ مین اپنے ضمیر کی آزادی کو دنیا کی ہر شے پر مقدم رکھتا ہون،

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر — تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر"

مصائب دنیوی، قلتِ غذا، کثرتِ مطالعہ اور ورزش نہ کرنے کی وجہ سے نوجوانی ہی سے اسکی صحت خراب ہونی شروع ہو گئی تھی لیکن اس نے کبھی اس بات کی پرواہ نہ کی، وہ ہر بات کو خاموشی کیساتھ برداشت کرنے کا عادی تھا، پس علالت کو بھی خاموشی ہی سے برداشت کیا، جب طبیعت زیادہ مضمحل ہوئی، تو کچھ دوا کر لی چند روز مطالعہ نہ کیا، جب ذرا بحال ہوئی پھر وہی مشقِ جنون شروع ہو گئی، اسکی مشہور تصانیف تمامتر علالت ہی کے زمانہ مین مکمل ہوئی مین، تصنیف کے علاوہ خط و کتابت کا سلسلہ بھی وسیع پیمانہ پر جاری تھا کیونکہ جو لوگ اس سے ملنے نہین آسکتے تھے وہ بذریعہ خطوط اپنی مشکلات حل کرتے رہتے تھے، ۱۶۷۳ء

مین اس کے نہایت مخلص دوست اور رفیق قلبی جین ڈی وٹ اور اس کے بھائی کو لوگون نے اس بنا پر سر راہ قتل کر دیا کہ وہ دونون اس شکست کے بانی مبانی تھے، جو ڈچ افواج کو فرنچ کے ہاتھون نصیب ہوئی جب اسپنوزا نے یہ خبر سنی تو ایک دم فلاسفر سے آدمی بنگیا، زار زار رویا اور کپڑے پہنکر قاتلون کے مجمع عام مین مذمت کرنے اور ڈی وٹ کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جانا چاہتا تھا، کہ لوگون نے پکڑ لیا اور زبردستی کمرے مین بند کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مجمع غصہ مین بھرا ہوا ہے اور جو شخص بھی ڈی وٹ کی حمایت کرتا ہوا آئیگا خواہ ہاتھ سے یا زبان سے، اس کا حشر وہی ہوگا جو ڈی وٹ کا ہوا، بہرکیف اس واقعہ سے اسپنوزا کی جرأت، اور خلوص کا اندازہ کافی ہو سکتا ہے،

سنہ ۱۶۷۶ء مین لائب نیز، جو ارسطو کے بعد یورپ مین دوسرا ہمہ گیر قابلیت کا انسان گزرا ہے، اور نہ صرف منطق و فلسفہ بلکہ الٰہیات، ریاضی، تاریخ، سیاست دانی، قانون اور ادب مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اسپنوزا سے ملنے آیا، افسوس یہ ہے کہ اس ملاقات کے تفصیلی حالات دستیاب نہین ہوتے، ہان لائب نز نے اپنی نوٹ بک مین بضمن تذکرۂ ملاقات، اسپنوزا کا حلیہ بھی درج کیا تھا یعنی وہ دُبلا، پتلا، زیتونی رنگ کا آدمی تھا، صورت سے تپ دق کا مریض معلوم ہوتا تھا، ہسپانی یہودیون کی سی شباہت تھی" اس کے آگے ایک سطر یہ بھی ہے کہ "وہ مختصر سے کمرے مین جو آرایش سے قطعاً معرا ہے، دن رات تن تنہا، مطالعہ اور تصنیف مین مشغول رہتا ہے"

لائب نز کا تعارف پورے طور سے تو اُسی وقت ہوگا، جبکہ اس کی زندگی اور فلسفہ پر ایک مضمون لکھون گا (انشاء اللہ) سر دست اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ لائب نز طبقہ فلاسفہ مین ویسا ہی خوش قسمت تھا جیسا طبقہ شعرا مین داغ دہلوی۔ بیشک دولت ثروت اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے لائب نز ایک شہزادہ تھا، بیچارے اسپنوزا کس شمار و قطار مین تھا، لیکن کیرکٹر اور ذاتی خوبیون کے لحاظ سے اسپنوزا اس قدر بلند اور ارفع تھا کہ بعض عیسائی مصنفین نے اس کا درجہ حضرت یسوع سے بعد قرار دیا ہے، اس سے اس کی بلندی کا اندازہ لگا لیجیے،

۱۶۷۶ء کے وسط میں آخری علالت کے آثار شروع ہو گئے، اگرچہ اس وقت اسکی عمر صرف چوالیس سال کی تھی مگر اس کے احباب بخوبی واقف تھے کہ ع

ایسے بیمار کا مشکل ہے سلامت رہنا

اس کے پھیپھڑے برسون سے کمزور چلے آتے تھے لیکن اب اکثر تنفس مین دشواری پیدا ہونے لگی، اور نوشت وخواند مین بھی اختلال رونما ہوگیا، احباب اور اطبائ نے کہا "اب مطالعہ ترک کرنا چاہیئے" اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا "تپ دق آج سے نہین بلکہ بائیس سال سے ہے، ع

آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

اب تو میرے لیے قلم ہاتھ سے رکھنا ناممکن ہوگا، غرضکہ اپنی آخری کتاب کو بدقت تمام دسمبر ۱۶۷۶ء مین ختم کیا اور بحفاظت تمام اس کے مسودہ کو صندوق مین بند کر کے چابی مالکۂ مکان کے سپرد کی کہ میری وفات کے بعد یہ صندوق اور کنجی جان ریو ورز پبلشر دیک سیلر ایسٹرڈیم کو سونپ دینا، اگر اسپنوزا نوشت وخواند بند کر دیتا تو شاید دو چار سال اور جی جاتا، لیکن شبانہ روز مصروف رہنے کی وجہ سے تمام طاقت زائل ہوگئی، ۱۶۷۷ء کی ابتدا سے صاحب فراش ہوگیا، ۲۰ فروری ۱۶۷۷ء کو اتوار کے دن مالکۂ مکان نے گرجا جانے سے قبل اس کی حالت کرہ مین آکر دریافت کی، جواب دیا، اچھا ہون آپ میری وجہ سے اپنی عبادت ترک نہ کرین، مالکۂ مکان نے ڈاکٹر میئر کو خبرگیری اور معالجہ کے لیے بلایا، اور گھر کے سب لوگ گرجے چلے گئے، واپس آکر کیا دیکھتے ہین کہ قطرہ واصل دریا ہو چکا ہے، آناً فاناً مین یہ خبر تمام شہر مین پھیل گئی اور ہر شخص جو سنتا تھا، اسپنوزا کے آخری دیدار کے لیے قبرستان کی راہ لیتا تھا، جنازہ کے ساتھ مجسٹریٹ، کوتوال، اطبار، علما، طلبار اور احباب کا جم غفیر تھا، قبرستان مین ہر مذہب وملت کے لوگ جمع تھے، یہ نظارہ اس تعصب اور تنگ نظری کے زمانہ مین نہایت عجیب تھا، لیکن اسپنوزا کے مذہب کے عین موافق کیونکہ

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملتین جب مٹ گئین اجزائے ایمان ہوگئین

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۲)

عسیر

سید محمد بن علی ادریسی

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

عسیر حکومت عسیر یمن کے متصل اور اس سے چھوٹی حکومت ہے، سید محمد بن علی ادریسی یہان کے حکمران ہین، عسیر کے حدود اربعہ یہ ہین، مغرب مین بحر احمر، شمال مین البو متنہ، جنوب مین حدیدہ، مشرق مین کوہستان یمن، مجموعی رقبہ مربع میل کے حساب سے بتانا مشکل ہے، تاہم قیاساً شمال سے جنوب تک ۳۵۰ میل طول، اور مشرق سے مغرب ۱۰۰ میل عرض ہے، اور وہ حصہ جو میدی اور جیزان کے آگے عقبہ سے متصل ہے، عرضاً ۴۰ میل مین پھیلا ہوا ہے، اس طول و عرض مین ۲۰ لاکھ نفوس آباد ہین، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی سنیون مین شوافع اور شیعون مین جعفری اور اسمٰعیلی اور غیر مذاہب مین پارسی، یہودی اور ہندوون پر مشتمل ہے،

عسیر مین ادریسیون کی تاریخ عسیر کی ادریسی حکومت کا سلسلہ نسب مراکش کے ادریسی خاندان سے ملتا ہے، جس نے وہان مدتون سلطنت کی ہے، عرب مین اس سلسلہ کی دعوت اس کے مشہور صوفی بزرگ احمد بن ادریس سے شروع ہوتی ہے، یہ ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۸ء مین فاس (مراکش) کے ایک مقام بلدۂ عرائش مین پیدا ہوے، نسباً یہ حسنی سادات ہین، فاس مین علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور باطنی فیض شیخ عبدالوہاب تازی سے حاصل کیا، اور برسون علما و مشائخ کی صحبت مین رہکر یگانۂ روزگار ہوے، رفتہ رفتہ ان کی شہرت

اور روحانیت کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اسی زمانہ میں یہ حج کے لیے مکہ آئے، اتفاق سے اسی سال سید محمد سنوسی مغربی بھی آئے ہوئے تھے، یہ حضرت سید احمد سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا، اس سے ان کی شہرت میں اور اضافہ ہوا، اس کے بعد یمن کے مشہور و معروف سید عبد الرحمن بن سلیمان اہدل مفتی زبید مکہ آئے، یہ حضرت سید احمد بن ادریس کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے ان پر آپکے باطنی فیض کا بہت گہرا اثر پڑا، اور وطن لوٹ کر ان کی دعوت شروع کردی، کچھ دنوں کے بعد حضرت سید احمد یمن گئے اور زبید میں عبد الرحمن کے مہمان ہوئے، یہاں ان کے کمالات کا بڑا شہرہ ہوا، اور جوق و جوق علما و مشائخ اکر اکتساب فیض کرنے لگے، بیس دن قیام کے بعد زبید سے تہامہ گئے اور یہاں سے گھوم پھر کر حدیدہ، مراوغہ، باجل ہوتے ہوئے صبیا روانہ ہو گئے، اور یہاں مستقل گھر بنا لیا، اس سیاحت نے ہر مقام پر نہایت گہرا اثر ڈالا، اور ان تمام مقامات کے علماء و مشائخ نے ان کی دعوت شروع کردی، اور چند دن کے اندر اندر تہامہ اور عسیر ان کے غلغلہ سے گونج اٹھا، صبیا میں شیخ ابراہیم ان کے مرید خاص تھے، ان پر خاص نظر توجہ رہتی تھی ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں زبید میں وفات پائی،

اس وقت تہامہ اور عسیر میں طوائف الملوکی تھی، اس کا کچھ حصہ اور قنفذہ سے مخا تک ابراہیم پاشا (خلف محمد علی پاشا خدیو مصر) کے زیر اقتدار تھا، لیکن یہاں کے باشندے ان کی حکومت ناپسند کرتے تھے، اور جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا، کامل ۲۰ سال سے یہ خلفشار برپا تھا، بالآخر ۱۸۴۰ء میں لندن کی مؤتمر کے فیصلہ کے مطابق[1] ان کو تہامہ اور عسیر کو خالی کرنا پڑا، اس وقت امرائے عرب میں سے شریف محمد بن عون شریف مکہ، شریف حسین بن علی حاکم ابی عریش، اور امام یحییٰ ان مقامات کی سیادت کے خواہش مند تھے، ان میں شریف ابی عریش زیادہ مدبر اور با اقتدار تھے، چنانچہ ابراہیم پاشا نے ایک مقررہ سالانہ خراج پر تہامہ کی نظام حکومت ان کے سپرد کردی، لیکن شریف حسین کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا، یہ چاہتے تھے کہ یمن اور عدن دونوں پر قبضہ کرکے امام

---

[1] اس کی تفصیل سلطنت نجد کی حالات میں آئے گی،

یحییٰ اور انگریزون کو نکال دین، چنانچہ دونون سے مدتون جنگ جاری رہی تا آنکہ رعایا ان کے مظالم سے سخت تنگ آگئی، اور ۱۲۹۵ھ مین پھر ترکون نے یمن اور عسیر پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کی، توفیق پاشا نے حدیدہ مین فوجین اتار دین، اور شریف حسین کو اپنے قدیم مرکز ابی عریش مین واپس ہو جانا پڑا، حدیدہ کے بعد ترکون نے تہامہ کے ایک حصہ پر قبضہ کرکے صنعا کی طرف قدم بڑھایا، لیکن قبضہ نہ پا سکے، بلکہ تہامہ مین پھر قدیم اضطراب پیدا ہو گیا، ادریسیون نے اس اضطراب سے فائدہ اٹھاکر اپنی روحانی سیادت کے ذریعہ سے اپنی حکومت قائم کرنے کی کوششین شروع کین، اور ان کے داعی ہر طرف پھیل گئے، زائرین اور عقیدتمند صبیا آنے لگے اور ان کے ذریعہ سے ادریسیون نے شریف ابی عریش پر قبضہ حاصل کر لیا، پھر قبائل کے ذریعہ ترکون کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، لیکن بظاہر ان کو کوئی کامیابی نہین ہوئی، لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا، کہ انکا قدم پہلے سے بہت زیادہ جم گیا،

موجودہ امام باقاعدہ سلطنت موجودہ[1] امام سید محمد بن علی ادریسی نے قائم کی، یہ ۱۲۹۳ھ مین صبیا مین پیدا ہوئے، اور جامع ازہر مین تعلیم حاصل کی، یہان سے فراغت کے بعد، جاکر مغرب مین شیخ سنوسی سے پڑھا، پھر سوڈان آئے اور احمدیہ طریقہ کے شیخ الطریقہ شیخ ہارون الکمال کی لڑکی سے شادی کرلی، انہین مصر کی آب و ہوا اور تعلیم و تربیت نے بڑا حوصلہ پیدا کر دیا تھا، چنانچہ یہ سوڈان سے پھر عسیر واپس آئے، اس وقت یہان طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، آزاد قبائل تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے، عسیر کے جنوبی حصہ مین ترکون کی کمزور سی حکومت قائم تھی، لیکن سرداران قبائل ان سے سخت برہم تھے، کیونکہ ترکون کی حکومت ان کے مشاہرون پر قائم تھی، اور اس زمانہ مین وہ مشاہرہ دینے مین بھی لیت و لعل کرتے تھے، ادریسیون نے اس زرین موقع سے فائدہ اٹھاکر سرداران قبائل کو محمد بن علی کی طرف مائل کر دیا، اور ان کی مدد سے قبائل پر ایک گونہ ادریسی سیادت قائم ہو گئی، مزید توثیق کے لیے انھون نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو قبیلہ مطیع ہوتا اس کے کچھ آدمی رہن کے طور پر اپنے قبضہ مین کر لیتے، تاکہ وہ خیانت اور عہد شکنی نہ کر سکے، پھر رفتہ رفتہ اس سیادت کا دائرہ شمال مشرق کی طرف وسیع کرنا شروع کر دیا، اور بہت سے قبائل ابہا کے قلعے مین ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے، گو قبائل پر بڑی مدت ... ان کی

---

[1] ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء مین ان کا انتقال ہو گیا، آجکل ان کے لڑکے امام علی بن محمد حکمران ہین، ۱۳۲۵ھ مین وقعہ مین پیدا ہوئے، اور صبیا مین اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء مین تخت عسیر پر بیٹھے،

سیادت قائم ہوگئی تھی، لیکن ابھی تک حکومت کی باقاعدہ شکل نہ پیدا ہوئی تھی، اس کا موقع ۱۹۱۲ء میں اٹلی اور ترکون کی جنگ میں ملا، اس وقت سید محمد بن علی نے اٹلی سے اسلحے لیکر ترکون کے خلاف انکو مدد دی، اسکا فائدہ یہ ہوا کہ عسیر اور تہامہ میں ترکی قوت بالکل کمزور پڑگئی، اور محمد بن علی کا اقتدار بہت بڑھ گیا، پھر ۱۹۱۵ء میں انگریزون سے معاہدہ کیا جسکی رو سے انگریز ادریسیون کو اسلحہ اور مال سے مدد دیتے تھے، اور عسیر کے بندرگاہون کی حفاظت کرتے تھے، انگریزون کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ ادریسی ترکون کے مقابلہ مین ان کے مددگار بنگئے، اس معاہدہ کے بعد ہی سید محمد بن علی کے چچا نے ترکون پر حملہ کرکے ان کو سخت شکست دی، اور انکی فوجین مشرق مین صعدہ اور شمال مین تہامہ اور قنفذہ تک بڑھتی چلی گئین، اور سید محمد بن علی کی حکومت قائم ہوگئی، محمد بن علی نہایت مدبر اور عاقبت اندیش تھے، یہ اپنے آس پاس کی تمام قوتون کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے لگے، زرانیق کو ترکون کے خلاف، شوافع کو زیدیون کے خلاف، قبائل کو اشراف کے خلاف، اور انگریزون کو ان سب کے خلاف کام میں لاتے تھے، ذاتی مفاد ہمیشہ پیش نظر رہا، جس قوت کا ساتھ دینے مین ان کی حکومت کو تقویت پہنچی فوراً اس کیساتھ ہوجاتے، خواہ اس سے عربی قومیت کو نقصان ہی کیون نہ پہنچ جاے، چنانچہ جنگ عظیم مین انھون نے ترکون کے خلاف اتحادیون کی پوری مدد کی، اس صلہ مین اختتام جنگ کے بعد ان کے حدود سلطنت بہت وسیع ہوگئے، جنگ عظیم کے قبل جنوب مین ان کی سلطنت وادی العین سے آگے نہ تھی، اور جنگ کے بعد دفعۃً حدیدہ تک وسیع ہوگئی، اسی کے ساتھ تہامہ، صلیف، باجل، حبال بھی ان کو مل گئے،

حدیدہ، حدیدہ کا اوپر جہان کہین ذکر آیا ہے، وہ امام یحیٰی کے تعلق یا اس کی عمرانی حیثیت سے تھا، لیکن جنگ عظیم کے بعد سے حدیدہ امام ادریسی کے پاس ہے، اور اس سے حکومت عسیر کو بہت گہرا تعلق ہے، اسلیے اس تعلق کو بھی معلوم کرلینا چاہیے ورنہ حکومت عسیر کے متعلق معلومات ناقص رہجائینگے، اس وقت حدیدہ کی پوزیشن اس حسین دوشیزہ کی ہے، جس کے بہت سے گاہک ہون اور ان مین محبت کے جذبے سے زیادہ رشک و حسد کا غلبہ ہو، گو انگریزون نے اپنے مفاد کے خیال سے اسکو امام ادریسی کے حوالہ کردیا ہے

درحقیقت وہ اب بھی متنازعہ فیہ ہے اور انگریز، سید ادریسی اور امام یحییٰ تینون مین کشمکش جاری ہے، اسی لیے ادریسی کو خود اپنے قبضہ پر اعتبار نہین ہے اور وہ اس کی ترقی کے لیے کوئی سیاسی اور اقتصادی قدم نہین بڑھاتے ہین انگریز بھی علی الاطلاق ان پر قبضہ کرنا نہین چاہتے، کیونکہ یہ انکی بساطِ سیاست کا نہایت مضبوط مہرہ ہے، اگر قبضہ کر لین تو ادریسی اور یحییٰ کیساتھ کھیل خراب ہو جائیگا، غرض حدیدہ بالکل معلق حالت مین ہے، اسکی آبادی بھی اس بارہ مین مذبذب ہے، تجار کا ایک طبقہ امام یحییٰ کو چاہتا ہے، وہ انگریز اور ادریسی دونون سے ناخوش ہے کیونکہ جنگ کے زمانہ مین اسکو جو نقصان پہنچا اسکا تاوان دونون مین سے کسی نے نہین دیا، شافعی آبادی امام یحییٰ کو مطلق نہین چاہتی، وہ ادریسی سے مطمئن ہو سکتی تھی، لیکن ان کے دور مین بھی حدیدہ کی تجارت اور رونق مین کوئی اضافہ نہین ہوا، اس لیے وہ بھی مذبذب ہے، انگریزون کے ابتدائی قبضہ کے زمانہ مین عام تجار خصوصاً ہندوستانی تاجران کے قبضہ سے بہت خوش تھے، لیکن ایک ہی سال کے بعد ان کی راے بالکل بدل گئی چنانچہ حدیدہ کی حکمبرداری کے تصفیہ کے وقت جب یہان کے باشندون سے راے لی گئی، تو سب نے باتفاق ترکون کی حکومت کی خواہش کی لیکن یہ ایسی خواہش تھی جسکا پورا ہونا محال تھا، پھر انھون نے حکومتِ مصر سے الحاق کی خواہش کی لیکن یہ بھی نہ ہو سکا، اور حدیدہ والون کی مرضی کے خلاف حدیدہ امام ادریسی کے حوالہ کر دیا گیا، انھون نے حدیدہ کے تجار کو بلایا، یہ ان سے خوش نہ تھے اس لیے ٹال گئے، دوبارہ حاکم حدیدہ نے اپنے محل مین بلا بھیجا، یہ لوگ آیے اور جیسے ہی محل کے اندر گئے، فوراً فوج نے جو پہلے سے متعین تھی گرفتار کر کے جیزان روانہ کر دیا، اور ترکون کی حمایت کے جرم مین سات مہینہ قید رہے، سات مہینہ کے بعد بعض تاجرون نے روپیہ دیکر گلو خلاصی حاصل کی، اور بعضون نے ترکون کو ضمانت مین داخل کر کے رہائی پائی، اس وقت حدیدہ بظاہر امام ادریسی کے قبضہ مین ہے لیکن عملاً انگریزون کا قبضہ[1] ہے،

تجارتی حالت حکومتِ عسیر کے پاس چونکہ حدیدہ جیسا بڑا بندرگاہ ہے، اسلیے یہان تجارت کو بہت فروغ حاصل ہے،

[1] معارف:- لیکن آجکل حدیدہ پر امام یمن نے قبضہ کر لیا ہے،

خصوصاً جدہ مین بڑی تجارتی چہل پہل ہے، اس کے بعد میدی کا نمبر ہے، یہ مقام بازارون سے بھرا ہوا ہے، ہرطرف تجارت اور صنعت وحرفت کی گرم بازاری ہے، یہان ملک کے ہرحصہ کے تاجر آتے ہین، اسکی تجارت کا بڑا حصہ اسلحہ اور غلامون کی تجارت پر مشتمل ہے، امام یحییٰ بھی یہین سے اسلحہ خریدتے ہین، موتی اور تل کے تیل کی تجارت بھی ہوتی ہے، اس کی تجارتی ترقی کا سبب یہ ہے کہ یہان چنگی نہین ہے، اس لیے اکثر دور دراز کے تاجر بھی اس راستہ سے آتے جاتے ہین، چنانچہ حجاز کے تاجر اسی راستہ سے جدہ سامان تجارت لیجاتے ہین، محرم کے مہینہ مین تجارت بند رہتی ہے، انگریزی حکومت کے سخت احتساب کے باوجود یہان اب تک بردہ فروشی بند نہین ہوئی ہے، مغربی علاقے کے جہاز آتے ہین، اور بکتے ہین، انگریزی قنصل متعینہ حدیدہ پوری روک تھام کرتا ہے، لیکن سیکڑون غلام اسکی لاعلمی مین بک جاتے ہین، میدی کے بعد جیزان کا بازار بھی ہے، اس کی آبادی کل ۶ ہزار ہے، یہان شاہی قلعہ ہے اور اس مین کبھی کبھی سید ادریسی آکر رہتے ہین، اس لیے اس کا شمار پایہ تخت مین ہوتا ہے، زمانہ جنگ کے ابتدائی دو سالون مین صرف یہی مقام تجارت کے لیے کھلا تھا، اس لیے اس وقت یہان کی تجارت بہت فروغ پرتھی، اس کے بعد پھر میدی منتقل ہوگئی، لیکن پھر بھی سلطانی قیام گاہ کی وجہ سے چونکہ اس کی حیثیت مرکزی ہے اسلئے مغرب اقصیٰ، مصر، عسیر اور تمام جنوبی اور شمالی تہامہ کے باشندے یہان تجارت کے لیے آتے ہین، گو یہان بظاہر کوئی بڑا بازار نہین ہے، لیکن پھر بھی بڑی چہل پہل رہتی ہے اور چاندی سونا برستا رہتا ہے، جیزان کے بعد باجل مین بھی کسی قدر تجارت ہے، یہان کی ایک خصوصیت نہایت تعجب انگیز ہے، یہان کی عورتین بہت آزاد ہین، زندگی کی کشمکش مین مردون کے دوش بدوش نظر آتی ہین، ان کے قد موزون، خد و خال دل آویز ہین، اور نہایت آزادی کے ساتھ خرید وفروخت کے لیے بازارون مین چلتی پھرتی ہین، کھیتون مین مردون کے ساتھ کام کرتی ہین، مہمانون کی میزبانی کے فرائض انجام دیتی ہین، غرض زندگی کے ہرشعبہ مین ان مین ایک حرکت نظر آتی ہے، ایسا نسوانی مظاہرہ جزیرۃ العرب مین باجل کے سوا کہین نہین نظر آتا، ان کی اس آزادی اور چل پھر سے یورپ اور امریکہ کا دھوکا ہوتا ہے،

محاصل عسیر مین یمن کی سی شادابی نہین ہے، اس لیے غلون مین زیادہ گیہون ہی پیدا ہوتا ہے، پیداوار مین دسوان حصہ حکومت لیتی ہے. تجارتی منڈیان بکثرت ہین، ادمیدی کے علاوہ سب مقامات پر چنگی سے حکومت کو کافی آمدنی ہوتی ہے، خصوصاً لونڈی غلامون کی تجارت آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے، بیسیون جہاز آتے ہین، اور حکومت فی غلام ۲۵ ریال ٹکس لیتی ہے، قدرتی محاصل مین نمک کی کانین بکثرت ہین، خصوصاً صلیف کی کان بہت مشہور ہے، جنگ عظیم کے قبل یہ کان ایک انگریزی کمپنی کے ٹھیکہ مین تھی، اگر حکومت ان کانون سے فائدہ اٹھانا چاہے، تو بہت معقول آمدنی ہوسکتی ہے، بہرحال حکومت عسیر کی موجودہ آمدنی کم و بیش ۵، لاکھ روپیہ سالانہ ہے،

فوج ادریسی کی فوجی قوت کچھ زیادہ اچھی نہین ہے، اس لیے وہ انگریزون سے میل جول ضروری سمجھتے ہین، امن و سکون کی حالت مین صرف پانسو آدمی شہرون مین پولیس کی جگہ رہتے ہین، خواہ ان کو پولیس کہا جاے، یا فوج، لیکن باجل مین مختصر سی فوج رہتی ہے، اور محمد طاہر رضوان اس کے سپہ سالار ہین، البتہ جنگ کے زمانہ مین شیوخ اور سرداران قبائل کے ذریعہ سے تیس چالیس ہزار آدمی ان کے علم کے نیچے جمع ہو جاتے ہین، یہ لوگ قدیم مجاہدین کی یاد تازہ کرتے ہین ان مین کا ہر سپاہی اپنے خورد و نوش کا سامان سواری اور اسلحہ ساتھ لاتا ہے، جو کمی بیشی ہوتی ہے، اسکو حکومت پورا کرتی ہے، اور جنگ کے زمانہ بھر ان کو تنخواہین ملتی ہین، اس کے علاوہ مال غنیمت مین علحدہ حصہ ملتا ہے،

دوسری قومون سے تعلقات امراے عرب مین ادریسی کے تعلقات امام یحیی کے ساتھ بہت خراب ہین، جنکا سدھرنا بہت دشوار ہے، حتی کہ ان کی رعایا مین بھی امام کے خلاف نہایت نفرت انگیز جذبات موجود ہین، وہ لوگ امام کا نام نہایت حقارت کے ساتھ لیتے ہین، سید ادریسی کا بیان ہے کہ جنگ عظیم کے قبل دونون کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے، اور ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ تھا، لیکن امام یحیی نے اسکی پابندی نہین کی، جسکی وجہ سے ادریسی کو سخت نقصان پہنچا ہے، اس کے ثبوت مین وہ واقعات پیش کرتے ہین کہ ترکون نے جب یمن پر حملہ کرنا چاہا تو ادریسی نے تہامہ مین انکو روک دیا، دوبارہ پھر جب جنگ عظیم کے دوران مین ترکون نے ان کے حدود حکومت سے گذر کر شمال جانب سے لیمن پر حملہ کی کوشش کی، تو پھر ادریسی نے روکا، لیکن جب انھون نے یمن کے پہاڑی علاقہ سے عسیر پر حملہ کیا تو امام یحیی

نے کوئی مزاحمت نہین کی جس سے حکومت عسیر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ان واقعات کے بعد دونون مین خط و کتابت بھی ہوئی۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اسی لیے ادریسی کو امام یحیی کے نقصان پہنچانے مین بالکل باک نہین ہوتا۔ گاؤن کے یہان باقاعدہ فوج نہین ہے لیکن جو زیدی سپاہی یمن چھوڑ کر عسیر آتا ہے ادریسی اسکو معقول تنخواہ پر رکھ لیتے ہین، ان کے تعلقات انگریزون کے ساتھ بظاہر اچھے ہین، لیکن درحقیقت ادریسی کو ان سے کسی قسم کا خلوص نہین ہے، وہ صرف اپنے فائدہ کے لیے ان سے ملے ہوے ہین، انگریز مال اور اسلحہ سے ان کی مدد کرتے ہین اور امام یحیی کے مقابلہ مین ان کے کام آتے ہین، اس لیے وہ ان کا سہارا لیے ہوئے ہین، لیکن ان کی دوستی پر ان کو مطلق اعتبار نہین ہے، چنانچہ بہت سے ایسے مواقع پر جہان ان کے اور انگریزون کے مفاد مین تصادم ہوتا ہے، ادریسی مطلق ان کے مفاد کا لحاظ نہین کرتے ہین، وہ علی الاعلان انگریزی قنصل کے سامنے کہتے ہین کہ میری طرح انگریزون کو کسی نے قبضہ مین نہین کیا ہے۔ مین نے ان کو نچا نچا دیا ہے،

بعض قبائل عسیر کے باشندون مین قدیم عرب کے تمام خصوصیات موجود ہین، شجاعت و شہامت، فیاضی اور مہمان نوازی کی وہی آن قائم ہے، زرانیق مین یہ شجاعت نہایت بری شکل مین نظر آتی ہے، ترکون کے زمانہ مین بھی قتل و غارت گری ان کا پیشہ تھا، چنانچہ یہ ان کے وظائف بھی لیتے تھے، اور تار کا سلسلہ بھی کاٹ دیتے تھے اور بحری و بری تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے، یہ لوگ روپیہ کے دوست ہین، ترکون کے زمانہ مین انگریزون سے اسلحے کر ترکون کے خلاف ان کو مدد دی، پھر امام یحیی سے روپیہ لیکر مل گئے، پھر انگریزون کی گرفتاری مین ان کے ساتھ ہوگئے، اور آخر مین ان کی چھڑانے والی جماعت مین پیش پیش تھے، غرض ان کا عجب حال ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا نظام بہت مکمل ہے، متمدن حکومتون کی طرح ان کے جاسوس حدیدہ، باجل اور یمن وغیرہ مین پھیلے ہوے ہین، اور ڈاکہ زنی مین بھی ضابطہ اور نظام کے پابند ہین، ایک مرتبہ سید ادریسی اور انگریزون سے بگڑے ہوئے تھے، جاسوسون نے خبر دی کہ حکومت کی دو کشتیان حدیدہ سے یمن جا رہی ہین، چنانچہ حملہ کرکے ان سے کے اسلحہ چھین لاے، بعد کو معلوم ہوا کہ ایک کشتی حکومت کی نہ تھی بلکہ حدیدہ کے کسی تاجر کی تھی، چنانچہ اس کا سامان فوراً جاکر واپس کردیا

ساحت | اور نیم حکومت کی وجہ سے یہان جابجا سادات کی بستیان ہین، اور عموماً یہ لوگ آزاد ہین، جہالت کے سبب سے ان کی اخلاقی حالت پست ہے، حدیدہ کی مشرقی جانب ان کی ایک بستی ہے، اسمین تمام تر سادات آباد ہین، تمام اطراف مین ان کی تعظیم پرستش کی حد تک ہوتی ہے، خواہ کیسا ہی جاہل سید کیون نہ ہو، لیکن اسکی دست بوسی ہر شخص پر فرض ہے، اس صورت حال نے ان مین اور زیادہ خراب عادتین پیدا کردی ہین، سادات کشکول لے کر بازار نکل جاتے ہین، اور جس دوکان سے جو چاہتے ہین بلا قیمت اٹھالیتے ہین، کوئی روک نہین سکتا، اس طرح غلہ، ترکاری، گوشت اور مٹھائی سے کشکول بھر کے واپس آجاتے ہین، ان مین سیادت کا اتنا غرور ہے کہ اگر کوئی سید اہل بیت کے علاوہ کسی اور گھرانے مین شادی کرے اور اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو، تو اس عورت پر ضروری ہے کہ ماں ہو کر بھی روزانہ اپنے سیدزادہ بیٹے کی دست بوسی اور قدمبوسی کرے، اور لڑکا اس کو لونڈی سے زیادہ وقعت نہ دے، عیاذاً باللہ،

ارض القرآن

حصۂ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، ضخامت ۳۶۴ صفحے، قیمت ع۲ ؍

حصۂ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۲ صفحے،

قیمت عا۲ ؍

"منیجر"

لیٹن رسم الخط

اور

فارسی زبان

از آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج

یورپین تہذیب وتمدن نے ایشیائی دل ودماغ پر جو تسلط واقتدار حاصل کرلیا ہو اسکا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ایشیائی ممالک میں جو رسم الخط جاری تھے اب لیٹن رسم الخط مین ان کے بدلنے کا خیال عام طور پر ترقی کرتا جاتا ہے، اور ترکون نے اوسکو اسی رسم الخط مین بدل بھی دیا ہو، ایران مین بھی فارسی رسم الخط کو بدل کر اسی لیٹن رسم الخط کے اختیار کرنے کی تحریک نشو ونما پارہی ہے، اور عجب نہین کہ اس کے بعد اردو رسم الخط کے بدلنے کی بھی تحریک پیدا ہو،

آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج نے شعبہ جامعہ معارف ایران کے ایک جلسے مین اس موضوع پر ایک مبسوط تقریر کی ہو جس مین علمی حیثیت سے فارسی اور لیٹن رسم الخط کا موازنہ کیا ہے اور دونون کے عیب وہنر دکھائے ہین، اور اخیر مین یہ فیصلہ کیا ہے کہ فارسی زبان کے لیے موجودہ فارسی رسم الخط سے بہتر کوئی دوسرا خط نہین ہو سکتا، چونکہ اردو رسم الخط بھی بعینہ فارسی رسم الخط کی نقل ہے، اس لیے اُن کے تمام دلائل فارسی رسم الخط کی طرح اردو رسم الخط پر بھی منطبق ہوتے ہین، اس مناسبت سے ہم ان کی تقریر کا خلاصہ معارف مین درج کرنا مناسب سمجھتے ہین،

(عبد السلام ندوی)

فارسی زبان کے رسم الخط مین تبدیلی پیدا کرنے کا خیال ایران مین پچاس سال سے پھیلا ہوا ہے، اور اس خیال کے پھیلانے مین سب سے زیادہ نمایان شخصیت مرزا ملکم خان نظام الدولہ کی ہے، لیکن

وہ اس رسم الخط مین صرف اصلاح کا خواہشمند تھا، کلیتہً اس کے بدل دینے کا خواہان نہ تھا، تاہم ایران مین ہمیشہ ایک جماعت فارسی زبان کے لیے لیٹن رسم الخط کے اختیار کرنے کی حمایت کرتی رہی ہے، اور اب جبکہ ہمارے ترک بھائیون نے اس رسم الخط کو ترکی زبان کے لیے اختیار کرلیا ہے، یہ جماعت اور بھی زیادہ قوت پکڑ گئی ہے، یہ مسئلہ درحقیقت نہایت اہم ہے، کیونکہ اس وقت عربی، فارسی، ترکی، اردو مسلمانون کی مخصوص زبانین ہین، اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑ سکتا ہے، اگر آج فارسی رسم الخط کو لیٹن رسم الخط مین بدل دیا جائے تو کل عربی کا بھی یہی حال ہوگا، اور عربی کے بعد اردو کی نوبت آئے گی،

لیٹن زبان رومیون کی زبان تھی، لیکن رومی سلطنت کے مٹ جانے کے بعد جب یورپ کی جو جو سلطنتین قائم ہوئین تو انھون نے رومیون کے رسم الخط کو بعینہٖ قائم رکھا اور آج انگریزی، فرنچ، اٹالین، اور جرمن وغیرہ زبانین اسی خط مین لکھی جاتی ہین، البتہ خود لیٹن زبان ایک مدت دراز سے مردہ ہو چکی ہے، اور اس زبان کی صرف چند کتابین باقی رہگئی ہین، جو مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین لیکن ان کتابون کے الفاظ کا تلفظ ہر زبان مین بالکل مختلف ہے، فرنچ تلفظ اور، اور انگریزی تلفظ اور ہے، البتہ اٹلی والون کا تلفظ اصل لیٹن زبان کے تلفظ سے ملتا جلتا ہے، تاہم چونکہ اصلی لیٹن زبان مردہ ہو چکی ہے، اس لیے یہ کسی کو معلوم نہین کہ لیٹن حرف کی اصلی آوازین کیا تھین؟ مثلاً " a " ایک لیٹن حرف ہے، جو انگریزی زبان مین کبھی الف فارسی کی آواز کبھی زبر ہندی کی آواز اور کبھی واؤ فارسی کے مشابہ آواز دیتا ہے، لیکن اٹالین زبان مین اس سے صرف الف فارسی کی آواز نکلتی ہے، اسی طرح انگریزی زبان مین " gh " کبھی گاف فارسی کی آواز دیتا ہے، اور کبھی کوئی آواز ہی نہین دیتا، لیکن اٹلی والون کی زبان مین وہ کبھی کاف کی صدا دیتا ہے اور کبھی بے آواز رہتا ہے،

اب جبکہ لیٹن حروف کی اصلی آوازین فنا ہو چکی ہین، تو ہم کو یورپ کی کسی موجودہ زبان کی آواز اختیار کرنی پڑیگی یعنی اگر ہم فرنچ، یا انگریزی، یا اٹالین یا جرمن یا دوسری زبانون کا رسم الخط اختیار کرین تو ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان زبانون کی آوازین فارسی زبانون کی آوازون کے مطابق ہین یا نہین؟ اور اگر مطابق

ہین، تو اس زبان والون نے جب اپنی زبان کے لیے لیٹن رسم الخط کا انتخاب کیا ہے تو حروف کی آوازون کے تعاقب کا لحاظ رکھا ہے یا نہین؛ اس بنا پر ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم پہلے لیٹن حروف اور ان کی آوازون کو پھر فارسی زبانون کی آوازون کو بتائین، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ لیٹن خط فارسی زبان کی آوازون کو ادا کر سکتا ہے یا نہین؛

ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ لیٹن زبان اور اس کے حروف کی آوازین فنا ہو چکی ہین، اس زبان کے بچے کچھے جو چند الفاظ رہ گئے ہین، ان کا تلفظ یورپ کی ہر قوم اپنی زبان کے تلفظ کے مطابق کرتی ہے، صرف اٹالین تلفظ لیٹن تلفظ سے ملتا جلتا ہے، اس لیے ہم لیٹن حروف اور اس کی آوازون کو اٹالین ادیبون کے تلفظ کے مطابق اس جگہ درج کرتے ہین،

لیٹن زبان کے حروف اور انکی آوازین لیٹن زبان مین دو قسم کے حروف ہین، ایک اصلی اور دوسرے اعرابی چنانچہ ہم ان دونون قسم کے حروف کو بہ ترتیب لکھتے ہین،

حروف اصلی

	حروف	آواز		حروف	آواز
۱	B	ب	۱۰	N	ن
۲	C	ک، چ، س	۱۱	P	پ
۳	D	د	۱۲	Q	ک
۴	F	ف	۱۳	R	ر
۵	G	ج۔گ	۱۴	S	س
۶	H	ک (اوگاہے بے صدا)	۱۵	T	ت
۷	i	ی	۱۶	V	و
۸	L	ل	۱۷	Z	ز
۹	M	م	۱۸	X	کس

ان اٹھارہ حروف مین تین حرف یعنی sh - ng - x مکرر ہین، اوران کی کوئی خاص آواز نہین ہے، بلکہ "sh" "ش" کی آواز، اور "ng" "ن" کی آواز دیتا ہے، جواعرابی حروف ہین جیسا کہ آگے آئیگا، "x" کاف اور سین کی مخلوط آواز دیتا ہے، حالانکہ ہر کاف اور سین دونون کے لیے علحدہ حروف ہین یعنی S اور اس بناپر اگر اٹھارہ حروف مین سے یہ تینون مکرر حروف نکال دیئے جائین تو پندرہ حروف باقی رہ جاتے ہین، جو حروفِ اعراب کے ساتھ جمع ہوتے ہین،

حروف اعراب | لیٹن خط کے حروفِ اعراب یہ ہین۔

	آواز	حروف
۱	الف اور زیر کے درمیان آواز دیتا ہے،	a
۲	یاے ماقبل مفتوح کی آواز دیتا ہے	E
۳	یاے ماقبل مسکور کی آواز دیتا ہے	i
۴	واو معروف کی آواز دیتا ہے	u
۵	الف فارسی کی آواز دیتا ہے،	o

٦ اب اگران پانچون حروفِ اعراب کو پہلے پندرہ حروف اصلی کے ساتھ جمع کرین تو ۲۰ حروف ہوتے ہین، اس لئے لیٹن خط صرف ۲۰ آوازون کو ادا کرسکتا ہے، حالانکہ فارسی زبان مین ۳۰ آوازین ہین، اس لیے لامحالہ دس آوازون کو انھی ۲۰ حروف سے ادا کرنا پڑیگا، اور اسکی صورت یہ ہوگی کہ دس حروف سے دو آوازین ادا کیجائینگی، یا انھی ۲۰ حروف سے ترکیب دے کر مرکبات بنائے جائین گے، اور ہر مرکب بغیر کسی مناسبت کے ایک آواز کے لیے معین کردیا جائے گا،

زبان فارسی کی آوازین اور علامتین | فارسی رسم الخط مین ۲۷ علامتین لکھی جاتی ہین،

ا	ب	پ	ت	ث	ج	چ	ح	خ	د	ذ	ر	ز	ژ	س	ش	ص	ض	ط	ظ	ع	غ	ف	ق	ک
۱	۲	۳	۴	۵	٦	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱٦	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵

گ، ل، م، ن، و، ہ، ی ـــَ (زبر) ـــِ (زیر) ـــُ (پیش) ـــّ (تشدید) ـــْ (جزم)
۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷

ان مین آٹھ حروف یعنی (ث ح ص ض ط ظ ع ق) جو عربی مین مخصوص آواز رکھتے ہین، فارسی مین مکرر ہین، اور دوسرے حروف کی آواز دیتے ہین مثلاً ث اور ص س کی، ح، ہ کی، ض اور ظ، ز کی، ط، ت کی، ع الف کی اور ق، غ کی آواز دیتا ہے اسلیے اگر ان ۳۷ علامتون مین سے آٹھ کو نکال دیا جاے تو ۲۹ باقی رہجاتی ہین،

موجودہ فارسی زبان مین ذال ز کی آواز دیتا ہے، گو قدیم زمانے مین پہلوی زبان مین اسکی ایک مخصوص آواز تھی، لیکن اب خود اسکی کوئی آواز نہین ہے، اس لیے موجودہ فارسی مین حرف ذال مکرر ہے، اور اب اس کے نکالنے کے بعد ۲۹ علامتون مین سے صرف ۲۸ باقی رہجاتی ہین،

فارسی خط مین جزم (ـْ) کی بھی کوئی آواز نہین ہے، اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نیچے جو حرف ہے اس کا کوئی اعراب نہین ہے بلکہ وہ اپنی اصلی آواز دیتا ہے، تشدید کی بھی کوئی آواز نہین ہے، اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نیچے کا حرف مکرر پڑھا جائیگا، لیکن اگر وہی حرف مکرر لکھدیا جاے تو تشدید کی ضرورت نہ ہوگی اب اگر ان دونون بے آواز علامتون کو بھی نکال دیا جاے تو ۲۶ علامتین باقی رہجاتی ہین، جو اپنی مخصوص آواز رکھتی ہین، لیکن زبانِ فارسی مین چار آوازین اور ہیں جو اس طرح پیدا ہوتی ہین کہ اعراب کی دو قسمین ہین،

(۱) حرکات کے ساتھ اعراب مثلاً زبر و زیر و پیش،

(۲) حروف کیساتھ اعراب مثلاً الف، واو اور ی کے ساتھ جیسے باد، بود اور بند مین الف، واؤ اور ی اعرابی حروف ہین، اب ۲۶ آوازون پر ان تینون آوازون کے اضافے کے بعد ۲۹ آوازین ہوجاتی ہین،

فارسی زبان مین واو کی بھی دو قسمین ہین،

(۱) وہ واو جو دونون ہونٹھون سے اپنی آواز دیتا ہے، مثلاً شو اور قول

(۲) وہ واو جو نیچے کے ہونٹھ اور اوپر کے دانت سے آواز دیتا ہے، مثلاً وہ زیدن کا واؤ، تو اب اگر واو کی اس آواز کا بھی اضافہ کردین تو فارسی زبان کی مجموعی آوازین ۳۰ ہوتی ہین اور اس لحاظ سے فارسی خط میں ان تیس آوازون کے مقابل مین ۳۰ علامتین ہونی چاہئین حالانکہ ایسا نہین ہے، بلکہ صرف ۲۶ علامتین ہین جنمین اگیارہ علامتین یعنی (ث، ح ذ، ص ض ط ظ ع، ق، ۃ (جزم) ۃ (تشدید) بے آواز ہین، اور بقیہ ۲۶ علامتین آواز دیتی ہین، چار علامتین کم ہین کہ انھی ۲۶ حروف مین سے (الف ری) دونون دو آواز دیتے ہین، اور کچھ حرف (ر) تین آواز دیتا ہے، اور یہ فارسی زبان کا ایک نقص ہے،

اب ہم فارسی زبان کی تیسون آوازون کے مقابل مین لیٹن حروف کو لکھتے ہین تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کتنی آوازین بے حرف رہ جاتی ہین،

	آواز فارسی	لیٹن حرف		آواز فارسی	لیٹن حرف
۱	الف اصلی	O	۱۰	ر	R
۲	الف اعرابی	ندارد	۱۱	ز	Z
۳	ب	B	۱۲	ژ	ندارد
۴	پ	P	۱۳	س	S
۵	ت	T	۱۴	ش	ندارد
۶	ج	G	۱۵	غ	ندارد
۷	چ	C	۱۶	ف	F
۸	خ	ندارد	۱۷	ک	Q
۹	د	D	۱۸	گ	ندارد

	آواز فارسی	لیٹن حرف		آواز فارسی	لیٹن حرف
۱۹	ل	L	۲۵	ھ	ندارد
۲۰	م	M	۲۶	ی (اصلی)	j
۲۱	ن	N	۲۷	ی (اعرابی)	i
۲۲	و (از دو لب)	ندارد	۲۸	ـَ زبر	ندارد
۲۳	و (از لب پائین و دندان بالا)	V	۲۹	ـِ زیر	ندارد
۲۴	و (اعرابی)	U	۳۰	و (پیش)	ندارد

خط فارسی کے نقائص فارسی خط کا پہلا نقص جیسا کہ بیان کیا گیا یہ ہے کہ اس مین اگیارہ علامتین بے آواز ہین، اور چار آوازون کے لیے اس مین مخصوص علامتین نہین ہین،

دوسرا نقص یہ ہے کہ حرکات اعرابی کے لیے حروف سے الگ علامتین ہین، جو حروف کے ساتھ نہین لکھی جاتین بلکہ حروف کے اوپر اور نیچے لکھی جاتی ہین، جس سے تحریر مین زحمت ہوتی ہے، اور وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انکو لکھا نہین جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے اعراب تحریر کو صرف منتہی پڑھ سکتے ہین، مبتدی اور غیر اہل زبان کو اس کے پڑھنے مین دشواری پیش آتی ہے،

ایک اور نقص یہ ہے کہ الفاظ کے حروف نہ کلیۃً الگ الگ لکھے جاتے، نہ کلیۃً ملا کر لکھے جاتے بلکہ بعض الفاظ مثلاً "دور" کے حروف الگ الگ، بعض الفاظ مثلاً "گفت" کے حروف ملا کر اور بعض الفاظ مثلاً "شاہ" کے کچھ حروف الگ الگ اور کچھ حروف ملا کر لکھے جاتے ہین، اور اس صورت مین یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ اگر کاتب الفاظ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ چھوڑے، تو بعض الفاظ کے بعض حروف، پہلے لفظ کے بعض حروف سے مل کر پڑھنے مین دشواری پیدا کرتے ہین، یہی وجہ ہے کہ فارسی الفاظ کے پڑھنے کے لیے زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کے پڑھنے لکھنے مین وقت زیادہ صرف ہوتا ہے،

فارسی خط مین یہ نقص بھی ہے کہ اس مین ٹائپ کے حروف اس کثرت سے ہین کہ ایک صفحہ کے چھاپنے کے لیے سیکڑون حروف کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان کے کمپوز کرنے کے لیے بھی مہارت درکار ہے، اس کے برعکس لیٹن خط مین الفاظ الگ الگ حروف مین چھپتے ہین، اس لیے زیادہ حروف کی ضرورت نہین ہوتی، اور کمپوز کرنے مین بھی آسانی ہوتی ہے،

فارسی خط مین نقطون کی کثرت بھی ایک نقص پیدا کردیتی ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ خط فارسی ناقص ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس ناقص خط کا بدل کیا ہو سکتا ہے؟ دنیا کے تمام خطوط ناقص ہین، یہانتک کہ لیٹن خط خود رومی زبان کے لیے ناقص ہے، کیونکہ رومی زبان مین ۲۰ سے زیادہ آوازین ہین جو لیٹن خط کے احاطہ سے باہر ہین، اس وقت یورپ کے اور خط بھی ناقص ہین، مثلاً انگریزی زبان مین ۳۲ آوازین ہین لیکن انگریزی زبان کے خط مین صرف ۲۶ حروف ہین جو ۲۲ آواز دیتے ہین، بقیہ دس آوازین انھی حروف کی ترکیب و تکرار سے نکلتی ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی خط فارسی زبان سے بھی زیادہ ناقص ہے چنانچہ اس کے ثبوت مین ہم انگریزی خط کو پیش کرتے ہین:-

	آواز	حروف		آواز	حروف
۱	ب	B	۱۰	ن	N
۲	د	D	۱۱	پ	P
۳	ف	F	۱۲	ر	R
۴	ج۔ گ	G	۱۳	س	S
۵	ھ	H	۱۴	ت	T
۶	ج	J	۱۵	و (از لب زیرین و	V
۷	ک	K	״	دندان بالا)	W
۸	ل	L	۱۶	و (از دو لب)	
۹	م	M	۱۷	ز	Z

انگریزی زبان کے اصلی حروف مین چار حرف یعنی C . Q . X . Y کی کوئی مخصوص آواز نہین
ہے، بلکہ حرف C کبھی S کی اور کبھی K کی آواز Q، K کی آواز X دو حروف یعنی H اور S
کی آواز اور Y " ز " کی آواز دیتا ہے، جو اعرابی حرف ہین،

انگریزی زبان کے اعرابی حروف حسب ذیل ہین،

۱ A کبھی فتحہ فارسی کی آواز دیتا ہے اور کبھی الف اور فتحہ کے درمیان FATHER
کی آواز FAT

۲ E - کبھی کسرہ کی آواز دیتا ہے اور کبھی یاے معروف کی MEN. ME

۳ i - کبھی یاے ماقبل مفتوح کی اور کبھی یاے معروف خفیف کی آواز دیتا ہو MINE, MILK.

۴ O - کبھی الف فارسی کی آواز دیتا ہے اور کبھی واو معروف کے مشابہ آواز دیتا ہے NOT, VOTE

۵ U - کبھی زبان اردو کے فتحہ کی آواز دیتا ہے اور کبھی یو کی BUT, TIME

اب اگر حروف اعراب کی ان دس آوازون کو حروف اصلی کی سترہ آوازون کے ساتھ جمع کر دین تو ستائیس
آوازین ہوتی ہین، ان کے علاوہ انگریزی زبان مین ش، چ، ژ، ث اور ذال کی آوازین بھی ہین، مثلاً WITH
AZURE, CHURCHSHUT اس لیے اگر ان ستائیس آوازون پر ان پانچ آوازون کا
اضافہ کرین تو ۳۲ آوازین ہوتی ہین، اور یہ تمام آوازین ۲۶ حروف سے بلا تناسب ادا ہوتی ہین،

ان تمام مباحث کے بعد آقاے موصوف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فارسی زبان کے لیے موجودہ فارسی
خط سے زیادہ کوئی خط موزون نہین ہے، اور اسی سلسلے مین فارسی خط کی متعدد خوبیان گنائی ہین جنمین
اس کی سب سے بڑی خوبی خوشنویسی ہے، ایشیا کے فنون لطیفہ مین یہ ایک بہت طرافن ہے، اور اسمین
متعدد صاحب کمالون نے شہرت حاصل کی ہے، اور ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین اور قطعے مختلف
عجائب خانون کی زینت ہین، اگر اس خط کو بدل دیا گیا، تو ایشیا کے ایک مخصوص فن کا خاتمہ ہوجائیگا،

پیرس کے اُردو مخطوطون کی فہرست

از

مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس، ایف۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن)

تاریخ ہند کا مبتدی بھی اس سے واقف ہے کہ فرانسیسیون کا تعلق ہندوستان کے ساتھ کب سے شروع ہوا تھا اس کے ساتھ ساتھ جہان ملک گیری ہوتی رہی وہان ملک گیری کے ساتھ یہان کے نایاب ذخیرے بھی یورپ کو منتقل ہوتے رہے، منجملہ دیگر اشیاء کے ایک قلمی کتابین ہین جو آج بھی پیرس کے قومی کتب خانہ بیبلیوتک نیشنل BIBLITHEQ !!E مین موجود ہین، عربی۔ فارسی، سنسکرت، مرہٹی، تلنگی سے قطع نظر کرکے ہم کو صرف اردو سے بحث کرنی ہے،

فرانس کا محقق اردو، گارسی ڈی تاسی ہے جس کے خطبات کا ترجمہ رسالہ اردو اورنگ آباد مین نواب مسعود جنگ بہادر نے شائع کیا ہے، خیال یہ تھا کہ گارسی ڈی تاسی کا پورا کتب خانہ پیرس کے قومی کتب خانہ مین منتقل ہوا ہوگا، مگر ایسا نہین ہے، صرف چند مخطوطے اس کے یہان آئے ہین اس کا پورا کتب خانہ کیا ہوا؟ کدھر گیا؟ کسی کو اس کا علم نہین ہے،

موجودہ زمانہ مین فرانس کے پروفیسر سنسکرت موسیو جوابلاق اس کی تلاش مین ہین، ممکن ہے، پتہ چل جاسے،

معلوم ہوتا ہے، ڈی تاسی کے مرنے پر اس کے ورثہ نے کتب خانہ کی حفاظت نہین کی، اور وہ منتشر ہوگیا، چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ مین ولی کا جو دیوان ہے وہ ڈی تاسی کی ملک رہا ہے، اس پر اس کے نوٹس بھی ہین، بہرحال افسوس ہے، اردو مخطوطون

لی یورپ کو منتقل کے بعد بھی حفاظت نہین ہوئی !!

پیرس کے قومی کتب خانہ کے اردو مخطوطون کی کیٹلاگ ۱۹۱۲ء مین شائع ہوئی ہے جس کا مصنف (A.CABATON) ہے ، یہ کیٹلاگ ، انڈیا آفس یا برٹش میوزیم کے کیٹلاگ کی طرح صراحت و وضاحت سے نہین ہے ، اور پھر کئی حیثیت سے نا مکمل اور غیر صحیح ہے ،

اوّل تو یہ کہ اردو مخطوطون کو ہندوستانی سے (iNDiEN) موسوم کرکے جو فہرست بنائی گئی ہے اس مین (۲۴۱) کتابین ہین مگر منجملہ ان کے صرف (۵۱) اردو مین ، باقی سنسکرت ، مرہٹی ، تلنگی ، تامل ۔ فرنچ وغیرہ مین ، طرفہ یہ ہے کہ سنسکرت ، مرہٹی ، تلنگی وغیرہ کے بھی علٰحدہ کیٹلاگ ہین ، منتظمین کتب خانہ کے حسب بیان ہندوستانی (iNDiEN) سے صرف اردو مخطوطے مراد ہین ، اس سے واضح ہے غیر اردو کو اردو سے موسوم کرنا کس قدر غلطی ہے ،

دوسری فروگذاشت یہ ہوئی ہے کہ کئی ایک مخطوطے جو ایک دوسرے کے ساتھ مجلد ہین ، ان کا ذکر بھی نہین ہے ، اس طرح کئی کتابین کیٹلاگ سے مفقود ہین ، اور جب تک کتابون کو دیکھا نہ جاے کچھ معلوم نہین ہوسکتا ،

تیسری فروگذاشت یہ ہے کہ اندراجِ فہرست مین کوئی خاص ترتیب فن یا حروفِ تہجی وغیرہ کی نہین رکھی گئی ہے جس کے باعث کسی خاص کتاب کی تلاش مشکل سے خالی نہین ،

ان کے سوا کتابون کے نام مصنفین (جو صرف چند ہین) کے نامون کے متعلق بھی غلطیان تھین ، منتظمین کتب خانہ کو جب ان امور سے آگاہ کرایا گیا تو انھون نے خاص طور پر مجھے اس امر کی اجازت دی کہ کتب خانہ کے صرف اردو مخطوطون کی فہرست مرتب کردون ،

ظاہر ہے یہ کام علاوہ دقت طلب ہونے کے کافی وقت کا مقتضی تھا ، برین ہم فن کے لحاظ سے ایک فہرست مرتب کردیگئی جو غالباً طبع کیجائے گی ،

ناظرینِ معارف کی آگاہی کے لیے یہان کے اردو مخطوطون کی فہرست کا انتخاب ذیل مین پیش

مذہبی

(۱) خلاصۃ المعاملات۔ ورق (۴۲) سطر (۱۵) مصنف سہیل، منظوم

(۲) انواع العلوم۔ ورق (۱۳۰) سطر (۱۵) مصنف سہیل، منظوم،

(۳) فقہ ہندی۔ ورق (۱۲) سطر (۱۲) " امین "

(۴) فرائض نص۔ ورق (۱۴) سطر (۱۳) " "

(۵) نورنامہ۔ ورق (۱۰) سطر (۱۵) مصنف الٰہی بخش "

(۶) انتخاب الکتب۔ ورق (۵۲) سطر (۱۵) " کمال الدین "

(۷) نافع المسلمین۔ ورق (۷۹) سطر (۱۶) "

(۸) رسالہ عقائد۔ ورق (۱۳) سطر (۲۳) " محمد باقر آگاہ "

(۹) ہدایت نامہ۔ ورق (۱۰) سطر (۲۳) " " "

تاریخ

(۱۰) عاشور نامہ۔ ورق (۵۰) سطر (۱۱) مصنف۔ عبدالملک، " سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ

(۱۱) نکات الشعرا۔ ورق (۵۳) سطر (۱۵) مصنف۔ میر تقی میر "

(۱۲) گلشن ہند۔ ورق (۱۵۲) سطر (۱۷) " مرزا علی لطف "

(۱۳) تاریخ آسام۔ ورق (۱۳۶) سطر (۱۵) " سید بہادر علی حسینی "

یہ احمد شہاب الدین کی تاریخ آسام کا (جو ۱۰۷۳ء مین مرتب ہوئی تھی) ترجمہ ہے جس کو سید بہادر علی حسینی نے ۱۸۰۵ء مین کیا ہے،

(۱۴) ہشت بہشت۔ ورق (۲۱۱) سطر (۲۳) مصنف۔ محمد باقر آگاہ، "

(۱۵) سری کشن ورق (۴۹۰) سطر (۱۵)

قصص

(۱۶) ترجمۂ گلستان - ورق (۱۸۰) سطر (۱۱)

(۱۷) نسخہ ثانی - - (۷۴) سطر (۱۱) صرف باب اول کا ترجمہ ہے،

(۱۸) پدماوت - ورق (۲۰۸) سطر (۱۱) مصنف - ملک محمد جائسی.

شیر شاہ سوری کے زمانہ مین اول مرتبہ پدماوت بزبان بھاکا مرتب ہوئی ہے، "پدماوت" پر ہم نے تفصیل سے مضمون لکھا ہے جو نیرنگ خیال مین شائع ہوا ہے، اس وقت یہ "بھاکا" کتاب دستیاب نہین ہوئی تھی، اس لیے اس کی صراحت اس مین نہین ہے، کیمبرج مین بھی اس کا ایک نسخہ ہم نے دیکھا ہے، پیرس کا یہ نسخہ ۱۱ رجب ۱۱۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، پہلا شعر حسب ذیل ہے:

سنورون آدایک کرتارو — جین جیو دنیہ کینہ سنسارو

(۱۹) افسانۂ ہندی - ورق (۵۶) سطر (۱۵) . . . . نثر

(۲۰) قصۂ جنگ امیر حمزہ - ورق (۹۶) سطر (۱۲) . . . . نثر

یہ قصہ داستان امیر حمزہ کے سوا ہے، اس مین ۲۲ قصون مین کتاب ختم ہوتی ہے، تاریخ کتابت ۱۱۹۵ھ

(۲۱) مثنوی سحر البیان - ورق (۳۳) سطر (۱۱) مصنف - میر حسن.

(۲۲) دوسرا نسخہ ۱۲۱۳ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۲۳) تیسرا نسخہ ۱۲۳۱ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۲۴) چوتھا نسخہ . . . .

(۲۵) مثنوی راسخ - ورق (۳۱) سطر (۱۱) مصنف راسخ سنہ کتابت ۱۲۳۱ھ

(۲۶) قصہ خاور شاہ - ورق (۲۱۶) سطر (۱۱) مصنف - غلام حسین - منظوم

داستان امیر حمزہ کی طرز پر شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ مین مرتب ہوئی ہے، پہلا شعر:

کیا کہے اب زبان حمد خدا　　　ماعرفناک جب نبی نے کہا

(۲۷) مثنوی یوسف زلیخا۔ ورق (۱۴۹) سطر (۱۴) مصنف محمد امین۔
سنہ تصنیف ۱۱۰۹ھ۔ یہ مثنوی عالمگیر کے عہد مین بھروچ (گجرات) مین لکھی گئی ہے، اس کے متعلق مین نے تفصیل سے علیحدہ مضمون لکھا ہے، جو "جامعہ" مین شائع ہوا ہے،

(۲۸) وامق وعذرا۔ ورق (۴۰) سطر (۱۱) منظوم

(۲۹) انتشار نور تن۔ ورق (۱۹۳) سطر (۱۵) مصنف محمد بخش ہجور شاگرد "جرأت" غازی الدین حیدر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہے، سنہ تصنیف ۱۲۳۰ھ یہ نسخہ خود مصنف کا قلمی ہے،

منظومات

(۳۰) معراج نامہ۔ ورق (۳۴) سطر (۱۵)

(۳۱) دوازدہ ماسہ ورق (۱۵) سطر (۱۱) مصنف کا نام باوجود تلاش نہ معلوم ہوا،

(۳۲) کلیاتِ سودا۔ ورق (۴۴۲) سطر (۹ تا ۱۲) مصنف، مرزا رفیع سودا

(۳۳) نسخہ ثانی۔ - - - - - - - - - - -

(۳۴) مجموعۂ کلام۔ ورق (۲۳) سطر (۱۱) ولی اور سودا کا مختصر انتخاب ہے،

(۳۵) دیوانِ عاجز۔ ورق (۴۰) سطر (۱۵) عارف الدین خان عاجز کا دیوان ہے جن کی مثنوی لال وگوہر بھی مشہور ہے، اس کے دو نسخے انڈیا آفس اور ایک نسخہ برٹش میوزیم مین ہے،

(۳۶) دیوانِ علیم اللہ شاہ۔ ورق (۹۶) سطر (۹) مصنف علیم اللہ شاہ سنہ کتابت ۱۲۵۷ھ

(۳۷) مجموعہ کلام۔ ورق (۱۷۶) سطر (۹) چند فارسی اور اردو غزلون کا مجموعہ ہے۔

(۳۸) راگ ہائے ہندی۔ ورق (۴۵۴) سطر (۱۵)

(۳۹) کلام چراغ علی شاہ۔ ورق (۲۲) سطر (۱۰) مصنف چراغ علی شاہ،

(۴۰) دیوانِ امان ـ ورق (۷۶) سطر (۱۱) مصنف ـ امان ـ

(۴۱) تحفۃ النسار ـ ورق (۱۸) سطر (۲۳) مصنف ـ محمد باقر آگاہ ،

(۴۲) ریاض الجنان ـ ورق (۷۲) سطر (۲۳) مصنف "

(۴۳) رسالہ فرقہائے اسلام ـ ورق (۷) سطر (۲۳) مصنف "

(۴۴) ہدایت نامہ ـ ورق (۱۰) سطر (۲۳) مصنف "

متفرق

(۴۵) چند خطوط ـ کسی غیر معروف شخص کے چند خطوط ہین، ورق (۱۱) سطر غیر معین ،

(۴۶) لغت فارسی و اردو ـ ورق (۱۲۱) سطر (۱۲)

(۴۷) آموز المنشی ـ ورق (۱۷) سطر غیر معین،

(۴۸) چند یادداشتین، ورق (۳۰) سطر (۱۵)

(۴۹) اردو و فرنچ ـ ورق (۱۰۲) سطر (۱۱)

(۵۰) آئین و قواعدِ افواج کمپنی علاقۂ مدراس ـ ورق (۳۵) سطر (۱۳)

انگریزی فوج مقیم مدراس کے متعلق فوجی قواعد اور سزا وغیرہ کے قانون بیان کئے گیے ہین،

(۵۱) نامعلوم الاسم ـ ورق (۱۱۲) سطر (۱۱)

تصوف مین ایک نامکمل کتاب ہے پنجابی زبان مین لکھی گئی ہے،

یہ ہے کل مخطوطون کی تفصیل جو پیرس کے قومی کتب خانہ مین محفوظ ہین،

آثارِ علمیہ ادبیہ

شادِ مرحوم کے ڈھائی خط

مقبول بینوا کی بیالیس تینتالیس برس کی کمائی یا علمی و ادبی سرمایہ میں کم و بیش ایکہزار خط ایسے محفوظ ہیں جنپر دنیائے ادب و انشا کو ناز ہوسکتا ہے، ان میں اعزہ و اساتذہ کی تحریرات بھی ہیں اور مشاہیر اہل قلم کی بھی، زندگی نے وفا کی تو استعفاے خدمت کے بعد ان جواہر پارون کو انتخاب و ترتیب دیکر قدر شناسون کے نذر کرونگا، ورنہ اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ، لیکن جولائی کے معارف میں "متروکات شاد" کو دیکھ کر مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی، ان کے تین خط تلاش سے اس وقت مل گئے، پیشکش احباب ہیں، پہلا والانامہ خود بتاتا ہے کہ کس موقع پر کس تقریب سے لکھا گیا تھا، میرے والد بزرگوار فتحپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے، ایک نامور فاضل ادیب و شاعر اور صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کی حیثیت سے شاد نے اپنی بعض کتابیں ان کو بھیجی تھیں، میں ایک نوعمر طالب علم تھا نوآموز و نومشق، شاد کی مثنوی "نوید ہند" پر ریویو لکھا جو شاید (اودھ اخبار لکھنو اور) ریاض الاخبار گورکھپور (دونون) میں چھپا، مرحوم نے قدر شناسی اور اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی، دوسرا صحیفہ عطاے خطاب "خان بہادر" کی تہنیت کے جواب میں صادر ہوا تھا، تیسرا (کارڈ) آخری تحریر ہے، جب میں شاد کو اور وہ مجھے بھول چکے تھے، مئی ۱۹۲۴؁ء کے معارف میں ان کی ایک غزل چھپی، ایک مصرع میں کوئی لفظ چھوٹ گیا تھا، سکتہ سا تھا، میں نے اپنا خیال عرض کیا، آپ نے تصدیق اور اس فروگذاشت کی تصحیح فرمائی،

شاد تو دنیا سے رخصت ہوچکے اور یہ ناچیز شاد و ناشاد ان کے نقش قدم پر چلنے کو تیار ہے ع

ماندہ ایم و نگیستی سخن از ما ماند

(مقبول صمدانی)

(۱)

مطاع محترم من دام معالیکم و بورکت ایامکم ولیالیکم ، تسلیم دو عنایت نامے باعث مزید شکر گذاری ہوئے ، س

قاصد رسید و نامہ رسید و خبر رسید — در حیرتم کہ جان بکدامی کنم نثار

نامۂ منظور کے عطا فرمانے کا شکریہ دل سے بجا لاتا ہون ، مین ایسی بیش بہا اور نایاب کتاب پر ضرور کچھ لکھ کر خدمت عالی مین پیش کرونگا ، گو اسکی لیاقت نہین رکھتا کہ ایسے باکمالون اور وحید عصر فاضلون کی تصانیف کو سمجھ بھی سکون ، آپ کی غائبانہ محبت ، لیاقت ، ریاست ، متانت نے ضرور میرے دل پر انتہا سے زیادہ اثر پیدا کیا ، اور مین اس ریویو کا جو نوید ہندی نا چیز کتاب پر لکھا گیا بے انتہا ممنون ہون ، میرا ہرگز یہ قاعدہ نہین کہ اپنی غم انگیز کہانی ایسے سنجیدہ اور لائق فائق لوگون کے سامنے لے بیٹھون مگر تعمیل حکم کے بغیر چارہ نہین ، قلت فرصت سے اگر اختصار ہو جاے تو قابل عفو تصور کیا جاؤن ، ورنہ اپنے نزدیک اسی مختصر مین کوئی بات اٹھا نہ رکھونگا ، انشاء اللہ یہ خیال کر کے کہ آپ بھی اس ہذیان سرائی کو ایک دل لگی سمجھین ، اسکو فصل فصل کر کے لکھتا ہون ،

فصل اول نسب کے بیان مین — میرا پر دادا نواب سید دانش مند خان محمد شاہی امیر الامرا خاندوران کا بہنوئی ہے ، خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ کے خاندان مین منسوب ہون ، میری دادی قطب الملک سید عبد اللہ خان بارہہ وزیر اعظم کے خاندان کی ہے ، نانا میرا نواب لطف اللہ خان صادق ہے ، جس نے کئی بادشاہان دہلی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے جھیلے ہین ، نانی میری نواب مہابت جنگ صوبہ دار بنگالہ کے خاندان سے ہے ، ان لوگون کے حالات موجودہ سب تاریخون مین کم و بیش مندرج ہین ، اب تک گورنمنٹ سے مجھکو تنخواہ ملتی ہے ، اور بزرگون کا کسی قدر التمغا بھی میرا وجہ بقاے معیشت ہے ،

فصل دوم حالات تحصیل علم مین — مین انگریزی مطلق نہین جانتا ، اسکی حسرت ضرور ہے ، عربی مین صدرا تک بے ترتیب کتابین تحصیل کی ہین ، چونکہ میرے چچا کا گھر ایرانیون کی فرودگاہ تھا ، اس لیے فارسی زبان مین کسی قدر دستگاہ ہو گئی ، یہان چوڑ

برس ساتون کو جاگ جاگ کر سب قسم کی کتابون کو ضرور دیکھ گیا ہون، چاہے کچھ یاد رہا ہو یا نہ رہا ہو، پانچ برس تک اخبار نسیم سحر پٹنہ کا آنریری اڈیٹر بھی رہ چکا ہون، پندرہ برس کی عمر سے شاعری کا ناصور پیدا ہوا، اب عمر میری تقریباً ۴۴ سال کی ہے، میری تصانیف علاوہ ان کے جو چھپ گئی ہین، ایک اردو کا دیوان ہے جسمین غزلین دو ہزار سے زیادہ اور اکثر اقسامِ نظم پر مبنی ہے، مین مثنوی کا شاعر نہین ہون، اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ مثنوی کی نسبت میری غزلیت زیادہ ہے، اور مینا کار اس کے بھی یہی تصفیہ فرماتے ہین، غرض کلیاتِ نظم ۴۴ جزون مین اور کلیات نثر ۶۲ جزون مین ہے، میرے شاگرد اکثر صاحبِ دیوان ہین، حکام انگریزی گورنمنٹ مجکو میرے فن کے ساتھ جانتے اور پہچانتے ہین، یہ احوالات صاف صاف جو تھے وہ عرض کئے گئے، بخدا اسے لم یزل خود ستائی و یادہ گوئی نہین ہے،

فصل سوم تنازع اہل وطن کے باب مین ابتداے مشق شاعری مین مین بھی مشاعرون مین شریک ہونے لگا، بعد چندے جو لوگ کہنہ مشق تھے حسد کی نگاہون سے دیکھنے لگے، تھوڑے دنون بعد کچھ لوگ اور بھی ان کے شریک احوال ہو گئے، اور ہمیشہ یہی قصد رہا کہ جس طرح ہو سکے اور جہان تک ممکن ہو میری شہرت کو مٹا کر ذلیل و رسوا کرین لیکن کوئی صورت مدتون تک نہ نکلی، یہان تک کہ مین نے ایک کتاب موسوم بہ **نواے وطن** لکھی، اور اتفاق کا بڑا ہو کہ بلا غور و نظرِ ثانی چھپ بھی گئی، اسکو زمانہ پانچ چھ برس کا ہوا، اس کتاب سے میرا اصل مقصد تو فقط یہی تھا کہ میرے ہموطن استعمالِ محاورات اردو مین غلطی نہ کرین گو ضمناً اور بھی مقاصد تھے، قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو غلط نہین سمجھ لیتا اصلاح نہین کرتا اسی بنا پر مین نے پہلے اہل عظیم آباد و اطرافِ عظیم آباد کے لوگون کے محاورات کی غلطیان ثابت کین، اس کے بعد اس کی اصلاح کو لکھ دیا، ساتھ اس کے یہ بھی ثابت کیا کہ اس زمانہ کے بہ نسبت اگلے زمانہ والون کی زبان نہایت فصیح تھی، اگر ہمارے زمانہ مین بسبب کمی مقدرتِ اہل شہر اہل دہات کے عروج نے گویا انھین کی زبان کو زبانِ فاتح بنا دیا، تماشہ یہی قصور مین قصور رہے جیسا کہ مثنوی فغانِ دلکش اور نواے وطن کے ملاحظہ سے ثابت ہوگا، اس زمانہ مین اندین کرانکل ایک اردو اخبار بعض اہل شہر کے چندہ سے یہان چھپتا تھا، اس کے ایک صاحب نئے اڈیٹر ہوسے تھے، خدا جانے کیون ان کو

مجھ سے چشمک تھی، انھون نے نواے وطن کا ریویو نہایت معترضانہ بلکہ معاندانہ و مخاصمانہ و نامہذب چھاپا، انسونین یہ کہ انھون نے ریویو مین صداقت کو خیرباد کہکر لوگون کے برانگیختہ کرنے کو جابجا اس قسم کے ریمارک دیے کہ مصنف اہل دہات کو جانور اور بہائم سمجھتا ہے، مصنف اہل دہلی و لکھنؤ تک کو بھی نہین مانتا، مصنف بجز اپنے کسی کو قابل نہین سمجھتا، مصنف عظیم آباد والون کی زبان کو بدنام کرنے کے لیے وہ کہتا ہے وغیرہ وغیرہ، معاند فرقہ تو اسی انتظار مین بیٹھا ہوا تھا، ریویو دیکھکر مخالفت پر اٹھ کھڑا ہوا، علی الخصوص وہ سنئے انگریزی دان جو میری مخالفت مین اپنی نام آوری سمجھے ہوے تھے کثرت سے اُس اخبار مین مراسلات بھیجنے شروع کیے، افسوس اس کا ہے کہ صاحبانِ انصاف نے اُس وقت پوری چشم پوشی کی، یعنی اس قصد سے بسببِ خوفِ فتنہ انگیزی زمانہ بالکل پہلو تہی کی، یا اپنے نواے وطن کو منگا منگا کر خود ان لوگون نے تصدیق کی کہ مصنف پر نہایت ظلم ہو رہا ہے اور مخالفون کو اپنی اپنی جگہ پر خوب خوب سمجھایا، مگر وہ حضرات تحریرون سے سخت زبانیون سے کسی طرح باز نہ آئے، چشم پوشی اس خیال سے کہہ رہا ہون کہ تحریر مخالفانہ کی تردید کسی نے نہین کی، اب کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے خود کیون نہین کی، بیشک یہ صحیح ہے مگر سخت زبانیون اور گالیون کا جواب مین کیا دیتا، اس مخالفت کا اثر یہانتک پھیلا کہ بعض رؤساے شہر جو اس اخبار کے معاون تھے یعنی جنکے چندہ سے وہ اخبار چھپتا تھا، میری محبت سے چندہ سے کنارہ کش ہو گئے اور اخبار بند ہو گیا، جس زمانہ مین اخبار بند ہوتا ہے مخالفین نے سمجھا کہ شاید میری ہی ریشہ دوانی سے بند ہوتا ہے مجمع کر کے قصد کیا کہ میرے گھر مین آگ لگا دین، مین نے صبر کیا اور گھر کا دروازہ بند کر لیا، خلاصہ یہ ہے کہ اسکی خبر جناب کلکٹر صاحب بہادر کو ہوئی اور انھون نے بعض مخالفین کو بلا کر دھمکایا اور چشم نمائی کی، غرض اس کے بعد یہ مادہ یون نکلا کہ ان مخالفین گروہ نے آپس مین چندہ کر کے مستقل ایک اخبار نکالا جس کا نام الپنچ ہے، اُس اخبار نے کوئی بات میری نسبت اٹھا نہین رکھی، دو برس تک خوب خوب پھکڑ اور ہجوون سے کام نکالا، مگر دو برس بعد جب مین نے فغانِ دلکش شائع کی تو بہت سے معاندین اُس سے کنارہ کش ہوے اور اخبار کا زور ٹوٹ گیا، دوسرے یہ ہوا کہ اُس اخبار کے سات شخص معین تھے، پہلا شخص موت فجاۃ مین

جوان مرگ ہوا، خدا اس کے گناہون کو بخشے؛ دوسرے کو بھی موت نے کھینچا، تیسرا شخص ریل مین کچلکر ہلاک ہوا، لیکن اخبار ابھی تک چلتا ہے، ہرچند زور ٹوٹ گیا ہے، مین خدا اور اسکے رسول برحق کو گواہ کرتا ہون کہ زمین پہلے اس کے عوض کا خواہان تھا، نہ اب ہون، خدا جانے مجھ سے کیا گناہ عظیم سرزد ہوا تھا جسکی مکافات مجھپر ہوئی، وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی، اس بدآب وہوا کا اثر لکھنؤ تک پھیلا، یعنی میرے مخالفین نے اودھ پنچ کو خبر کی کہ علی محمد شاد منشی امیر احمد وغیرہ کو بھی لپنے نزدیک ایک ناچیز جانتا ہے، چونکہ آزاد کے اڈیٹر اور اپنچ کے اڈیٹر سے ملاقات تھی اور آزاد کے اڈیٹر اور اودھ پنچ کے اڈیٹر سے قرابت ہے، اسلیے اس اخبار مین بھی بے واسطہ مجھپر سخت زبانیان ہوگئین، مین ان باتون کو بچشم عبرت دیکھتا رہا، یہان تک کہ مشیر قیصر نے میری مدد کی اور اودھ پنچ اور آزاد مخالفت سے باز آگئے، اب دو برس سے کوئی مخالف تحریر میری نظر سے نہین گذری ہے، ہان مین شکر گذار ہون کہ نصرت الاخبار دہلی اور آفتاب عالم آرہ نے میری بہت کچھ معاونت کی، اور میرے آنسو پونچھے مگر کیا ہوتا ہے میرا دل ملک والون سے بہت چھوٹ گیا، میرا خیال ہے کہ مخالفت کی بدآب وہوا متعدی ہے، خصوص جب محرک موجود ہون، اسی طرح موافقت کی آب وہوا، ہان اگر اب بھی دو چار خداترس، دو چار اخبارون مین برابر کوشش کرکے تحریرین چھاپا کرین تو زمانہ کا رنگ بدل جائے گا، اگرچہ مین اپنی جگہ پر سمجھتا ہون کہ میرے مرنے کے بعد جسکا زمانہ بہت قریب ہے، میرا ماتم عموماً لوگ کرین گے کیونکہ مین تصانیف کی باقیات الصالحات بہت کچھ چھوڑ جاؤنگا، اور موت میری مخالفت کو فنا کر دے گی مگر مجھے کیا. نوید ہند پر اب تک چار ریویو میری نظر سے گذرے، آزاد دہلوی اور نصرت الاخبار اور مشیر قیصر اور حضرت مقبول کے مگر دل دہی اور انصاف اسی پچھلے ریویو مین زیادہ تھا، فغان دلکش پر صرف آزاد نے اچھا ریویو لکھا تھا، اگرچہ بہت مختصر تھا مجھے یاد نہ رہا کس پرچہ مین تھا، ایک برس سے البتہ دیکھ رہا ہون کہ ملک کسی قدر قدردانی پر آمادہ ہوا ہے، روز دو چار نئے شائق میری کتابون کو مانگ بھیجتے ہین بعض بہت کچھ تعریفون کے دفتر لکھ کر بھیجے طالب جواب ہوتے ہین، مگر واللہ نہ مجھے فرصت ہے اور نہ مین اسکا

خواہان کہ میری تحریف مجھی سے بیان ہو اگر قدردانی مقصود ہے تو اُنھین تحریرون کو اخبارون مین شائع کرنا بہتر ہے آپ نے جس سرگرمی اور لیاقت و متانت سے مجھ پر توجہ کی ہے مجھکو صرف مسرت نہین بلکہ مین اسکو اپنا فخر سمجھتا ہون، اور امید ہے کہ آپ اپنی مضبوط اور بلیغ تحریرون سے زمانہ کی ہوا کو ضرور بدل دینگے، اپنے والد ماجد کے حضور اقدس مین اس خادم عقیدت شعار کی تسلیم فرمائی جائے، اور عرض کیا جائے کہ حضرت کے کمال سے مین پہلے ہی آگاہ ہو چکا ہون، اور رسالہ منظور کی کیا تعریف کرون کہ مستغنی عن الاوصاف ہے مگر پھر بھی انشاءاللہ کچھ لکھکر حاضر کرونگا،

نواے وطن انشاءاللہ کل پرسون تک خدمت مین ابلاغ کرتا ہون، زیادہ والتسلیم

میری ہذیان سرائی پر مجھے معاف فرمایئے گا، اصل کیفیت بینی و بین اللہ لکھدی، فقط

۱۲ رجب المرجب ۱۳۰۵ھ مین عظیم آباد	نمقہ بیناہ الفقیر الحقیر السید علی محمد عفا عنہ

یہ عریضہ نہایت جلدی مین لکھا ہے، ضرور غلط ہوگا امید وار عفو ہون، فقط[1]

[1] دنیا بھی عجیب انقلاب کا مرقع ہے، حضرت شاد جن دیہاتی معترضین کی طرف اشارہ کر رہے ہین، ان مین سے اکثر میرے عزیز و قریب تھے، صوبہ بہار کا دور اول تھا جب پرانی تعلیم کی جگہ نئی تعلیم لے رہی تھی حسن اتفاق سے اس نئے دور کے ہونہار افراد تمامتر نوجوان تھے جو عربی تعلیم کی تحصیل کے بعد انگریزی زبان یا انگریزی خیالات سے متاثر تھے، اس جماعت کے ممتاز افراد حسب ذیل اصحاب تھے، مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی مرحوم (متعدد کتابون کے مصنف اور مترجم ہین) مولوی سید رحیم الدین مرحوم (اڈیٹر الپنچ) پروفیسر شہباز مرحوم، مولوی سید شرف الدین صاحب جج ہائیکورٹ، حافظ فضل حق آزاد، شمس العلما، حافظ حبیب الحق، اس وقت صرف آخری دو صاحب زندہ ہین، باقی ہستیان تاریخ کی داستان بن چکین ان واقعات کیساتھ ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے، مولوی اعظم صاحب ایک بزرگ تھے آخر عمر مین ان کو میری نے اپنے چھوٹے چچا (مولوی سید ابو یوسف صاحب) کیہمراہ جنسے ان کے تعلقات بالکل برادرانہ تھے، ایک دفعہ دیکھا تھا، انھون نے ولایتی بیگم کی دلچسپ و طویل داستان لکھی تھی جو قصہ کیساتھ اپنی زبان کے لحاظ سے بھی بڑی دلچسپ تھی، کہا جاتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب حضرت شاد مرحوم کو نظر ثانی کیلئے دی، شاد مرحوم نے اس کتاب کو اپنے نام شائع کردیا، اور صورۃ الخیال اسکا نام رکھا اس واقعہ نے اس فتنہ کے بھڑکانے مین باد تند کا کام کیا، خط کے بعض مندرجات تصویر کا ایک طرفہ رخ ہین،

تفصیل بالا سے اندازہ ہوگا کہ پٹنہ عظیم آباد اور اسکے اطراف کے مردم خیز دیہات و قصبات آتی اسی قسم کی جنگ تھی جیسی لکھنؤ مین کبھی تمیز شوق قدوائی اور عبدالحلیم شرر، اودھ پنچ اور دوسرے اصحاب کے درمیان شہری اور قصباتی کے نام سے برپا رہی،

لیکن شاد مرحوم کے حسن ظن یا اگلے بزرگون کے اختلاف نما اخلاص کا نتیجہ سمجھئے کہ حضرت شاد نے جب اپنا دیوان چھپوانا چاہا تو اطراف عظیم آباد کی ایک دیہاتی قصباتی کو جو ان کے مخلص حریفون کا آغوش پروردہ تھا، اُسپر تقریظ لکھنے کا اہل سمجھا، اور اپنی آخری تصنیف حیات فریاد کی زیر نظر اشاعت کیلئے وصیت فرمائی، یہ مین ازراہ خود پسندی نہین لکھتا، بلکہ ان بزرگون کی یادگاری کیلئے یہ چند سطر چا واقعہ کے چالیس پچاس برس بعد لکھ رہا ہون جسکا موقع فریقین سے بیگانہ ایک تیسرے شخص (سید مقبول احمد صاحب) نے اتفاقاً پیدا کر دیا ہے، اب نہ شاد ہین نہ شاد کے حریف، نہ وہ قصے نہ وہ چرچے، اب نہ وہ چمن ہے، نہ وہ بلبل، نہ وہ بزم ہے نہ وہ شمع،

نواے وطن کا وہ نسخہ جو معترضین کے استعمال مین تھا اب کتبخانہ الاصلاح دیسنہ (بہار) مین تبرکاً محفوظ ہے،

ان اعتراضات اور تنقیدون نے شاد مرحوم کو اور زیادہ زبان و محاورات مین محتاط بنا دیا، اور بالآخر وہ وقت آیا کہ حضرت شاد کی پیشینگوئی پوری ہوئی مرنے کے بعد نہین بلکہ انکی زندگی ہی مین جب مخالفت اور تعصبات کی آندھیان تھم گئین تو انکے شاعرانہ فضل و کمال کا نور ہر طرف چمکتا نظر آیا (سید سلیمان ندوی)

(۲) مکرمی روحی فداکم

تسلیم بالتکریم ۔ مین آپکو بھول جاؤن ع این خیال ست و محال است، مگر بات یہ ہے کہ برسون سے پاؤن مین چکر ہے کبھی بلدہ جانا کبھی کلکتہ شاید اس بیچ مین کوئی سرفراز نامہ آیا ہو اور مجھے نہ ملا البتہ مین نے بھی نیاز نامہ ارسالِ خدمت نہ کیا، واللہ مجھے یہی خیال رہا کہ معلوم نہین اندنون آپ کہان تشریف رکھتے ہین، اب پتہ ملگیا اگر اب کوتاہ رقمی ہو تو قصوروار ہون، بیشک گورنمنٹ عالیہ نے مجھے خطاب مرحمت فرمایا اور یہ خطاب محض شاعری نے مجھکو دلوایا ہے، اسکی بھی ایک داستان ہے اگر لکھنے بیٹھون تو کتاب ہو جائے، جہانتک مجھے معلوم ہے گورنمنٹ نے میرے نظم خیالات کو مطبع سے نکالکر خوب چھپوایا ہے تب یہ اعزاز عنایت کیا، امید ہے کہ اس سے زیادہ قدردانی ہو، مگر میرا وہی خیال ہے ؎

زمین شدیم چہ شد آسمان شدیم چہ شد بچشمِ خلق سبک یا گران شدیم چہ شد

البتہ مجھکو اس بات کا فخر ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ مین سب سے زیادہ رتبہ ہندوستان کی شاعری کا پست تھا، مگر مین نے اسی کو وسیلۂ ترقی قرار دیا، فالحمد للہ علیٰ ذالک،

آپنے مطلق اپنے حالات و کوائف سے مجھکو مطلع نہ کیا کہ اندنون آپ کیا کر رہے ہین اور اپنے مرحوم و مغفور والد ماجد کی جگہ پائی یا نہین، مین سب سے زیادہ اسکا مشتاق ہون، خدا آپ کو کامیاب و فائز المرام کرے، آمین،

۱۵ رجنوری ۱۹۱۱ء از عظیم آباد خاکسار السید علی محمد عفا عنہ،

(۳)

میرے مخدوم، تسلیم بہ الوف تکریم، درست فرمایا مصرعہ یون ہے، ؎

قدم اٹھتے نہین کیون جانبِ دیر کسی مسجد مین بہکایا گیا ہون

معلوم نہین اس غزل کے کتنے شعر چھپے ہین، پندرہ سے زیادہ ہین، اور سب مین ایک مضمون ہے، میرا دیوان میرے پیش نظر چھپنا تو شروع ہوا ہے، خدا کو علم ہے کہ تا انجام زندہ رہون نہ رہون،

اس سال سے ۷۰ برس عمر کے شروع ہونگے، اللہ ہی اللہ ہے، کبھی کبھی یاد فرما لیا کیجئے، آپ ایسے لوگ اب اس دنیا مین کہان، خاکسار السید علی محمد شاد ۹ رجون ۱۲ء، پٹنہ

بے اختیار آپ کی طرف دل کھنچتا ہے کوئی باطنی سبب ضرور ہے ۔ فقط

اخبارِ علمیہ

امریکہ مین اثری انکشاف

جنوبی امریکہ مین میکسیکو کا ایک بڑا علاقہ گھنے جنگلون سے بھرا پڑا ہے، وہان آبادی کا نام بھی نہین ہے اور کسی کو اس بات کا وہم بھی نہین ہو سکتا تھا کہ کبھی یہ علاقہ آباد اور شہرون سے پر ہوگا، مگر گذشتہ چند سال سے ماہرین اثریات نے اسکی طرف توجہ کی ہے اور گذشتہ سال کے آخر تک تقریبًا ۲۱ سو آبادیون کا پتہ لگایا ہے جہان شکستہ عمارتین اور پختہ راستے اپنی قدیم عظمت پر خاموشی سے مرثیہ خوان ہین؛ اس سال اُنھون نے اپنی تحقیقات کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ اُن علاقون کی (جہان وہ دشوار گذار راستون کی وجہ سے نہین پہنچ سکتے تھے) ہوائی پیمایش شروع کی ہے، اس پیمایش کا ذمہ دار افسر کرنل لینڈبرگ (COL. LINDBERGH) ہے، اور اس نے پہلی ہی پرواز مین تقریبًا نصف درجن ویران نئے شہرون کا پتہ لگایا ہے، اس کا خیال ہے کہ اس علاقہ مین ابھی سینکڑون ایسے ویران شہر موجود ہین، جو گھنے جنگلون سے پوشیدہ ہین، اس نئی دریافت سے امریکہ کے اثری حلقہ مین خاص طور سے دلچسپی لیجارہی ہے، کہ اس کے ذریعہ بہت سے نئے معلومات کے حصول کی امید ہے،

(س ا)

دنیا کی سب سے بڑی ماہر سائنس خاتون

میڈم میری کری، اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ماہر سائنس خاتون تسلیم کیجاتی ہین کہ ریڈیم کی دریافت کا سہرا ان کے اور ان کے خاوند کے سر ہے، انھون نے ۱۹۰۶ء مین اس عجیب و غریب چیز کو دریافت کیا، اور اسی وقت سے اس چیز کی مانگ شروع ہوگئی، میڈم کری دراصل پولینڈ کی رہنے والی ہین، لیکن عرصہ سے پیرس مین مقیم ہین، وہ باہمت ہونے کے ساتھ ہی دل کی بھی بڑی ہین، چنانچہ ۱۹۲۱ء مین جبکہ انکی مالی حالت بہت نازک ہوگئی تھی،

توامریکہ کے ہمدردون نے ان کو ایک گرام ریڈیم اور ایک معقول رقم پیش کی تھی اُنھون نے ریڈیم ایک اسپتال کو دیدیا اور اس رقم سے ریڈیم خرید کرکے اپنے وطن کے دوسرے شفاخانہ کی نذر کردیا، خود انکا دارالتجربہ اپنی وضع کا بہت بڑا تجرباتی مرکز ہے۔

(ل ۔ ٹ)

رفعت پیما کی ایجاد

اس وقت تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہین ہوا تھا جس کے ذریعہ ہوا باز یہ دریافت کرسکتا کہ وہ زمین سے کتنی بلندی پر ہے، اور رات کی تاریکی یا کہرے کی کثرت مین جو حادثے ہوتے ہین، اُن کی بڑی وجہ یہی ہے، اب تک بلندی پرواز معلوم کرنے کی صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ ہوا پیما کے ذریعہ یہ دیکھا کرکہ ہوا کا دباؤ کتنا ہے، یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ اس وقت جہاز زمین سے کتنی دور ہے، مگر فضا کی حالت یکسان نہین رہتی، سردی مین ہوا کا دباؤ بہت بڑھ جاتا ہے، اور گرمی مین اُسی تناسب سے کم ہوجاتا ہے، اس لیے ڈاکٹر الگزنڈرسن نے ایک نیا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے بلندی کا صحیح اندازہ ہوسکیگا،

(س)

نوبل کے سالانہ انعامات

نوبل کے سالانہ مختلف انعامون سے ہندوستان کے اکثر لوگ واقف ہین، اس سال ادب کا انعام جرمنی کے مشہور افسانہ نویس ادیب ہر تھامس من کو ملا ہے، اسکو یہ انعام اس کے افسانہ رڈنبروک (RUDOLENB-ROOKS) کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

طبیعیات کا ۱۹۲۸ء کا انعام لندن شاہی کالج کے ناظم طبیعیات پروفیسر او، ڈبلو، رچرڈسن (PROF O.W.RICHARDSON) کو ملا ہے، اور ۱۹۲۹ء کا انعام پیرس کے ڈیوک ڈی بروگلے (DUCDEBROGLIE) کو دیا گیا ہے، دونون نے برقی ذرات کے متعلق مفید انکشافات کئے ہین،

کیمیا کا ۱۹۲۹ء کا انعام دو ماہرین مین تقسیم کردیا گیا، وہ لندن یونیورسٹی کے مسٹر آرتھر ہرڈن اور سٹاکہم کے پروفیسر وان ایلر ہین،

( )

ناگری پرچارنی سبھا کو عطیہ،

بنارس کی بھارت کالا پرشاد نے اپنے تمام تاریخی و تصویری ذخیرہ کو اپنے ہمشہر ناگری پرچارنی سبھا کو دیدیا ہے، اس ذخیرہ کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ ہے، سبھا نے اپنی عمارت کی بالائی منزل جو حال ہی میں ۲۵ ہزار کی رقم سے بنائی ہے، اس کے لیے وقف کردیا ہے، امید کیجاتی ہے کہ یہ ذخیرہ بہت جلد بڑھ جائیگا،

سائنس کے تاریخی آلات،

برطانیہ کے رائل انسٹیٹیوٹ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے عجائب خانہ مین وہ تمام آلات موجود ہین جن کے ذریعہ اٹھارہوین صدی کے اواخر اور انیسوین صدی کے اوائل کے ماہرین سائنس نے جدید انکشافات کئے ہین، اس وقت اس مجلس کی عمارت زیر تعمیر ہے، اس لیے وقتی طور پر یہ ذخیرہ ایک دوسرے عجائب خانہ مین عام نمائش کے لیے رکھدیا گیا ہے، ان آلات کے دیکھنے سے برقیات، کیمیات وغیرہ کی ترقی کے ابتدائی مدارج سامنے آجاتے ہین، یہ مجلس ۱۷۹۹ء سے قائم ہے، اس کے بانی سر بنجمن تھامپسن ہین، یہان دسمبر کی تعطیل مین مشہور ماہرین سائنس طلبہ کے سامنے، تقریرین بھی کرتے ہین،

ربڑ کی سڑکین،

اس وقت تک یورپ کے بعض مشہور شہرون مین تجربہ کے طور پر ربڑ کی چھوٹی چھوٹی سڑکین بنائی گئی تھین، مگر اب جبکہ یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو رہا ہے، اس کو وسیع پیمانہ پر کام مین لایا جارہا ہے، اس سڑک کے دو بڑے فائدے تو یہ ہین کہ ان پر گاڑیون کی آواز بالکل کم ہوگئی، دوسرے برسات کے موسم مین موٹرین پھسلا نہ کرینگی، ان کے علاوہ انتہائی گرمی مین بھی ان سڑکون کو کوئی اثر نہ ہوگا، اور موجودہ سڑکون سے دیرپا ثابت ہونگی،

امریکہ مین حادثات کی کثرت،

ڈاکٹر ایل، ای، ڈبلن کا بیان ہے کہ اس وقت امریکہ اس حیثیت سے سب سے زیادہ بدقسمت ملک ہے، کہ وہان حادثات سے دنیا کے تمام ملکون سے زیادہ موتین واقع ہوتی ہین، ہر لاکھ آدمیون مین ۷۸ ان

مہلک حادثون کا شکار ہوتے ہین، اس کے مقابلہ مین دوسرے ممالک کے اعداد یہ ہین:-

اسکاٹ لینڈ	۵۰	انگلستان و ویلز	۳۸
جرمنی	۳۶	سویڈن	۳۵
فرانس	۲۹		

یہ ۱۹۲۶ء کا حال تھا، ۱۹۲۷ء مین یہ تعداد اور بڑھ گئی اور صرف موٹر سے اس سال ۰۰۰ ۵ ۲ ۷ مہلک حادثات پیش آئے، یہ تعداد مجموعی حادثون کا ایک ثلث ہے، اس کے علاوہ عورتون کی موتین بھی بکثرت واقع ہوتی ہین،

انسان کی آیندہ شکل

ڈاکٹر اے، ہارڈلیکا نے فیلی ڈلفیا کی مشہور مجلسِ فلسفہ کے سامنے تقریر کرتے ہوے بتایا کہ اس وقت انسانی ارتقار کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے، موجودہ انسان کا وجود تیس ہزار سال سے زیادہ کا نہین ہے، اس سے پہلے انسان کس شکل و صورت کے ہوتے تھے، اس کا فیصلہ اب تک نہین ہو سکا ہے، البتہ اس وقت انسان جس طریقہ سے ترقی کر رہا ہے، اس کو دیکھتے ہوے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیندہ چل کر اسکی کھوپڑی پہلے نرم اور بڑی اور پھر سخت ہو جائیگی، اس کے سر کے بال کم ہو جائین گے، اور اس وقت سے زیادہ طویل القامت ہوگا، انسان کو دیوزاد ہونے کے لیے ابھی عرصہ درکار ہے، اسی سلسلہ مین یہ جاننا بھی دلچسپ ہوگا کہ لوگون کے شوقِ پرواز کو دیکھکر بعض اساتذۂ ارتقاے انسانی کا خیال ہے کہ انسانون کے بازو بہت جلد چمگادڑون کی طرح جھلی پیدا کرلینگے،

ریل کے نئے ڈبے

سویڈن اور جنوبی امریکہ کی ریلوے کمپنیون نے اب ایسے ڈبے بنانے شروع کئے ہین جنکی چھت ضرورت کیوقت آسانی سے ہٹا دیجاسکتی ہے، اور ان سے بند اور کھلے دونون قسمون کے ڈبون کا کام لیا جا سکتا ہے، دوسرے ممالک مین نہایت تیزی کیساتھ اس کی نقل کی جارہی ہے،

ن

ادبیات

سخنِ حبیب

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی المتخلص بہ حسرت

پردۂ ماہِ رخت زلفِ پریشان تا کے — در تہِ ابر نہان مہرِ درخشان تا کے

اے صبا نفحۂ انسے ز ریاضِ طیبہ — وحشت آباد بود این دلِ ویران تا کے

پشتِ پا بر سر و سامان زن و فارغ بر خیز — دردِ سر تا بکجا قصۂ سامان تا کے

نعرۂ ہو زن و در سینہ فگن شورِ نشور — سرخوشِ خواب بود شیرِ نیستان تا کے

خیز و از خونِ جگر تشنہ لبان را بنواز — ماتمِ قیس کند ریگِ بیابان تا کے

کاش از سینۂ مردے شررے باز جہد — دیو پامال کند خونِ شہیدان تا کے

دل پاک است صدف گوہرِ عرفان آمد — غرقِ بحرِ ہوسِ قطرۂ نیسان تا کے

پردہ از رخ فگن و عرصۂ محشر افروز — لاف از نور زند نیرِ رخشان تا کے

یارب از قافلہ رفتہ نشانی نہما — چون جرس گرم فغان این دلِ سوزان تا کے

درے از فیضِ ازل بر رخش از فضل کشا

رو بدیدار بود حسرتِ حیران تا کے

غزل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی

دشواریوں کو عشق نے آسان بنا دیا — غم کو سرور، درد کو درمان بنا دیا

برقِ جمالِ یار یہ جلوہ ہے یا حجاب! — چشمِ ادا شناس کو حیران بنا دیا

اس عشقِ سحرکار کا اعجاز دیکھنا | غم کو نشاطِ روح کا سامان بنا دیا
اس جانفزا عتاب کے قربان جائیے | ابرو کی ہر شکن کو رگِ جان بنا دیا
حسنِ نظارہ سوز کی کوئی خطا نہ تھی | مجھکو ہجومِ شوق نے حیران بنا دیا
کھوئے ہوؤن کا بھی نہ نشان مل سکا کبھی | راہِ طلب کو بھول بھلیان بنا دیا
اے برقِ حسن تیری اداؤن کے مین نثار | ایک مشتِ خاک کو حرمِ جان بنا دیا
کیا ایک مین ہی مین ہون اس آئینہ خانے مین | مجھکو تو کشفِ راز نے حیران بنا دیا
اے ذوقِ جستجو تری ہمت پہ آفرین | منزل کو ہر قدم پہ گریزان بنا دیا
آنسو کی کیا بساط مگر جوشِ عشق نے | قطرے کو موج، موج کو طوفان بنا دیا
اٹھی تھی بحرِ حسن سے اک موجِ بیقرار | فطرت نے اس کو پیکرِ انسان بنا دیا

کیا رنگ دل کا اے غمِ جانان بنا دیا | ہر نیشتر کو ناوکِ مژگان بنا دیا
موجِ شعاعِ حسن ہو یا اضطرابِ شوق | دونون کو کشمکش نے پریشان بنا دیا
کس کی بہارِ حسن ہے میری نگاہ مین | جس سمت اٹھ گئی چمنستان بنا دیا
کیا مشقِ سوزِ عشق کی حسرت نکالیے | آتشکدے کو بھی تو گلستان بنا دیا
بزمِ ازل سے جھاڑ کے دامن چلا جو مین | ذرون نے اٹھ کے عالمِ امکان بنا دیا

محشر مین نقشِ نامِ محمد نے اے سہیل
داغِ گنہ کو درہمِ ایمان بنا دیا

باب التقریظ والانتقاد

جدید رسالے اور خاص نمبر

گذشتہ چھ مہینے اردو صحافت کیلئے خوش آیند و امید افزا نہ تھے، کہ اس شش ماہی مین ایک آدھ کے سوا کوئی ایسا رسالہ عالم وجود مین نہین آیا جو اردو رسائل کی فرسودہ راہ سے ہم کو آگے بڑھاتا، یا کسی خاص موضوع سے متعلق ہمارے معلومات مین اضافہ کرتا، لیکن اس کے ساتھ ہی متعدد رسالون کا جاری ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اردو خوان طبقہ ابھی رسائل کا محتاج ہے، اور اگر واقعی کوئی کارآمد، مفید اور بہتر رسالہ جاری کیا گیا تو اسکا پرجوش استقبال کیا جائیگا۔

بہرحال ہمارے پاس اس شش ماہی مین جو نئے رسائل آئے ہین ان کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے:-

ادبی دنیا چیف ایڈیٹر جناب تاجور نجیب آبادی قیمت سالانہ للعہ ۱۲ پتہ میکلوڈ روڈ لاہور،

اس شش ماہی کے تمام رسالون مین اپنی ظاہری شان، اپنی رنگین و سادہ تصاویر اور اپنے تنوع مضامین کی حیثیت سے اس رسالہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، اس کا مقصود یہ ہے کہ یہ اردو کا ایک ایسا مقبول عام اور پسندیدہ صحیفہ بنے جو موجودہ طرز مذاق کے معیار پر پورا اتر سکے، علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی ہر صنف سخن کے دلدادون کیلئے دلچسپی کا سرمایہ فراہم کرسکے،

اس رسالہ کو جناب سر عبدالقادر کی سرپرستی اور جناب تاجور صاحب جیسے تجربہ کار صاحب تحریر کی خدمات حاصل ہین، اس لیے اس سے بہت کچھ توقع کیجا سکتی ہے،

جن، جناب نیاز صاحب فتحپوری، قیمت سالانہ ۱۲/ پتہ منیجر نگار، نظیر آباد لکھنؤ،

رسالہ نگار کے ایڈیٹر تعارف سے بالاتر ہین ماد(ی) دنیا کے حصول کے بعد اب انھون نے روحانی دنیا کی

طرف قدم بڑھایا ہے، اور اپنے ساتھ اپنے ناظرین کو بھی اس نامعلوم عالم سے باخبر کرنے کے لیے یہ رسالہ نکالا ہے، یہ دعویٰ ہے کہ روحانیات کے مسائل و واقعات اور تجربون نے گذشتہ نصف صدی مین مغرب مین جو حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا ہے، وہ اس کا طالب ہے کہ ان خیالات کا کم ازکم سرسری ہی طور سے اگر عوام کو نہین تو خواص کو علم ہو جاسے، مگر لکھنؤ اگر نگار نے اپنی ادبی شاہراہ چھوڑکر جس طرح ہر مسلّم اور متفق علیہ مسئلہ پر جا و بیجا تنقید شروع کر دی ہے، اس کو دیکھتے ہوے یہ ڈر لگتا ہے کہ دیکھین یہ آتشین پیکر اب کس کس خرمن کو خاک سیاہ کرتا ہے، اور کیا یہ بھی اسی جنگ کیلئے ایک نیا میدان تو تلاش نہین کیا گیا ہے،

خضرِ راہ، اڈیٹر حامد علی صاحب ندوی، قیمت سالانہ سے؎ پتہ:۔ نیا گاؤن، لکھنؤ،

دارالعلوم ندوۃ العلما کے بعض طلبہ نے اس نام کا ایک رسالہ نکالنا شروع کیا ہے، مضامین کے لحاظ سے اس مین ادبی رنگ غالب ہے، اس طرف اس نے بعض مشہور اصحاب قلم کے مضامین حاصل کرنے مین بھی کامیابی حاصل کی ہے،

مشاعرہ، اڈیٹر جناب نوراللہ محمد صاحب نوری، قیمت سالانہ للعہ، پتہ:۔ پرانی حویلی، حیدرآباد دکن،

اس رسالہ کا مقصد طرحی غزلون کا شائع کرنا ہی نہین ہے، بلکہ عروض اور فن شاعری پر تنقیدی مضامین کی اشاعت بھی ہے، اس رسالہ نے اس وقت تک اکثر ممتاز شعراء کے کلام کے حصول مین کامیابی حاصل کی ہے، اور اگر شاعری پر اس کے مضامین بہتر قلم سے نکلتے رہے، تو یقیناً بہت مفید و کامیاب ثابت ہوگا،

پیامِ اسلام، اڈیٹر جناب عبدالحق عباس صاحب، قیمت سالانہ سے؎ پتہ:۔ انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر

رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، انجمن اشاعتِ اسلام جو جالندھر کی تبلیغی انجمن ہے، اسکا یہ نقیب ہے، اس مین ترجمۂ قرآن مجید، مذہبی مباحث اور مناظرانہ مضامین کے علاوہ تاریخ اسلام کے اخلاقی واقعات اور نظم کا بھی حصہ ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی اسمین ایسے مذہبی مضامین بھی شائع ہو جاتے ہین جنکی بنا پر اس کا اصولی مسلک و مشرب مشتبہ ہو جاتا ہے، اس وقت اختلافی تحقیق سے زیادہ متفق علیہ تحقیقات کی اشاعت کی مسلمانون کو سخت ضرورت ہے،

ادب، مرتبہ سید اعظم حسین صاحب قیمت للعہ ر پتہ یحییٰ گنج لکھنؤ،

اردو ادب کا یہ ایک نیا رسالہ لکھنؤ سے نکلا ہے، اسمین زیادہ تر ادبا و شعراے لکھنؤ کے نظم و نثر مضامین شائع ہوتے ہین، ادبی تنقید بھی اس رسالہ کا خاص موضوع معلوم ہوتا ہے، لکھنؤ کی سرزمین ادبی رسائل کے لیے اب تک زمین شور ثابت ہوئی ہے، دیکھنا ہے کہ یہ ادب کی دنیا کب تک آباد رہے،

انکشاف، مرتبہ جناب سید محمد نسیم صاحب انہونوی قیمت سالانہ عہ ر پتہ:- دفتر ایک آنہ فنڈ لکھنؤ،

ایک آنہ فنڈ کی مجلس لکھنؤ کی وہ خاموش کارکن جماعت ہے، جسکی وجہ سے وہان کی مسجدون کی رونق و آبادی اور غریب بچون کی ابتدائی تعلیم جاری ہے، اب اس انجمن نے انکشاف کو اپنے ترجمان کی حیثیت سے نکالا ہے ضرورت ہے کہ رسالہ جس مقدس مقصد کا مبلغ ہے اسی قدر اس کے مضامین اور صورت حال بھی مقدس اور ثقہ ہو، یہ رسالہ وقتاً فوقتاً خاص خاص نمبر بھی شائع کرتا رہتا ہے، چنانچہ اس کا عید نمبر عام حیثیت سے برا نہین ہے، اس کی خریداری ہم خرما و ہم ثواب ہے،

ممالک متحدہ کو اپریٹو ماہوار رسالہ اڈیٹر راے بہادر ہر پرشاد صاحب وکیل قیمت سالانہ عہ پتہ بجنور

صوبجات متحدہ کی مجلس امداد باہمی کی جماعت عاملہ کا یہ ماہوار رسالہ ہے اور اس مین اسی کے متعلق مختلف مضامین شایع ہوتے رہتے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کو زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنایا جاے کہ غریب کسان آسانی سے اس سے فائدہ اٹھا سکین،

رفیق، مرتبہ جناب آغا رفیق بلند شہری قیمت سالانہ عہ، پتہ:- فراش خانہ بلند شہر

جناب آغا صاحب اپنے مضامین وغیرہ کی وجہ سے اردو خوان طبقہ مین عرصہ سے روشناس ہین، اب انھون نے خود اپنا چھوٹا موٹا رسالہ شائع کیا ہے، رسالہ کے مضامین عام پسند ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنی دلچسپ تحریرون کی وجہ سے بقامت کمتر و بقیمت بہتر ثابت ہوگا؛

کامیابی۔ اڈیٹر ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی قیمت سالانہ عہ ر پتہ:- حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

یہ رسالہ مندرجۂ بالا کتابون کی تجارتی کمپنی کا ترجمان ہے، اس مین ایسے مضامین شایع ہوا کرتے ہین جو انسان کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے مین معاون ہون، اس کے علاوہ تجارت، اخلاق اور تعلیم کے سلسلہ مین بھی مفید ہدایات درج ہوتی ہین، ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ "نقلِ کفر کفر نباشد" کا پرانا اصول اب نئے زمانہ مین ناقابلِ تسلیم ہے، آجکل کے متمدن عہدِ صحافت مین "نقلِ کفر ہم کفر است" کا اصول رائج ہے، آپ کسی غرض سے کوئی چیز چھاپین، مگر بہرحال ان خیالات کی تبلیغ اور پروپگنڈے مین داخل، اور عذاب و ثواب اور سزا و جزا مین آپ شریک ہونگے،

ان رسائل کے علاوہ بعض قدیم رسائل نے اپنے خاص نمبر بھی شایع کئے ہین، ان مین مندرجۂ ذیل قابلِ ذکر ہین

عید نمبر و سالنامہ | **نیرنگِ خیال** لاہور، قیمت عمر، نیرنگِ خیال اپنے تنوعِ مضامین اور تصاویر کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کر چکا ہے، وہ ہر سال دو خاص نمبر شائع کرتا ہے، عید نمبر اور سالنامہ، زیرِ تنقید عید نمبر تقریباً ۲۴۰ صفحات کا ہے، اس مین عام مضامین کے علاوہ، عید سے متعلق مختلف مضامین، مطائبات، افسانے، ڈرامے اور نظم کا حصہ ہے، تصاویر مین سہ رنگی ۴، دو رنگی ۲، یکرنگی ۲۰، کل ۲۶ تصاویر ہین، موجودہ عید نمبر گذشتہ نمبرون سے کم نہین ہے، اب اس نے دسمبر مین اپنا سالنامہ شائع کیا ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ہر طرح دلپسند اور دلکش ہے،

دوسرا رسالہ جس نے اپنا شاندار عید نمبر شائع کیا ہے، امرتسر کا نسوانی رسالہ سہیلی ہے، اس رسالہ کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اسکا حلقۂ ادارت تمام تر تعلیم یافتہ خواتین پر مشتمل ہے، مضامین مین بھی تقریباً ۹۰ فیصدی خواتین ہی کے ہین، تصاویر بھی رسالہ کی شان کے مطابق ہین، انکی تعداد رنگین و سادہ ملا کر ۱۲ درج ہے،

رسول نمبر | اس سال رسائل مین سے صرف دو نے رسول نمبر شائع کئے، ان مین ایک جناب ملا واحدی صاحب کا نظام المشائخ دہلی قیمت عمر ہے، نظام المشائخ عالمِ تصوف کا ایک قدیم سنجیدہ رسالہ ہے، اور ابتدائے اشاعت سے ہر سال یہ نمبر شائع کرتا رہا ہے، اس سال بھی اس کا یہ نمبر اپنی دیرینہ روایات کے مطابق ہے، اس مین نظم و نثر کے ملاکر ۴۳ عنوانات ہین، دوسرا رسالہ اسی شہر کا پیشوا ہے، اس کی قیمت عہ ہے، جناب عزیز حسن صاحب بقائی رسول نمبر کے نکالنے مین خاص اہتمام کرتے ہین، ان کے مضمون نگارون مین ہندو مسلم دونون نظم

آتے ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ اس نمبر کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لیے متعدد مقامات متعدد کی تصاویر و نقشے بھی شائع کرتے ہیں،
اس عید نمبر میں تازہ مضامین کے ساتھ کچھ مشہور اہل علم کے پرانے مضامین کے مفید اقتباسات بھی شامل کئے گئے ہیں،

اسی سلسلہ میں **مخزن** کے دو خاص نمبروں کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے، اس میں سے پہلا اس کا سالگرہ نمبر ہے، اور دوسرا افسانہ نمبر، اول الذکر اپنے تنوعِ مضامین کی وجہ سے پراز معلومات اور مؤخر الذکر اپنے خاص موضوع کے اعتبار سے اردو صحافت میں ایک مفید اضافہ ہے، ہر نمبر کی قیمت عہ ہے،

نیرنگ رامپور اپنے خاص نمبروں کی کثرت سے ممتاز ہے، جون کے رسالہ کو اس نے تنقید نمبر کے نام سے شائع کیا ہے، لیکن نفس تنقید اور اس کے ارتقائی مدارج کے متعلق ایک مضمون بھی اس میں نہیں ہے، اس نمبر میں ڈاکٹر سر اقبال اور جناب اکبر الہ آبادی مرحوم کی تحریروں کے عکس بھی ہیں، اس خاص نمبر کی قیمت آٹھ آنہ (۸؍) ہے،

افغانستان اس گئی گذری حالت پر بھی ہندوستان میں فارسی زبان تمام مشرقی زبانوں سے زیادہ پڑھی اور سمجھی جاتی ہے، حبل المتین کلکتہ کے "گہے پیدا و دیگر دم نہان است" صحیفہ کے علاوہ کوئی دوسرا فارسی رسالہ یا اخبار ہندوستان میں موجود نہیں، افغانستان کے گذشتہ دورِ فساد و انتشار نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ ہندوستان سے ایک فارسی اخبار موجودہ فارسی زبان میں شائع کیا جائے، چنانچہ لاہور سے آقا مرتضیٰ احمد خان افغان نے ایک پانزدہ روزہ اخبار افغانستان شائع کرنا شروع کیا ہے، اس کو افغانستان سے وہی نسبت ہے جو حبل المتین کو ایران سے ہے، امید ہے کہ اس ہمسایہ ملک کی سیاسیات سے واقفیت پیدا کرنے کے شائقین اور فارسی زبان سے ذوق رکھنے والے اصحاب، اور عام مسلمان اس کے خریدار بنیںگے، ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ افغانستان، افغانستان سے نکل کر دوسرے ادبی، اخلاقی، تعلیمی عوالم میں قدم رکھے تو اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اور اس اخبار کی دیرپا زندگی کی بھی ضمانت ہوگی، قیمت سالانہ صہ پتہ لاہور،

"ن"

مطبوعات جدیدہ

قاعدہ و کلیہ قاعدہ مرتبہ جناب شیخ چاند بھائی صاحب بی اے، صفحہ ۳۲ و ۱۶، قیمت ۱ و ۱۲ پتہ:- راج کمار کالج راجکوٹ، کاٹھیاوار،

بچون کی ابتدائی تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اس وقت حروفِ تہجی اور آسان عبارت کی تعلیم کے لیے متعدد اشخاص مختلف قاعدے لکھ چکے ہین، یہ قاعدہ اسی کوشش کی ایک کڑی ہے، اس قاعدہ کو صوتی اصول پر مرتب کیا گیا ہے، اور اساتذہ کی ہدایت کے لیے کلیہ قاعدہ کے نام سے ایک الگ رسالہ شایع کیا گیا ہے، اپنے اصول کے لحاظ سے یہ ایک جدید قاعدہ ہے اور ممکن ہے کہ مفید ثابت ہو،

کنز المنافع مؤلفہ مرزا محمد جعفر صاحب رامپوری، ص ۵۶، قیمت ۴ر پتہ:- شیخ جان محمد اللہ بخش تاجرانِ کتب، کشمیری بازار لاہور،

ملا عبد الواسع ہانسوی کا رسالہ درسی کتابون مین داخل ہے، پنجاب یونیورسٹی نے منشی عالم کے امتحان مین بھی اس کو شریکِ نصاب کر دیا ہے، اور اسی سبب سے مؤلف نے اس کا اردو مین طلبہ کی آسانی کے لیے خلاصہ کر دیا ہے، یہ خلاصہ طلبہ کو اصل کتاب سے آزاد کر دیتا ہے اور جو لوگ صرف امتحان کیلئے اسکو پڑھنا چاہتے ہین انکے لئے مفید ہے،

سیرت و کردار، مصنفہ مولوی محمد عبد الرحمٰن صاحب صفحہ ۷۰ قیمت ۸ر پتہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

یہ رسالہ بچون کی اخلاقی حالت درست کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، اور ۴، ابواب پر منقسم ہے، پہلے دو باب مین مدرسہ اور کھیل کے متعلق آداب و اخلاق بتائے گئے ہین، تیسرے مین ملک و مالک کی محبت، خدمت گذاری اور وفاداری پر مختصر و مفید مضامین لکھے گئے ہین، اور چوتھا باب عام اخلاق و آداب پر مشتمل ہے، بچون کی عقل و فہم اور سن و سال کا لحاظ کر کے زبان اور موضوع بھی آسان رکھے گئے ہین، ہر باب مین مختلف موضوع ہین چنانچہ

پہلے باب مین ۱۲، دوسرے مین ۵، تیسرے مین ۴، اور چوتھے مین ۸ موضوع ہین، یہ رسالہ ہر بچہ کے لیے مفید سبق آموز اور اخلاق کی درستی کا سبب بن سکتا ہی، اس رسالہ کا خط بھی جلی اور صاف ہے،

قوم پرست طالب علم مؤلفہ جناب محمد عبد الغفار صاحب، مولوی، صفحہ ۴۰، قیمت ۴ر، پتہ کارکن مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ دہلی،

یہ ڈراما بچون کے کھیلنے کے لیے لکھا گیا ہے، اس مین متحدہ قومیت، حب وطن، ایثار، راست بازی، وفاداری اور بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت ہی اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہین، اور طلبہ مین یہ پاک جذبات پیدا کرنے مین یہ ڈراما یقیناً کارآمد ثابت ہوگا، لیکن اگر اس مین ارشد کو آخر وقت تک طالب علم ہی مین رکھا جاتا تو بہتر تھا، ورنہ اگر ناسمجھ کم سن لڑکون کے دلون مین ہمارے ہیرو کی پیروی کا خیال آگیا تو ان کو تعلیم کی دولت سے محروم ہونا پڑیگا، دوسرے طلبہ کے سن کو بھی واضح نہین کیا گیا ہے،

دوزخ کا کھٹکا مصنفہ جناب مولانا حافظ احمد سعید صاحب، ص ۱۳۶، قیمت عہ، پتہ: منیجر مکتبہ علمیہ بازار بلی ماران دہلی،

اب سے کچھ ماہ پہلے مولوی صاحب موصوف نے ان احادیث کو جنمین جنت کی بشارت دیگئی ہے جنت کی کنجی کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کرایا تھا، اور اب انھون نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جنمین عذاب دوزخ کا ڈر دلا کر لوگون کو گناہون سے روکا گیا ہی، عوام کے لیے اس کا مطالعہ بہتری کا باعث ہوگا۔

پروازِ خیال از خواجہ حمید الدین صاحب حمید لکھنوی صفحہ ۲۸۰ مجلد قیمت درج نہین، پتہ منیجر نامی پریس، لکھنؤ،

خواجہ حمید لکھنؤ کے نوجوان شعراء مین ہین، پروازِ خیال انھی کی غزلون کا مجموعہ ہے، ابتدا مین جناب خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی کا مقدمہ ہی، جس مین مصنف کے حالات کے علاوہ غیر لکھنوی زبانِ شاعری پر معاندانہ بحث بھی ہی، اور اسی چیز نے خواجہ حمید کے کلام کو صرف لطفِ خیال کی بجائے اللہ لطور دیرینہ جانے کا سبب بنا دیا ہی، اور اگر اس پر بعض مخالفانہ تقریظین شائع ہون تو تعجب نہین کہ اعلانِ جنگ اسی طرف سے ہوا ہی، اس قسم کا مقدمہ اصل کتاب کی اکثر خوبیون کو برباد کر دیتا ہے، خواجہ حمید لکھنؤ کے شاعر ہین اور لکھنوی شاعری کے اکثر محاسن ان کے کلام مین موجود ہین، کہین کہین دہلی شاعری کا اثر بھی ہی، ہمکو امید ہی کہ شاعری کا ذوق رکھنے والے اصحاب اس نوجوان شاعر کی ہمت افزائی کرینگے۔ "ن"

جلد بست و پنجم ۲۵ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۰ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم جو مفلوج ہو کر دو سال پہلے سے خاموش ہو چکے تھے، اب وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے، علی گڈہ کالج نے قومی خدمتگذارون کی سب سے پہلی جو جماعت پیدا کی تھی، اس مین صاحبزادہ مرحوم سب سے پیش پیش تھے، وہ سرسید کی پالیسی کے سخت ترین مقلد تھے، وہ مسلمانون کی سیاسی، علمی، تعلیمی، تجارتی، دینی دنیاوی غرض ہر قسم کی ترقی کا ذریعہ جدید تعلیم کو سمجھتے تھے، یہی اُن کا عقیدہ تھا، اسی عقیدہ پر وہ جئے اور اسی پر مرے اُن کے قومی کامون کا آغاز علی گڈہ کالج اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے ہوا، اور اسی پر خاتمہ ہوا، وہ جس مسلک پر تھے اس پر پوری مضبوطی سے قائم رہے، ان مین مسلمانون کی تعلیمی خدمت گذاری کا مخلصانہ ولولہ تھا، اور مسلم یونیورسٹی کی خدمت کا بھی پورا ارادہ رکھتے تھے، مگر افسوس کہ علی گڈہ کی مکدر فضا اُن کے خدمات کو راس آئی اور یونیورسٹی کو اُن کی کوششون سے کوئی فیض نہ پہنچ سکا، مرحوم کا دلپسند فلسفہ یہ تھا کہ مسلمان عبدیت اور نیابت الٰہی دونون کے درمیان تطبیق دین، یعنی یہ کہ ایک طرف تو وہ خدا کے آگے سر جھکائین اور اپنے کو اس کا لاچار بندہ سمجھین دوسری طرف خدا کی خلافت و نیابت سے سرفراز ہو کر عالم اور کل قوائے عالم پر اپنے علم کے زور سے حکمرانی کرین۔

مرحوم ۴ رمئی ۱۸۶۷ء مین پیدا ہوے تھے، ۱۸۷۸ء مین علی گڈہ کالج مین داخل ہوئے تھے، ۱۸۹۱ء مین بیرسٹری کی تعلیم کے لیے ولایت گئے، ۱۸۹۴ء مین کامیاب ہو کر واپس آئے، اور علی گڈہ مین پریکٹس شروع کی، اور ساتھ ہی کالج اور کانفرنس کی خدمت بھی، ۱۹۱۷ء مین انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر انگلینڈ گئے، اور ۱۹۲۴ء مین اس عہدہ سے مستعفی ہو کر ہندوستان آئے، مرحوم کو درحقیقت انگلینڈ کی صحت بخش آب و ہوا ہی نے کھا لیا، وہان کی آب و ہوا انکو بالکل راس نہ آئی، واپسی کے بعد وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہو گئے، مگر اُن کی ناتندرستی

نے ان کو فرصت نہ دی، ۱۹۲۶ء مین اس عہدہ کی میعاد انتخاب کے خاتمہ پر جنوری ۱۹۲۶ء مین مسلم یونیورسٹی پر جو نوٹ لکھا، وہ مرحوم کی زندگی کا آخری تحریری کارنامہ، اور مسلم یونیورسٹی مین طبی شعبہ کا قیام، ان کا اخیر عملی کارنامہ ہے کیونکہ اس کے چند روز بعد جنوری ۱۹۲۷ء مین ان پر فالج کا پہلا حملہ ہوا، اور تین برس اسی امید و بیم کی حالت مین بسر کیا، اور آخرہ ۱ جنوری ۱۹۳۰ء (شعبان ۱۳۴۸ھ) مین فالج کا دوسرا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے، مرحوم مرنج و مرنجان، خوش اخلاق، متواضع اور خاکسار تھے، مگر اپنی راے کے سختی سے پابند تھے، مسلمانون کی ترقی کے اسباب و علل و نتائج اور ذرائع و وسائل کے جو سبق انھون نے سر سید مرحوم سے شروع مین پڑھے تھے، وہ آخر تک انکو یاد رہے، ایسے پختہ ایمان لوگ حقیقت مین قدر کے لائق ہین، اور بعض خاص حیثیات سے وہ اپنی قوم کی تعمیر کیلیے بیحد ضروری اجزا ہین،

مرحوم نے اپنے زمانہ مین ایجوکیشنل کانفرنس کو بیحد ترقی دی، اُسکو مالی حیثیت سے بہت حد تک مستغنی اور بے پروا کر دیا، اسکی علیحدہ عمارت بنوائی، اُس مین تعلیمی کتبخانہ جمع کیا، جو گویا تعلیم، فلسفۂ تعلیم، اور طریقۂ تعلیم کے بہترین ذخیرہ کا اعلیٰ ترین نمایش خانہ ہے، وظائف کے شعبہ کو ترقی دی، ریاستون سے کانفرنس کے لیے ماہوار امدادی رقمین مقرر کرائین، مگر ان سب کے باوجود افسوس یہ ہے کہ انکی زندگی کا ہر کارنامہ ناتمام سا رہا، خدا مغفرت فرمائے،

گذشتہ چودہ برس کے زمانہ مین دار المصنفین مین ملک کی وہ تمام ہندو مسلمان نمایان اور ممتاز ہستیان جو آج ملک و قوم کی زندگی کے مختلف شعبون مین کارفرما ہین، آچکی ہین، اور اپنے فیض سے اُس کو مشرف بنا چکی ہین، ہندؤون مین گاندھی جی، پنڈت موتی لال، مالوی جی، مسز نائیڈو سے لیکر جواہر لال تک اور اسی طرح مسلمانون مین تمام ممتاز علما اور رہنما وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی حیثیت سے آتے رہے ہین، مگر ناظرین کو خیال ہوگا کہ ہم نے معارف مین بہت کم ان لوگون کی آمد کا تذکرہ کیا، مگر اس سال کی جنوری مین دو ایسی ہندو اور مسلمان ممتاز ہستیان یہان آئین جو اپنی شہرت، امتیاز، وجاہت کے علاوہ علم اور علم دوستی کے لحاظ سے بہت بلند ہین، ایک ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو

اور دوسرے ڈاکٹر ضیاء الدین، یہ سپرو صاحب ان ہندوؤں میں ہیں، جنکو اردو اور فارسی سے اب تک موروثی انس باقی ہے، انھوں نے جب صہبائی کا فارسی دیوان دیکھا تو نکلوا کر دیکھا، اور فرمایا کہ میرے دادا مولانا صہبائی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب مسلمانوں کے علم ہیئت کی تاریخ لکھ رہے ہیں، ان کو دار المصنفین کے مختصر و نو عمر کتبخانہ میں بھی ریاضیات کی بعض عجیب کتابیں نظر آئیں، اور ابن یونس حاکمی کی زیچ کا وہ نسخہ جو ۱۸۰۴ء میں فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس سے شائع ہوا تھا دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، یہ کتاب میرے سفر یورپ کے تحفوں میں ہے،

ناظرین کو احساس ہوا ہوگا کہ اس سلسلہ میں ہم کو سب سے زیادہ جنکی آمد کا انتظار تھا وہ خود اپنی مجلس کے صدر نشین نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ تھے، مولانا شروانی نے علامہ شبلی مرحوم کی زندگی میں بھی ایک دو دفعہ اعظم گڈھ آنے کا ارادہ کیا تھا جس پر مولانا مرحوم نے انکو بڑے اشتیاق آمیز خط لکھے اور یہ مصرع

ع: شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے،

ع: میرے ویرانہ میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

مگر مولانا شروانی "خانۂ دشمن" میں آنے کے باوجود بھی "شبلی کے گھر" نہ آئے اور نہ اس "ویرانہ" میں انکی آمد کی "چاندنی" چھٹکی، علامہ مرحوم کی ۱۹۱۴ء میں وفات کے بعد سے لیکر اس فروری تک داعی کی زیارت کی جگہ داعی کے مزار کی زیارت کا جذبہ ان کو ہمیشہ ادھر کھینچتا رہا، مگر کبھی اس جذبِ دل کو عملی قوت کے اظہار کا موقع نہیں ملا، اور یہ کشمکش یونہی جاری رہی، بالآخر ۹ فروری سنہ ۱۹۳۰ (۹ رمضان ۱۳۴۸ھ) کو اس انتظار اور کشمکش کا خاتمہ ہوا، گویا یہ وہ دن تھا جو عالم قدر میں اس کام کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اور جس سے پہلے اس کے لیے ہر کوشش ناتمام رہی، اور ہمیشہ کارکنانِ قضا اس راہ میں ہر عزم کو اسباب و علل سے شکست کرتے رہے،

موصوف ۹ رمضان المبارک کی شام کو اعظم گڈھ تشریف لائے، اُن خاص تعلقات کی بناپر جو

مولانا شروانی اور علامۂ مرحوم کے درمیان تھے۔ تمام شہر کو ان کی آمد کی خوشی تھی، اسی آمد کی شام کو شبلی مسلم ہائی اسکول کی طرف سے جو علامۂ مرحوم کی قومی زندگی کا ابتدائی کارنامہ ہے، ایڈریس دیا گیا، اس ایڈریس مین نہایت لطیف و بلیغ فقرہ مین نواب صاحب ممدوح اور علامۂ مرحوم کے دوستانہ تعلقات کا بیان تھا، اور جس کے آخر مین نہایت پر اثر انداز مین علامۂ مرحوم کے مذکورۂ بالا خطوط کے اشارات وتلمیحات تھین، اور آخر مین تھا کہ "چاندنی تو آئی مگر چاند در مزار شبلی" اس فقرہ نے وہ پر تاثیر منظر نمایان کیا کہ یہ خیر مقدم، اور نوید مسرت کی محفل سراسر بزم ماتم بنگئی، خود محترم مہمان جب جواب دینے کو کھڑے ہوے تو ضبط گریہ گلوگیر ہوگیا، اور فقرون کو ناتمام چھوڑ چھوڑ دینا پڑا،

نواب صاحب ممدوح نے دو دن دار المصنفین مین قیام کیا، اور یہان کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا کئی گھنٹون مین کتبخانہ پر ایک نظر ڈالی، پھر دفتر، پریس، گودام گھر اور دوسرے صیغون کو دیکھا، رفقاے دار المصنفین سے ملے اور انکی زیر نظر اور زیر تالیف کتابون پر مبادلۂ خیال کیا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہان کی ہر چیز کو دیکھکر خوش اور مطمئن ہو رہے ہین، مولانا شبلی کو جب دار المصنفین بنانے کا خیال آیا تھا تو مولانا شروانی سے اسکی بابت استصواب کیا تھا، اس وقت دونون کے درمیان یہ جھگڑا تھا کہ یہ کہان قائم ہو، مولانا شبلی اپنا وطن اعظم گڈہ پیش کرتے تھے تو مولانا شیروانی اپنا مستقر و دار الامارت حبیب گنج (علی گڈہ) بالآخر مولانا نے اعظم گڈہ مین اپنی جان دیکر اور یہان پیوند خاک ہو کر اسکی ترجیح کا حق ثابت کر دیا، اور مرحوم کی اس مقاومت مجہول کی خاموش دلیل نے ان کو ساکت کر دیا، مگر دار المصنفین کی باطنی زندگی اور روحانی وجود اب بھی حبیب گنج مین ہے،

دار المصنفین مین ضرورت کی مختلف عمارتین کچھ تعمیر ہو چکی ہین، مگر سب سے زیادہ فکر یہان ایک چھوٹی سی مسجد کی تھی، جسمین ساکنین دار المصنفین فریضۂ جماعت ادا کر سکین، سلسلۂ تعمیرات کی تکمیل مین اس مسجد کی تحریک ہم نے پیش کی تھی، اس تحریک کی عملی کوشش بھی حبیب گنج ہی کی قسمت مین تھی، اور اس کوشش کی کامیابی اس قطعۂ

دین کی قسمت میں بھی جس سے ٹونک، حبیب گنج کا ستارہ بنا ہے، نواب سر مزمل اللہ خان رئیس بھیکم پور علی گڈھ کا نام تعارف کا محتاج نہیں، سر نواب صاحب کی شاہانہ فیاضی اور علم دوستی سے کون واقف نہیں، چنانچہ دارالمصنفین کی اس مسجد کی تعمیر کا پورا خرچ ممدوح نے ادا کرنے کا وعدہ فرمایا، مگر اس وعدہ کی ایفا کی ضروری شرط خود ساکن حبیب گنج کا اعظم گڈھ آنا تھا، چنانچہ اس آمد کے موقع پر نواب صدر یار جنگ کی وساطت سے مسجد کی ابتدائی کار کے لیے سر نواب صاحب نے دو ہزار مرحمت کئے اور باقی کے لیے آیندہ مئی کا وعدہ فرمایا جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء،

مسجد کے رسم بنیاد کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا، ۱۰ رمضان کی شام کو بعد نماز عصر یہ تقریب پوری سادگی کے ساتھ عمل میں آئی، بنیاد کھودی جا چکی تھی، اہل شہر اور ممتاز اصحاب مع ارکان و رفقائے دارالمصنفین موقع پر گئے، نواب صدر یار جنگ بنیاد کی گہرائی تک ننگے پاؤں اتر کر معمار بنے اور جناب مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن اور جناب مولانا حیدر حسین محدث دار العلوم ندوۃ العلماء مزدور، ان مقدسین نے مسجد کی بنیاد ڈالی، اور اس کے بعد پوری رقت، پورے خضوع اور پورے اخلاص کیساتھ انھوں نے اس مسجد کی ظاہری و باطنی آبادی کی دعا مانگی اور جماعت نے آمین کہی، دعا کے بعد ایک خوش الحان قاری نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کی تعمیر کعبہ والی دعاے قرآنی کا رکوع تلاوت کی، اس پر اثر منظر نے دلوں کو گرما دیا، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

مسجد کا ابتدائی کام جاری ہے اور توقع ہے کہ ایک مہینہ کے بعد تعمیر کا سلسلہ شروع ہو جائے، اور چند ماہ میں تمام ہو جائے، اور کم از کم یہ ہے کہ آیندہ رمضان المبارک میں دارالمصنفین کی تراویح کتبخانہ کے ہال کے بجائے اسکی مسجد کے دالان میں ہو، اسی کے ساتھ ممکن ہے کہ دارالمصنفین کے مصنفین و رفقاء کی سکونت کے لیے جن چند مکانوں کی ضرورت ہے، اسکی داغ بیل بھی پڑ جائے، بشرطیکہ فراہم شدہ سرمایہ، تاخیر و تعویق و التوا پر

زبردستی مجبور نہ کر دے، و کلا فسر بید اللہ

نواب محمد یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) سے ہم نے حیدرآباد کے چندہ کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ دار المصنفین کی جہنم سے ھَل مِن مَّزِید کی جو صدا آ رہی ہے وہ سن رہے ہین؟ ان کا نوازشنامہ آیا ہے کہ انھون نے یہ آواز سنی، اور وہ کوشش کرینگے کہ ایک ہزار کی مزید قسط دار المصنفین کے لیے فراہم ہو جائے، ہمین صرف اتنا ہی کہنا ہے، کہ حیدرآباد! اور ایک ہزار ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

جنوبی ہندوستان کی مسلمان فیاض ہستیون مین سے مدراس کے مشہور مخیر ساہوکار سی عبد الحکیم صاحب کو گورنمنٹ نے امسال شریفِ مدراس بنایا ہے، ہرچند یہ سرکاری اعزاز ان کے اُس قومی اعزاز سے بدرجہا کم جو ان کی فیاضی کی بدولت ان کی برادری اور قوم کے دلون مین ہے، وہ مدراس کے کامیاب تاجر ہین، اور اندازہ ہے کہ اب تک قومی درسگاہون اور ادارون مین انھون نے مختلف اوقات مین کم از کم چھ سات لاکھ روپیہ دیا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے حال مین اسلامیہ کالج وانمباڑی کو ۲۵ ہزار کی رقم دی ہے، موصوف کو دار العلوم ندوۃ العلماء سے پرانی ہمدردی ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً اس کی امداد کرتے رہے ہین آجکل ہماری تحریک پر موصوف نے دار العلوم ندوہ کی تعمیر مین پانچہزار عنایت فرمائے جنمین نصف ابھی دیدیا ہے، اور باقی نصف کے ماہ مئی مین دینے کا وعدہ ہے، سچ یہ ہے کہ ہماری قومی درسگاہین، انھین لوگون کی ہمت اور اعانت سے چل رہی ہین، ورنہ خزانۂ سرکار اور افرادِ قوم نے تو ان کی اعانت سے ہاتھ روک ہی لیا ہے،

مقالات

قرآن مجید اور سائنس

(۲)

از

مولوی عبدالوحید صاحب ناظم اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

ممالک اسلامیہ مین مادی ترقی ممالک اسلامیہ نے قرون وسطی مین بہت زیادہ ترقی کی تھی۔ ڈریپر اپنی تاریخ مین لکھتا ہے کہ

" اندلس مین عرب مشکل سے جمنے ہی پاے تھے کہ اُنھون نے ایک نہایت شاندار راہ عمل اختیار کی، ایشیا کے خلفاے اسلام کی طرح قرطبہ کے امیرون نے بھی اپنے آپ کو علم و فن کا مربی قرار دے کر یورپ کے دیسی شہزادون کے مقابلہ پر ایک عجیب و غریب مثال قائم کر دی۔ ان امیرون کے زمانہ مین قرطبہ اپنے انتہائی عروج پر تھا کہ اس مین دو لاکھ سے زاید مکانات اور دس لاکھ سے زیادہ انسان آباد تھے، غروب آفتاب کے بعد سیدھے دس میل تک سڑک کی روشنی کی مدد سے ہر شخص جا سکتا تھا، اس سے سات سو سال بعد تک شہر لندن مین ایک لالٹین بھی سڑک پر نہ تھی، اُس کی سڑکین نہایت عمدہ اور پختہ تھین، صدیون کے بعد تک پیرس مین جو شخص اپنے دروازہ کے باہر بارش مین قدم نکالتا تھا ٹخنہ تک کیچڑ مین دھنس جاتا تھا "

لین پول لکھتا ہے:-

"تقریباً آٹھ سو سال تک اندلس نے اپنے مسلمان فرمانرواؤن کے ماتحت یورپ کے سامنے ایک نہایت شاندار مہذب وشایستہ سلطنت کی مثال پیش کی ہے، علوم وفنون اور ادب نے ایسی ترقی کی جس کی مثال اُس زمانہ مین یورپ کے کسی ملک مین نہین ملتی، جرمنی، فرانس اور انگلستان سے طلبہ علوم وفنون کے ان چشمون سے سیراب ہونے آتے جو صرف مسلمانون ہی کے شہرون مین بہتے تھے، اندلس کے اطبا، وجراح اپنے فن مین سب سے آگے تھے، عورتون کو اعلیٰ علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی، اور قرطبہ کے باشندے لیڈی ڈاکٹر کے نام سے ناواقف نہ ہوتے تھے، ریاضی، نجوم، علم نباتات، تاریخ، فلسفہ اور قانون صرف اندلس ہی مین یہ علوم حاصل کئے جا سکتے تھے، زراعت کا عمل کام آبپاشی کے بہتر طریقے جہاز سازی وقلعہ بندی پارچہ بافی کا انتہائی کمال لوہار اور سنار کے کام مٹی کے برتن، فن تعمیر ان سب چیزون کو اندلس کے مسلمانون نے انتہائی معراج کمال کو پہنچا دیا تھا، کسی سلطنت کو زبردست ودولتمند بنانے کے لیے جو کچھ درکار ہے اور تہذیب وشایستگی کے جس قدر لوازمات ہین وہ سب اسلامی اندلس مین پائے جاتے تھے"

متذکرۂ بالا اقتباسات سے قرون وسطیٰ مین اسلامی دنیا کی ذہنی ودماغی ترقی کا ایک عام خاکہ ذہن مین آجاتا ہے، حالانکہ یورپ اس زمانہ مین جہالت اور توہمات مین مبتلا تھا، اب مین انفرادی طور پر ان علماے اسلام کے کامون کا حال لکھون گا جس سے مسلمانون کے کارنامون کی تعداد اور اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، ان معلومات کا اصل ماخذ **سارٹن** ہے،

علم الحساب محمد بن ابراہیم الفزاری، الکندی اور الخوارزمی نے ہندو طریقۂ اعداد کو یورپ مین پہلی مرتبہ رائج کیا، ابن السمح نے تجارتی حساب پر ایک رسالہ لکھا۔ الفسوی نے اعشاریہ کو سب سے پہلے رائج کیا۔

جبر ومقابلہ الخوارزمی نے ایک بڑا رسالہ جبر ومقابلہ[1] پر لکھا جس مین تحلیلی حل خطی اور دودرجی مساوات کے پیش کئے

---

[1] معارف، خوارزمی کا جبر ومقابلہ ۱۸۳۱ء مین لندن مین انگریزی ترجمہ کیساتھ شائع ہو چکا ہے۔

کعبی مساوات کے حل کبھی تراش کی مدد سے پیش کیے، دو درجی مساوات کے اقلیدسی حل نکالے، ابو کامل نے جبر و مقابلہ کے مقادیر کی ضرب و تقسیم اور علامت جذر کی جمع و تفریق رائج کی، ابو جعفر الخازن نے کعبی مساوات حل کی، عمر خیام نے فعساغورث کے عجیب و غریب اقسام مقررکے، جس مین صرف کعبی مساوات کی تیرہ مختلف شکلین تھین اور ان سب کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی[1]۔

اقلیدس | حجاج بن یوسف نے اقلیدس کے "مبادیات" کا ترجمہ کیا، بنوموسیٰ نے کرۂ ارضی کی پیمایش پر کتابین لکھین، زاویہ کے تین برابر حصے کئے، الماہانی نے اقلیدس کی شرح لکھی، احمد بن یوسف نے تناسب پر ایک کتاب لکھی، ابو کامل نے مخمس اور معشر کا خاص طور پر مطالعہ کیا، السنجری نے زاویہ کو تین برابر حصون مین تقسیم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا،

علم مثلث | حبش الحاسب نے مماس کے پہلے جداول تیار کیے، البتانی نے جیب کو رائج کیا اور مماس التمام کی جدول تیار کی، ابو الوفا نے جیب کی جدول تیار کرنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا، مماس کے مسئلہ پر کافی غور و فکر کیا اور قاطع و قاطع التمام رائج کئے،

علم فلکیات | ابراہیم الفزاری نے پہلے اصطرلاب تیار کی، سیارون کی گردش کا نقشہ مرتب ہوا، میل منطقۃ البروج دریافت کیا گیا، عباسی خلیفہ المامون کی زیر سرپرستی دنیا کی پیمایش کے طریقے ایجاد ہوے، حبش الحاسب نے سیارون کے متعلق تین جدولین تیار کین اور سب سے پہلے اسی نے کسی ارتفاع سے وقت معلوم کرنا بتایا۔ ابو سعید الدریر نے خط نصف النہار کی نقشہ کشی کے متعلق ایک رسالہ لکھا، الفرغانی نے علم نجوم پر نہایت مبسوط کتاب لکھی ہے جو سترہوین صدی تک نہایت مقبول رہی، جابر بن سنان نے آفتاب اور سیارگان کی بلندی کی پیمایش کے لیے آلات تیار کیے، البتانی نے ستارون کی فہرست مرتب کی، سیارون کے باہمی تعلق کو نہایت صحت کے ساتھ قائم کیا، آفتاب کی حرکت دریافت کی اور اس مبحث پر ایک نہایت معقول تصنیف کی جو سولھوین صدی تک مستند تسلیم کیگئی، عبد الرحمن الصوفی نے سیارون کی ایک مصور فہرست مرتب کی جو اسی کے مشاہدات پر مبنی تھی اور جس نے

---

[1] معارف:- عمر خیام کا جبر و مقابلہ بھی ذکر کے قابل ہے، یہ ۱۸۵۱ء مین پیرس سے شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ ابن بدر اندلسی کی کتاب الجبر والمقابلہ ۱۹۱۶ء مین میڈرڈ (اسپین) سے چھپکر شائع ہوئی ہے، اور قابل ذکر ہے۔

ستارون کے درجۂ النور کے متعلق معلومات مین بہت کچھ اضافہ کر دیا، ابن یونس نے مشہور زیچ حاکمی جس مین گرہن اور سیارون کے اجتماع، ثوابت کی خصوصیات اور ان کی بلندی کے متعلق مشاہدات اور ان کے نتائج درج تھے، مرتب کی، ابن ہیثم نے لنگر اور اوقات دریافت کئے، شعاع کا جھکاؤ دریافت کیا، فضا کی بلندی شعاع و سیارون کی امداد سے معلوم کی، عمر خیام نے ایک نئی جنتری بنائی جو غیر معمولی طور پر صحیح و درست تھی، الزرقانی نے آفتاب کے فاصلہ اور حرکت کو سب سے زیادہ طویل ثابت کر دیا، الغزالی نے سیارون کی ہیئت، مادہ و حرکت کے متعلق ایک رسالہ لکھا، جعفر بن مکتفی باللہ نے دمدار ستارہ کی غیر معین نقل و حرکت کے متعلق تفحص و مشاہدہ کیا، اور اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا، بنو اماجور نے چاند کی رفتار و حرکت معلوم کی، محمد بن موسی الخوارزمی نے علم نجوم پر سنسکرت کی کتاب "سدھانتا" کا ترجمہ کیا[1]، علم نجوم کے متعلق سب سے پہلی رصدگاہ عربون نے شہر سیوائل (اسپین) مین تعمیر کی[2]، رصدگاہ مراغہ سے ایک نئی فہرست سیارون اور ان کی گردش کے متعلق مرتب ہو کر شائع ہوئی۔ ابن رشد نے آفتاب کے داغ معلوم کیے،

تاریخ موالید و تاریخ مبدا الکائنات | اصمعی نے گھوڑے، اونٹ، بھیڑ اور انسان کی ابتدا و پیدائش کے متعلق کتابین لکھین[3]، الجاحظ نے حیوانون کے متعلق ایک کتاب لکھی جو گنجینۂ معلومات ہے، اس کے علاوہ اور کتابین لکھین جو موجودہ نظریات مثلاً ارتقا، نفسیاتِ حیوان وغیرہ کا سرچشمہ ہین، الدینوری نے نباتات پر ایک نہایت مشہور کتاب لکھی[4]، البکری نے اندلس کے درختون کے متعلق ایک رسالہ لکھا، ابن زکریا نے فن فلاحت پر ایک نہایت مشہور کتاب تصنیف کی[5] ہے،

علم کیمیا | جابر بن حیان نے فن کیمیا کی مزید تحقیقات کے لیے نہایت عمدہ اصول مرتب کئے، زمین کے اندر جمادات کی ابتدا کے متعلق ایک نظریہ قائم کیا، سیسہ کے اجزا معلوم کیے، آرسینک و کحلیہ گندک کے ترشہ تیار کئے،

---

[1] معارف:۔ سندھ کے ایک ہندو پنڈت کی مدد سے ترجمہ کیا [2] معارف:۔ سب سے پہلی رصدگاہ مامون الرشید نے بنوائی، [3] معارف:۔ یہ کتابین لغت کی حیثیت رکھتی ہین، [4] معارف:۔ اس کی حیثیت بھی لغت کی تھی، ابن جلجل نے نباتات کے خواص کی تحقیق کی، [5] معارف:۔ اس پر مشہور کتابین ابن وحشیہ اور ابوزکریا یحیی اشبیلی کی ہین؛ ابن زکریا کے بجائے ابوزکریا یحیی بن محمد اشبیلی چاہیے، اس کتاب کا اردو مین بھی ترجمہ ہو چکا ہے،

دھاتوں کا صاف کرنا بتایا، لوہے کو بنانے کی ترکیب معلوم کی، کپڑے اور چمڑے کو رنگنا بتایا، ابو منصور موفق نے معدنیات کی ماہیت اور ان کی تیاری کے متعلق کتابیں تصنیف کیں، ابوالقاسم نے مفرد و مرکب دوائیں تیار کرنا سکھا۔ رازی نے کیمیاوی مادہ کی تجزیہ کی کوشش کی،

طبیعیات الکندی نے اقلیدسی وطبعی مناظر پر ایک رسالہ لکھا۔ بنو موسی نے مسئلہ توازن پر ایک کتاب لکھی، الجاحظ نے سکون سیالات کے توازن کے ذریعہ کثافت اضافی کا تعین کیا، النیریزی نے فضائی ماحول پر ایک رسالہ لکھا، ابن ہیثم نے اقلیدسی اور عضویاتی مناظر کے زمانۂ قدیم اور سولھویں صدی کے متعلق نہایت گہرا مطالعہ کیا، کروی اور سطحی آئینہ کے متعلق مطالعہ کیا۔ زاویۂ وقوع اور زاویہ میلان کا تناسب معلوم کیا، فضائی ماحول کا مطالعہ مثلاً شام کا وقت، آنکھ اور نگاہ، پردہ شبکیہ کو نظر کا مقام قرار دیا، یہ امر واضح کر دیا کہ روشنی بجائے آنکھ کے اس چیز میں پیدا ہوتی ہے جس کو دیکھا جائے جیسا کہ علمائے یونان کا خیال تھا، دوچشمی نظر کی تشریح کرنے کی کوشش کی، یہ امر دریافت کر لیا کہ روشنی کا عکس فضا کی کثافت کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتا ہے، اور خود فضا کی کثافت پر بلندی کا اثر ہوتا ہے، الکندی نے اقلیدسی اور عضویاتی مناظر پر ایک رسالہ لکھا جس سے راجر بیکن بہت متاثر ہوا، البیرونی نے سولہ جواہرات اور دھاتوں کی کثافت اضافی معلوم کی، مسلمان جہاز رانوں نے مقناطیسی سوئی کی سمت نمائی کی خاصیت جہاز رانی کے متعلق دریافت کی، ابن سینا نے حرکت، تماس، قوت، خلاء، روشنی، حرارت وغیرہ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا۔

یہ بتانا بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مسلمان علما نے یورپ میں علم موسیقی کو ترقی دینے میں بڑی امداد کی ہے الکندی نے موسیقی پر سات کتابیں لکھیں جنھیں تان کے تعین کے متعلق ایک ترقیم موجود ہے، الفارابی نے عربی میں موسیقی پر ایک نہایت اہم تصنیف کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے یورپ میں ہمعصر ماہرین فن سے بہت آگے بڑھ گیا تھا، ابن سینا کا موسیقی کا مطالعہ اپنے ہمعصر لاطینی دنیا سے بہت زیادہ وسیع تھا، مغربی

لہ معارف: - زکریا رازی، امام رازی نہیں،

موجودہ آلاتِ موسیقی کی ابتدا اسلامی اندلس یا خلفاء کے دوسرے ممالک سے ہوئی ہے،

طب الکندی نے ریاضی کے اصول پر دوا کی خوراک کی تقسیم کے متعلق ایک کتاب لکھی، علی نے ایک ضخیم طبی انسائیکلوپیڈیا مرتب کی جس میں فلسفہ، حیوانات، علم جنینیات، نفسیات، فلکیات وغیرہ پر بحث کی تھی، رازی نے بھی ایک ضخیم طبی انسائیکلوپیڈیا "الحاوی" کے نام سے تیار کی، شہسواری اور اس کے متعلقات پر لکھا جو طب حیوانات کے ابتدائی مسائل پر حاوی ہے، ابوعثمان اور سنان بن ثابت نے شفاخانے مرتب کیے، ابو منصور موفق نے ایک رسالہ مسئلہ اجزاء ادویہ پر لکھا۔ بلادی نے ایک رسالہ حمل اور شیرخوارگی کی صفائی اور احتیاط کے متعلق لکھا، ابن سعد نے امراض نسائی زچگی اور بچون کے معالجہ پر رسائل لکھے، ابن وافد نے غسل کے ذریعہ علاج کے متعلق رسائل لکھے۔ الماردینی نے مختلف مرکبات کے تیار کرنے کے متعلق ایک نہایت ضخیم تصنیف چھوڑی جو صدیون تک نہایت مستند تصنیف تسلیم کیگئی،

ابن سینا ایک ضخیم طبی انسائیکلوپیڈیا "قانون" کا مصنف ہے جو چھ سو سال تک سب سے بڑی مستند تصنیف تسلیم کیگئی ہے، عمرو نے آنکھ کے علاج کے متعلق ایک کتاب لکھی جس مین صرف پردہ چشم کے متعلق چھ عمل جراحی کی تفصیل کیگئی تھی، اُس نے آنکھ کی تشریح اور اُس کی ساخت کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھا۔ علی بن عباس نے دورانِ خون کا ابتدائی خاکہ پیش کیا اور وضعِ حمل کے وقت رحم کی مختلف حرکات کی تفصیل لکھی،

ابو القاسم جو یورپ مین "Albucasis" کے نام سے مشہور تھا نہایت اعلیٰ درجہ کا جراح تھا، اُس نے نہایت دشوار اور سخت عمل جراحی کئے تھے، عورتون کے اپریشن مین نہایت قابل اور تعلیم یافتہ عورتین جراحون کی امداد کرتی تھین، Rhazes نے پاگل جانورون کے ذریعہ سے انسان کو جو امراض لاحق ہوتے ہین، ان کی تشخیص وغیرہ کے متعلق تفصیل سے لکھا، اس نے سب سے پہلے بچون کے امراض کے متعلق لکھا، اس نے نہایت تحقیق اور عالمانہ طرز سے موتی جھرا، چیچک اور سرخ باد کے متعلق لکھا ہے،

جغرافیہ المامون کے حکم کے مطابق کرہ ارض کی پیمایش ہوئی اور ایک بڑا نقشہ دنیا کا مرتب کیا گیا، ابن سیرافیون نے

تمام دنیا کا جغرافیہ لکھا، المسعودی نے تاریخی جغرافیہ کی ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کی[۱]، الاصطخری نے مختلف ممالک کے رنگین نقشے شائع کیے، ابن حوقل، مقریزی، الاصطخری[۲]، ادریسی، ابو الفدا اور البیرونی نے جغرافیہ کے اس حصہ کو جس کا تعلق ریاضی سے ہے مرتب کیا، البیرونی نے مساحت کے ذریعہ سے پیمایش کی اور ایک ہی عرض البلد کے مختلف مقامات نہایت صحت کیساتھ معلوم کئے، الفرغانی نے دنیا کا قطر دریافت کیا، الکندی نے مدوجزر کے متعلق ایک رسالہ لکھا،

سیاحت | تاجر سلیمان نے چین کی سیاحت کی، چین سے اسلامی دنیا کے نہایت قریبی اور گہرے تعلقات تھے، ابن خردازبہ نے ایک کتاب سڑکون اور صوبون کے متعلق لکھی جس مین مختلف سڑکون کے کنارے مختلف منزلون اور مختلف مقامات کے محصولات کا تذکرہ تھا، ابوزید نے ابن وہب کے چین کے سفر کی داستان لکھی جس مین چین، ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک کے حالات درج تھے، ابن فضلان نے خط والگا کا سفر کیا اور روس کے متعلق سب سے پہلے مستند حالات پیش کئے، ابن بطوطہ نے علم کے شوق مین بہت سے ممالک کا سفر کیا اور ان ممالک کے باشندون، نباتات وحیوانات، معدنی پیداوار اور وہان کے طبعی حالات وآب وہوا کے متعلق حالات تحریر کئے،

طبقات الارض | ابن حزم نے زمین کی اندرونی چٹانون پر پانی کے اثرات کے متعلق لکھا[۳]،

علم معدنیات | عطارد نے سب سے پہلے پرانی اسلامی (LAPIDARY) شائع کی جس مین جواہرات کے خواص درج تھے، ابن سینا نے معدنیات پر ایک رسالہ لکھا جو مغربی یورپ مین دور تجدید تک سرمایۂ معلومات رہا، جابر بن حیان نے زمین کے اندر دھاتون کی ساخت اور ان کی صفائی اور لوہے کے بنانے کے متعلق لکھا،

علم تاریخ | الدینوری، ابن قتیبہ اور الیعقوبی نے عام تاریخ کی کتابین لکھین، ابن مسکویہ نے مختلف اقوام کی

---

[۱] معارف:- یہ کارنامہ معجم البلدان کے مصنف یاقوت حموی کی طرف منسوب کیا جاتا تو اچھا تھا، مسعودی نے تاریخ جغرافیہ اور سفرنامہ کو ملاکر مروج الذہب لکھی ہے،

[۲] معارف:- ابن حوقل اور اصطخری کی کتابین عام جغرافیہ اور سفرنامون کی حیثیت رکھتی ہین،

[۳] معارف:- اس مسئلہ پر ابن سینا نے بھی بحث کی ہے،

ایک تاریخ مرتب کی[1]، ابن جلجل نے اسلامی اندلس کے اطبا، اور ان کے ہمعصر حکما کی تاریخ لکھی، البیرونی نے قدیم قوموں کی ایک فہرست مرتب کی جس میں اس نے مختلف قوموں کی تقویم اور عہد کی تشریح کی، ابن سعید نے ایک تاریخ لکھی جس میں علوم کی تاریخ پر خاص طور پر توجہ کی، ہمدانی نے عرب کی نہایت مفصل تاریخ لکھی جس میں وہاں کے قبائل کا حال اور آثار اور یمن کے جغرافیہ اور قبائل کی کیفیت درج تھی، مقریزی کی مصر کے متعلق تصنیفات سے وہاں کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تجارتی اور انتظامی حالات اور وہاں کے آثار کے متعلق نہایت واضح طور پر معلومات فراہم ہو جاتی ہیں۔

علم اللسان | ابن القوطیہ نے فعل کی گردان پر سب سے پہلا رسالہ لکھا[2]، الخطیب البغدادی نے اہم معرفہ کے ہجے پر خاص توجہ کی۔ حجاج بن یوسف نے اعراب کا استعمال شروع کیا،

فلسفہ | الکندی اور فارابی نے یونانی علوم و یونانی فلسفہ کو مدغم کر کے اسلام کے اصولوں سے ان کی تطبیق کا عظیم الشان کام انجام دیا، ارسطو کی شرح سب سے بہتر ابن رشد نے کی ہے اور اس کا فلسفہ سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کے مدارس میں رائج رہا، راجر بیکن انگلستان میں ابن رشد کا سب سے زیادہ ممتاز مقلد تھا، نصر بن یعقوب نے مسئلہ خواب پر ایک رسالہ لکھا۔ ابن سینا نے منطق پر ایک رسالہ لکھا[3]، اور ابن مسکویہ[4] اور الماوردی نے علم الاخلاق پر نہایت تفصیل سے لکھا، البیرونی نے ہند فلسفہ کا نہایت غور سے مطالعہ کیا، فارابی نے نفسیات اور مابعد الطبیعیات پر کتابیں لکھیں،

علم الاجتماع | الفارابی نے "بہترین شہر"[5] کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس زمانہ کی معاشرتی زندگی پر

---

[1] معارف: شاید مقصود تجارب الامم سے ہے جس میں اسلامی تاریخ پر فلسفیانہ نظر ہے، اس سلسلہ میں ابن خلدون فلسفۂ تاریخ کے بانی کا نام لینا ضرور تھا۔

[2] معارف: کتاب الافعال لیڈن میں ۱۸۹۴ء میں چھپی [3] معارف: شاید منطق المشرقیین مراد ہے [4] معارف: ابن مسکویہ کی کتاب کا نام کتاب الطہارۃ، اور ماوردی کی کتاب کا نام ادب الدنیا والدین ہے، دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں،

[5] معارف: کتاب کا عربی نام "آراء اہل المدینۃ الفاضلہ" ہے جس کو بہترین شہریت کے متعلق بتایا، یہ کتاب چھپ گئی ہے۔

تنقید تھی اور ایک بہتر نمونہ پیش کیا گیا تھا، الماوردی نے اصولِ حکمرانی پر کئی کتابیں لکھیں[1]، نظام الملک نے بھی طریقِ حکومت پر ایک رسالہ لکھا[2]،

رہنمائے علوم عہد وسطی | یہ امر کہ عہد وسطی میں علوم کی تحصیل اور دماغی جد وجہد خالصۃً اسلامی تھی، نہایت مستند تاریخی واقعات سے ثابت ہو چکا ہے، علوم کی ترقی کے لیے قرآن کی زبان بین الاقوامی ذریعہ تھی[3]، ہر نیا علمی نظریہ، ہر نیا انکشاف عربی زبان میں شائع ہوتا تھا حتی کہ یہودی اور عیسائی بھی اپنی علمی تصنیفات اسی زبان میں لکھتے تھے، اس وقت یورپ میں جو کوئی علوم اور تہذیب کی اشاعت کرتا وہ مسلمان سمجھا جاتا، اور عیسوی یورپ اس سے ویسا ہی سلوک کرتا۔ راجر بیکن کو اس کے علمی کارناموں کی وجہ سے مسلمان کہا جاتا اور اسی لیے اس کو ۱۴ سال کی قید کا حکم دیا گیا تھا، لوتھر جس نے مذہب میں نہایت اہم تبدیلیاں پیدا کیں اور جس سے دورِ اصلاح کا آغاز ہوا وہ بھی مسلمان قرار دیکر مطعون کیا گیا تھا، جو شخص کہ طبیعات، کیمیا، نجوم یا طب وغیرہ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اس کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ تھی کہ وہ اسلامی اندلس جائے اور مسلمان اساتذہ کا شاگرد ہو۔ اور یہ سب کچھ قرآن ہی کی برکت تھی جس نے دماغی انقلاب پیدا کر دیا تھا،

دورِ تجدید کی ابتدا | عہدِ جاہلیت میں اسلامی دنیا کے علمی کارناموں کی متذکرۂ بالا کیفیت تھی جبکہ عیسوی یورپ کا دماغ از کار رفتہ یا نہایت پست ہو گیا تھا اور تحصیلِ علم محض علم کی خاطر اک فعل عبث سمجھا جاتا تھا، یورپ میں تجدیدِ علوم چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اب مجھے یہ بتانا ہے کہ یہ چودھویں صدی کی تجدید بھی مسلمانوں کی تہذیب کا نتیجہ تھی، اس تجدید کے دو سب سے بڑے نقیب راجر بیکن اور جنگ صلیبی تھے، راجر بیکن نے علوم میں تجربہ کو داخل کر دیا اور جنگ صلیبی نے نئے خیالات کی یورپ میں اشاعت کی،

---

[1] معارف: کتاب کا نام "الاحکام السلطانیہ" ہے طبع ہو چکی ہے، [2] معارف: سیاست نامہ مطبوعہ ہے،

[3] Sarton: Introduction to The History of Science

جس سے عیسوی یورپ کے نوجوانون کے دماغ مین وسعت پیدا ہوئی اور انھون نے تجدید کے لیے میدان صاف کرنے مین امداد کی،

راجر بیکن | بیکن کی ولادت سے بہت پہلے دنیا نے مشاہدہ اور تجربہ کا ایک وسیع طریقہ دیکھ لیا تھا جو اسلامی دنیا مین اندلس سے لیکر عراق تک مختلف رصدگاہون اور تجربہ گاہون کی صورت مین جاری تھا جہان انتھک کام کرنے والے مدتون سے اسرار قدرت دریافت کرنے پر تُلے ہوے تھے،

بیکن ۱۲۱۴ء مین پیدا ہوا لیکن اس وقت تک علوم عربیہ مغربی یورپ مین پہونچ چکے اور اپنا سکہ جما چکے تھے، ہیسکنس کہتا ہے کہ[1]:

"اندلس سے ارسطو اور اس کے عرب شارحین کی مابعد الطبیعات اور فطریات جن سے یورپ کے خیالات مین انقلاب پیدا ہونے والا تھا، تیرھوین صدی مین آے، اندلس کے مترجمون نے گیلن اور ہپاکرٹیس کے مروجہ ترجمون اور ابن سینا جیسے عرب حکما، دونون سے امداد لی، اندلس ہی سے نئی اقلیدس، نیا جبر و مقابلہ علم المناظر اور تناظر پر رسائل نکلے، اندلس ہی فلکی جداول اور فلکی مشاہدات کا مسلمہ اور زرکالی کے وقت سے الفانسو کے زمانہ تک مرکز رہا ہے؛ ٹلیڈو کا نصف النہار عرصہ تک یورپ کے لیے مرکز رہا ہے، الفرغانی کے فلکی جداول جو آج بھی جاری ہین قابل توجہ ہین، اس کے علاوہ بطلیموس کے المجسطی کا ترجمہ (جس کے شوق مین جیرارڈ آف کریمونا نے ٹلیڈو کا طویل سفر اختیار کیا تھا) بھی خاص اہمیت رکھتا ہے، مشرقی علم نجوم کا بڑا حصہ فن کیمیا کی طرح اندلس ہی سے تمام دنیا مین رائج ہوا"

راجر بیکن کے زمانہ تک علوم عربیہ جس حد تک یورپ مین رائج ہو چکے تھے اس کا کچھ اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے، اڈیلارڈ آف باتھ (Adelard of Bath) نے اور کتابون کے علاوہ

[1] Haskins: Studies in the History of Medieval Science

(۱) محمد بن موسے الخوارزمی کے علم نجوم کی جدول (۲) مبادیات اقلیدس (۳) ابو معشر جعفر کے رسالہ نجوم کا ترجمہ عربی سے کیا، اس نے اپنی تصنیفات مین ۶۷ ابواب کا ایک مکالمہ بھی چھوڑا ہے جس سے ان علوم کی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو اس نے عربون سے سیکھے تھے، ہرمن آف کارنتھیا (Hermann of Corinthia) نے (۱) الخوارزمی کی زیج (۲) ابو معشر جعفر بلخی کی علم نجوم ۸ جلد اور (۳) مسلمہ کی عربی تصنیف (Plelem- ...) کا ترجمہ کیا۔

بارہوین صدی مین بطلیموس کی علمی تصانیف عربی سے ترجمہ ہو کر یورپ پہنچ چکی تھین، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس کے پلیم (Plaens) کا ترجمہ عربی سے ہرمن نے ۱۱۴۳ء مین کیا تھا، علم المناظر کا ترجمہ عربی سے لاطینی زبان مین یگنس آف پلرمو (Engenius of Palermo) نے کیا، اس کی زبردست تصنیف المجسطی بھی الفرغانی کے ترجمہ کے ذریعہ سے جس کو (Gerard of Cremonia) جیرارڈ آف کریمونا نے ۱۱۷۵ء مین بمقام طلیطلہ کیا تھا یورپ پہنچی، جیرارڈ نے ۹۲ عربی کتابون سے کم ترجمہ نہ کیا تھا۔

مچل اسکاٹ (Mishal Scott) اور تھیوڈر آف انطاکیہ (Theodore of Antioch) نے علم حیوانات کے متعلق عربی کتابون سے ترجمے کیے، البطروجی کی کرہ پر جو کتاب ہے اسکاٹ نے اس کا بھی ترجمہ کیا تھا۔

ہگو سنٹلا (Hugo Sanctallen) نے ابو معشر جعفر کی موسمی تغیرات کے متعلق پیشین گوئیوں کی ایک کتاب اور ماشاء اللہ اور الکندی کے دو رسایل کا ترجمہ کیا، رابرٹ آف چیسٹر (Rabert of Chester) نے خوارزمی کے جبر و مقابلہ اور علم کیمیا اور نجوم کے متعلق کتابون کا ترجمہ کیا۔

ان تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راجر بیکن سے پہلے مسلمانون کے علمی کارنامے یورپ مین

Haskins. Studies in the History of Medieval Science
Ch. Singer. The Dark Ages & Dawn in Science & Civilization

...ں ہو چکے تھے، یہ بھی واقعہ ہے کہ بیکن نے جو کچھ علم و فضل حاصل کیا اس کا سرچشمہ علوم اسلامیہ تھے جیسا کہ ...امر سے ظاہر ہے کہ آکسفورڈ کا مدرسہ جہاں اس نے تعلیم حاصل کی اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کیلئے ...یہودیوں نے جو ولیم آف نارمنڈی (William of Normanay) کے ساتھ انگلستان پہنچے ...قائم کیا تھا، یہ بھی واقعہ ہے کہ راجر نے یورپ کے مختلف علوم اسلامیہ کی درسگاہوں میں پڑھا تھا اس لیے ...رپ میں اور کہیں باقاعدہ علوم کی تعلیم نہ ہوتی تھی، رابرٹ بریفالٹ کہتا ہے کہ:

"نہ راجر بیکن اور نہ اس کے ہمنام دوسرے بیکن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ تجربہ کے طریقہ کو رائج کرنے والے قرار دیے جائیں، راجر بیکن کی اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں کہ وہ اسلامی علوم کو عیسوی یورپ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا رہا کہ اس کے معاصرین کے لیے علم حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ عربی زبان اور عربی علوم حاصل کریں۔ یہ بحث کہ تجربہ کے طریقہ کا کون موجد تھا ایسا ہی ہے جیسا کہ عربوں کی ہر ایجاد و انکشاف کا موجد اس شخص کو قرار دے دیا جاتا تھا جس کے ذریعہ سے پہلی مرتبہ یورپ اس ایجاد سے روشناس ہوا ہو مثلاً قطب نما کا موجد ایک فرضی شخص فلیو یوجیوجا کو بتایا جاتا ہے یا الکحل کا ارنلڈ کو یا عینک دبارہ دکا بیکن یا شوارکز کو لیکن یہ یورپ کی تہذیب کا آغاز بالکل غلط طور پر بیان کرنا ہے، عربوں کے تجربہ کا طریقہ بیکن کے زمانہ تک بہت عام ہو چکا تھا اور تمام یورپ نہایت شوق سے اس کی پیروی کرتا تھا، اس کو اڈیلارڈ آف باتھ، الیگزنڈر آف نکم، ونسنٹ، ارنلڈ اور برنارڈ پیش کر چکے تھے[1]

یہ امر کہ راجر بیکن نے جو کچھ حاصل کیا وہ بہت کچھ اسلامی علوم کی وجہ سے تھا، اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے مسلمان قرار دیکر ملزم بنایا گیا، وہائٹ کہتا ہے:

---

[1] Briffault. The Making of Humanity
" " "

...علم کے میدانِ کارزار مین ایک دوسرا موثر حربہ بنہایت کامیابی سے استعمال کیا گیا، عربون نے سائنس مین نہایت عظیم الشان انکشافات کئے تھے اور ابن رشد (اکثر لوگون کے خیال کے مطابق) سینٹ تھامس اکیوناس کی عزت و شہرت مین شریک پیدا ہو گیا تھا، ان وجوہ سے ایک نئی گولی ایجاد ہوئی اور یہ مسلمان ہونے کا الزام تھا، چنانچہ اس کا وار بھی کامیابی کے ساتھ بیکن پر کیا گیا[1]

اس مین کوئی شبہہ نہین ہے کہ راجر بیکن علوم عربیہ مین کمال مہارت رکھتا تھا اور انھین علوم سے اس نے اپنے فلسفہ کے لیے مواد حاصل کیا،

محاربات صلیبی | یہ ظاہر ہے کہ محاربات صلیبی کے ذریعہ سے جو کچھ یورپ کو حاصل ہوا وہ سب اسلامی مشرق کی تہذیب کا نتیجہ تھا، کیونکہ نوجوانانِ یورپ کے مقابل ان طویل محاربات صلیبی مین صرف مسلمان ہی تھے، اس طرح اسلامی تہذیب نے مشرق و مغرب دونون طرف سے یورپ مین تجدید علوم کے لیے راہ کھولدی،

عہد تجدید | وہ اسباب جو دورِ تجدید کے آغاز کا باعث ہوئے حسب ذیل ہین:-

(۱) امریکہ کا دریافت ہونا (۲) یونانی علوم کا احیار (۳) پوپ کے اقتدار مین کمی واقع ہونا، (۴) چھاپہ کی ایجاد،

ان مین سے امریکہ کا دریافت ہونا مسلمانون کے ایجاد کردہ قطب نما کی بدولت ہوا، کولمبس سے صدیون پہلے عرب جہاز ران اس عجیب آلہ کو استعمال کر رہے تھے، جس نے آیندہ جہاز رانی کی راہین کھولدین خود کولمبس کی تحریرون مین ایسے حوالے موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد کی تصنیفات نے اس کو ایک مغربی براعظم کا وجود سمجھایا تھا۔ الکندی اور اس کے مثل دوسرے جغرافیہ نویسون کی تصنیفات نے یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ کرۂ ارض کی دوسری جانب بھی ضرور زمین ہے، یونانی علوم کا احیار بھی اسی لیے ممکن ہوا کہ وہ سب عربی مین محفوظ تھے، ہسٹورینس ہسٹری (The Historians History) مین عربون کے متعلق ہے کہ:-

[1] Dr. White: Medieval Mind

"وہ (عرب) یونانیون اور ہندؤون کے علوم کو محفوظ رکھنے کے باعث ہمیشہ شکریہ کے مستحق ہین کیونکہ یونانی یا ہندو اس زمانہ مین کسی قابل نہ تھے اور یورپ اس وقت تک اس درجہ جاہل تھا کہ وہ ان خزانون کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لینے کا اہل ہی نہ تھا، عربون کا نام تاریخ سے مٹا دو تو تم دیکھو گے کہ یورپ مین تجدید علوم کا کام صدیون پیچھے ہٹ جائے گا۔"

مسلمانون نے یونانی علوم کی صرف حفاظت ہی نہین کی بلکہ ان کی شرح کی اور حاشیہ لکھے انھون نے غلطیان بھی نکالین اور ان سے بہت آگے ترقی بھی کی، یونانی علوم کی بعض نہایت سخت غلطیون کا ازالہ کیا گیا مثلاً ابن ہیثم نے یہ ثابت کر دیا کہ آنکھ جب دیکھتی ہے تو شعاع اس مین پیدا نہین ہوتی بلکہ اس چیز مین پیدا ہوتی ہے جسے دیکھا جائے،

تیسرا سبب پوپ کے اقتدار کا کم ہوجانا ہے، یہ امر قابل غور ہے کہ پوپ کے اقتدار کے خلاف سب سے پہلے بغاوت لوتھر نے کی تھی جس کے اصلاحی خیالات اسلام کے اثر سے پیدا ہوئے تھے،

آخر مین چھاپہ کی ایجاد بھی اسی لیے کامیاب ہو سکی کہ کاغذ اس سے پہلے مسلمان بنا کر یورپ مین رائج کر چکے تھے، ایچ جی. ویلس لکھتا ہے:-

"مطابع کو اور زیادہ منظم صورت مین پیش کرنے مین جو ناکامی ہوئی، بلاشبہہ اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ اس زمانہ مین کاغذ کافی مقدار مین نہ مل سکتا تھا۔ . . . .

اگر اس زمانہ مین مطابع ہوتے بھی تب بھی وہ بیکار بند پڑے رہتے"

اس طرح عہد تجدید بلا واسطہ اسلامی تہذیب کے اثرات کے ماتحت عالم وجود مین آیا ہے، ہر مستند مصنف نے اب اس کو تسلیم کر لیا ہے، ڈاکٹر تھارنڈ ایک کہتا ہے:-

"اگر عرب چارلس مارٹل اور فرانکس کو جنکی سلطنتین یون بھی ختم ہو رہی تھین شکست دیدیتے اور اگر وہ مغربی یورپ پر مسلط ہو جاتے جیسا کہ اندلس پر ہو گئے تھے تو یورپ مین تہذیب کی تجدید بہت جلد ہو گئی ہوتی"[1]

[1] Lynn Thorndike: Medieval Europe

ولی کا غیر مطبوعہ کلام

از

مولوی نصیر الدین احمد صاحب ہاشمی۔ ایم آر۔ اے ایس، ایف آر ایس اے،

وؔلی اورنگ آبادی کا کلام اب تک متعدد مرتبہ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ سے بھی شائع ہو چکا ہے، اور ابھی حال میں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد نے نہایت اہتمام سے متعدد دیوانون سے مقابلہ کرکے وؔلی کے کلیات کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے، اس کے بعد بظاہر کوئی مزید اضافہ کی گنجایش نہیں معلوم ہوتی، مگر انگلستان کے ذخیرہ کے مدنظر ہنوز اس کلیات کو نامکمل کہنا ناگزیر ہے،

انگلستان میں وؔلی کے پندرہ دیوان ہیں جنکی صراحت حسب ذیل ہے:-

(۱) انڈیا آفس	۸ مخطوطے	(۴) کیمبرج	۳ مخطوطے
(۲) برٹش میوزیم	ایک مخطوطہ	(۵) اکسفرڈ	۲ مخطوطے
(۳) اڈنبرا یونیورسٹی	ایک مخطوطہ		۱۵

ان دیوانون کے مدنظر نہ صرف ہم اس کے شائع شدہ کلیات مین اضافہ کر سکتے ہین بلکہ بعض دیگر حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وؔلی کا نام ولی محمد تھا اور دکن کے باشندے تھے، یہان سب سے قدیم دیوان سنہ ۱۱۴۲ کا مرتبہ ہے جبکہ ولؔی خود زندہ تھے،

اس کے قبل کہ غیر مطبوعہ کلام پیش کیا جائے مختصر طور پر ہر دیوان کی صراحت بے موقع نہوگی،

انڈیا آفس (۱) دیوان نمبر ۱۲۱۱ ورق (۱۱۰) سائز ۹½ × ۵½، سطر ۱۱ تا ۱۷، خط نستعلیق، کاتب حفیظ اللہ، سنہ کتابت دویم ربیع الثانی سنہ ۱۳ جلوس محمد شاہ (۱۱۴۳) اس مین (۳۶۵) غزل، دو مستزاد، ستائیس رباعی

چالیس فرد۔ نو مخمس، دو ترجیع بند، دو مثنویان، چار قصیدے درج ہین، ہر ورق پر جھلّی چسپان کی گئی ہے تاکہ بوسیدہ کاغذ تلف نہ ہو، مگر صاف طور سے پڑھا جا سکتا ہے، نہایت خوشخط ہے جلد انڈیا آفس مین نئی بنوائی گئی ہے، یہ دیوان اس لیے قابلِ قدر ہو کہ سب سے قدیم ہے جبکہ ولی خود زندہ تھے،

(۲) دیوان نمبر ۱۱۴۸ ورق (۲۱۲) سائز، ۷ ۱/۴ × ۴ ۱/۲ سطر ۱۱ تا ۱۲ خط نستعلیق، تاریخ کتابت ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۲۴ جلوس محمد شاہ (۱۱۵۵ھ) غالبًا اسی سنہ مین ولی کا انتقال ہوا ہے، اس مین ۳۷۶ غزل سے زیادہ ہین، کیونکہ بعض حاشیہ کی تعداد شامل نہین کیگئی ہے، اس کے بعد دس رباعی (۴۶) فرد، دو مستزاد، دو بازگشت، دو ترجیع بند ایک چار در چار، ایک مثلث، سات مخمس، اس کے بعد پھر تین مستزاد، دو قصیدے اور ایک مثنوی درج ہے، اس نسخہ مین جا بجا الفاظ کی اصلاح کی گئی مثلاً "کہتا ہون" کو "لکھتا ہون" بنایا گیا ہے وغیرہ، حاشیے پر متعدد اشعار زیادہ کیے گئے ہین، اس دیوان پر دو مہرین ایک مین (محمد عبد اللہ ولد حافظ محمد احمد ۱۱۸۶ھ) اور دوسری مین محمد احمد ۱۱۶۵ھ مرقوم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ان کی ملک رہا ہے،

اس مین دیگر اصحاب کے متعدد فارسی شعر بھی درج ہین اور بعض خانگی یادداشتین بھی ہین، بعض اندراجات سے پتہ چلتا ہو کہ یہ گجرات مین مرتب ہوا ہے، اس دیوان کا کاتب محمد نور الدین علی ہے،

(۳) دیوان نمبر ۱۵۵ ورق (۱۳۴) سائز ۷ ۱/۲ × ۴ ۳/۴ سطر ۱۱ تا ۱۵ خط نستعلیق تاریخ کتابت ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۶ھ، کاتب محمد تقی ولد سید ابو المعالی، یہ ابو المعالی وہی بزرگ ہین جنکے ساتھ ولی نے دہلی کا سفر کیا تھا،

اس دیوان مین اوّل (۳۰۸) غزل، اس کے بعد چار قصیدے، ایک ترجیع بند پھر ایک قصیدہ، نو مخمس (۲۶) رباعی۔ (۲۹) فرد۔ تین مستزاد پھر ایک ترجیع بند، و آخر پر ایک اور قصیدہ درج ہے۔ ابتدائی اوراق خوشخط ہین، اس کے بعد زشت خط ہو گیا ہے،

اوّلاً بسم اللہ کے ساتھ ہیں غزل ردیف الف کی خوشخط درج ہین اس کے بعد ایک صفحہ پر چند دیگر فارسی اشعار لکھے گئے ہین، اس کے بعد پھر بسم اللہ کے ساتھ غزلون کی ابتدا ہوئی ہے، کچھ تو مکرر درج ہوئے ہین اور کچھ

نہیں ہیں، دیوان کے آخر علاوہ دیگر فارسی اشعار کے فراقی کی ایک اور غزل اور ایک عربی دعا مرقوم ہے، کتابت کے بعد مقابلہ کیا گیا ہے جا بجا اصلاح اور حاشیہ پر الفاظ درج ہیں، اس دیوان کے سرورق پر درج ہے:

"تصنیف مغفرت پناہ میاں ولی محمد متوطن دکن"

اور آخری صفحہ پر مرقوم ہے:-

"تمت تمام شد دیوان مغفرت نشان میاں ولی محمد مرحوم متوطن دکھن بتاریخ دویم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۶ ہجری بروز پنجشنبہ بوقت صبح تحریر یافت مالک وکاتب این دیوان عاجز المذنب محمد تقی ولد سید ابوالمعالی است کسے دعوی کند باطل است۔"

(۴) دیوان نمبر ۱۱ ورق (۱۱۶) سائز ۸×۵ سطر ۱۳ تا ۱۰ خط نستعلیق، تاریخ کتابت اور نام کاتب وغیرہ کی صراحت نہیں ہی، مگر کاغذ اور خط کے مد نظر اس کو بھی بارہویں صدی ہجری ہی کا تصور کرنا چاہیئے، اس میں اول چار قصیدے، ایک قطعہ، اس کے بعد دو مثنویاں درج ہیں، اس کے بعد ایک صفحہ خالی چھوڑ کر غزلوں کی ابتدا کی گئی ہی جنکی تعداد (۲۴۷) ہے اس کے بعد تین مستزاد، دو ترجیع بند (۲۳) رباعی چالیس فرد، ایک قطعہ اس کے بعد پھر تین غزل اور پھر ایک قصیدہ درج ہے، اسکو بھی جعلی سے جوڑا گیا ہے، اس دیوان پر فورٹ ولیم کالج کی مہر ثبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کالج کی ملک رہا ہے۔

(۵) دیوان نمبر ۱۱ ورق ۱۰۷، سائز ۹ ۱/۴ × ۵ ۱/۴ سطر ۱۱ تا ۱۴ خط نستعلیق تاریخ کتابت درج نہیں اسمیں (۲۲۱) غزل گیارہ رباعی چار مستزاد تین مخمس ایک بازگشت، ایک چار در چار، ایک مثلث، ایک ترجیع بند اور دو قصیدے درج ہیں، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"چہار دہم جز دیوان ولی بموجب فرمودہ بہہ جوگرج جیو سلمہ اللہ تعالی بخط ناپختہ (؟) خادم بروز دسہرہ ارقام یافت۔"

۶- دیوان نمبر ۱۱ ورق (۵۶) سائز ۸ ۱/۴ × ۶ سطر ۱۱ تا ۱۳ خط نستعلیق تاریخ کتابت، نام کاتب وغیرہ

درج نہین ہے، بلحاظ کاغذ اور خط تیرھوین صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے، اس مین (۲۰۲) غزل، دو مستزاد، دو مخمس درج ہین:-

۷- دیوان نمبر ۱۹، ورق ۱۰۰، سائز ۹½ × ۶، سطر ۱۱ تا ۱۴، خط نستعلیق، یہ دیوان ناقص اول اور ناقص الآخر ہے، اس لیے تاریخ کتابت وغیرہ معلوم نہین ہوسکتی، بلحاظ شانِ خط و کاغذ بارھوین صدی ہجری کا ہے، اس مین ۱۴۳ غزل ہین،

۸- دیوان نمبر ۲۰، ورق ۲۷، سائز ۲ ۱ × ۷، سطر ۱۱ تا ۱۲، خط نستعلیق تاریخ کتابت ۲۷ ذیحجہ ۱۲۸۵ھ کاتب غلام محمد،

اس دیوان مین ۱۵۳ غزل ایک مستزاد، ایک مخمس ایک ترجیع بند درج ہین، یہ دیوان ولایتی موٹے کاغذ پر لکھا گیا ہے، پہلے صفحہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"کتاب ہذا حسب فرمائش جناب سیٹھ صاحب برو زجی سراب جی ایسرن بمقابلہ منشی یسین خان بتاریخ ۱۱ر جولائی ۱۸۶۸ء تسوید شد فقط یسین خان"

اور آخر پر درج ہے:-

"الحمد للہ والمنت کتاب دیوان ولی دربند صورت اختتام یافت تحریر تاریخ ۲۷ ذیحجہ ۱۲۸۵ھ الصلوٰۃ والسلام الراقم غلام محمد"

۹- دیوان برٹش میوزیم لندن نمبر ۱، ورق ۴۳، سائز ۸ × ۴½، سطر ۱۱، خط نستعلیق، تاریخ کتابت ۲ ربیع الاول ۱۲۲۳ھ بمقام پونہ پلی،

اس مین صرف غزل ہین، اکثر مقامات پر حروف، مصرع اور شعر کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کاتب سے وہ الفاظ حل نہین ہوسکے،

۱۰- دیوان مملوک اڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۲۰۸، ورق ۱۹، سائز ۹ × ۶½، خط نستعلیق، دیوان کے آخری

اوراق کرم خوردہ ہیں، اس لیے تاریخ کتابت وغیرہ جو درج ہے معلوم نہیں ہو سکتی۔ بلحاظ کاغذ و نشان خط ۱۲ ویں صدی ہجری کا ہے، اس میں ۲۶۴ غزل، ایک ترجیع بند، گیارہ مخمس، تین مستزاد، تین رباعی، دو فرد اور ایک قصیدہ درج ہے،

۱۱۔ دیوان کتب خانہ کیمبرج یونیورسٹی نمبر ۳۵۰ (Add) ورق ۱۰۲، سائز ۲۲×۲۶، ۱۲×۲۶، ۱۴ سطر، خط نستعلیق، خوشخط، جدول سرخ، تاریخ کتابت ۲۶ صفر ۲۲ جلوس محمد شاہ ۱۱۵۳ھ،

اس دیوان میں ۱۸۲ غزل، تین مستزاد، ایک بازگشت، نو مخمس، دو ترجیع بند، چار قصیدے، ایک قطعہ، دو مثنویاں، ۳۲ رباعی، ۲۲ فرد درج ہیں، خاتمہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"دیوان ولی بحسب فرمایش رفعت و عوالی پناہ خانصاحب مہربان محمد نسار (نثار؟) جیو مرقوم شد بست و ششم شہر صفر ۲۲ محمد شاہ"

اس دیوان کو بھی لکھنے کے بعد مقابلہ کیا گیا ہے، اکثر اشعار وغیرہ حاشیہ پر بنائے گئے ہیں۔ اس دیوان کی ایک خصوصیت یہ ہے، یہ گارسں ڈی تاسی کی ملک رہا ہے (Garcin-de-Tassy) کیونکہ اس کے دستخط موجود ہیں، جلد قدیم ہے ممکن ہے کتابت کے زمانہ کی ہو،

۱۲۔ دیوان کتب خانہ کنگ کالج کیمبرج نمبر ۱۶۴، ورق ۱۹، سائز ۱۰×۶، سطر ۱۴، خط نستعلیق، تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں ہے، سرخ جدول ہے، بلحاظ نشان خط تیرھویں صدی ہجری کا ہے، صرف غزلیں ہیں جن کی تعداد ۲۲۲ ہے

۱۳۔ دیوان کتب خانہ کاپر کالج کیمبرج Caper college نمبر ۴ سائز ۱۰×۵ ورق ۱۹۵، سطر ۱۰، تاریخ کتابت ۲۵ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کاتب آتمارام۔ خط نستعلیق،

اس میں ۴۴ غزل، دو مستزاد، چار رباعی، ایک ترجیع بند، تین مخمس درج ہیں، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"بخط بندہ احقر اتمارام بتاریخ ۲۵ ربیع الاول سنہ مطابق ۱۲۱۲ھ روز جمعہ وقت دوپہر شاہ عالم بادشاہ غازی"

۱۴۔ دیوان کتب خانہ اکسفرڈ یونیورسٹی۔ نمبر ۴۴، ورق ۱۲۵، سائز ۸ × ۴، سطر ۱۱ تا ۱۵۔ خط نستعلیق، تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں مگر کاغذ اور شان خط کے لحاظ سے بارہویں صدی ہجری کا ہے، اس میں ۲۱۴ غزل مگر ۱۲۱ غزل کے بعد درمیان میں ایک مستزاد اور ایک بازگشت درج کیا گیا ہے، اور ان کو مدور عنوان دیا گیا ہے، اس کے بعد باقی غزل درج ہیں، غزل کے ختم پر جو صفحہ ۱۰۱ پر ہوئی ہے "تمت تمام شد دیوان ولی" لکھا گیا ہے اور اس کے بعد دس مخمس، ایک ترجیع بند، پانچ قصیدے اور پھر ایک ترجیع بند، ۲۶ رباعی، بیس فرد درج ہوئے ہیں، حاشیہ پر بعض الفاظ کے معنی لکھے گئے ہیں اور بعض جگہ اشعار اضافہ کئے گیے ہیں،

۱۵۔ دیوان اکسفرڈ، نمبر ۵۸۶، ۵۲۶، ورق ۹۵، سائز ۹ × ۵، سطر ۱۷۔ خط نستعلیق، تاریخ کتابت ۲ رجب ۱۱۵۳ھ کاتب شیخ امام الدین،

اس دیوان میں ۴۲۲ غزل، اس کے بعد ایک ترجیع بند، تین مخمس، ایک قصیدہ، ایک مثنوی درج ہیں، دیوان کے آخر حسب ذیل عبارت درج ہے:۔

"بعون الملک الوہاب حسب الامر حافظ محمدی ولد خواجہ محمد فاضل مرحوم اسکنہ اللہ فی دار الجنان در عہد خلافت بادشاہ جمجاہ خلایق بارگاہ محمد شاہ بادشاہ غازی۔ . . . . . (؟) منصور! فی المعارک والمغازی کاتب الحروف شیخ امام الدین ساکن الدکریہ (؟) بتاریخ دویم رجب المرجب ۱۱۵۳ھ روز شنبہ نسخہ دیوان بوقت چہار گھری روز برآمد بتصحیح . . . . ؟ این صحائف پرداخت"

ان دیوانوں کے متعلق مصنفین کٹیلاگ نے جو فروگذاشتیں کی ہیں، ان کی صراحت کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ چند دیگر امور ضرور قابل تذکرہ ہیں۔

ان دیوانوں سے ولی کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی سے اب تک

مرتب ہوتا رہا ہے، اور بلحاظ مذہب و ملت ہر شخص نے اس کی قدر کی ہے، جہان مسلمانون نے اوسکو مایۂ صد افتخار خیال کیا، وہان ہندو اصحاب نے بھی اس کو قدر کے ہاتھون لیا، اسی طرح پارسی اقوام نے اس کو عزت کی نگاہون سے دیکھا ہے، اسی طرح یورپ نے قدر کی ہے،

دیوان نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام ولی محمد صحیح ہے اور وہ درحقیقت دکن کے باشندے تھے، نیز یہ کہ ۱۱۵۶ھ مین وہ بقید حیات نہین تھے۔

دیوان نمبر ۴ مین ولی کی غزل، ہوا ہے رشک چنبے کی کلی کون الخ کے حاشیہ پر ناصر علی کا اردو جوابی شعر حسب ذیل درج ہے:-

با عجاز سخن گر او ڑ چلے تو ن | نہ پہنچیگا ولی ہر گز علی کون

دیوان نمبر ۱ کا ایک ورق درمیانی موجود نہین ہے، اگرچہ مصنف کیٹلاگ نے پنسل سے جو نمبرات قائم کئے ہین وہ برابر ہین مگر صفحہ (۵۳) ذیل کے شعر پر ختم ہوتا ہے،

چا ہو کی ہو ولی کے ملاجگ مین دوربین | انکھیان مین سرمہ ہوے کے خاک چرن کرو

اور صفحہ ۵۴ پر ذیل کے مقطع کے ساتھ صرف تین شعر ہین،

ولی مت حاسد انکے ہاتھ سرن ولکون ملکر | کہ آخر دلسون جاوی گا غبار آہستہ آہستہ

اس سے ظاہر ہے کہ وہ صفحہ جس پر اس کا مطلع اور ما بقی شعر تھے نہین ہے، نیز دیگر غزل جو اس پر ہونے چاہین، مثنویان جن دیوانون مین درج ہین ان کے اشعار کی تعداد تقریباً سب مین ایک ہے، اور وہی دو مثنویان ہین جو کلیات ولی مین بھی درج ہو چکی ہین،

انڈیا آفس کے کل دیوانون کی جلدین نئی بندھوائی گئی ہین، البتہ نمبر ۲ مین قدیم زمانہ کی جلد بھی شامل ہے، اس صراحت کے بعد اب مین غزلون سے قطع نظر کرکے دیگر اصناف سخن کی (جو کلیات ولی مین شائع ہوے ہین) وضاحت کرتا ہون کہ وہ کن کن دیوانون مین درج ہین:-

(الف) مستزاد (مندرجۂ کلیاتِ ولی)

(۱) بے تاب کیا شوق نے مجھ دل کو بدن مین الخ

یہ دیوان نمبر (۲و۳و۴) مین موجود ہے،

(۲) لائی ہے لگن تم سون مجھ کون سکے گا الخ (دیوان نمبر۱)

(۳) بخشی ہین آپس رنگ سون اس گل ترے گا لان، الخ "

(۴) کیتا ہے نظر جب سٹی تجھ رشک پری پر، الخ (۱و۲و۴و۵و۶و۸و۱۱و۱۳و۱۵)

(۵) معلوم نہین کن نے میرے دل کو لیا ہے، الخ (۲و۳و۴و۵و۶و۸و۱۰و۱۱و۱۳)

(۶) گگئے رات معراج وہ عرش پر، الخ (۱و۲و۴و۶و۱۱)

(۷) ہرگز تو نہ لا ساتھ رقیب دغلی کون الخ (۱و۲و۱۳و۱۴)

(۸) دل چھوڑ کے یار کیونکہ جاوے الخ (نمبر ۲)

(۹) کیتا ہون ترے ناؤن کو مین ورد زبان کا الخ (نمبر۲)

(ب) مخمس

(۱) تجہ قد نے مجھ نگاہ کون عالی نظر کیا الخ (۱و۳و۱۰و۱۱و۱۴و۱۵)

(۲) مطلب نہین ہے ہم کون حسینان نعیم کا الخ (۱۰و۱۱و۱۴)

(۳) نکو کر آشنائی غیر سون اے سیمتن ہرگز الخ (۱و۲و۶و۸و۱۰و۱۱و۱۳)

(۴) عاشق ترے جمال پر شیدا ہوے آتال الخ (۱و۲و۱۱و۱۴و۱۵)

(۵) گلشن مین مجھ سنے کے اے صاحب جمال چل الخ (۱و۲و۳و۵و۱۰،۱۱و۱۴)

(۶) ناز سون آ تجھے خدا کی قسم، الخ (۱و۳و۸و۱۰و۱۱و۱۴)

(۷) نیرنگی ترے لب کی مسیحا پہ لکھا ہون الخ (نمبر۱۰)

(۸) تیرے قدم کے فرش رہ میرے نین سب دن اچھو الخ (۱و۳و۱۰و۱۱و۱۳)

(۹) سجن کا ذکر مین تس دن رتا ہے الخ (کسی مین نہین ہے)

(۱۰) نہ تنہا حسنِ خوبان دلربا ہے الخ (۲و۱۰و۱۴و۱۵)

(۱۱) یاقت لب تیرے سجن یہ دل میرے کا قوت ہے، الخ (۱و۲و۳و۶و۱۰و۱۱و۱۳و۱۴)

(۱۲) مشق کر اے دل سد تجرید کی، الخ (۸و۱۰و۱۱و۱۲و۱۴)

(۱۳) ہمسر ہو تیرے دعویٰ مین اڑکون سکے گا، الخ (۱۰)

(۱۴) ہوس دل مین سدا تیری ہے سوتے ہور کھانے کا، الخ (کسی مین نہین ہے)

(۱۵) رحم کر تجکو دلبری کی قسم، الخ (۲)

(ج) ترجیع بند،

(۱) سرے دل مین وہ سرو گلفام ہے، الخ (۱و۲و۳و۴و۵و۸و۱۱و۱۵)

(۲) اے تو مقبولِ سرورِ عالم الخ (۱و۲و۳و۴و۱۱و۱۳)

(د) قصائد

(۱) اے زبان پر تو اوّل اوّل الخ (۱و۳و۴و۵و۱۰و۱۱و۱۴و۱۵)

(۲) عشق مین لازم ہے اوّل ذات کون خالی کرے، الخ (۱و۲و۳و۴و۵و۱۱و۱۴و۱۵)

(۳) ہر ایک رنگ مین جو دیکھتا ہون چرخ کے نیرنگ الخ (۱و۳و۴و۱۱و۱۴)

(۴) کیا ہے غم مجکون اگر جگ مین نہین مونسِ غم، الخ (۳و۴و۱۱و۱۴)

(۵) دکھے نظر سون اگر یہ جمالِ نورانی، الخ (۴و۱۴)

(۶) ہوا ہے خلق اپر پیر کے فضل سبحانی (۱و۳و۴)

(ھ) مثنوی،

(۱) الٰہی دل اپر دے عشق کا داغ، الخ (۱ و ۲ و ۴ و ۱۱)

(۲) عجب شہران مین ہی پر نور ایک شہر الخ (۱ و ۲ و ۴ و ۱۱)

(و) بازگشت،

(۱) دلربا آیا نظر مین آج میری خوش (۱۰) الخ (۲ و ۴ و ۱)

(۲) سب چمن کے گلرخان کا تون ہی زیب گلبدن الخ (۲ و ۵ و ۱۱)

(ح) مثلث،

(۱) دیکھ غمزے ترے کا جور و جفا، الخ (۲ و ۵)

(ط) چار در چار،

(۱) صنم سات جب آکے بار لگے، الخ (۲ و ۵)

(ی) قطعہ

(۱) گجرات کے فراق سون ہے خار خار دل، الخ (۳ و ۴ و ۱۱)

(۲) ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال، الخ (کسی مین نہین ہے)

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ کلیاتِ ولی کا شائع شدہ کلام عموماً یہان کے دیوانون مین موجود ہے، مگر مین اب ایسے کلام کو پیش کر ونگا جو یہان کے دیوانون سے دستیاب ہوا ہے اور کلیات مین موجود نہیں ہے، اور چونکہ کلیاتِ ولی نہ صرف مخطوطون سے مرتب کیا گیا ہے بلکہ مطبوعہ دیوانون سے بھی مدد لیگئی ہے اس لیے یہ کہنا کہ ذیل کا کلام غیر مطبوعہ ہے بالکل صحیح ہے،

قصیدہ، مستزاد، بازگشت، مثلث، چار در چار کے متعلق مجھے کچھ صراحت کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ اس صنف کا کوئی مزید کلام دستیاب نہین ہوا ہے،

مخمس | کلیات مین کل پندرہ مخمس شائع ہوئی ہین جنمین سے تیرہ تو یہان کے دیوانون مین بھی موجود ہین

مگر دو کا یہان پتہ نہین چلا،

اس کے برخلاف ذیل کے تین مخمس کلیات مین نہین ہین وہو ہذا:-

مخمس

یہ بردہ کی تار کیون کی جاوی — چلنے کی پیزاریون کی جاوی
جب ان وار کی پار کیونکی جاوی — دل یار کو چھوڑ کیونکی جاوی
زخمی ہے شکار کیونکی جاوے

پھرتا ہون جہان وجگ سون بزار — اس بند مین آہٹو ہون لاچار
کیونکر ہو برہ مین مست ہوشیار — جب لگ نہ ملی شراب دیدار
انکھیان کا خمار کیونکی جاوی

جب عشق کی فوج نے آئی گھیرا — حیران ہوا ہوا اس سیرا
اس دن سون ہوا ہون تیرا چیرا — یکسان ہے ہمیشہ حسن تیرا
جنت سون بہار کیونکی جاوی

یہ دل تری دیکھنے کو روی — ہر شام صبح مین تل نہ سووی
یہ عمر عزیز غم مین کھووی — انکھوان نکے اگر مدد نہ ہووی
مجھ دل کا غبار کیونکی جاوی

عاشق کی یہی ہر جگ مین بانان — معشوق کی تانو پر بکانان
نہین کام ہر ایک کا اسمین آنان — ممکن نہین اب دلی کا آنان
ہی عاشق زار کیونکی جاوی

یہ مخمس صرف دیوان نمبر ۲ مین ہے۔

(باقی)

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۴)

لحج

سلطان عبدالکریم فضل

(از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین)

لحج حکومت لحج عرب کی ایک چھوٹی مگر ترقی یافتہ اور زرخیز ریاست ہے، سلطان عبدالکریم فضل یہان کے روشن خیال حکمران ہین، اس کے حدود اربعہ یہ ہین، جنوب مین بحر عرب کا ساحل باب المندب سے ملحاف تک، شمال مین امام یحیٰ کے حدود سلطنت، مشرق مین حضرموت اور مغرب مین بحر احمر، مجموعی رقبہ ۲۵۰۰ مربع میل اور آبادی ۳۰ لاکھ ہے، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی مختلف مذاہب اور فرقون پر مشتمل ہے، سنیون مین شافعی حنفی اور شیعون مین جعفری، اسمٰعیلی اور زیدی، دیگر مذاہب مین یہودی، عیسائی اور ہندو ہین، یہان بعض قبائل ایسے بھی آباد ہین جو ابھی تک زمانۂ جاہلیت کی روایات پر قایم اور اسلام سے بالکل ناواقف ہین، مشہور قبائل مین عبادلہ، یوافع، آل فضل، عوالق، حواشب، صبیحہ ہین، اور مشہور مقامات کے نام یہ ہین، سقرہ، حوطہ، ملحاف، لحج، ابین، انصاب، سمیر وغیرہ،

حکومت لحج کی تاریخ: آج سے دو سو برس قبل حکومت لحج کا رقبہ یمن کے ممالک محروسہ مین شامل تھا، یہان امام یحییٰ کا حاکم رہا کرتا تھا، اٹھارہوین صدی کے ربع اول مین یمن سے علحدہ مستقل حکومت قائم ہوئی، ۱۲۳۲ھ مین ایک زیدی فوجی افسر حکومت یمن کی طرف سے یہان کا حاکم تھا، اس مین آزادانہ حکمرانی کا

کا جذبہ پیدا ہوا اور عدن پر قبضہ کرکے مستقل حکومت قایم کرلی، اس وقت یہان کی آبادی کا غالب عنصر شافعی سنی تھے، یہ گو امام یمن کے زیر حکومت تھے، لیکن ان کو دل سے ناپسند کرتے تھے، اس عامل نے ان کو مائل کرنے اور اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے سنی مذہب اختیار کرلیا، اس تبدیلِ مذہب سے اسکو حکومت کی تاسیس مین بہت مدد ملی، یہ شخص سلطنتِ لحج کا پہلا بانی تھا، اس کے بعد عبادلہ یہان کے حکمران ہوئے، یہ سب زیدی النسل اور شجاعت وشہامت مین مشہور تھے،

سلاطینِ لحج، ان مین سے چار زیادہ مشہور ہین، سلطان محسن بن فضل، انکا زمانہ سترہوین صدی کا اواخر اور اٹھارہوین صدی کا اول تھا، یہ نہایت غیور اور حریت پسند تھے، قبائل اور علماء کے ساتھ ان کا طرزِ عمل نہایت شریفانہ تھا، ان مین اپنی سلطنت کے حدود وسیع کرنے کا جذبہ بہت شدت سے تھا، اور ہمیشہ موقع کے منتظر رہا کرتے تھے، اسی لئے ان سے اور انگریزون سے کبھی نہین بنی، انھین کے زمانہ مین عدن پر انگریزون کا قبضہ ہوا، یہ نہایت زمانہ شناس، عاقبت اندیش، صائب الرائے اور عالی ہمت شخص تھے، انھون نے اپنے پورے عہدِ حکومت مین لحج کی اصلاح وترقی کی انتہائی کوششین کین، گو انکا عہدِ حکومت بہت مختصر تھا لیکن اس قلیل زمانہ مین فوج، مالیات، اور علوم وفنون کی اصلاح اور ترقی مین بہت کچھ کامیاب ہوئے، اگر انکو زیادہ موقع ملتا تو لحج کی حکومت کو کہین سے کہین پہونچا دیتے، لیکن ان کی بے وقت وفات کی وجہ سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا، تاہم مرتے وقت اپنی تمام ثروت، مدارس اور شفاخانون کی تاسیس اور ترقی کے لئے وقف کرگئے، ان کے بعد سلطان فضل بن علی بن محسن ان کے قایم مقام ہوئے، یہ بھی شجاعت وشہامت مین عقل وفرزانگی اور اصابتِ رائے مین اپنے پیشرو کے برابر تھے، ان کا اصول تھا کہ بغیر دولت کے سلطان کی کوئی عزت نہین، اس لئے انھون نے اپنی تمام توجہ امن وامان کے قیام اور زراعت کی ترقی کیجانب مبذول رکھی، حدودِ سلطنت مین بھی وسعت پیدا کی چنانچہ حواشب پر قبضہ کرلیا لیکن کچھ دنون کے بعد انگریزون کی وجہ سے پھر واپس کردیا، ان کے اور

حکومت عدن کے تعلقات اچھے تھے، انگریز انکا ظاہراً پورا احترام کرتے تھے لیکن مخلصانہ تعلقات نہ تھے، یہ ۲۰ برس تک حکمران رہے اور نہایت عدل و انصاف سے حکمرانی کی، زراعت اوقاف اور قبیلوں کے باہمی تعلقات کے متعلق انھوں نے نہایت عمدہ قوانین جاری کئے، جو آج تک دستورالعمل کا کام دیتے ہیں، ان کے بعد سلطان احمد بن فضل بن محسن تخت نشین ہوئے، یہ بھی علم دوستی اور ذکاوت میں اپنے اسلاف کے ہمسر اور ہمت و حوصلہ میں ان سے بڑھکر تھے، لیکن ویسے مخیر اور فیاض نہ تھے، انگریزوں سے ظاہری تعلقات اچھے تھے لیکن اندرونی تعلقات میں انگریز چالبازی اور بوسیدہ سیاست سے کام لیتے تھے، امام یحیی کے ساتھ ان کے تعلقات بہت مخلصانہ اور مضبوط تھے، ترکوں کے مقابلہ میں انھوں نے امام کی نہایت قیمتی مدد کی، اور شریف حسین کو بھی ترکوں کی امداد سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ترکوں کے مقابلہ میں امام کی مدد کرنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی، یہ عرب پر عربوں کے علاوہ کسی کی سیادت گوارا نہ کرتے تھے اسی لئے ترکوں سے ہمیشہ تعلقات کشیدہ رہے، انھوں نے اپنے زمانہ میں اتحاد عرب کی نہایت مبارک اور مہتم بالشان کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لئے فرمانروایان عرب کی ایک عام موتمر منعقد کرنا چاہتے تھے، دعوت نامے بھی بھیجدیئے تھے تاکہ سب کسی ایک مقام پر جمع ہو کر عرب قوم کی فلاح و بہبود، اور انکی سیاست اور وحدت پر غور کریں، لیکن دعوت نامے بھیجنے کے بعد پھر کسی نامعلوم سبب سے یہ تجویز ملتوی کردی، اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیتے تو یہ ان کی زندگی کا نہایت روشن کارنامہ ہوتا،

عدن قدیم | موجودہ سلطنت لحج کے حالات معلوم کر لینے کے بعد عدن قدیم کی مختصر تاریخ سن لینی چاہئے، کہ اسکو اس سے بہت گہرا تعلق ہے، لحج گو چھوٹی سی ریاست ہے، لیکن عدن کی وجہ سے کسی زمانہ میں نہایت طاقتور تھی، کوئی بیرونی طاقت اس وقت اس کے معاملات میں مداخلت نہ کر سکتی تھی، انگریزوں کے قبضہ سے پہلے یہ مقام عرب کا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا، سنہ ۱۸۰۲ء میں ایک فرانسیسی

سیاح لازوک عدن آیا تھا، اس نے اپنے سفرنامہ میں اسکی قدیم عظمت کا نقشہ کھینچا ہے، لیکن ہم اس کو
قلم انداز کرتے ہیں، عدن ہی عربی وحدت کا سب سے سنگین قلعہ تھا، یہاں ایک زبان، ایک مذہب اور ایک
تمدن تھا، امرائے عرب کے محلات و قصور انکی تجارتی کوٹھیاں اور سنگین قلعے اسکی رونق کو دوبالا کرتے تھے،
قدیم آثار میں یہاں کا مشہور و معروف بند نہایت حیرت انگیز اور عجیب و غریب چیز ہے، یہ بند آج سے
کئی ہزار برس قبل دو پہاڑیوں کے بیچ میں پانی جمع کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، اسمین پانی کے متعدد مخزن
ہیں جنمیں ۵۰ ملین گیلن پانی جمع ہوتا ہے، یہ مخزن اتنے بڑے ہیں کہ یہاں کی قلیل بارش ایک سال
میں بھرنے سے قاصر رہتی ہے، امتداد زمانہ سے یہ بند پٹ گئے تھے، ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے اسکو
دوبارہ صاف کرایا ہے،

عدن کی موجودہ اہمیت قدیم تاریخ کے علاوہ اسکی جغرافی حیثیت نے اسکو موجودہ دور میں اور زیادہ اہم
بنا دیا ہے، عدن مشرق اور مغرب کی درمیانی کڑی اور مشرق کا صدر دروازہ اور اسکی کنجی ہے، جزائر
برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان یہ جہازوں کا آخری مرکز ہے، پہلا جبرالٹر دوسرا سویس تیسرا
عدن، اسکی بحری حیثیت بہت اہم ہے، مشرق اور مغرب کے درمیان جتنے جہاز چلتے ہیں عدن ان سب کا
کوئلہ کا سب سے بڑا مخزن ہے، اس کے ٹیلیگراف آفس پر بحری امن و امان کا دار و مدار ہے، گو دنیا
میں اس سے بھی بڑے ٹیلیگراف آفس ہیں لیکن عدن کا مرکز ان سب سے اہم ہے، اگر آج عدن کا سلسلہ
تار برقی توڑ دیا جائے تو یورپ، افریقہ اور اسٹریلیا سب ایک گوشہ میں پڑ جائیں گے، اور قدیم زمانہ کی
بحری تاخت و تاراج شروع ہو جائے گی، خصوصاً ہندوستان کا تعلق بحری راستہ سے جزائر برطانیہ
سے بالکل منقطع ہو جائیگا، جن قوتوں کے بل پر انگریز ہندوستان میں حکمران ہیں، اسمین عدن کی قوت بھی بہت
اہم ہے، اگر عدن ان کے ہاتھوں سے نکل جائے تو پھر ہندوستان پر انکی گرفت ڈھیلی پڑ جائے، اسی لئے
اب انھوں نے ہندوستان اور یورپ کے درمیان ہوائی سروس قائم کی ہے،

عدن پر قبضہ کی کوشش | غرض ہندوستان کو قبضہ مین رکھنے کے لئے عدن پر انگریزون کا قبضہ ضرور تھا، چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ مین انگریزون نے عدن پر قبضہ جمانے کی خفیہ کوششین شروع کین، اور ۱۸۰۲ء مین سلطان احمد فضل کے ساتھ پہلا تجارتی معاہدہ کیا، اور اس تجارت کے پردہ مین عرب کے ساحل پر ہندوستان آتے جانے والے جہازون کے لئے کوئلہ کا مخزن قایم کرنے کی کوشش شروع کی، سلطان احمد کے لڑکے سلطان محسن نہایت مدبر اور حریت پسند تھے، انھون نے انگریزون کی چال سمجھ لی، اور ۱۸۲۳ء مین معاہدہ توڑ دیا، یہ محمد علی پاشا خدیو مصر کا زمانہ تھا، یہ شام پر قبضہ کرکے عرب کے بعض حصون تہامہ اور عسیر پر قابض ہو چکے تھے، عرب مین انکا اثر و نفوذ انگریزی مصالح کے بالکل خلاف تھا، خاص کر عدن کے معاملہ مین تصادم کا خطرہ یقینی تھا، کیونکہ انگریز یہان کوئلہ کا مخزن قایم کرنے کے لئے اس پر قبضہ کی فکر مین تھے، اور محمد علی پاشا اپنی عربی مقبوضات کی حفاظت کے لئے اپنا قبضہ چاہتے تھے، اور سلطان لحج سے عدن مین اپنے حقوق محفوظ کرانے کی کوشش کر رہے تھے، اور انگریزون کے مقابلہ مین انکی کامیابی زیادہ متوقع تھی، اس لئے انگریزون نے سب سے پہلے اس خطرہ کو دور کرنا ضروری سمجھا، اور لارڈ پالمرسٹن وزیر اعظم انگلستان نے ۱۸۴۰ء مین محمد علی پاشا کو لکھا کہ عرب مین انکا کوئی حق نہین ہے، یہان سے وہ اپنی فوجین ہٹا لین،[1]

دوسری طرف باب عالی کا سہارا لیا، گو عدن پر ترکون کا قبضہ نہ تھا، لیکن ان کی سیادت ضرور تھی، خصوصاً ایسے مواقع پر یورپین طاقتین ظل اللہ کی مذہبی سیادت سے فائدہ اٹھا لیا کرتی تھین، چنانچہ انھون نے عثمانی حکومت سے ایک تجارتی معاہدہ کیا کہ انگریز تاجر اپنا مال عثمانی حکومت مین بیچ سکین گے، اور اس اطراف مین تجارتی کوٹھی بنانے کے لئے عدن مانگا، سلطان عبد المجید نے فوراً فرمان جاری کر دیا، ایسٹ

[1] اسی سلسلہ مین ۱۸۴۰ء مین انگلستان مین کانفرنس ہوئی اور اسکی قرارداد کے بموجب شام ترکی حکومت کو واپس مل گیا، اور عرب سے بھی محمد علی پاشا کو دستبردار ہونا پڑا،

انڈیا کمپنی نے یہ وسیلہ تو اچھا پیدا کیا لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی خوب سمجھتی تھی کہ عرب مین حقیقی حکومت عربون کی ہے اس لئے تنہا اس فرمان سے کام نہ چلے گا، اس لئے اب عدن پر قبضہ کرنے کے لئے کسی معقول عذر کی تلاش ہوئی، بدقسمتی سے اس زمانہ مین انگریزی تجارتی جہاز عدن آیا جایا کرتے تھے، اتفاق سے ایک جہاز ڈوب گیا، عربون نے اسکا سامان لوٹ لیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا چنانچہ اس نے کیپٹن اسٹافرڈ ہینس کو تین سو مسلح فوج کے ساتھ ایک جنگی جہاز دیکر سلطان لحج کے پاس تاوان مانگنے کے لئے بھیجا، اس وقت سلطان محسن یہان کے حکمران عدن ہی مین موجود تھے، کیپٹن موصوف نے سلطان عبد المجید کا فرمان دکھا کر تاوان مانگا، یہ اس فرمان سے بہت برہم ہوئے کہ عثمانی سلطان کو عربی حکومت مین دخل دینے کا کیا حق ہے، ان کے انکار پر کیپٹن اسٹافرڈ نے فوراً حملہ کر دیا، سلطانی افواج نے مقابلہ کیا، اور آخر مین ایک معاہدہ پر معاملہ طے ہوا جس کی رو سے انگریزون نے عدن مین سلطان کے حقوق محفوظ کرکے ایک لاکھ ماہانہ انکا وظیفہ مقرر کر دیا، اور انگریزون کو عدن کے قریب ایک چھوٹے سے مقام پر قیام کی اجازت مل گئی، اس معاہدہ مین دو شرطین یہ بھی تھین کہ کوئی اجنبی شخص خواہ وہ برطانیہ کا عہدہ دار ہی کیون نہ ہو لحج مین بغیر سلطان کی اجازت کے داخل نہین ہو سکتا، دوسرے انگریز یا ان کی رعایا اگر کوئی جرم کریگی تو سلطنت لحج کی تعزیرات کے مطابق اسکو سزا دیجائے گی۔

ان شرائط سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انگریز کن شرائط پر عدن مین آباد ہوئے تھے، لیکن یہ خواہ کتنی ہی ذلیل شرائط پر آئین، تاہم جہان ان کے قدم پہونچ گئے، وہان پھر دوسرے حکمران کا جمنا بہت مشکل ہے، چنانچہ کچھ ہی دنون کے بعد انگریزی قنصل اور سلطان مین اختلافات شروع ہو گئے جسکا نتیجہ جنگ کی صورت مین ظاہر ہوا، اس جنگ مین سلطان کو شکست ہوئی، اور ان کے قبیلہ عبادلہ کو انگریزون نے عدن سے بالکل نکال دیا، حتی کہ کسی کو عدن مین گھر تک بنانے کی بھی اجازت نہ دی، اور عدن پر انکا کامل قبضہ ہو گیا، اس قبضہ کے بعد دوسرا معاہدہ ہوا جس کی رو سے سلطان لحج نے

انگریزون کی سیادت تسلیم کرلی، لیکن اندرون ملک مین انکی کامل آزادی برقرار رکھی گئی، البتہ بیرونی طاقتون سے معاہدہ ناجائز قرار دیا گیا، امرائے عرب کے ساتھ تعلقات پر کوئی قید نہ تھی، سب سے زیادہ دلچسپ دفعہ یہ تھی کہ لحج کے حدود مین کسی اجنبی کی ملکیت یا اسکا داخلہ سلطان کی اس اجازت کے بغیر جو حکومت برطانیہ سے حاصل کیجائے، نہین ہوسکتا، بہرحال اس معاہدہ کے الفاظ مین گو سلطان آزاد تسلیم کئے گئے تھے لیکن درحقیقت عملًا ان کی آزادی سلب ہوچکی تھی،

دوسری جنگ کے بعد عدن انگریزی قبضہ مین چلا گیا، لیکن عدن کے علاوہ ابھی کوئی اور حصہ ان کے پاس نہ تھا، اور عدن کی حفاظت کے لئے ضروری تھا، کہ یہان فوجی بارکین اور دوسرے استحکامات بنائے جائین، تاکہ وہ بیرونی حملہ آورون سے حفاظت کرسکین، لیکن اس کے لئے کوئی معقول جگہ نہ ملتی تھی، چنانچہ انھون نے عدن سے باہر قدم نکالنے کی کوششین شروع کین، پاس ہی شیخ عثمان کی آبادی اس مقصد کے لئے بہت باموقعہ تھی، یہ مقام گو آزاد تھا لیکن حکومت لحج کے زیر سیادت تھا، انگریزون نے اسکو یہان کے رئیس سے مانگا، قیمت بھی پیش کی لیکن وہ راضی نہ ہوا، تو انھون نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، سلطان لحج کے حقیقی بھائی سلطنت مین بہت دخیل اور اس کے کارکن تھے، انکو ملک سے زیادہ روپیہ عزیز تھا، انگریزون نے ۱۸۸۲ء مین ان سے ۴۰ ہزار کے عوض شیخ عثمان کا خفیہ معاملہ کرکے کتابت کرالی، سلطان کو علم ہوا تو انھون نے بھائی کو خارج البلد کرکے انکو تمام حقوق سے محروم کردیا، اور اس کتابت کے خلاف بہت احتجاج کیا، لیکن انگریزون نے اس کتابت کو قانونی دستاویز قرار دیکر واپسی سے انکار کردیا، اور وہان اپنی فوجین اُتار دین، آخر مین سلطان خاموش ہوگئے، کہ انگریزی فوج کا مقابلہ انکے امکان سے باہر تھا، رفتہ رفتہ شیخ عثمان کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی پیدا ہوگئی، اور فوجی بارکون اور سامان جنگ کی وجہ سے خاصی چہل پہل رہنے لگی،

جنگ عظیم اور لحج، جنگ عظیم مین ترکون اور انگریزون کے درمیان لحج کی پوزیشن بالکل جحیم کی ایسی تھی، اسکو

اس دوران مین سخت نقصان اٹھانا پڑا، خاندان شاہی بھی ان مصائب کا شکار ہوا، اسکی تفصیل یہ ہے کہ شیخ سعید کا رقبہ جنگ کے قبل ترکون کے پاس تھا، یہان ان کے قلعے تھے، اور جنگی سامان رہتا تھا جب انھون نے ۱۹۱۳ء مین عدن پر حملہ کرنا چاہا اور انگریزون کو اسکا علم ہوا تو وہ شیخ سعید کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کرکے انکی جنگی قوت توڑ دین، لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے انگریزی فوجین حملہ آور نہ ہو سکین تاہم تربہ اور اس کے قرب وجوار کے متعدد قلعے تباہ کر دیے، اور اس وقت ترک آگے نہ بڑھ سکے، بلکہ انکو پیچھے ہٹنا پڑا، لیکن چند ہی مہینون کے بعد مادیہ سے لحج ہوتے ہوئے عدن کی طرف بڑھے، انگریزون نے عدن کی حفاظتی فوج کو شیخ عثمان ہوتے ہوئے لحج کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، لیکن موسم کی سختی کی وجہ سے فوج وقت پر نہ پہونچ سکی، اور ترک اس کے پہلے لحج پہونچ گئے اور انگریزون کو پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا پڑا، اس کے بعد ترکون نے لحج کو خوب لوٹا، اور شیخ عثمان مین فوجین اُتار دین، لیکن چند ہی دنون کے بعد انگریزی فوجین پہونچ گئین، اور ترکون کو شیخ عثمان چھوڑ کر لحج واپس آجانا پڑا، انگریزون نے یہان سے ہٹانے کی بھی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے،

ترکون کی ۱۵ ہزار شامی فوج یمن مین تھی، اور اس کا ایک حصہ سعید پاشا چرکسی کے زیر کمان مادیہ مین تھا، سعید پاشا نہایت خوش اخلاق افسر تھے، عرب انکی خوش اخلاقی کے گرویدہ تھے، اس لئے سعید پاشا نے کوشش کی کہ عربون کو ساتھ لے کر عدن پر حملہ کرین، اس حملہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ انگریز یہان مشغول رہین، اور عرب کے دوسرے حصون مین ترکون کا مقابلہ نہ کر سکین، چنانچہ اپنی ہر دلعزیزی کی وجہ سے یہ اس کوشش مین کامیاب ہوئے، اور بہت سے قبیلے ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے، مادیہ سے عدن پر حملہ کا راستہ لحج کے اندر ہو کر تھا، سعید پاشا نے سلطان لحج سے اجازت مانگی، لیکن یہ انگریزون کے حلیف تھے، اس لئے اجازت نہ دی، انکے انکار پر سعید پاشا نے لحج پر حملہ کر دیا، لحجیون نے مقابلہ کیا، اور دکیم کے پاس سخت معرکہ آرائی ہوئی، لیکن یہ سب غیر تربیت یافتہ اور تعداد مین

تم تھے، اس لئے شکست کھا گئے، اور انگریزی فوجین اُس وقت پہونچین جب کہ کامل شکست کھا چکے تھے اس تاخیر کی مختلف تاویلیں کیجاتی ہین لیکن عدن مین عام طور پر مشہور ہے کہ ہندوستانی مسلمان رجمنٹ نے ترکون کے مقابلہ سے انکار کردیا تھا، بہرحال واقعہ جو کچھ بھی ہو ترک لحج پر کامل طور پر قابض ہو گئے، اور سعید پاشا نے سلطان لحج کے انکار کا ان سے بہت سخت بدلہ لیا، خاندان شاہی قلعے سے برابر مدافعت کرتا رہا، لیکن آخر مین ترکون کی گولہ باری سے مجبور ہو کر راتون رات شیخ عثمان کی طرف بھاگ نکلا، عین اسوقت انگریزی امدادی فوج پہونچ گئی لیکن اس نے تاریکی مین شاہی خانوادہ کو ترکی دستہ سمجھکر آتشباری شروع کردی، بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوئے، خود سلطان کے پاؤن مین گولی لگی جس کے صدمہ سے وہ عدن پہونچکر انتقال کر گئے،

ترکون نے لحج پر قبضہ کرنے کے بعد اسکو خوب تباہ کیا، یہان کے باشندے ان کے مظالم سے تنگ آکر عدن چلے گئے، شاہی خاندان کے باقی ماندہ افراد نے بھی عدن کا راستہ لیا، لحج پر قابض ہونے کے بعد سعید پاشا نے جارحانہ پیشقدمی روک دی، انگریز بھی شیخ عثمان اور عدن سے مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے، اور جنگ کے ہولناک زمانہ مین ان دونون مقامات پر کامل امن وامان رہا، انگریز بھی سعید پاشا کی اس صلح پسندی اور اخلاق کے معترف اور مداح ہین، اس مدت مین خاندان شاہی عدن مین بیٹھکر اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار کرتا رہا، ان کے مدت قیام مین انگریز برابر ان کی خبرگیری اور ہر طرح کی دلدہی کرتے رہے، حتی کہ سلطان عبدالکریم کے اس احتجاج پر کہ انگریزی فوجون کے بروقت نہ پہونچنے سے شاہی خاندان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، انگلستان کی حکومت نے عدن کے حاکم اور یہان کے کمانڈر دونون کو معزول کردیا، اختتام جنگ کے بعد جب ترکون کی قسمت کا فیصلہ ہوا، تو خود سعید پاشا جرنیل نے عدن جاکر انگریزون کو تلوار حوالہ کی، اور لحج پھر سلطان عبدالکریم کو واپس مل گیا، جب یہ لوگ لحج واپس ہوئے تو یہان کی حالت بہت ابتر تھی، لیکن لحجیون نے ندامت

مین ہمہ تن مشغول ہوکر بہت جلد حالت سنبھال لی،

موجودہ حکمران سلطان عبد الکریم فضل نہایت روشنخیال تعلیم یافتہ اور حریت پسند امیرؔ ہین ان مین ان کے اسلاف کی تمام خصوصیات موجود ہین علوم و فنون کے ساتھ خاص دلچسپی ہے خصوصاً عرب اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کا بہت ذوق ہے، انکا مطالعہ نہایت وسیع ہے جدید سے جدید کتابین اور شام و مصر کے تمام اخبارات زیر مطالعہ رہتے ہین جس وقت یہ اقوام عالم کی پالٹیکس پر گفتگو کرتے ہین، تو یہ نہین معلوم ہوتا کہ عرب کے کسی گوشہ کا بدوی حکمران ہے، بلکہ مصری تعلیم یافتہ کا دھوکا ہوتا ہے، ان مین تعصب و تنگ نظری کا نام بھی نہین، ان کے آزادانہ خیالات سنکر سخت حیرت ہوتی ہے وطنیت اور قومیت انکی رگ رگ مین سرایت کئے ہوئے ہے، کہا کرتے ہین کہ تعصب اور مذہبی تنگ نظری اقوام کی سب سے بڑی مصیبت اور وطنیت کی سب سے بڑی بدبختی ہے، کاش عرب سمجھ جاتے کہ انکی آزادی کا مدار دماغ پر ہے، دل پر نہین ہے، اپنے وطن مین اجنبی اثر و نفوذ کو سخت ناپسند کرتے ہین، اور اس کی کامل آزادی کے لئے ہمیشہ کوشان رہتے ہین، اگر انکی کوششین جاری رہین، تو عجب نہین کہ بعض کھوئے ہوئے حقوق ان کو واپس مل جائین، ان مین اور برٹش گورنمنٹ مین عرصہ ہوا ایک جدید معاہدہ کے متعلق گفت و شنید ہو رہی تھی، اسکی دفعات سے انکی وطن پرستی اور حریت پسندی کا اندازہ ہوگا،

(۱) لحج حکومت کو اندرون ملک کی حفاظت اور بیرونی مدافعت کے لئے اسلحہ خریدنے کا پورا حق ہوگا، اور اس معاملہ مین اس پر سے تمام قیود اٹھا دیئے جائین گے،

(۲) سلطان عدن کی انگریزی فضائی قوت کو ضرورت کے وقت سرکش قبائل کی تادیب مین استعمال کرسکین گے،

(۳) حکومت لحج اپنے حسب منشا ملکی فوج کی جیسی تنظیم چاہے گی کر سکیگی۔

(۴) امام یحییٰ نے حکومت لحج کے جن مقبوضات کو دبا لیا ہے، سلطان اسکی واپسی مین بالکل

آزاد ہون گے،

(۵) برٹش گورنمنٹ کو سلطان کے بیرونی تعلقات مین جو سلطان کے اندرونی ملک سے متعلق ہون، آزادانہ حقوق ماننے چاہئین،

(۶) لحج کے قرب وجوار کی عربی امارتون صبیحہ، حواشب، قطیب، امین، ضالع، یافع، علوی سے برطانیہ کو اپنی حمایت اٹھا کر لحج کی حکومت کے متعلق کردینا چاہئے،

(۷) سلطان کو ایک جنگی موٹر (ٹینک) رکھنے کا اختیار ہوگا، اور وہ اسکو جب چاہین گے کام مین لاسکین گے، دو ایک دفعات ولیعہدی کے متعلق ہین جنکا تذکرہ آگے آئے گا،

گورنمنٹ مین اعزاز، برٹش گورنمنٹ مین سلطان عبد الکریم کا بڑا اعزاز ہے، عدن کی حکومت انکا بہت احترام کرتی ہے، اکثر ان مسائل مین جنکا تعلق قبائل یا عرب کے اندرون ملک سے ہوتا ہے، ان سے صلاح و مشورہ کرتی ہے، C.I.E. کا خطاب ہے، گیارہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہے، مراسلات مین ایشیائی طرز کے بڑے بڑے القاب سے مخاطب کرتی ہے، مثلاً خط مین وہ عمدۃ امراء الکرام قدوۃ النجباء الفخام حضرت سلطان محبی وصدیقی عبد الکریم فضل بن علی کے سی آئی ای، لکھتی ہے، ۳۲۰۰ ماہوار اعزازی وظیفہ مقرر ہے،

ولیعہدی، حکومت لحج کے لئے ولیعہدی کا مسئلہ بہت اہم ہے، یہان انتخابی حکومت کا طریقہ رائج ہے گو اب تک ایک ہی خاندان کے حکمران منتخب ہوتے رہے، لیکن قبائل اس کے پابند نہین ہین، اور انتخاب مین انکو آزادی حاصل ہے جسکو چاہین سلطان منتخب کرسکتے ہین، انتخابی حکومت یقیناً بہت عمدہ شے ہے، اور آجکل تمام دنیا اسی کی طرف جارہی ہے لیکن یہ طریقہ صرف ترقی یافتہ ممالک کے لئے مناسب ہے، جہان کے باشندے تعلیم یافتہ اور انتخاب مین بالکل آزاد ہون، مگر ایک غیر تعلیم یافتہ ملک مین خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ انتخاب مین دوسری قوتین بھی دخیل ہون، سخت مضر ہے، لحج مین

گو حکمران کا انتخاب عمال عمائد سلطنت اور سرداران قبائل کرتے ہین، لیکن اسمین انگریز بھی مداخلت کر سکتے ہین، جسکو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے موزون سمجھین، خواہ وہ ملک کے لئے کتنا ہی مضر ہو، سلطان بنا سکتے ہین، اس لئے سلطان عبد الکریم ولیعہدی کا طریقہ رائج کرنا چاہتے ہین، کہ بادشاہ خود اپنا جانشین مقرر کر جائے، چنانچہ معاہدہ مین ایک دفعہ اسکی بھی رکھی ہے، کہ انگریز اسکو تسلیم کر لین، وہ اپنے بعد اپنے لڑکے امیر فضل کو ولیعہد بنانا چاہتے ہین، یہ ابھی نوجوان ہین، انکی تعلیم و تربیت خاص اہتمام کیساتھ ہو رہی ہے، مشرقی علوم کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے،

لحج میں ترقی کے آثار | حکومت لحج گو رقبہ کے لحاظ سے عرب کی بہت چھوٹی حکومت ہے، لیکن ترقی مین بہت آگے ہے، عدن سے پایہ تخت تک ریلوے لائن ہے، سلطان عبد الکریم اسکی ترقی مین ہمہ تن کوشان رہتے ہین، سلطان محسن اپنی تمام ثروت اسی مقصد کے لئے وقف کر گئے تھے، سلطان عبد الکریم نے اس سے حوطہ مین مدارس اور شفاخانے قایم کئے ہین، مدارس مین شام و مصر کی جدید ریڈرین پڑھائی جاتی ہین، اور ان مدارس اور شفاخانون کے لیے انھین دونون مقامون کے اطبا اور مدرسین کی خدمات حاصل کی ہین، اگر انگریزون کی موافقانہ مدد شامل رہی، تو بہت جلد لحج کی حکومت متمدن حکومت بنجائیگی، زراعت کی ترقی مین بھی سلطان کو خاص انہاک ہے، وہ خود بھی اپنا تھوڑا وقت زراعت اور باغبانی مین صرف کرتے ہین، لحج کی زمین سیر حاصل ہے، اسکی ترقی کے لیے سلطان جدید آلات منگانے والے تھے (اب غالبا آگئے ہونگے) روئی کی کاشت بھی شروع ہو گئی ہے، گندھک اور بارود کی تیاری کا سامان بھی ہو رہا ہے، غرض اس چھوٹی سی حکومت مین ہر طرف ترقی کے آثار نمایان ہین،

مغربی تمدن | سب سے زیادہ عجب یہ بات ہے، کہ یہان جدید تمدن نہایت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے، سلطان عبد الکریم کی روشنخیالی نے اسمین اور مدد دی ہے، خود سلطان کی ذات مشرق و مغرب کے امتزاج کا عملی نمونہ ہے، وہ فرنگی لباس پر عربی عبا اور ہندوستانی وضع کا عمامہ باندھتے ہین، انکا

محل مشرقی اور مغربی تمدن کے امتزاج کی سب سے بڑی نمایش گاہ ہے، محل کی عمارت عربی اور انگریزی مخلوط طرز کی ہے پھر اس کے اندر بھی یہی تقسیم ہے، انتہا یہ ہے کہ بعض کمرے جدید ترین سامانون سے آراستہ ہین ایک طرف پیانو، گراموفون اور اس قبیل کی دوسری اشیا نظر آئین گی جو اس جدید تمدن کی نقیب ہین، بلیارڈ کا کمرہ مع مکمل سامان کے علیحدہ ہے، اسی کے بالمقابل دوسرے کمرون مین خالص عربی وضع کی آرایش ہے، نہایت عمدہ صوفے اور بیش قیمت قالینون سے کمرہ آراستہ ہے، سامنے ٹیبل پر صحیح بخاری قسطلانی اور نووی کی مجلدات رکھی ہوئی ہین، محل سے نکل کے باغ کی سیر کیجئے تو یہان بھی یہی بہار دکھائی دیگی، مشرقی درختون کے ہمسایہ مغربی پودے بھی جھوم رہے ہین، غرض قصر شاہی کی تمام چیزین نشستگاہ دسترخوان، سواری اور کتابون تک مین مشرق و مغرب دست و گریبان نہین، بلکہ باہم بغل گیر نظر آتے ہین،

القضاء فی الاسلام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اردو مین ایک جدید موضوع پر ایک پر از معلومات رسالہ، جسمین یہ دکھلایا گیا ہے، کہ اسلام مین شہادت اور انفصال مقدمات کے اصول شہادت عادلانہ اور جدید تمدنی ترقیون کے موافق ہین، حجم ۹۲ صفحے قیمت ۱۲؎

"منیجر"

حکیم اسپنوزا

از

پروفیسر محمد یوسف خانصاحب سلیم

(۲)

کیرکٹر۔ اخلاق وعادات یون توجس شخص کو خارج از جماعت کیا جاے اس کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے، لیکن ایک یہودی کے حق مین یہ بات موت سے بھی بڑھکر ہے. بیشک اسپنوزا نے علماے یہود کے متفقہ فیصلہ کو نہایت خاموشی کے ساتھ سنا، اور اپنے ضمیر کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کی تکلیف اٹھائی لیکن اس واقعہ کا اس کے مزاج پر اثر ہوا اور ضرور ہوا، ظرافت، خوش طبعی اور ہنسی مذاق، ان تینون باتون مین سے کوئی بات اس کی تحریر یا زندگی مین نہین پائی جاتی، بیشک کینٹ بھی فلاسفر تھا، بلکہ زاہد خشک، لیکن ہر روز دوپہر کے کھانے کے بعد، گھنٹہ دو گھنٹے یار دوستون اور طلبہ سے صحبت گرم کرتا تھا اور وہ وقت خالص دماغی تفریح کے لیے وقف تھا، لیکن غریب اسپنوزا ہنسنے ہنسانے کے لیے پیدا ہی نہین ہوا تھا، بلکہ بیشتر اوقات اسکی تحریر مین ایک دلخراش طنز مخفی ہوتا ہے جس سے بوے انتقام بھی آتی ہے. مثلاً علم الاخلاق حصہ اول کے ضمیمہ مین بادیان طریقت کا ذکر کرتے ہوے یون لکھتا ہے کہ

" یہ مقدس طبقہ علی العموم ان لوگون کو جو بحیثیت فلاسفہ معجزات کی علت یا مظاہر فطرت کو سمجھنا چاہتے ہین، اور بیوقوفون کی طرح ان باتون پر متحیر رہنے کو کافی نہین جانتے، کافر، ملحد اور بے دین قرار دیدیتا ہے، اور یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جنھین عوام دیوتاؤن اور کائنات کے اسرار کا حامل سمجھتے

ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر عوام الناس کی آنکھوں سے جہالت اور تعصب کا پردہ دور ہو جائے تو پھر ہم ان پر حکومت نہیں کر سکتے۔"

اس کے علاوہ اس بیچارے نے عمر بھر میں ایک دفعہ دل بہلانے کی کوشش کی اور اسی میں ناکام رہا، اس ناکامی نے اسپنوزا کو بتا دیا کہ یہ جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے،

میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر وانڈکو . کی بیٹی اگر نہ ملی تو یہ بات تو حاصل ہو گئی کہ دنیا اور اس کے تعلقات اس لائق نہیں کہ کوئی سمجھدار آدمی ان کو درخور اعتنا سمجھے، میرے دل میں اس کی قدر و منزلت محض اسی لیے ہے کہ اس نے طلب علم کو مقصد حیات قرار دیا، علم سے مراد، ذات باری کا علم ہے،

رائینزبرگ میں جہاں وہ رہتا تھا وہ مکان آج بھی موجود ہے، اور جس سڑک پر وہ واقع ہے اسکا نام بھی اسپنوزا روڈ چلا آتا ہے، اس مکان کے ایک مخصوص کمرہ میں دو دو تین تین شبانہ روز مسلسل بیٹھا کام کرتا رہتا تھا، نہ وہ کسی کے پاس جاتا نہ کوئی اس کے پاس آتا۔ اوقات مقررہ پر خادمہ دبے پاؤں آتی اور کھانا میز پر رکھکر چلی جاتی، مسٹر کالرس جنھوں نے اس کے دیکھنے اور ملنے والوں سے دریافت کر کے اس کے سوانح حیات مرتب کئے تھے لکھتے ہیں:۔

"ہر سہ ماہی کے بعد اسپنوزا آمد و خرچ کا حساب کیا کرتا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خرچ اسکی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے، بعض اوقات وہ مالکۂ مکان سے کہا کرتا تھا "میں تو اس سانپ کے مانند ہوں جس کے منھ میں سوائے اس کی دم کے اور کچھ نہیں ہوتا" یعنی جتنی آمد اتنا ہی خرچ بقایا ندارد"

لیکن اس زندگی سے وہ بالکل مطمئن تھا، ایک مرتبہ ایک شخص نے اس سے کہا "کیا اچھا ہو کہ آپ عقل کے بجائے الہام پر بھروسہ رکھیں" اس نے جواب دیا "جو پھل میں اپنی فطری عقل کی بدولت جمع کرتا ہوں اگر وہ محض خیالی بھی ثابت ہوں جب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا، بلکہ اسی پر قناعت کرونگا کیونکہ میری راحت صرف جمع کرنے میں مضمر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی امن سکون اور روحانی خوشی میں بسر

روں، نہ یہ کہ رات دن گذشتہ پر افسوس اور آیندہ کے متعلق فکر کرتا رہوں"، ایک بڑے آدمی کا قول ہے کہ اگر نپولین اسپنوزا کے برابر عقلمند ہوتا تو وہ ایک حجرہ میں رہ کر چند کتابیں تصنیف کر دیتا" یہ قول اناطول فرانس کا ہے۔ آگے چل کر کاپرس لکھتا ہے "اسپنوزا درمیانی قد کا آدمی تھا، نک سک سے درست تھا، رنگت سانولی تھی، بال سیاہ اور گھونگریالے تھے، بھویں لانبی اور گھنی تھیں جو بھی دیکھتا فوراً کہدیتا کہ یہ شخص پرتگالی یہود کی اولاد ہے" جو تصاویر آج دستیاب ہوتی ہیں، اُن سے یہ بیان سراسر مطابقت رکھتا ہے۔ اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ اس کا چہرہ کتابی تھا، اور آنکھوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو روحانی سکون اور اطمینان قلب حاصل ہے،

لباس کی طرف سے وہ قطعاً لاپرواہ تھا، شاید مزدوروں کا لباس بھی اس کے لباس سے بہتر ہوتا ہوگا، ایک مرتبہ ایک بڑا آدمی جو سلطنت میں بڑے عہدہ پر ممتاز تھا، اس سے ملنے آیا، وہ اس وقت ایک کثیف لبادہ (گاؤن) پہنے ہوئے تھا، اس امیر نے اس بات پر بہت تعجب کیا اور کہا "اگر حکم ہو تو میں ایک نیا اور بیش قیمت لبادہ آپ کے رتبہ کے لائق حاضر کروں" اسپنوزا نے ہنسکر کہا "کوئی شخص قیمتی لبادہ زیب تن کرنے سے اشرف و اعلیٰ نہیں ہو سکتا، علاوہ بریں جسم جیسی حقیر اور فانی شے کو بیش قیمت لباس پہنانا قرین عقل نہیں" باایں ہمہ وہ ترک لذات یا جسم کو دکھ دینے یا بے ہنگم زندگی بسر کرنے کا قائل نہ تھا، چنانچہ ایک موقعہ پر اس نے لکھا ہے "جو شخص سلیقہ کا پابند نہیں اسکا نفس شایستہ نہیں ہو سکتا"

بہت سے لوگ اُس کی مالی امداد کرنا چاہتے تھے، لیکن اس نے کبھی اپنا بار دوسروں پر نہیں ڈالا، آبائی جائداد بطیب خاطر اپنی بہن کو دیدی۔ سائمن ڈی ایز ایک دولتمند سوداگر تھا، وہ اُسے اس قدر عزیز رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے پانچہزار کی رقم اس کی خدمت میں پیش کی مگر اس نے شکریہ کے ساتھ واپس کردی، مرنے سے پہلے اپنی چوتھائی جائداد اس کے نام لکھدی، لیکن اس نے مجبور کیا کہ ساری جائداد اپنے بھائی کے نام لکھدو کیونکہ وہ حقدار ہے، اور مجھے ضرورت نہیں، لیکن اس کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ

اپنی وصیت مین ایکہزار سالانہ اسپنوزا کے نام لکھ گیا ہے، اُس نے اسے بھی اس کے بھائی کے نام منتقل کرنا چاہا، لیکن احباب کے اصرار سے ڈیڑھ سو ڈالر سالانہ قبول کر لیے، شہنشاہ لوئی چاردہم نے ایک معقول پنشن اس شرط کے ساتھ پیش کی کہ آیندہ تصنیف میرے نام سے منسوب کیجاے، مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا "مین سواے خدا کے اور کسی کا ممنونِ احسان ہونا نہین چاہتا، اس نے مجھے قواے عقلیہ عنایت کیے ہین اور مین اُن سے کام لونگا"

کتاب سیاست و مذہب مین لکھتا ہے "حکومتون کو چاہیے کہ دارالعلوم قائم نکرین کیونکہ آگے چل کر یہی دارالعلوم دارالبلا ہو جاتا ہے، ہر شخص کو آزادی ہونی چاہیے کہ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے سکھاے علم کی اصلی ترقی کتابون کی اشاعت اور مدارس کی کثرت پر منحصر نہین ہے بلکہ ضمیر کی آزادی پر"

اگرچہ احباب اس کی امداد کرتے تھے، لیکن وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا، عینک سازی سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے صرف مین لاتا، بالائی رقوم فقرار اور مساکین پر تقسیم کر دیتا، مرنے کے بعد لوگون نے اس کے رجسٹر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک دن اُس نے صرف شوربہ اور مکھن ہی پر قناعت کی جس کی لاگت ۳ر۶ پائی تھی، دوسرے دن لپٹا ہی چاٹ لیا جس مین تھوڑی سی کشمش بھی تھی،

کالیرس لکھتا ہے کہ عموماً عمائدین شہر اُسے مدعو کرتے تھے، لیکن وہ اپنے گھر کی سادہ غذا کو رؤسا کے مرغن کھانون پر ترجیح دیتا تھا،

زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ایسے شخص کو لوگون نے عیاش اور لامذہب کہکر بدنام کیا اور سواے جرمنی کے کوئی ملک ایسا نہین جہان کے مصنفین نے یہ الزامات اس پر عاید نہ کئے ہون، حالانکہ اُس سے بڑھکر مذہبی آدمی شاید ہی گذرا ہو، چنانچہ ناولس اُسکو "سرشارِ محبت الٰہی" کہکر خطاب کرتا ہے، اور اب ہر شخص اس کی راے کا مؤید ہی نظر آتا ہے،

آزادی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ خورد و نوش کے لیے دوسروں کا دست نگر ہونا کجا وہ تو عقائد اور خیالات میں بھی کسی کا پابند نہ تھا، جبتک کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آتی، اُسے تسلیم نہ کرتا، یہ سچ ہے کہ ڈیکارٹ اس کا روحانی استاد تھا، کیونکہ اُسی کے فلسفہ پر اُس نے اپنے خیالات کی بنیاد قائم کی، لیکن ڈیکارٹ کے فلسفہ کی کمزوریوں کو بھی اس سے زیادہ کسی نے واضح نہ کیا ہوگا، جس بات میں اختلاف کرتا ہے تو وجہِ اختلاف کو نہایت بلند آہنگی کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، وہ کہا کرتا تھا "خدا نے مجھے عقل دی ہے، مشکلات میں اس کی مدد سے کام کرونگا، ورنہ یونہی رہونگا، لیکن دوسروں کے عقاید سے بہرہ اندوز نہ ہونگا،

اس کے مخالفین نے طرح طرح کے الزامات اس کے سر تھوپے ہیں، لیکن چال چلن میں کوئی عیب نہ نکال سکا، یہ بات بہت کم فلاسفہ کو نصیب ہوتی ہے کہ وہ جو لکھتے یا کہتے ہیں اُس پر خود بھی عمل کرتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ ایک بہت بڑا مصنف لکھتا ہے "نیٹشا نے لکھا ہے کہ آخری عیسائی (مسیح) صلیب پر مر گیا، اس کے بعد کوئی عیسائی پیدا ہی نہ ہوا، لیکن میں کہتا ہوں کہ نیٹشا سے غلطی ہوئی، وہ بینی ڈکٹ اسپینوزا کو بھول گیا" واضح ہو کہ لکھنے والا عیسائی ہے اور اسپینوزا عیسائی ہی نہ تھا، بلکہ اس نے بائبل پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔

اُس کی ہمت اور جرأت غیر معمولی تھی، جس طرح اُس نے افلاس اور بیچارگی کا مقابلہ کیا اُسی طرح علالت اور موت کا، مرتے دم تک بشاش رہا، اس کی زندگی اوّل سے آخر تک بہترین ٹائپ کی جرأت کا نمونہ ہے، خوف و ہراس، رنج و غم کبھی اس کے پاس نہ آیا، انتہائی تکلیف میں بھی خوش و خرم رہتا تھا جس خاندان میں رہتا تھا اس کے افراد سے نہایت شریفانہ سلوک کرتا تھا، اگر کسی سے بات کرتا تھا تو اُن سے، کبھی کبھی اپنا رفیقِ زندگی یعنی پائپ منہ سے لگائے، ان کے ملاقاتی کمرہ میں آبیٹھتا اور اُنہی کی سمجھ کے موافق بات چیت کر لیتا، وہ لوگ اس بات سے بیحد خوش ہوتے تھے اور اُسے اپنے

لیے مایۂ افتخار خیال کرتے تھے،

تصانیف اسپنوزا کی ساری عمر تصنیف وتالیف ہی مین بسر ہوئی، سب سے پہلے ڈیکارٹ کے فلسفہ پر تنقید شائع کی جس نے اُسے مرجع شہرت بنادیا، اس کتاب مین اُس نے ڈیکارٹ کے سوانح حیات، اس کے فلسفہ کا خلاصہ اور پھر اُس پر تبصرہ لکھا تھا، یہ کتاب ۱۶۶۳ء مین شائع ہوئی اور اس کا اصلی نام "مبادیات فلسفۂ ڈیکارٹ" ہے،

دوسری کتاب "وسائل ارتقاء ونشو ونماے عقل" ہے جو ۱۶۶۵ء مین شائع ہوئی، تیسری کتاب جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، فلسفۂ اخلاق ہے جسکو اس نے ۱۶۵۱ء سے لکھنا شروع کیا اور ۱۶۶۵ء مین ختم کیا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یعنی ۱۶۷۷ء مین شائع ہوئی،

تیسری کتاب "سیاست نامہ ومذہب نامہ" ہے جو ۱۶۷۰ء مین بغیر مصنف کے نام کے شائع ہوئی تھی، اُسپر وہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا کہ الامان!!! تقریبًا تمام ممالک مین اُس کی اشاعت ممنوع قرار دیگئی، اور ایک دو نہین سیکڑون کتابین رد مین لکھی گئین۔ اسی کتاب نے اسکو ملحد کافر اور زندیق کے معزز خطابات عطا کئے، وجہ صرف اتنی سی تھی کہ اُس نے اس کتاب مین بائبل پر بھی بے لاگ تنقید کی تھی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ پادریون کو بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے عوام الناس اور انسانیت دونون کے حق مین مضر ثابت کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تنقید اس غضب کی تھی کہ اسکی وجہ سے جرمنی اور تمام یورپ کے علماے مذہب کا زاویۂ نگاہ بدل گیا بلکہ مسیحیت کی مذہبی تاریخ ہی بدل گئی جس طرح گذشتہ جنگ عظیم کی وجہ سے یورپ کا نقشہ، اگر یہ تنقید شائع نہ ہوتی تو نہ جرمنی مین اسٹراس پیدا ہوتا، نہ فرانس مین رینان اور نہ انگلستان مین رابرٹسن، یہ جو آج مسیحی دنیا مین عقل ومذہب کے درمیان ایک معرکہ گرم ہو رہا ہے، اُس کا بانی دراصل اسپنوزا ہے، اسپنوزا ہی کی تحریر ہیوم نے پڑھی، اسی کے خیالات سے مِل متاثر ہوا، ان دونون نے مسیحی مذہب کے متعلق جو کچھ لکھا اس نے آج انگلستان مین تحریک جدید پیدا کر دی ہے اور اس تحریک کے ارکان آہستہ آہستہ، کلیساے مسیحی کے تمام مسلمہ عقاید سے

دست بردار ہوتے جارہے ہین، مزید تفصیل کے لیے اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ (انگلستان) بابت ماہ جولائی ۱۹۲۹ء ملاحظہ کیجئے کیونکہ یہ مضمون اس بحث کا متحمل نہین ہوسکتا۔

اس کتاب کی بدولت اسپنوزا کے پاس وقتاً فوقتاً بہت سے گالیون سے بھرے خطوط بھی آتے رہتے تھے، ایک شخص البرٹ نامی نے جو پہلے اس کا شاگرد تھا، بعد مین رومن کیتھولک عقیدہ کا عیسائی ہو گیا تھا، اس کے پاس ایک خط بھیجا جس مین لکھا:-

"آپ ادعا کرتے ہین کہ آپ نے سچا فلسفہ پا لیا ہے، آپ کس طرح جانتے ہین کہ وہ فلسفہ جس پر آپ قائم ہین بہترین ہے؟ کیا آپ نے تمام سابقہ فلاسفہ کی حکمت کا مطالعہ کر لیا ہے، اور اُن مین سے ہر ایک کے فلسفہ کو پرکھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے بھی تو آپ کو اس بات کا یقین کس طرح ہوا کہ جس حکمت کو آپ نے منتخب کیا ہے وہ بہترین ہے؟ آپ کو یہ جرأت کس طرح ہوئی کہ آپ نے اپنے آپکو مقدس کلیسا کے تمام شہدا، اولیا، حکما، فضلا، وغیرہم سے برتر سمجھ لیا؟ آپ نے اُن پراسرار عقاید مسیحیت کا مضحکہ اڑانے کی جسارت کس طرح کی جنکو ہم کیتھولک خود ورا العقل انسانی تسلیم کرتے ہین؟ (اسرار سے مراد عقاید تثلیث تجسم کفارہ وغیرہ ہے)

اسپنوزا نے اس حماقت کا جواب یون دیا ہے:-

"آپ ادعا کرتے ہین کہ آپ نے سچا مذہب پا لیا ہے اور آپ اُس مذہب کے بانی پر کامل اعتقاد رکھتے ہین۔ آپ کس طرح جانتے ہین کہ آپ کا مذہب سچا اور بہترین ہے؟ کیا آپ نے جمیع ادیان و ملل سابقہ کا بامعان نظر مطالعہ کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو آپ کو اس بات کا کس طرح یقین ہوا، کہ جو مذہب آپ نے منتخب کیا ہے وہ سچا بھی ہے اور بہترین بھی؟ غرض اسی طرح بادنیٰ تغیر اس کے خط کا جواب اُسی کے الفاظ سے دے دیا،

چوتھی کتاب "سیاست نامہ" ہے جو غیر مکمل شائع ہوئی،

پانچوین کتاب "توس قزح نامہ" ہے جو سیاست نامہ کے ساتھ ہی بعد وفات شائع ہوئی،

چھٹی کتاب "خدا اور انسان" ۱۶۵۲ء مین لکھی تھی جو دراصل "فلسفۂ اخلاق" کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے، یہ رسالہ ڈچ زبان مین لکھا تھا بقیہ کتب لاطینی مین لکھی تھین، کیونکہ اُس زمانہ مین لاطینی تمام یورپ کی علمی زبان تھی اور ہر جگہ سمجھی جاتی تھی، جس طرح کسی زمانہ مین عربی جملہ ممالک اسلامی کی علمی زبان تھی،

چونکہ اس کا فلسفہ مکمل طور پر "فلسفۂ اخلاق" مین مندرج ہے، لہذا ہم اسی کتاب سے ناظرین کو روشناس کراتے ہین، لیکن ایسا کرنے سے قبل مشہور جرمن فاضل الٰہیات شلائیرمیخر کے الفاظ ذیل مین نقل کرتے ہین جو اُس نے اسپنوزا کی تصنیف "الاخلاق" کو پڑھنے کے بعد سپرد قلم کئے تھے، وہ اپنی کتاب "مباحث متعلق مذہب" ۱۷۹۹ء مین لکھتا ہے:-

"وہ ایک بڑی روحانی شخصیت رکھتا تھا، خدائے غیر محدود اس کی ابتدا اور انتہا تھی، اور اُس کی پیدا کردہ کائنات اسکا واحد مطلوب تھا، وہ مذہب اور احساس مذہبی سے سرتاپا معمور تھا، پس وہ باعتبار اپنی شخصیت کے یکتا ہے اور عام فلاسفہ و حکما، اُس کی گرد کو بھی نہین پہنچ سکتے، وہ اپنے فن مین کامل تھا اس ناپاک دنیا سے بالاتر، نہ اس کا کوئی شاگرد تھا اور نہ ہم صحبت"

میرا خیال ہے کہ شلائیرمیخر نے "یسوع مسیح" کی تعریف اس سے زیادہ نہ کی ہوگی، آیندہ ہم اسکے فلسفۂ وحدت الوجود کا اجمالی خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرینگے (انشاء اللہ تعالیٰ)

تلخیص و تبصرہ

عربی خون کا ایک گرم قطرہ

اسپین کی اسلامی تاریخ کا ایک ورق

اسپین مین جب مسلمانون کی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہوا تو اس انتشار کی حالت مین کچھ مسلمان افریقہ چلے گئے، کچھ اسپین ہی مین رہکر عیسائیون کے مظالم سہنے لگے، اور کچھ لوگون نے عیسائی مذہب قبول کر کے ان مظالم سے نجات حاصل کر لی، اور عیسائی سلاطین کے مقربین مین داخل ہوگئے، انھی عیسائیون مین اموی خاندان کا ایک بہادر بھی شامل تھا جس کا اسلامی نام محمد بن امیہ تھا، لیکن عیسائی ہونے کے بعد الدن انسطونیو مولائی دی قرطبہ دقالور کے نام سے پکارا گیا، اس کی صلب سے تین لڑکے پیدا ہوے جنمین ایک کا نام فرڈننڈو دوسرے کا مارٹین اور تیسرے کا لویس تھا، ان مین الدن فرڈننڈو جو خاندانی لقب سے ممتاز تھا نہایت آزاد اور ہر دلعزیز شخص تھا اور غرناطہ کی مجلس امرار کا ممبر منتخب ہوگیا تھا، اس تعلق سے وہ ۱۵۶۵ء مین یعنی فتح غرناطہ کے ستر سال بعد ایک بار مجلس امرار مین جبکہ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی شریک ہونے کیلئے گیا، اور جیسا کہ تمام امرار کا دستور تھا، اپنی تلوار دروازے پر رکھدی، لیکن اپنے خنجر کو اپنے پاس سے جدا کرنا پسند نہین کیا، اس کی یہ روش صدر مجلس کو پسند نہین آئی، اور اس پر اس نے سختی کے ساتھ اس کو سرزنش کی، فرڈننڈو نے اس کے یہ سخت الفاظ سنے تو اس کا عربی خون کھولنے لگا، اور اس نے ان الفاظ مین اس کا جواب دیا،

مین جس طرح چاہون گا مجلس مین شریک ہون گا، کیونکہ مین سلاطین بنو امیہ کی اولاد ہون اور

میرے آباؤ اجداد اس ملک کے بادشاہ تھے"

اب صدر مجلس نے اور بھی سخت الفاظ استعمال کیے، اور اس کو ایک وحشی قوم کا فرد قرار دیا، اسپر فرننڈو کا غصہ اور تیز ہوا اور اس نے دفعۃً اس پر حملہ کر دیا، اس کے بعد تمام امرار نے اس پر متفقہ حملہ کیا تو اس نے اپنے خنجر سے سب کا مقابلہ کیا، اور دروازے تک ان کو ڈھکیلتا ہوا چلا آیا، دروازے پر پہنچکر اپنی تلوار بھی ہاتھ میں لیلی، اور ایک خاص محلے میں جس میں عرب خاندان آباد تھے نکل آیا اور چند ہی دنوں میں ان عربوں کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی شریک کار ہوگئی اور اس نے ان کی ایک فوج مرتب کی اور ان کو لیکر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا جس پر بہت سے عرب آباد تھے اور سب کے سب عیسائیوں کے مظالم سے تنگ آکر اس پہاڑ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے، ان سب کی پشت پناہی حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنی بادشاہی کے ساتھ اسپینی سلطنت کے خلاف عام جہاد کا اعلان کیا اور اس کے جھنڈے کے نیچے عربوں کی ایک معتد بہ جماعت جمع ہوگئی، جن کے سینے اسپینیوں کے بغض و عداوت کا آتشکدہ بنے ہوے تھے، اس جماعت کو لیکر اس نے اسپینیوں پر حملہ کیا اور ان کے خون کا دریا بہا دیا، اسپینی سلطنت نے بھی بڑے عزم و استقلال کیساتھ اس پرجوش اسلامی جماعت کا مقابلہ کیا، لیکن ایک مدت تک ناکام رہی، لیکن بدقسمتی سے فرننڈو کا ایک چچازاد بھائی جس کا نام ابن امیہ تھا، اور جو ان عربوں پر حکومت کرنے کا خواہشمند تھا اس کا رقیب بنگیا، اور سازش کرکے اس کو دھوکے سے قتل کرادیا اور خود بادشاہ بنکر دوبارہ اسپینیوں کے ساتھ جہاد شروع کیا، لیکن اس کے اعوان و انصار کو رشوت دیکر اسپینیوں نے اس کو قتل کرادیا، اور اس کے قتل ہو جانے کے بعد تمام عرب حملہ آور منتشر ہوگئے اور چار سال کی جنگ کے بعد اسپینیوں نے ان پر قابو پا لیا،

فرننڈو کا باپ اپنے بیٹے کی موت کے بعد ماڈرڈ میں پناہ گزین ہو گیا تھا، اور ایک فوجی سردار کی سفارش سے سلطنت نے بھی اس کو اور اس کی اولاد کو معافی دیدی تھی، اور اس معافی کے بعد اسکا

دوسرا فرزند الدّون مارٹین خاندانی لقب سے ممتاز ہوا لیکن اس نے اپنے تیسرے بھائی الدون لوئس کے ہاتھ اپنی تمام جائداد فروخت کر دی اور اب اس کا لقب الدون لوئس ای اینیسیا رغوار دوس قرار پایا لیکن لوئس کے دوسرے بھائی مارٹین کا لقب صرف مارٹین دی والور باقی رہگیا،

اسپین مین اب تک یہ معزز خاندان اپنی قدیم وجاہت کے ساتھ قائم ہے، اور اسکی تاریخ کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت اسپین مین انھی دونون متصادم فریقون کی یادگار آجکل ایک مشہور اسپینی شاعر ہے جسکا نام فیلا سپاسا ہے والور جو مارٹین کے لقب کا ایک جزو ہے، اس شاعر کی مان کے خاندان کا نام ہے، اور اسکا باپ جنرل فیلا سپاسا کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جس نے اسپینین کی طرف سے الدن فرڈننڈو کا مقابلہ کیا تھا، اس مشہور شاعر یعنی فیلا سپاسا کی ولادت ٹھیک اوسی مکان مین ہوئی ہے، جس مین اسکا اسلامی اور عربی دادا فرڈننڈو دھوکے سے مارڈالا گیا تھا، حریر کی جس سبز رنگ چادر مین فرڈننڈو قتل کیا گیا تھا، وہ فیلا سپاسا کی مان کے پاس بطور ایک یادگار کے محفوظ تھی، لیکن فیلا سپاسا نے چودہ برس کی عمر مین ایک تہوار کے دن اس کو استعمال کیا تو بلجیم کے ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا اور اس سے اس کے فروخت کرنے کی درخواست کی، پہلے تو فیلا سپاسا نے انکار کیا، بعد کو اس کے اصرار سے مجبور ہو کر بلا قیمت ہدیۃً دیدی اب اس کے خاندان مین اس چادر کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا محفوظ رہگیا ہے،

اس عبرتناک واقعہ پر اب اگرچہ صدیان گذر گئی ہین اور خود مسلمان اپنی اسپینی شان وشوکت کا افسانہ بھول چکے ہین، لیکن اس شاعر کی رگون مین اب تک عربی خون دوڑ رہا ہے، اور وہ بار بار اپنے اشعار مین اس بھولے ہوے افسانے کو دہراتا رہتا ہے۔

چند روز ہوے ایک عیسائی عرب سیاح نے امریکہ مین یہ مقام سان پاولو اس سے ملاقات کی ہے، اور اس کے حالات سوانح، معاشرت اور کلام پر ایک شاعرانہ ریویو کیا ہے جو المقتطف نومبر ۲۹ء

مین چھپا ہی جس سے یہ تلخیص ماخوذ ہی، وہ لکھتا ہی کہ اس شاعر کی عمرہ ۵ سال سے زیادہ نہین ہی، وہ سگریٹ پیتا ہی اور کھانے پینے کی پروا بہت کم کرتا ہی، ہمیشہ شاعرانہ تخیلات مین غرق رہتا ہی اور یہ استغراق اس درجہ بڑھا ہوا ہی کہ شور وغل سے اسکے شاعرانہ خیالات مین کوئی خلل نہین واقع ہوتا، وہ شعر لکھتا رہتا ہی اور اسکے بچے اسکے گرد کھیلتے کودتے اور شور مچاتے رہتے ہین، اس کی تصنیفات کی تعداد اس وقت تک ۸۰ تک پہنچ چکی ہے، اگرچہ کثرتِ تصنیف کسی مصنف کی کوئی خاص فضیلت نہین ہے، لیکن اس شاعر نے کثرتِ تصنیف کے ساتھ خوبیٔ تصنیف کی فضیلت بھی حاصل کرلی ہے، اور نظم ونثر دونون مین اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، اسکی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان مین اکثر کا موضوع عرب اور عربیت ہے، اس کے ایک ناول کا نام "قصرِ لونو" ہے، جس مین اس نے ابن احمر کے زمانے کا ایک واقعہ لکھا ہے جو غرناطہ مین پیش آیا تھا، ایک ناول مین جسکا نام "ابن امیہ" ہے، وہ واقعات لکھے ہین جو فتحِ غرناطہ کے ستر سال بعد وہان کے بچے کھچے عربون کو پیش آئے، ایک ناول مین جو "بادیہ" کے نام سے مشہور ہے، وہ واقعات لکھے ہین جو صحرا مین پیش آئے، اور ان واقعات کے سلسلہ مین اہل عرب کی شجاعت، فیاضی اور مہمان نوازی وغیرہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے، غرض اس کے تمام ناولون کے کیرکٹر اور ہیرو عرب ہین، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب، آثارِ عرب اور انکی اندلس کی معاشرتی و اخلاقی زندگی کی تاریخ سے کس قدر واقف ہے، اس کا کلام تمام انواعِ شاعری کا جامع ہی، وہ کبھی ہنستا ہے، کبھی روتا ہے، کبھی رنجیدہ ہوتا ہے، کبھی خوش ہوتا ہے، جس منظر کی تصویر کھینچتا ہے وہ آنکھ کے سامنے مجسم ہوکر آجاتا ہی، نہرون کی روانی کا نقشہ دکھاتا ہے تو کانون مین پانی کے گرنے کی آواز آجاتی ہے، ابھی ایک پرسکون نہر کے کنارے کھڑا ہے کہ دفعتہً ایک مواج سمندر کے کنارے پہنچ جاتا ہے، ابھی تم اس کو زمین پر دیکھ رہے تھے کہ چشم زدن مین آسمان پر نظر آنے لگتا ہے،

وہ عربی زبان کا شیدائی ہی، وہ ایک بار صاحبِ فراش تھا، مین اس کی عیادت کو گیا تو اس نے کہا کہ "بیٹھو اور سنو" اس کے بعد اس نے ایک قصیدے کے چار بند مجھ کو سنائے، اور انھی سے اس کی شاعرانہ

قوت کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ان کے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

غرناطہ! آہ غرناطہ تیری شان وشوکت میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا،

تیری نہروں میں سے آنسوؤں کے سوا اور کیا بہ گیا ہے جو تیری سلطنت کے کھنڈروں پر بہ رہی ہے

تیری نسیم صبح

صرف آہ سرد ہے

غرناطہ! آہ غرناطہ تو صرف ایک ویران کھنڈر ہے،

سنو نوکے لوگ تیرے مصیبت زدہ فرزندوں کو افریقہ لیجاتے ہیں

اور وہاں تیرے فرزند اُن کے خوف سے

روتے ہیں، نہیں اپنی ناامیدی سے روتے ہیں

غرناطہ! آہ غرناطہ تو برباد ہوا اور یہ کس قدر حسرتناک بربادی ہے!

موج اُن کے لیے روتی اور آہ سرد بھرتی ہے جب اسکی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اُنکو نظر آتی ہیں،

اس نے میرے سامنے یہ اشعار پڑھے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور جب وہ اس کو ختم کر چکا تو ہم پر ایک خاموشی طاری ہو گئی، جو رنج وغم سے لبریز تھی، اسکو خود یہ قصیدہ بہت محبوب ہے، اور جو جلسے اس کے اعزاز میں کیے جاتے ہیں ان میں اس کو باواز بلند پڑھتا ہے، صرف یہی نہیں کہ وہ اس عربی جوش و تفاخر کا اظہار صرف اہل عرب کے سامنے کرتا ہے، بلکہ وہ تمام مجالس میں اہل عرب کی یاد خوانی کرتا ہے اور لومۃ لائم کی مطلق پروا نہیں کرتا، میں نے جب اس کو اپنی تصویر دی اور اس پر پرتگالی زبان میں جسکو وہ سمجھتا ہے بطور تہدیہ وتقدمہ کے کچھ الفاظ لکھنے چاہے، تو اس نے اس کو گوارا نہیں کیا، اور عربی زبان میں جو اس کو بہت محبوب ہے ان الفاظ کے لکھنے کی خواہش کی، مجھکو اس کے بعض دوستوں سے معلوم ہوا کہ اہل عرب کے ساتھ اس کی محبت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے، کہ ایک بار میں نے اس کو دیکھا کہ مدینہ کی سڑکوں

ہر عربی لباس پہنے ہوئے گھوم رہا ہے، عام طور پر اگرچہ وہ مغربی وضع میں رہتا ہے، لیکن اس کے اندر عربی دل کی دھڑک محسوس ہوتی ہے، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اسپین پہنچکر ہر ممکن کوشش اس غرض کے لیے کرے گا کہ غرناطہ مین عربی ادب وتاریخ کی تعلیم کے لیے ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کیجائے

مدرسہ کا اثر ذکاوت و ذہانت پر

ع

یہ ایک نہایت اہم سوال ہو کہ مدرسہ کی تعلیم بچون کی ذہانت کو ترقی دیتی ہے؟ یا ان کے ذہن مین صرف چند معلومات کا اضافہ تو کر دیتی ہے باقی ان کی ذہانت مین کسی قسم کی تبدیلی نہین پیدا کرتی؟ لیکن یہ سوال صرف نظری حیثیت نہین رکھتا بلکہ اس کے جواب کے لیے عملی طور پر دقیق تجربہ کی ضرورت ہے، اور اس تجربہ کیلئے سب سے پہلے بچون کی ایک معین تعداد ایسی مقرر کر لینی چاہیے، جو ایک ہی مقام کے رہنے والے ایک ہی سن و سال، ایک ہی طبقہ، اور ایک ہی سی صحبت رکھنے والے ہون، ان اوصاف کے ساتھ ان کو دو حصون مین منقسم کر دینا چاہیئے۔ ایک وہ جو کسی پابند نظام مدرسہ مین تعلیم پاتا ہو، اور دوسرے وہ جنکو تعلیمی محرومی نے اُن کی فطری استعداد پر قائم رکھا ہو اب ان دونون کو ذہانت اور ذکاوت کے مختلف معیار سے جانچنا چاہیے، اگر ان دونو کی ذہانت مین کوئی فرق نظر آے، تو یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ مدرسہ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے، جس نے پہلے حصے کو دوسرے حصے سے ممتاز کر دیا ہے، لیکن اس تجربہ سے پہلے ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ ذہانت کس کو کہتے ہین؟ اور اس کے جانچنے کا معیار کیا ہے؟

ذہانت کی مختلف تعریفین کیگئی ہین لیکن ان مین کوئی تعریف جامع و مانع نہین کہی جاسکتی سادہ طور پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذہانت مختلف عناصر مثلاً نشاط ذہنی، بصیرت، دقت مشاہدہ اور آسانی کے ساتھ مشکل مسائل کے حل کر لینے کا نام ہے، اور اس بنا پر ہر عنصر کے لحاظ سے بچون کی ذہانت کے مختلف معیار مقرر کرنے پڑین گے اور ان مختلف معیارون سے جو نتیجہ نکلیگا اس سے اس کی ذہانت کا اوسط نکالا جاسکیگا بہرحال اس معیار کا کام یہ ہوگا کہ دو حالتون یا دو شخصون، یا مختلف اشخاص کے دو مجموعون پر اگر اس کو منطبق کیجائے

تو ان مین جو فرق ہے اس کو نمایان کر دے، مثلاً دقت نظری کا معیار کسی انسان یا حیوان کی تصویر کو قرار دیا جا سکتا ہے یعنی اگر ایک ہی قسم اور ایک ہی درجہ کے دو بچون سے کسی جانور کی دو تصویرین کھنچوائی جائین، پھر دونون پر غور کرنے سے اگر یہ نتیجہ نکلے کہ ایک تصویر مین بعض اہم اعضا چھوڑ دئے گئے ہین، اور دوسری تصویر مین اس جانور کے تمام جسمانی جزئیات کا احاطہ کر لیا گیا ہے، تو معلوم ہو گا کہ ایک مصور کو دقت نظری مین دوسرے مصور پر ترجیح و تفوق حاصل ہے۔

اگرچہ ایک ہی معیار سے مختلف ذہنی حالات معلوم کئے جا سکتے ہین مثلاً تصویر کشی کا بھی معیار دقت نظری کے ساتھ جمالیاتی ذوق اور سبکدستی کا بھی معیار ہے، تاہم عام قاعدہ یہ ہے کہ ایک معیار کو ایک ہی ذہنی حالت پر منطبق کیا جاتا ہے، مثلاً بچے ایک سال کی عمر مین انھی الفاظ کو بول سکتے ہین جو دو حرفی ہوتے ہین جیسے "دادا" "ماما" وغیرہ اس لیے اس کو سال بھر کی عمر کے بچون کی ذہانت کا معیار قرار دیا جا سکتا ہے، اور اس معیار کے روسے جو بچہ ان الفاظ کا تلفظ عمدگی کے ساتھ کر سکیگا وہ اُس بچے سے ذہین خیال کیا جائے گا جو ان کا تلفظ عمدہ طور پر نہین کر سکتا،

ان مختلف معیارون کے مطابق ابتدائی مدارس کے سو چھوٹے بچے اور اسی قسم کے سو ان پڑھ لڑکون کو جانچا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ کی تعلیم ذہانت کو اس قدر ترقی دیتی ہے جس کے لیے دو برس کی مدت درکار تھی، یعنی جس بچے کا سن دس برس کا ہے مدرسہ کی تعلیم اس کی ذہانت کو بارہ سال کے ان پڑھ بچے کے برابر کر دیتی ہے،

اس تجربہ کا یہ اوّلین نتیجہ ہے، لیکن اس سے دوسرا نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے کہ جن قومون مین ایک طویل زمانے سے تعلیم عام کر دیگئی ہے، ان کے بچے فطری اور موروثی طور پر ذہانت مین ان قومون کے بچون سے ممتاز ہونے مین جنمین تعلیم عام نہین ہے یا اس کی اشاعت چند روز سے ہوئی ہے، لیکن مختلف یورپین ماہرین کی یادداشتون سے معلوم ہوتا ہے کہ بلجیم، سوٹزرلینڈ، انگلستان، فرانس اور مصر کے بچے ابتدائی عمر مین ذہانت

ئے لحاظ سے برابر ہوتے ہین، پھران کی عمرین جس قدر بڑھتی جاتی ہین ان مین اختلاف پیدا ہوتا جاتا ہے، اور یہ اس اصول کا نتیجہ ہے کہ زندہ مخلوقات مین ابتدا یکرنگی اور ہمواری پائی جاتی ہے، لیکن بعد کو ان مین اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، نباتات وحیوانات کی شکل وصورت ابتدا مین یکسان ہوتی ہے، پھر بعد کو ان کی حالتین مختلف ہو جاتی ہین، یہی حال بچون کی استعداد و ذہانت کا بھی ہے، شروع عمر مین ان مین کوئی فرق نہین ہوتا، لیکن بعد کو جب عمر بڑھتی ہے، تو باہم فرق واختلاف پیدا ہو جاتا ہے، "ع"

اعلان

شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

حسب تفصیل ذیل کتابون کی تالیف کے لیے کام کے نمونے مطلوب ہین، ہر کتاب کے متعلق ایک نمونہ حسب تصریح ذیل ناظم دارالترجمہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پاس اشتہار کی تاریخ سے تین ماہ کی مدت مین پہنچ جانا چاہیے،

۱- تاریخ عہد بنی عباس محققانہ تاریخ مستند عربی تاریخون کی بنیاد پر ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگی، تالیف کا معاوضہ پانچہزار روپیہ تک ہوگا، نمونہ بقدر کسی ایک خلیفہ کے عہد کے،

۲- مسلمانون کی خلافت اور سلطنت کے سیاسی نظریات،

عہدہاے ذیل کے متعلق علحدہ علحدہ کتابین تالیف ہونگی، ہر عہد ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگا، تالیف کا معاوضہ دس روپیہ فی صفحہ تک ہوسکیگا، نمونہ بقدر ایک مکمل باب،

(۱) عہد نبوت وخلافت راشدہ،

(۲) عہد بنی عباس وبنی امیہ،

(۳) عہد بنی فاطمہ

(۴) اندلس کا عہد اسلامی

(۵) ہندوستان کا عہد اسلامی،

(۶) سلطنت عثمانی ترکی،

اخبارِ علمیہ

اکابر علماء اور کاہلی

اکابر علماء اور شعراء پر کاہلی کا الزام بہت قدیم ہے کیونکہ یہ لوگ اجتماعی زندگی کے شور اور ہنگاموں سے گھبرا کر گوشۂ عزلت تلاش کرتے ہیں کہ یہاں اطمینان کے ساتھ بیٹھکر نیچر سے سرگوشی کر سکیں، اسکاٹ لینڈ کے مشہور شاعر اور ناول نگار والٹر اسکاٹ کی نشست گاہ ایک پتھر تھی، یہ پتھر اسکاٹ لینڈ میں بہت مشہور ہے وہ یہاں تنہائی میں بیٹھا کرتا تھا،

روسو جب کچھ لکھنا چاہتا تھا تھوڑی دیر ایک کشتی پر چت لیٹ جاتا، اور اس درمیان میں وہ اپنے سامنے کے نیلگون ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ دیکھتا،

نیوٹن چند گھنٹے اپنے خانہ باغ میں تنہا بیٹھتا تھا انھیں طویل نشستوں میں کی ایک نشست میں اس نے کشش کا راز معلوم کیا،

جفری لوگوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے بلوط کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا کیونکہ بلوط کی شاخوں کی خفیف سرسراہٹ اس کے افکار کو ایسے بلند خیالات اور امیدوں کی دنیا میں پہنچا دیتی تھی، جہاں کی پر رحمت زندگی اس فانی زندگی سے کہیں زیادہ دل آویز ہے اس کے ہمسایہ اسکی اس زندگی کا مضحکہ اڑاتے تھے، اور اس کو کاہل سمجھتے تھے اور وہ ساکھو کے درخت کے نیچے پڑا ہوا ہاتھوں سے زمین کریدا کرتا تھا،

کیا چھوٹے کیڑے کانین بناتے ہیں؟

ولایات متحدہ امریکہ کے کانون کے شعبہ کے ماہرین حیاتیات کی رائے ہے، کہ چھوٹے چھوٹے کیڑے تیم کا کوئلہ بنانے میں بہت معاون ہوتے ہیں، اس کے ثبوت میں وہ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بعض

ایسے قوی جراثیم کا مشاہدہ کیا ہے جو لکڑی پر زندگی بسر کرتے ہین، اور مدتون زندہ رہتے ہین، اس لیے بہت ممکن ہے کہ اسی قسم کے جراثیم پتھر کے کوئلہ کی پیدائش کا سبب ہوتے ہون، اس اعتقاد کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ انھون نے ان نباتات کی تحلیل کے وقت جو پتھر کے کوئلہ کا قالب بدل رہی ہین ان مین بہت ہی چھوٹے جراثیم کا مشاہدہ کیا ہے، اس سے انھون نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسی قسم کے جراثیم نباتات کی طبیعت مین تبدیلی پیدا کرکے اس کے کوئلہ بنانے مین معاون ہوتے ہین،

فیتامین کی دو جدید نوعین

بعض انگریز علماء نے دو جدید قسم کے فیتامین کا پتہ چلایا ہے، یہ لوگ کہتے ہین کہ ان مین سے ایک قسم کا فائدہ تجربہ والے چوہون کے نمو مین ثابت ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک یہ نہین معلوم ہوا، کہ اس سے انسان کو کیا فائدہ پہنچتا ہے، ابھی تک اس جدید قسم کا کوئی نام بھی نہین تجویز ہوا ہے، اس کا انکشاف تازہ دودھ، گھانس پھوس بیل کے عضلات اور جگر مین ہوا ہے، البتہ اسکی دوسری قسم فیتامین بائی، (منسوب بہ بی B) کی ایک نئی شاخ ہے،

مٹھائی مین مصنوعی آفتاب کی شعاعین

مختلف مادون مین آفتاب کی جمع شدہ کرنین سل، قلتِ خون اور گٹھیا کے امراض کا جدید ترین طریقہ علاج ہے، حال مین وائینا کے دو طبیبون نے ایک جدید طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ سے مٹھائیون مین بغیر ان کا مزا اور خوشبو بدلے ہوے، فوق البنفسجی شعاعین پہنچ جاتی ہین، ان طبیبون نے یہ تجربہ سب سے پہلے چوہون پر کیا اور ان کو مافوق البنفسجی شعاعین پڑی ہوئی مٹھائی کھلائی، اس سے یہ بہت موٹے ہوگئے، چوہون کے بعد انسانون پر بھی یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا، جن لوگون کو یہ مٹھائیان استعمال کرائی گئین ان کی بھوک کھل گئی اور خون بڑھ گیا، علامہ ہاری اسٹینسبوک پروفیسر وسکنسن یونیورسٹی امریکہ سب سے پہلے شخص ہین جنھون نے غلون کو مصنوعی آفتاب کی شعاعون سے متاثر کرنیکا طریقہ ایجاد کیا، اور اسکی ایجاد کے صلہ مین حکومت نے

ان کو انعام دیا، پروفیسر مذکور نے خلق اللہ کی خدمت کے خاطر اس تجربہ کے تمام حقوق یونیورسٹی مذکور کو دیدیے، اور اس یونیورسٹی نے اسے بعض غذا کے کارخانون کو اس شرط پر دیدیا ہے کہ وہ ان شعاعون سے متاثر کی ہوئی غذائین بلا نرخ بڑھائے ہوئے عام لوگون کے ہاتھ فروخت کرے تاکہ سب اس سے مستفید ہون،

فیشن کی سنگدلی

فیشن عورت کو پوستین کے استعمال پر مجبور کرتا ہے، لیکن اس پوستین کے حصول مین جاندار کو شکار سے لیکر قتل تک مختلف تکلیف دہ حالتون مین مبتلا ہونا پڑتا ہے، اب کچھ دنون سے لوگون مین اس کا احساس ہو چلا ہے کہ وہ محض اپنی خواہشِ نفس کے خاطر جاندار پر سخت ظلم کرتے ہین، اور یورپ مین یہ تحریک پیدا ہو گئی ہے کہ جانورون کو ان سخت تکلیفون سے بچایا جائے، چنانچہ خاص خاص کھیتون مین ان کی پرورش و پرداخت کیجاتی ہے، یہان ان کو جال اور پھندے کی مصیبت سے نجات ملتی ہے، ایک رسالہ کا تخمینہ ہے کہ محض شمالی امریکہ مین ایک لاکھ پوستینین سالانہ فروخت ہوتی ہین، اور پوستین سازی کی صنعت اور اسکی تجارت کا چار سو ملین ڈالر صرف ہے ۱۹۲۵ء مین واشنگٹن مین ایک کمیٹی بنی تھی کہ وہ پوستین والے حیوانون کو موجودہ طریقہ شکار سے بچائے جس مین جانور جلد نہین مرتا، آجکل شکار کے جو جال لگائے جاتے ہین، یہ جانور کے پیرون کو اس طرح پکڑ لیتے ہین کہ ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور پرانے طریقہ شکار مین جانور وقتی تکلیف اٹھا کر بھاگ نکلتا تھا،

سکون کے پرکھنے کا آلہ

امریکہ مین سکون کے پرکھنے کا حیرت انگیز آلہ ایجاد ہوا ہے، تجربہ کے لیے اس مین ۳ مختلف قسم کے سکے ڈالے گئے، ایک تانبے کا جعلی ڈالر دوسرا اس سے کسی قدر حجم مین چھوٹا اور تیسرا وزن مین کم، ان سکون کی دھاتین بھی مختلف تھین، آلہ نے ان سب کو ناپ تول کر کے اور دھات کی تحلیل کر کے لوٹا دیا، اور فونوگراف کے ذریعہ کہا کہ امید ہے کہ آپ صرف کھرا سکہ استعمال کرین گے"

کانین تھکتی ہین،

علمائے معاون کہتے ہین کہ جاندارون کی طرح کانین بھی تھکتی ہین، اور جب وہ مسلسل چھوٹے چھوٹے صدمات سے تھک جاتی ہین تو بلا کسی ظاہری سبب کے پھٹ جاتی ہین، ان کو پھٹنے سے بچانے کی صرف یہ صورت ہے کہ ان کو آرام کا موقعہ دیا جاے، مسٹر مور پروفیسر نیویرک یونیورسٹی امریکہ نے ایک طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ سے کانین ایک سو ملین سے زیادہ چھوٹے چھوٹے صدمات سے بچ سکتی ہین، پروفیسر مذکور نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ کان پہلے تھکاوٹ کا احساس کرتی ہے، اس احساس کی علامت یہ ہے کہ اسکی کوئی چھوٹی قلم تقسیم ہو جاتی ہے اور جب یہ تھکن برابر قائم رہتی ہے تو اور قلمین بھی تقسیم ہونے لگتی ہین، اور پھر پوری کان پھٹ جاتی ہے،

"م"

کیا یورپ تباہ ہو جائیگا

یورپ کے طبی اور معاشرتی مستند حلقون مین اس خیال کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ یورپ کی ذہنی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ شرح پیدائش بھی گھٹ رہی ہے، اسلیے اگر کچھ زمانہ تک یہی حالت رہی تو یورپ کے لیے نہ صرف سخت ترین مشکلات کا سامنا ہوگا، بلکہ وہ تباہ وبرباد ہو جائے گا، ان کا خیال ہے کہ آیندہ لڑائیون مین مشین مشین کا جواب بنجائیگی، اس لیے اصلی معرکہ آرائی مختلف قومون کی انفرادی قوت مین محدود ہو جائے گی، اور جو قوم مضبوط اور کثیر التعداد ہوگی وہی غالب رہیگی، یہ افسوسناک حالت مغربی یورپ کی ہے، جو تمدن وتہذیب، ایجادات واختراعات مین اپنے کو دنیا کا استاد سمجھتا ہے، لیکن اُس کی یہی مادی بلندی اس کے لیے رحمت کی جگہ زحمت اور برکت کی جگہ لعنت ثابت ہو رہی ہے،

"ن"

ادبیات

نالۂ تپش

جناب تپش بی، اے، لاہور

گرد ہین تیری شمع محفل کے — حوصلے دیکھ تو عنادل کے
کر گئے کام ولولے دل کے — قیس ہے ساتھ ساتھ محمل کے
توبہ کر بیٹھے میکشی سے وہ — بن گئے جام جب مری گل کے
رکھ کے آنکھون پہ لے گئے عشاق — سارے حلقے مری سلاسل کے
اب وہ طوفانِ زندگی کیسا؟ — موج آغوش مین ہے ساحل کے
کس قدر تند تھی شرابِ عشق — ہو گئے ٹکڑے شیشۂ دل کے
کیون نہ بھٹکین مسافرانِ عدم — پھیر مین آگئے ہین منزل کے
موج زن ہے حیات کا طوفان — قطرہ قطرہ مین خونِ بسمل کے
گل کھلاتی رہی چمن مین بہار — زخم جب تک ہرے رہے دل کے
اللہ اللہ رے خمارِ ستم! — لڑکھڑاتے ہین پاؤن قاتل کے
کر دیا فاش راز، ناخنِ غم! — کھول کر عقدے میری مشکل کے

چھٹ گیا دامنِ امید تپش
رہ گئے خالی ہاتھ سائل کے

تابشِ اختر

از جناب علی اختر صاحب اختؔر

شبون کو رشکِ سحر بنا دے، سحر کے غنچے گلاب کر دے
جو شمع سینے مین کی ہو روشن اُسے اب آفتاب کر دے

جھلک دکھا کر نظر ہٹا لے، نظر ملا کر خراب کر دے
مجھی کو ناکامیاب بھی کر مجھی کو پھر کامیاب کر دے

پھر اس طرح مسکرا، کہ رگ رگ مین برق کی لہر دوڑ جائے
سکوت ہنگامہ آفرین کر، سکون کو اب اضطراب کر دے

ادا کی سحر آفرینیون کو، ستم کی آزادیان عطا کر،
نظر کی صہبا فروشیون سے دلون کی دنیا خراب کر دے

فریبِ تابِ نگاہ کب تک، بسے گلستان کو جاودان کر
جلا کے میری نظر کے پردے، حقیقتین بے نقاب کر دے

وہ لذتِ بیخودی عطا کر، فدا ہو بیدارئ عقل جس پر
بنے جو بیداریون کا عنوان وہ غفلتِ کیفِ خواب کر دے

دھوئین کو صبحِ الم کے چمکا، حسین جلوون کی روشنی مین
وہ شب جو "بے کیف تیرگی" ہے اُسے شبِ ماہتاب کر دے

شراب کی بو سے ہر نفس ہو، نسیم صبح مراد میرا
مرے شبستانِ غم کو، آ، اب بہشتِ حسن و شباب کر دے

یہ جوشؔ سے کوئی جا کے کہدے کہ اختؔر نامراد کو بھی
اثرؔ[1] سے ملنے کی آرزو ہے خدا اگر کامیاب کر دے

---

[1] نواب جعفر علیخان اثر لکھنوی،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ حالی

نتوان شمارِ دولتِ جاوید یافتن — در خود ز روی ہندسہ گاہے شمار یافت

از بس پُر است جیبِ مسمّٰے ز نقدِ اسم — ہر جا الف نبشت محاسب ہزار یافت

"میرزا غالب کے یہ دو شعر قصیدہ کے ہیں جنکا مطلب باوجود غور کرنے کے بخوبی سمجھ مین نہین آیا تھا تو میرے اشارہ سے میرے برادر مکرم مولوی محمد یامین حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ دانش در پارسی و خیال در ریختہ نے مولانا حالی کو خط لکھکر اس کا مطلب دریافت کیا مولانا حالی مرحوم نے جو خط جواب مین لکھا تھا وہ اس وقت تک موجود ہے، اب اسکی نقل جو انھین کے قلم در دست رعشہ دار سے ہے، بعینہ لکھکر بھیجتا ہون امید ہے کہ ناظرین معارف مین سے جن لوگون کو فارسی سے شغف اور اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات سے دلچسپی ہے، شوق سے پڑھین گے اور محظوظ ہون گے،"

"محمد اعجاز حسن"

مکرمی، اگرچہ مرزا صاحب کو مین عالمِ تخیل کا شہبازِ بلند پرواز سمجھتا ہون، اور ہندوستان کی فارسی شاعری کا اُن پر خاتمہ سمجھتا ہون لیکن مثل دیگر اساتذہ کے اُنکو بھی خطا اور لغزش سے پاک نہین سمجھتا مین اب لکھنے پڑھنے کے قابل نہین رہا لیکن آپ کا شوقِ مفرط دیکھکر بہ تکلف شعر مسئول عنہ کو معنی پہناتا ہون، آپ کو معلوم ہے کہ ہر حرف کا ایک مسمّٰے ہوتا ہے اور ایک اسم، مثلاً ا مسمّٰے ہے اور الف اسکا اسم ہے یا مثلاً ج مسمّٰے ہے اور جیم اُس کا اسم ہے، کہتا ہے کہ ممدوح کی دولتِ جاوید کسی طرح

شمار نہین ہوسکتی، کیونکہ محاسب جب اُسکی دولت کو گننا شروع کرتا ہو تو ایک کے ہزار ہوجاتے ہین جیسے اکا اسم الف ہے، اور الف اور الف کی ایک شکل ہے، تو گویا اسکی دولت کا ایک گننے سے ہزار گونہ ہوجاتا ہے،

مگر میرے نزدیک یہ خیال مرزا صاحب سے بوجہ احسن ادا نہین ہوا جیب پر سکے کا نقد اسم سے پر ہونے سے یہ مراد ہے، کہ ایک کے ہزار ہوجاتے ہین، والسلام

الطاف حسین حالی

از پانی پت ۳ اپریل ۱۹۲۰ء

بابُ التقریظ والانتقاد

دو مصنف شاہزادے

دیوان کامران اور مجمع البحرین

مغل بادشاہون اور شہزادون کو جو چیز دنیا کے تمام حکمران طبقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صاحب سیف بھی تھے اور صاحب قلم بھی، وہ دل و دماغ اور دست و بازو دونون کے بادشاہ تھے، وہ رزم و بزم دونون ملکات پر یکسان طور پر حکمران تھے، ہندوستان مین آکر انکا یہ وصف اور نمایان ہوگیا چنانچہ بابر سے لیکر بہادر شاہ ثانی تک (برائے نام وقتی بادشاہون کو چھوڑکر) کوئی بھی ایسا فرمان روا نظر نہین آتا جس کا ہاتھ تیغ و قلم سے خالی ہو، بابر ہندوستان بھی فتح کرتا ہے، اور تزک و دیوان بھی مرتب کرتا ہے، ہمایون شیر شاہ کا مقابلہ بھی کرتا ہے، اور کتبخانہ مین بیٹھکر مطالعہ بھی کرتا ہے، اکبر راجپوتانہ و دکن کو زیر و زبر بھی کرتا ہے، اور علمی دفاتر بھی اُسکے سامنے لائے جاتے ہین، جہانگیر شمشیر زنی بھی کرتا رہتا ہے، اور فرصت کے وقت تزک بھی لکھتا جاتا ہے، شاہجہان میدانِ کارزار مین دشمنون کے سر بھی قلم کرتا ہے، اور گوشۂ عافیت مین بیٹھکر کتابون کی سیر بھی کرتا ہے، اورنگزیب دکن کو ملحق کرکے اپنی حکومت بھی وسیع کرتا ہے، اور اپنے گرانبہا رقعات کا خزانۂ معلومات بھی دیجاتا ہے، بہادر شاہ اول ہندوستان کا بادشاہ ہی نہین بلکہ "شیخ المحدثین" بھی ہے، حتی کہ غریب و بدنصیب ظفر شاہ قلعۂ معلی کا "شاہ عالم" ہی نہین بلکہ ضخیم دیوانون کا مصنف بھی ہے، یہ تو حکمرانون کا حال تھا، دوسرے شہزادے بھی اس حیثیت سے کسی سے کم نہ تھے، کامران، دارا، رسا وغیرہ اسکی نمایان مثالین ہین، اور یہان پر ہم اول الذکر دو شہزادون کے علمی کمال کے متعلق

کچھ کہین نہ گئے

یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ یہ دونون شہزادے اپنے بھائیون ہی کے ہاتھون مظلوم بنے، اور چونکہ ان کے بعد جو مورخ بھی پیدا ہوئے، ان کو دربار یا اہلِ دربار سے تعلق تھا، اس لئے اُنھون نے بڑی حد تک صداقت کو مادی منفعت کے بھینٹ چڑھا دیا، اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو ہمکو ان کے ذاتی حالات، یا ان کے صحیح پوزیشن کا علم ہے، اور نہ انکے کمالاتِ علمی کا، اس حیثیت سے ملک کے نوجوان مصنف و محقق جناب پروفیسر محفوظ الحق صاحب ایم اے، ہمارے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہین، کہ اُنھون نے صدیون بعد ان دو مظلومون کی حالت پر رحم کرکے اُن کے علمی فتوحات کے دو عظیم الشان کارنامون کو دنیا تک پہونچا دیا، اور اپنے فاضلانہ مقدمہ کے ذریعہ انکے تمام ذاتی و خاندانی حالات علمی و عملی کارنامون اور مملکتِ علم مین ان کے حقیقی درجہ کو ہمارے سامنے پیش کردیا،

کامران، بابر کا بیٹا اور ہمایون کا (سوتیلا) بھائی تھا، وہ فاتحِ ہند کی گود مین پلا اسکی پدرانہ شفقت کی تربیت مین بڑھا، اور بالآخر بھائی کی خود غرضانہ مصلحت اندیشی کا شکار ہوا، بابر نے اپنی زندگی ہی مین اسے کابل و قندہار بلکہ پنجاب و سندھ کا بھی ایک حصہ دے رکھا تھا لیکن باپ کی موت کے بعد ہی بھائیون مین لڑائی شروع ہوئی، اور خود ہمایون نے اُس سے ان ممالک کو لے لینا چاہا حتی کہ یہان تک بیان کیا جاتا ہے کہ ہمایون نے اسے زہر تک دینے کا سامان کردیا تھا، ہان یہ سچ ہے، کہ ہمایون کو ہندوستانی فوج نہین مل سکتی تھی، اور افغانستان وغیرہ کا علاقہ اسکے بھائی کے قبضہ مین ہونے کی وجہ سے وہان بھی وہ فوج بھرتی نہین کرسکتا تھا لیکن اسکے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ وہ دوسرے بھائی کو اس کے جائز حق سے محروم کرتا، ہمایون نے کیا ہندوستان سے جانے کے پہلے اور کیا واپس آنے کے بعد ہمیشہ کامران کو بے دخل کرنے ہی کی کوشش مین رہا، اور اگرچہ آج تمام تاریخین اس صداقت سے خالی ہین، لیکن اگر کامران

لہ دیوان میرزا کامران، مجمع البحرین مصنفہ دارا شکوہ،

کامیاب ہوتا تو شاید موجودہ تاریخ ہند کا رنگ بھی دوسرا ہوتا،

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ ہمایون نے اسے ملکی حکومت سے بیدخل کر دیا، اُسے اندھا کرایا اور اُس غریب البلاد نے وطن سے ہزارون میل دور جلا وطنی مین جان دی لیکن پھر بھی ہمایون اُسکی اُس حکومت سے جو سنگ و خاک اور مٹی اور پتھر کی فانی حکومت سے مضبوط تر، مستحکم تر، اور دیر پا تھی محروم نہ کر سکا، اس سے ہماری مراد اسکی وہ حکومت ہے جو مملکتِ کلام کے نام سے موسوم ہے،

کامران کے ایک بلند پایہ نغز گو شاعر ہونے مین کسی کو کلام نہین، اسکی غزلین صاف، روان، سادہ اور پر تاثیر ہین، اُسکی رباعیات، قطعات وغیرہ کا بھی یہی حال ہے، وہ صرف فارسی ہی کا شاعر نہ تھا، بلکہ ترکی مین بھی شعر کہتا تھا، اور اگر مخزن الغرائب کی روایت تسلیم کر لیجائے تو وہ اردو مین بھی کہہ لیتا تھا، ان تمام حالات کے باوجود اس کا کلام بعض تذکرون اور بیاضون کے علاوہ کہین نہین ملتا تھا، اور اس بدنصیب شہزادہ کا یہ روشن تر پہلو بھی ہماری آنکھون سے پوشیدہ، مگر پروفیسر محفوظ الحق نے اس فرض کو اپنے ذمہ لیا اور اسکے دیوان کو جسکا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے، اور جو خدا بخش خان مرحوم کے کتبخانہ کی ملکیت ہے نہایت اہتمام سے شایع کیا،

ابتدا مین لایق مصنف نے ۰ہ صفحون کا ایک پر از معلومات مقدمہ لکھا ہے، اسمین کامران کے ذاتی حالات، اسکی برادرانہ کشمکش، اُسکی ناکامیابیان، اور پھر اُسکی شاعری پر تنقید اور دیوان کامران کے موجود نسخہ کے خصائص نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھے ہین، ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے نوجوان محقق نے اس سلسلہ مین کتنی محنت کی ہے، اور کیسے کیسے جواہر ریزون کو یکجا کرکے زر و جواہر کا انبار لگا دیا ہے، کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن لوگون کے لئے جو اردو نہین جانتے مقدمہ کا خلاصہ انگریزی مین دیدیا گیا ہے، اور کتاب کو ہمہ وجوہ مکمل بنانے کے لئے قلمی نسخہ کے ٹائٹل پیج کا عکس بھی دیا گیا ہے، کہ اس سے نفس اس نسخہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، یہ نسخہ خود میرزا کامران کی زندگی مین لکھا گیا

تھا، اور اس کے بعد کامران کی بیٹی نور النساء، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر وغیرہ کے پاس بھی رہا ہے، جہانگیر و شاہجہان کے ہاتھ کی تحریرین بھی اس پر ثبت ہین اور مغل سلاطین و امراء کی مہرون سے بھرا ہوا ہے، دیوان کا کاتب مشہور خطاط محمود بن اسحاق الشہابی ہے، اور اسکی ایک وصلی کا بھی عکس درج ہے، ان کے علاوہ ہمایون و بابر کی شانِ تحریر ظاہر کرنے کے لئے مشہور نسخہ دیوانِ حافظ مملوکہ کتب خانہ پٹنہ، اور دیوانِ بابر مملوکہ کتبخانہ سرکاری رامپور کے عکس بھی دیئے گئے ہین، مطبوعہ کتاب کا پہلا ٹائٹل پیج بھی بلاک کا ہے، اور کتابت اور طباعت بھی بہت اچھی ہے،

اسی بدنصیب شاہزادہ کی طرح اس سے تقریباً ایک سو سال بعد ایک اور شہزادہ اسی طرح برادرانہ جنگ کے نذر ہوا، اس سے مراد، شاہِ بلند اقبال دارا شکوہ ہے، دارا کے علم و فضل سے کون انکار کرسکتا ہے اسکی متعدد تصانیف اور اسکا منتخب کلام جو ہم تک پہونچا ہے، اس بات کا ثبوت ہین کہ وہ ایک لائق مصنف اور اچھا شاعر تھا، تصوف سے اُسے ابتدا ہی سے لگاؤ تھا، اور اکبر نے اتحادِ مذاہب کی جو بنیاد قائم کی تھی، اس کا آخری معمار یہی بدنصیب شہزادہ تھا، وہ اپنی تصانیف کے ذریعہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ ہندو مذہب اور اسلام مین کوئی بنیادی فرق نہین ہے، اصولِ توحید مین دونون یکسان ہین، اور اپنے اسی عقیدہ کے جوش مین وہ مسلم کی جگہ موحد بن گیا تھا، اور اسی کے ثبوت مین اس نے پہلے مجمع البحرین لکھی اور پھر اپنشد کا ترجمہ کرتے ہوئے، وید کو قرآن کی مذکورہ کتاب مکنون ٹھہرایا،

مگر دارا کا وہ ادعائے فضل و کمال، اور فقر و غنا اس کے اُن افسوسناک اعمال و حرکات کے مقابلہ مین جو اس نے بھائیون سے جائز رکھے تھے ایک بڑی حد تک اس سے ہماری ہمدردی کو چھین لیتے ہین، اس نے اپنی برادر کش حکمت عملی کی وجہ سے ہندوستان کو کئی سال تک ایک میدانِ جنگ بنا دیا تھا، اس سے کوئی مورخ انکار نہین کرسکتا، اور اسکی یہی کارروائی اس کے صوفیانہ صاف دامن پر دنیا داری کا بدنما داغ ہے، اگر دارا اپنے کو صرف اپنے علمی کارنامون ہی مین لگائے رکھتا تو آج وہ مصلحین مذہب

کی اولین صف مین ممتاز جگہ پر نظر آتا، اوس کے قول و فعل کے تضاد نے اُسے کہین کا نہ رکھا، اور وہ کسی جماعت کا پیرو نہ بن سکا،

تو کہے گبر مجھے، گبر مسلمان مجھکو

بہرحال یہان پر ہمکو ان چیزون سے چندان بحث نہین ہے، اور اس چیز کو ہندوستان کے سیاسی مورخ کے لئے چھوڑکر اُسکی زیر تنقید کتاب کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہین،

دارا کو تحقیقِ مذاہب کا جو شوق تھا، وہ اس بات کا مقتضی تھا کہ وہ تمام دوسرے مذاہب کے اصول کا مطالعہ کرے، چنانچہ اُس نے اس طرف توجہ کی، نہ صرف اس نے کتابین پڑھین، نہ صرف اس نے پنڈتون سے تبادلۂ خیال کیا، بلکہ اس نے اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے ہندو جوگیون اور رشیون سے ملاقات کی، اسکی تصانیف کی ترتیب جن پر پروفیسر صاحب ممدوح نے نہایت ترتیب کے ساتھ ناقدانہ تبصرہ کیا ہے، ہمکو یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ وہ کس طرح اپنے اس مطالعہ، تبادلۂ خیال، اور ملاقاتون کی وجہ سے اسلام یا اسلامی تصوف سے الگ ہو رہا ہے، خوشامدی درباریون اور خودغرض مصاحبون نے اُسے باور کرا دیا کہ وہ ولی اللہ اور مقرب خدا ہے، بس پھر کیا تھا، ایک طرف تو اسکو ندائے غیبی سنائی دینے لگی، اور دوسری طرف لبشسٹھ جی خواب مین آکر مہاراجہ رام چندر سے اس کا برادرانہ تعارف کرانے لگے، ان چیزون نے روز بروز بڑھنا شروع کیا، اور دارا نے رشی بابا لعل کے اس دعویٰ کو تسلیم کرتے ہوے کہ حق و صداقت اور توصل الی اللہ کسی مذہب کی ملکیت نہین ہے مجمع البحرین لکھی اور اسمین ویدانتک توحید اور اسلامی متصوفانہ توحید کے اصول کو ایک ثابت کر دکھایا، مجمع البحرین اسی اجمال کی تفصیل ہے،

پروفیسر محفوظ الحق نے اس کتاب کو شایع کرکے نہ صرف ایک بڑی علمی و متصوفانہ خدمت انجام دی ہے، بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی اسکو خاص اہمیت حاصل ہے، کہ یہ کتاب یہ بتانے کے لئے کافی

ہے، کہ مسلمان عوام تو عوام خود سلاطین اور شہزادے کس طرح دونون مذاہب کی مشترک تعلیمات کو یکجا کر کے دونون قومون مین ذہنی وسیاسی اتحاد کی کوشش مین مصروف تھے،

یون تو دارا شکوہ کی متعدد کتابین شایع ہو چکی ہین، لیکن اس کتاب کا شایع ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے، ایک مشہور فرانسیسی مستشرق کا بیان ہے کہ اُس نے توحید کو اسی کتاب سے سمجھا ہے، فرانس مین دارا کے متعلق خاص دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس وقت ایک ہندوستانی طالب علم پیرس مین اسی کے متعلق کتاب لکھنے مین مصروف ہین،

مجمع البحرین کے اس نسخہ کی اشاعت مین پروفیسر صاحب نے جو محنت کی ہے، اور جس جانفشانی سے مختلف نسخون کو مقابلہ کرکے ان اختلافات کو یکجا کیا ہے، وہ ان لوگون سے جو ایسے کام سے دلچسپی یا ان کا عملی تجربہ رکھتے ہین، ضرور خراجِ تحسین وصول کریگا، ابتدا مین دارا کی زندگی، اسکی تصانیف اور نفس مجمع البحرین کے امتیازات پر ناقدانہ بحث ہے، اسکے بعد مجمع البحرین کا انگریزی ترجمہ ہے، پھر اصل کتاب، بعد ازان اختلافات اور خاتمہ پر تین ابجدی فہرستین، پروفیسر صاحب کے مقدمہ مین، جو حاشیے ہین، وہ معلومات کی کان ہین، اور ان سے انکی وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے، ہم جوان سال وجوان ہمت پروفیسر کو ان کی اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین، اور توقع رکھتے ہین کہ وہ کم از کم دارا کے متعلق اپنی اس ہمدردی کو جاری رکھکر اسکی دوسری کتابون کو بھی ہم تک پہونچا دین گے کہ مظلومون کی امداد دینا کی سب سے بڑی نیکی ہے،

اجر بخشد بخدائے کہ کند دست یاوری
باآن کسے کہ حامی وناصر نداشتند

"ن"

لال کھٹور

اردو مین سراغ رسانی کے افسانہ لکھنے والون مین ہمارے دوست جناب ظفر عمر صاحب سب سے

پولیس صوبۂ متحدہ (جونپور) نے خاص شہرت حاصل کی ہے چورون کا کلب، بہرام کی گرفتاری اور نیلی چھتری اُن کے بہترین افسانے ہین اور خصوصیت کے ساتھ اُن کی نیلی چھتری سب سے زیادہ دلچسپ، مقبول اور ہر دلعزیز افسانہ ہے، اور شاید اُن کے قلم کا بہترین کارنامہ جسمین آرسن لوپن کی کار فرمائیون کی جھلک پوری طرح نمایان ہے،

ابھی حال مین اُنھون نے لال گھوڑ کے نام ایک تازہ افسانہ حوالۂ قلم کیا ہے، اور چھپ کر شایع ہوا ہے، یہ بھی سراغرسانی کا دلچسپ افسانہ ہے، مگر اسکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تمامتر فرضی افسانہ نہین، بلکہ "بادۂ و ساغر" کہکر اسمین "معاملۂ حق کی گفتگو" کی ہے، اور زمانۂ ماضی کی فرضی داستان نہین بلکہ زمانۂ حال کے کچھ "حقائق و وثائق" ہین،

مصنف نے اسمین اپنے دو گذشتہ معروف و مشہور ہیرو دن مسعود اور بہرام کے ساتھ مرزا بلگرامی نام ایک نئے ہیرو کا تعارف کرایا ہے، جو نہ مسعود کی طرح علی گدھ کا گریجویٹ، اور نہ بہرام کی طرح شریف ڈاکو ہے، بلکہ ایک "صوفی عالی مقام" ہے، جس نے "رازِ درون پردہ" کو عالم آشکارا کیا گیا ہے، ہمارے دوست کے افسانون مین ایک عیب یہ ہوتا ہے، کہ وہ مختصر ہوتے ہین، اور شاید یہی عیب دوسرے کم فرصت لوگون کے نزدیک ہنر بھی ہو، مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قصہ کی الجھنون اور بھول بھلیون مین گرہین اور پیچیدگیان کم پڑتی ہین، حالانکہ یہی پیچیدگیان اس قسم کے قصون کی جان ہوتی ہین، معلوم نہین ہمارے قلیل الفرصت کثیر المشاغل صاحب السیف والقلم سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس ہماری اس خوردہ گیری سے اتفاق کرین گے یا نہین،

لال گھوڑ مین ریاست بھوپال کے ایک فون خزانہ کی سراغرسانی کا قصہ ہے، جسمین ایک پارسی لڑکی، مسٹر مسعود، مرزا جنگ اور مرزا بلگرامی کے کارنامون کی تفصیل ہے، مرزا بلگرامی کے پہچاننے مین ناظرین کو وقت نہ ہوگی، تاہم اگر اسمین مرزا صاحب کے ساحرانہ کمالات کے دکھانے کے لئے "ثعبان مبین"[1] کے بجائے "عصا موسوی" اور "ید بیضا" کی کراماتین دکھائی جاتین تو زیادہ مناسب ہوتا،

افسانہ نہایت دلچسپ، قلیل الفرصت کے اوقات مین مطالعہ کا لطف دیتا ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible]، پتہ: ناہی پریس لکھنؤ

[1] معارف: حضرت موسیٰ کی لاٹھی والا سانپ،

مطبوعات جدیدہ

یادگار عشق مرتبہ جناب ثاقب عظیم آبادی، ص ۱۲+۳۰+۱۷۰ قیمت عہ، پتہ: انجمن ترقی اردو، پٹنہ سٹی،

حضرت رکن الدین عشق اردو شعرا کے اُس ممتاز اولین جماعت سے تعلق رکھتے ہین جس نے میر، درد، اثر و سوز پیدا کئے، حضرت عشق اردو کے تیسرے مرکز عظیم آباد کے شاید اولین اردو شاعر ہین، وہ تصوف و شاعری کے وراثۃً مالک تھے، اس لئے تسخیر قلب اور قبولیت عام کا سحر حلال انکے قبضہ مین تھا، صوبہ بہار کا چپہ چپہ انکے صوفیانہ فیوض سے بابرکت ہو رہا ہے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ صوبہ کے ولی کے کلام و حالات کو لوگون نے بھلا دیا تھا، حتی کہ شاد مرحوم کو بھی اُن کے ایک شعر کے علاوہ کچھ اور نہ معلوم تھا، مگر خوش قسمتی سے جناب ثاقب کو اُن کے کلیات کا ایک نسخہ جو سات سو صفحات پر مشتمل ہے مل گیا ہے، اُن کے کلام کی اہمیت کا اقتضا تو یہ تھا کہ ان کا پورا کلیات شایع کر دیا جاتا، مگر صوبہ کے اصحاب دولت کی بے توجہی اور اصحاب علم کی روایتی غربت اس کام مین سخت رکاوٹ ہے، اس لئے جناب ثاقب نے صرف اپنے ذرایع پر بھروسہ کرکے اسکے انتخاب کا بیڑہ اٹھایا، اور بحمد اللہ کہ وہ اسمین ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہین، اس کتاب مین انتخاب کلام کے علاوہ مرتب کی لکھی ہوئی ایک تمہید اور عشق کے حالات اور ان کی شاعری کی خصوصیات پر سو صفحون کا دیباچہ ہے، ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک مقدمہ ہے، اس مقدمہ مین عشق کے حالات پر ناقدانہ بحث کے علاوہ، لکھنؤ اور دہلی کی شاعرانہ خصوصیات پر نہایت ہی بلیغ طریقہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، کلام کا انتخاب ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس مین غزل

رباعی، او رمثنوی سب ہین ہم جناب ثاقب کو اس علمی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین،

سلیقۂ تحریر، مولفہ جناب مولوی محمد مسلم صاحب ایم، اے، تقطیع خورد، ص ۱۴۴، قیمت عہ
پتہ:- مولف، سینٹ کولمبس کالج، ہزاری باغ،

آج سے تقریباً ۱۰ سال قبل مولف نے تعلیم التسوید کے نام سے ایک مجلد رسالہ مضمون نگاری کے متعلق شایع کیا تھا، اور اس زمانہ مین صوبہ بہار کے اکثر اسکولون مین اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، اب اس طویل مدت کے بعد انھون نے اپنے اسی رسالہ کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ شایع کیا ہے، ابتدا مین کتابت وغیرہ کے اصول بتائے ہین، پھر خطوط کا طریقہ سکھایا ہے، اور آخر مین مختلف قسم کے مضامین لکھنے کی تعلیم دی ہے، طلبہ کی آسانی اور سمجھانے کے لئے ہر چیز کی مثالین بھی دی ہین، امید کہ یہ رسالہ بھی اپنے پیش رو کی طرح مقبول ہوگا، کہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول،

آئینۂ اردو، مولفہ مولوی محمد شفیع اللہ صاحب صفی، ص ۱۶۰، قیمت عہ، پتہ محمد فضل کریم صاحب تاجر کتب کچہری روڈ گیا،

اس رسالہ مین مولف نے حروف تہجی سے لے کر صرف و نحو، تذکیر و تانیث، معانی و بیان غرضکہ تمام ضروری لسانی و تحریری مباحث پر نہایت ہی صاف اور سادہ زبان مین معلومات یکجا کئے ہین، نہ صرف اسکول بلکہ بہتیرے کالج کے طلبہ بھی اس مفید تالیف سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن اسکے ساتھ ہی ہمکو یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک طریقۂ تحریر وغیرہ کے متعلق ہمارے اساتذہ ہی متفق الرائے نہین ہے، چنانچہ سلیقۂ تحریر مین جناب مسلم صاحب نے لکھا ہے کہ

،،جب دو لفظ اس طرح مرکب ہون کہ مل کر دلکش جدا مفہوم پیدا کرین تو ان کو ایک لفظ قرار دیکر ساتھ لکھنا چاہئے، الگ لکھنا غلط ہے، .... دیکھکر صحیح ہے دیکھ کر غلط،، ص۳

اب صاحب آئینہ اردو کی تعلیم دیکھئے :-

"لفظ "کر" عام طور پر اپنے پہلے کے لفظ سے الگ لکھا جاتا ہے، جیسے سمجھ کر، بوجھ کر وغیرہ ..... الخ"، ص ۱۰

اب غریب طلبہ حیران ہین کہ وہ کس استاد کا کہنا کرین، کیا ہمارے اساتذہ سب سے پہلے ایک متحدہ طریقہ کے اختیار پر متفق ہون گے یا کار طفلان تمام خواہد شد،

کائنات ادب، مرتبہ جناب ایم اے حمید صاحب میرٹھی، ص ۲۲۷+۸، قیمت درج نہین، پتہ :- ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن علی گڈھ،

ہندوستان کے مختلف صوبون مین اردو مٹرکولیشن کے امتحان کے لئے تقریباً لازمی ہے اور طلبہ کی اسی ضرورت کو محسوس کر کے متعدد اشخاص نے اردو مصنفین کے انتخابات کے مجموعے شائع کئے ہین، زیر تنقید کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور مٹرکولیشن کے طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے، اسمین تقریباً گذشتہ اساتذہ کے مضامین کا انتخاب ہے، خطوط بھی دیے گئے، اور آخر مین مصنفین وشعراء کے حالات بھی ہین، جو یقیناً طلبہ کے لئے بہت مفید ہون گے، خطوط سولہ اصحاب کے ہین، نثر مین ۱۱ مضامین ہین، اور نظم مین ۲۳ شعراء کے کلام کا انتخاب ہے،

اسلامی قانونِ فوجداری، مترجمہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی، ص ۹۵، قیمت للعہ، پتہ منیجر دار المصنفین، اعظم گڈھ،

انگریزون نے جب شروع شروع ملک پر قبضہ کیا تو ان کے پاس تعزیرات ہند کی ضخیم جلدین تھین اور نہ قانون ساز مجالس اس لئے انھون نے ہندوون اور مسلمانون کے معاملات کو طے کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ اول الذکر کے مقدمات مین پنڈتون سے اور موخر الذکر کے معاملات مین مولویون سے استمداد کرتے، اسی ضرورت کی بنا پر اسی زمانہ مین ایسی متعدد کتابین فارسی مین

کی تھیں جن میں اسلامی قانون کی توضیح وتشریح تھی انہیں میں سے ایک کتاب محمد آباد کی عدالت کے مشیر شرعی مولانا سلامت علیخان مشہور بہ حذاقت خان تھے، انھون نے اسلامی فوجداری قانون کے تمام دفعات کو فقہ حنفیہ کی متعدد ومستند تاریخون سے جمع کرکے فارسی ترجمہ کے ساتھ پیش کیا تھا یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں دوبار شایع ہو چکی ہے، اور اب حیدرآباد کے علم دوست وکیل جناب میر احمد شریف صاحب کی فرمایش سے جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے اسکو اردو کا جامہ پہنایا ہے، ترجمہ کی خوبیون کے متعلق مولانا کا نام ہی کافی ہے، امید کہ قانون پیشہ اور علم دوست اصحاب اس سے فائدہ اٹھائیں گے،

تفسیر قرآن، مصنفہ مولوی شایق احمد صاحب عثمانی ص ۷۵ ا قیمت ۱۲ر پتہ منیجر عصر جدید، نمبر ۰، جونا گلی کلکتہ،

مولوی شایق احمد صاحب اُن چند مخصوص نوجوان کارکنون میں ہین جو صحافت وسیاست کے دائمی طوفان میں گھرے رہنے کے بعد بھی وقتی سکون سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ علمی خدمت کرتے رہتے ہین، آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے انھون نے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا، اور اسی زمانہ میں انتیسوین اور تیسوین پارون کی تفسیر بھی شایع کردی تھی، اور اب انھون نے پانچ سورتون کی مزید تفسیر شایع کی ہے، یہ سورتین یہ ہین، (۱) ملک، (۲) دہر (۳) نبا (۴) بلد اور (۵) عادیات، مولوی صاحب موصوف کی زبان صاف اور سادہ ہوتی ہے، اور معمولی سے معمولی علم کا آدمی بھی انکی تفسیر کو بآسانی سمجھ سکتا ہے

سفینۃ الخیرات فی ذکر مناقب السادات، مولفہ مولوی مرغوب احمد صاحب لاجپوری ص ۸۰ قیمت درج نہین، پتہ مؤلف، مدرسہ تعلیم الدین نمبر ۳۳۳ منل اسٹریٹ رنگون،

مولوی مرغوب احمد صاحب نے اس کتاب مین خاندانِ نبوت اہلِ بیت اطہار اور ائمہ کرام کی بزرگی سرداری اور روحانی عظمت وبزرگی کے متعلق قرآن حدیث اور دیگر ذرائع سے بحث کی ہے، امید کہ خاندان نبوت سے محبت رکھنے والے اس سے مستفید ہون گے،

"ض"

جلد بست وپنجم | ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۰ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان میں عربی علم ادب ولغت ومحاورات کے جو چند مخصوص ماہرین ہیں، اُن میں ایک مولانا عبدالحیٔ صاحب سہارنپوری استاذ جامعہ عثمانیہ بھی تھے، افسوس کہ انھون نے ۲۸ رمضان ۱۳۴۸ھ کو بمقام حیدرآباد دکن مرضِ طاعون مین مبتلا ہو کر وفات پائی، مرحوم کے دادا شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری تھے جو اپنے زمانہ مین علم حدیث کے مرجع کل تھے، اُن کے صاحبزادہ اور مرحوم مولٰنا عبدالحیٔ صاحب کے والد مولانا حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ادب عربی کے نامور عالم اور عربی کے شاعر تھے، انھون نے اندلس کی تباہی کے مشہور مرثیہ کی بحر وقافیہ مین مولانا حالی مرحوم کے اشارہ سے ہندوستان کی تباہی کا بہت پردرد مرثیہ لکھا تھا، مولانا عبدالحیٔ مرحوم کی عمر ۴۵ اور پچاس کے درمیان تھی، عربی ادب، امثال اور محاورات کے بڑے عالم تھے، اور سرکار نظام کی اعانت سے وہ عربی محاورات کا ایک ضخیم لغت فراہم کر رہے تھے، افسوس کہ یہ عظیم الشان کارنامہ بھی ان کی موت سے ناتمام رہا، انا للہ وانا الیہ راجعون،

ہندوستان کے موجودہ عربی ادبا مین مولانا عبدالعزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذِ مسلم یونیورسٹی علیگڈہ عربی علم ادب کی جو خدمتین انجام دے رہے ہین، ان کی صدائے بازگشت مصر وشام اور یورپ تک سے آرہی ہے، وہ شام کی مجلس علمی عربی کے ممبر بھی منتخب ہوئے ہین، اور جاویدان خرد اور دوسرے قدیم رسائل کو ہندوستان کے کتب خانون کے گمنام گوشون سے نکال کر علمی دنیا تک پہنچا رہے ہین، اور ادبائے عرب بھی اس ہندی تلواء کا لوہا مان رہے ہین، عربی مین سب سے ضخیم لغت لسان العرب ہے، جس کا طبع اول ناپید تھا، اب مطبع سلفیہ اس کا طبع ثانی نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کر رہا ہے، اسکے مرتبین ومصححین مین ہمارے دوست کا نام بھی

شامل ہے، اور یہ درحقیقت تمام ہندوستان کے لیے فخر و عزت کی سند ہے، ہم اپنے دوست کو اس بڑی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین،

اس پرچہ کے باب التقریظ والانتقاد مین ایک مضمون ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، پروفیسر عربی الہ آباد یونیورسٹی، سابق پرنسپل کلیۂ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا شائع ہو رہا ہے موصوف ہندوستان کے موجودہ مغربی سند یافتگانِ السنۂ مشرقیہ مین ممتاز درجہ رکھتے ہین، اور خصوصیت کیساتھ عربی زبان کے فقہ اللغۃ (فیلالوجی) اور عربی اور سامی اور فارسی زبانون کے باہمی تعلقات پر اُن کو عبور کامل ہے، اُنھون نے اس مضمون مین ہمارے مکرم مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری استاذ علوم دینیہ مسلم یونیورسٹی علیگڈہ کی تازہ تصنیف المبین پر جو عربی زبان کے فضائل وخصوصیات پر لکھی گئی ہے، تبصرہ کیا ہے ہم نے خود یہ کتاب نہین دیکھی ہے، مگر اس تبصرہ کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس مین اشتقاقِ کبیر کی بحث ہوگی، نیز عربی مین دوسری زبانون کے جو لفظ ہین اُن کو عربی ثابت کیا گیا ہو،

"اشتقاقِ کبیر" کے معنی یہ ہین کہ جن چند حرفون سے مختلف الفاظ مرکب ہوتے ہین، اُن حرفون کے ایسے مشترک معنی قرار دیئے جائین جو اُن حرفون سے مرکب ہونے والے تمام الفاظ مین عموماً پائے جائین، یقیناً یہ بڑی تلاش، محنت اور مغز پاشی کام ہے، اور اس سے زیادہ قوت متخیلہ کی وسعت کا کام ہے، ہمارے علمائے ندوۃ العلماء اور رفقائے دار المصنفین مین مولوی ابو الجلال صاحب ندوی مدرس مدرسۂ جمالیہ مدراس کو اس فن کا بڑا خبط تھا، تقریباً سات آٹھ برس جبتک وہ ہمارے ساتھ رہے اس موضوع پر کام کرتے رہے، اور عربی مین تقریباً پانچ سو صفحون کی "کتاب پریشان" اُنھون نے لکھ ڈالی ہے، جب وہ چند حرفون کے الٹ پھیر سے کسی مشترک معنی کا پتہ اپنے جانتے دریافت کر لیتے تو بڑے فاتحانہ انداز سے وہ

اس تحقیق کو سنانے آتے لیکن ہم نے ہمیشہ اُن کے اِن عظیم الشان فتوحات کو "کوہ کندن وکاہ برآوردن" سے تعبیر کیا

حقیقت یہ ہے کہ علماے نحو ولغت مین کچھ لوگ ایسے گذرے ہین جنھون نے ہر معنی کو چند حروف کی ترکیب کے ساتھ لازم ہونے کے خیال کو ثابت کرنا چاہا، اور اس کے لیے تاویل وتخییل کے تمام مراتب طے کیے، مگر اکثر علماے نحو ولغت نے اُن کی اِن تمام کوششون کو دماغی شطرنج بازی سے زیادہ وقعت نہین دی، مثلاً عربی مین نعب اور نعق، کوے کے بولنے کو، نهق گدہے کے بولنے کو نعر انسان کی ناک کی آواز کو کہتے ہین، اشتقاق کبیر کا عالم آواز کے عام معنی کو ن، ع، یا ن، ق یا ن اور کسی حرف حلقی کے ساتھ خاص کر کے کہتا ہے، کہ جب یہ حروف کسی لفظ مین جمع ہونگے، تو اُس کے معنی کسی نہ کسی آواز کے ہوتے ہین، مگر اس تلاش وتطبیق مین ہمیشہ غلطی رہ جاتی ہے کہ ہین ایسے لفظون کو کتنے ہی دور کے تعلق سے ہم معنی قرار دیا جاتا ہے، اُن کے علاوہ انھین حرُف سے مرکب بہت سے دوسرے الفاظ چھوٹ جاتے ہین، جنھین یہ معنی کسی طور سے بھی نہین پاے جاتے، اسی لیے استقصاے تام کا ہوار اس میدان مین ہمیشہ درماندہ اور عاجز رہتا ہے، متاخرین مین الاخفاق فی علم الاشتقاق نواب صدیق حسن خان مرحوم، اور سر اللیال فی القلب والابدال ایک شامی نومسلم احمد شدیاق کی اسی موضوع پر تصنیفات ہین،

اس کے علاوہ ایک نظریہ حکایتِ صوت کا، قدما مین بھی اس کے اشارات ملتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین ادھر اشارہ کیا ہے،

اس جدید عہد مین جسٹس مولوی کرامت حسین صاحب مرحوم اس نظریۂ حکایتِ صوت کے بڑے حامی تھے، مثلاً قطع عربی مین TO.CUT انگریزی مین اور کٹنا ہندی مین سب ایک ہی آواز کی نقل ہین، اور اس لیے ہم معنی ہین، المقدمہ عربی زبان مین اس مبحث پر اُن کی ایک کتاب ہے، جو سرسید کے زمانہ مین ٹائپ مین چھپی تھی، آخر عمر مین اس موضوع پر اس سے بھی زیادہ وسیع تصنیف کر رہے تھے، مگر ناتمام رہی،

بہرحال ہم کو مصنفِ المبین کا شکرگذار رہونا چاہیے کہ اُنھون نے اس "عہد جدید" مین عہد قدیم کی یاد دلائی اور جن علوم کی بساط زمانہ کے دست بردسنے الٹ دی تھی ان کو دوبارہ یارانِ بزم کے سامنے بچھائی ہے

اے گل تو خرسندم تو بوے کسے داری

ندوۃ العلمار نے اپنی تیس برس کی جدوجہد مین مشرقی علوم کا جو کتبخانہ فراہم کیا ہی وہ بہت کچھ قدر کے لائق ہی خصوصًا اس حالت مین کہ اس کتبخانہ کی توسیع و ترقی کیلئے اسکو کبھی کسی قسم کی مالی امداد کہین سے بھی نہین ملی اور آجکل یہ حالت ہی کہ یورپ اور مصر و شام و عراق کے عربی مطابع ہرماہ اسلاف کی علمی دولت کے نئے نئے خزانے اگل رہے ہین، جنکا فراہم کرنا ایک بڑی رقم کا محتاج ہی اس کیسا بہت سی ایسی کتابین ہین جنکی طبع کی امید نہین ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر حکیم سید عبد العلی صاحب بی ایس سی، ایم بی بی ایس خلف اصدق جناب مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما، جو اپنے پدر بزرگوار کی متروکہ خدمت کے جائز وارث ہوئے ہین، اور اسی لیے ارکانِ ندوہ نے انکو اپنی مجلس کا نائب ناظم، اور کتبخانہ کا ناظم منتخب کیا ہے۔ انھون نے کتبخانۂ ندوہ مین علم حدیث کی بعض قلمی کتابون کی نقل و فراہمی کے لیے مسلمانون کے سامنے ایک اپیل شایع کی ہی جس کے لیے دو ہزار چار سو ساٹھ روپیے کا چندہ طلب کیا ہی، علم دوست حضرات سے امید ہی کہ وہ اس مختصر سی رقم کی فراہمی مین حوصلہ مندی سے کام لین گے،

شیخ ابو علی سینا سے کون واقف نہین، طب مین انکی مشہور تصنیف قانون ہی جو عام طور سے طب کے نصاب درس مین پڑھی پڑھائی جاتی ہی، یورپ کو اس مصنف اور اسکی اس تصنیف سے ہمیشہ شغف رہا کہ اسی کے بدولت یورپ مین علمی طب کا رواج ہوا چنانچہ ابو علی سینا پر ایک محققانہ رسالہ ایک جرمن فاضل نے ۳۰ء مین لکھا ہی اب حال مین ابو علی سینا کی تصنیف قانون پر انگریزی مین ایک مسلسل کتاب ۶۱۲ صفحون مین لکھی گئی ہی جسکے مصنف کا نام ڈاکٹر کیمرن گرونر ایم ڈی (O. CAMERON GRU-NER) ہی اور لیوزک کمپنی لندن نے اسکو شائع کیا ہی کیا عجیب بات ہی کہ ہم اپنی طب کو مردہ سمجھ رہے ہین، اور آج کی زندہ قومین اس کو زندۂ جاوید بنا رہی ہین"

مقالات

ظاہریہ کے عقائد اور مسائل

اور

المحلی لابن حزم

اسلام کے موجودہ فقہی مذاہب میں پانچ مذہب تو مشہور ہیں یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اور اہلحدیث، دوسری اور تیسری صدی ہجری میں فقہ کے اور بہت سے ایسے امام مجتہد تھے جو کسی فقہی مذہب کے بانی تھے اور اُن کے خاص اجتہادات تھے، جیسے سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ، مگر مناسب فضا اور موافق آب و ہوا نہ ملنے کے سبب سے ان کے اجتہادات کو زندگی نہ مل سکی، اور نہ اُن کے مذاہب کو فروغ نصیب ہوا، اور اُن کے مسائل و تحقیقات کا ذخیرہ صرف کتابوں میں مدفون ہو کر رہگیا،

بہرحال ان تمام مذاہب میں احکام فقہی کا ماخذ اور اصل و اساس چار چیزیں مانی گئی ہیں، کتاب (قرآن پاک) سنت (احادیث) اجماع (اتفاق اہل علم) اور قیاس، قیاس کے معنی یہ ہیں کہ جو نیا مسئلہ ایسا پیش آئے جس کا جواب کتاب، سنت اور اجماع سے نہ مل سکے، اُس کو ان تینوں میں کسی ایک میں جو مسئلہ ایسا بیان ہو چکا ہو، جو اس کے مشابہ اور نظیر ہو اُس پر وہی حکم لگا دیں، جو اُس مشابہ اور نظیر کا تھا،

مگر اس کے بعد ان مذاہب کی دو قسمیں ہوئیں، جنکو عام طور سے اہل حدیث اور اہل الرائے کہتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل حدیث وہ ہیں جو صرف حدیث پر عمل کرتے ہیں، اور اہل الرائے وہ ہیں جو مسائل میں عقل و قیاس و رائے کو دخل دیتے ہیں حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ عقل و قیاس و مصلحت

وراے سے اہل حدیث کی جماعت بھی خالی نہین

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ مین ان دونون مین جو فرق بتایا ہے، اور ان دونون مطلقات کے درمیان جو امتیاز دکھایا ہے وہ بڑی نکتہ دری اور دقیقہ شناسی پر مبنی ہے، وہ فرماتے ہین کہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات مین دو راہین اختیار کین، ایک نے تمام منصوص احکام کو سامنے رکھکر اُن مین مناسب مصلحتون اور حکمتون کو دیکھکر اصول وضع کرلیے، اور ان اصول کے مطابق ہر نئے مسئلہ کا جواب دیا، اور اگر کوئی حدیث اُن اصول کے خلاف نظر آئی تو گویا اُن اصول کلیہ کو پیش نظر رکھکر اس ایک حدیث کو لائق التفات نہین سمجھا، دوسرے فریق نے یہ اصول کلیہ نہین وضع کیے، بلکہ ہر حکم اور ہر ایک حدیث کو فرداً فرداً علحدہ علحدہ نظر سے دیکھا، اور اس سے مسائل کا استخراج کیا، پہلا فرقہ اہل الراے اور دوسرا اہل حدیث کہلاتا ہے،

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، امام مالک، بلکہ امام شافعی بھی اہل الراے ہین، امام احمد بن حنبل، امام بخاری ترمذی، وغیرہ اہل حدیث ہین،

ان مجتہدین کبار مین ایک اور فرق بھی نمایان ہے، اصل یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری تک چونکہ عہد نبوت سے فصل زیادہ نہ تھا اور صرف دو نسلین بیچ مین گذری تھین اس لیے لوگون کے علم کا مدار، روایت پر نہین، بلکہ عمل پر تھا، اور یہی سبب ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی کے وسط مین تھے اور صحابۂ کرامؓ کے صرف ایک واسطہ سے شاگرد تھے، یہ اصول قائم کیا تھا کہ "عمل اہل المدینۃ حجۃ" یعنی مدینہ والون کا متفقہ عمل بھی حجت ہے، کہ وہ اس وقت تک نبوت معصومہ، خلافت راشدہ، اور صحابۂ کرامؓ کی تعلیمات و تلقینات اور عملی زندگی کا ہو بہو نقشہ تھا، الغرض اس عہد تک صحابۂ کرام سے براہ راست فیض پانے والے زندہ تھے، اس لیے ان کو دیکھکر ان کے فعل و عمل سے استناد، ان کے نزدیک تنہا روایت سے کہین زیادہ معتبر اور مستحکم ذریعہ تھا،

پوری ایک نسل کے بعد امام شافعی کا زمانہ آیا، اور اُن کی پوری ایک نسل کے بعد امام احمد بن حنبل کا زمانہ آیا، یہ وہ عہد تھا جب لوگون کی عملی زندگی مین تغیر آچکا تھا، عباسی حکومت کے دور مین قومون کے اختلاط، علوم

کے ترجمے، اور ملحدین و زنادقہ کی پیدائش نے مذہبی فتنہ و فساد کے دروازے کھولدیے تھے، ایسی حالت مین امام شافعی پہلے شخص ہین، جنھون نے روایات مین موقوف و مرسل و منقطع اور مرفوع و مسلسل کے امتیازات پیدا کئے، ورنہ ان سے پہلے موقوف و منقطع و مرسل اور صحابہ اور تابعین کے آثار اور طرز عمل پر بنیاد قائم تھی اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری سے پہلے حدیث کی جو کتابین مدون ہوئین، اُن مین مرفوع و مسلسل حدیثون سے زیادہ، آنحضرت صلعم کی سنت فی کے ساتھ ساتھ صحابہ کے آثار اور عمل بکثرت قلم بند ہوے، چنانچہ موطا امام مالک، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، مسند دارمی وغیرہ مین زبانی مرفوع و مسلسل روایات کے بجاے اکابر صحابہ و تابعین کے آثار و اعمال کی کثرت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قولی احادیث کے بجاے، عملی صورت و کیفیت خواہ وہ صحابہ ہی کی کیون نہو، اُن کی نگاہ مین ان کی اہمیت زیادہ تھی، اور گویا آثار کو اخبار پر بھی اپنے ثبوت و صحت مین ترجیح حاصل تھی،

امام شافعی نے نظریہ اور امام بخاری نے عمل کرکے اس اصول کو پلٹ دیا، اور یہ کہکر کہ رسول کے قول کے مقابلہ مین کسی کے قول اور عمل کا اعتبار نہین، روایت کو سنت پر، خبر کو اثر پر، اور قول کو عمل پر ترجیح دی، اس تشریح کے روسے امام ابو حنیفہ اور امام مالک آثاری، اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اخباری ہین،

ان بزرگون کے بعد اصفہان کے امام داؤد پیدا ہوے، ان کی ولادت ۲۰۲ھ مین کوفہ مین ہوئی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ کے شاگرد تھے، ۲۷۰ھ مین وفات پائی، ان کا مسلک صرف یہی نہ تھا کہ خبر کو اثر پر، روایت کو سنت پر، اور قول کو عمل پر ترجیح ہے، بلکہ اُن کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ قیاس و راے اور نظیر کی کوئی شرعی حیثیت نہین ہے، اور نہ وہ اجتہاد و استنباط کی کوئی اصل ہے، کہ اصول صرف تین ہین، کتاب، سنت، اور اجماع اور اجماع بھی صرف صحابہ کا معتبر ہے۔ اس کے بعد کوئی اجماع اجماع نہین بلکہ مسلمانون مین اختلاف کا دور شروع ہو گیا تھا، اس لیے صرف اُن مسائل کا اعتبار ہے، جو قرآن یا حدیث صحیح مرفوع و مسلسل مین مذکور ہین یا جن پر صحابہ کا اجماع ہوا ہے، تمام آیندہ مسائل کے حل کرنے کے لیے رسول نے وحی قرآنی، یا اپنی تشریح زبانی (حدیث) کے ذریعہ سے جو شریعت پیش کی ہے، یا اُس کے بعد جن باتون پر صحابہ نے اجماع کیا ہے، وہ تنہا کافی ہین، اور جو امور ایسے

پیش آئین جن کے متعلق قرآن و حدیث و اجماع مین کچھ نہین ہے، وہ شرعاً جائز ہین، کہ اصل اشیاء مین جواز ہے تاآنکہ شریعت اُن کو حرام یا ناجائز نہ بتائے،

امام داؤد کی فقہ نے بھی کافی اشاعت حاصل کی، انتہا یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بیچ مین سندھ مین ان کے پیروون کی کافی تعداد تھی، اس طرح دوسری طرف دنیاے اسلام کے دوسرے گوشہ اندلس مین اس کے حامی اور طرفدار موجود تھے، چونکہ یہ قیاس، راے اور نظر کے منکر تھے، اس لیے لوگون نے ان کو ظاہریہ (ظاہر پرست لفظ پرست) کہنا شروع کیا، اور امام ربانی کی نسبت سے ان کو داؤدیہ کہا گیا،

اس فقہی مذہب کے سب سے بڑے علمبردار اندلس کے مشہور عالم علامہ ابن حزم ظاہری تھے، ان کا نام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم تھا، یہ اندلس کے خاندانِ وزارت سے تھے، خود بھی وزیر رہ چکے تھے، معقول و منقول، دونون کے امام، اور علم حدیث، رجال، انساب اور کلام کے متبحر فاضل تھے، دنیا کے تمام فرقی و مذاہب پر اُن کی نظر وسیع تھی، علم کلام مین الفصل فی الملل والنحل اُن کی مشہور کتاب ہے، جو عام طور سے چھپی ہوئی ملتی ہے، اس مین اُنھون نے فلاسفہ، حکما، ملحدین، یہود، نصاریٰ، اور اہل سنت کے علاوہ دوسرے اسلامی فرقون پر نقد و تبصرہ کیا ہے، اور اُن کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور اہل سنت کے عقائد کو بدلائل عقلی ثابت کیا ہے،

وہ اپنی تحقیقات مین نہایت آزاد تھے، قرآن پاک اور سنت صحیحہ کے علاوہ دنیا مین کسی کے قول کو وہ حجت نہین سمجھتے تھے، اور نہ کسی کے کلام کو بلا دلیل مانتے تھے، بڑے بڑے امامون کے اقوال کو وہ نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیتے تھے، اور جو بات اُن کو دلائل سے حق معلوم ہوتی تھی، اس کے اظہار مین وہ دنیا کی کسی قوت سے نہین ڈرتے تھے، اور نہ عام مسلک کے خلاف راے ظاہر کرنے مین حکومت وقت کی مصلحتون یا جمہور عوام کے جذبات کی پروا کرتے تھے، ایک بے نیام تلوار تھی جو اُنکے نزدیک حق کی نصرت اور باطل کی شکست مین آگے پیچھے داہنے بائین ہمیشہ اپنا وار کرتی رہتی تھی، اسی لیے عام طور سے یہ مثل ہوگئی ہے کہ یوسف بن حجاج ثقفی کی تلوار اور ابن حزم کی زبان، دونون سگے بھائی ہین،

ؔ سفرنامۂ بشاری مقدسی ذکر اقلیم سندھ۔

عقائد و تحقیقات کے اس بے پروایانہ اظہار، اور دوسرے بزرگون کے حق مین سخت سے سخت الفاظ کے استعمال پر حکومت کی مصلحت نے مجبور کیا کہ وہ ان کو جلا وطن کرے، ان کی عمر کا اچھا خاصہ حصہ انکی اس زبان درازی اور صاف گوئی کی بدولت بادیہ گردی مین گذرا، اور سلاطین نے ان کو اپنی حکومتون مین پناہ دینے سے انکار کیا، لیلاے علم کے اس مجنون نے آخر اسی صحرانوردی کے عالم مین جان دی، سنہ ۴۵۶ھ مین وفات پائی، رجال و انساب، فقہ، حدیث اور علم کلام مین تصنیفات کا بڑا ذخیرہ چھوڑا، جنمین سے علم کلام مین ملل و نحل جسکا ذکر اوپر گذرا، اس وقت تک چھپی تھی، پھر اصول مین احکام چھپی، مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اب فقہ مین ان کی کتاب محلّی بھی چھپنی شروع ہوئی ہے،

ہم کو جب سے علمی ہوش آیا ہے، کم کسی نادر کتابون کے شائق صاحب علم سے کتابون کا ذکر آیا، کہ اس نے ابن حزم اندلسی کی محلّی اور ابن عبد البر اندلسی کی تمہید اور استذکار کا ذوق و شوق ظاہر کیا ہو، لیکن جب سنا تو یہی سنا کہ کہین ان کی ایک جلد ہے، کہین ایک ٹکڑا ہے، کہین ان کے کامل نسخہ کا بھی پتہ نہین چلا، مگر خدا جزاے خیر دے مصر کے اہل علم اور اہل مطابع کو کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قدماے سلف کی اہم تصانیف کو شائع کرتے رہتے ہین، ابھی حال مین مصر کے چند علما، اور فضلا، نے مل کر قدیم مذہبی تصانیف کی اشاعت کی کوشش کی ہے، اور مطبعۂ سلفیہ اور مطبعۂ منیریہ کے نام سے دو مطبع خاص علماے حدیث کی تصنیفات شائع کر رہے ہین،

مطبعۂ منیریہ، محمد منیر عبدہ آغا دمشقی کی ملکیت ہے، اور انھین کے نام کی طرف منسوب ہے، اور اب تک تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام مین چالیس پچاس کتابین نئی یا دوبارہ اس نے چھاپی ہین، جنمین سے قابل ذکر تفسیر روح المعانی آلوسی حنفی، تفسیر سورۂ نور ابن تیمیہ، تفسیر معوذتین ابن قیم، بدائع الفوائد ابن قیم، الفوائد فی التصوف ابن قیم، نیل الاوطار شوکانی، ارشاد الفحول شوکانی، شرح مہذب نووی، تہذیب الاسمار واللغات نووی، احکام الاحکام ابن دقیق العید، الموافقات فی اصول الاحکام شاطبی، ایضاح الدلالة فی عموم الرسالة ابن تیمیہ، کتاب النبوات ابن تیمیہ، جامع بیان العلم ابن عبد البر، الروض الباسم

عن سنۃ ابی القاسم یمانی، تلبیس ابلیس ابن جوزی، فضل السلف علی الخلف ابن رجب حنبلی، الخشوع فی الصلوٰۃ ابن رجب حنبلی، ذم الموسوسین حازمی، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار حازمی، مفاتیح العلوم خوارزمی، سنن ترمذی مع تعلیقات، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ سیوطی، اور محلی ابن حزم وغیرہ کتابین ہین، دوبارہ کتابین وہی چھاپی گئی ہین جنکا طبع اوّل مفقود اور نایاب ہو چکا تھا،

ان کتابون مین سے اس وقت ہم کو جس کتاب کا ذکر کرنا ہے وہ ابن حزم کی محلی ہے، یہ عقاید اور فقہ مین ایک بے نظیر کتاب ہے، متعدد جلدون مین ہے، اس وقت تک اس کی دو جلدین شائع ہو چکی ہین، پہلی جلد توحید و عقاید سے لیکر طہارت، وضو اور نواقض وضو تک، اور دوسری غسل، موزون پر مسح، نماز اور نفل نماز تک کے مسائل پر مشتمل ہے، باقی جلدین زیر طبع ہین، اس کتاب کی تصحیح و مقابلہ اور تعلیق اور تحشیہ کی خدمت شیخ احمد محمد شاکر قاضی شرعی عدالت مصر نے انجام دی ہے، اسکی تصحیح و نقل کے لیے ایک نسخہ مصر کا ہے، اور دوسرا لیدن سے آیا ہے، قاضی صاحب موصوف نے حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی تصحیح و تعلیق مین بڑی محنت اور جانفشانی کی ہے، اور سچ یہ ہے کہ اپنی تلاش و جستجو اور وسعت نظر کا بہت بڑا ثبوت پیش کیا ہے، جس قدر کتاب مین حدیثین ہین کتب حدیث سے مقابلہ کرکے ہر ایک کی تخریج کی ہے، اور مطبوعہ کتابون سے ہر حدیث کی جلد اور صفحون کا حوالہ دیا ہے، اختلافات بتائے ہین، صحابہ، تابعین، اور دوسرے رجال کے حالات کی تفتیش کی ہے، اور ان کے ماخذ و مراجع کا نشان دیا ہے، نامانوس لغات کی تحقیق کی ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کی ہے کہ دوسرے مجتہدین پر مصنف کے بے پناہ اعتراضات، اور بے روک حملون پر تبصرہ کیا ہے، اور اسکی غلطیون کو جا بجا واضح کیا ہے، اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے علاوہ مصر مین آجتک اس طرح کوئی کتاب اس اسلوب سے اڈٹ ہو کر شائع نہین ہوئی،

ابن حزم نے اپنی آزاد تحقیقات، اور غیر مقلدانہ اجتہادات مین جو روش اختیار کی اسکو بہت کم اہل علم نے پسند کیا، خود محلی مین وہ نہایت بیباکی اور صفائی کے ساتھ ہر مسئلہ مین یہ کہتے چلے جاتے ہین کہ اسمین ابوحنیفہ نے

یہ غلطی کی، شافعی نے یہ خطا کی، مالک نے یہ قصور کیا، ابن حنبل سے یہ لغزش ہوئی، سفیان نے دھوکا کھایا، اوزاعی نے یہ غلط کہا، اور ہر ایک کی غلطی اور اپنی صحت پر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے چلے جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے اس اندھا دھند سب کی غلطیوں کے پکڑنے میں خود اپنی غلطی کا میدان کتنا وسیع ہوجاتا ہے، اور دوسروں کی لغزش دکھانے میں خود اپنی لغزش کا کتنا ڈر رہتا ہے، چنانچہ ابن حزم کی خود اپنی غلطیاں بھی بے لاگ محققین کی نگاہ میں کچھ کم نہیں ہیں، تاہم مجتہدانہ تحقیق کی قوت، اور استدلال کا زور، تقلید محض کی کمزوری سے علم کے شائق اور بحث و نظر کے طالب کو زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز معلوم ہوتی ہے،

ملل و نحل کی طرح محلی میں بھی اُن کی بیسیوں رائیں ایسی ہیں، جو جمہور ائمہ کی رایوں کے خلاف ہیں، ملل و نحل میں عورت کی نبوت کے امکان، اور سحر و جادو کے بے حقیقت ہونے کو جس طرح لکھا ہے، محلی میں بھی اس قسم کی رائیں بکثرت نظر آتی ہیں، مثلاً گو ابھی محلی کی نکاح والی جلد شائع نہیں ہوئی ہے، تاہم جیسا کہ ابن حجر نے نقل کیا ہے، ابن حزم نابالغ لڑکے کے نکاح کو ناجائز کہتے ہیں،

محلی کی پہلی جلد میں پہلے توحید یعنی عقائد کا باب ہے، جو پچاس صفحوں میں ختم ہوا ہے، اس میں بہت سی باتیں مسلک عام کے خلاف ہیں، مثلاً

(۱) نفس اور روح دونوں ایک ہیں، (ص ۵)

(۲) موت کے بعد قبر میں جسم زندہ نہیں ہوتا، بلکہ صرف روح پر عذاب ہوتا ہے، جسم کی دوبارہ زندگی قیامت تک ہوگی، موت کے بعد قبر میں عذاب کے لیے روح کا پھر بدن میں لوٹایا جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، صرف ایک حدیث ہے جس کا راوی منہال بن عمرو ہے، جو قوی نہیں، (ص ۲۱ و ۲۲)

(۳) روح کو فنا نہیں، نہ وہ کسی دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے، بلکہ وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے، اور اس میں عقل و احساس قائم رہتا ہے، اور وہ اپنے عمل کے مطابق آرام یا تکلیف میں رہتی ہے، قیامت تک اسکا یہی حال ہوتا ہے، قیامت میں روح اپنے بدن میں داخل ہو کر جنت یا دوزخ میں جائیگی، صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی روحیں، موت کے بعد

ہی جنت مین رزق و نعمت پاتی ہین، (ص ۲۵ و ۲۶)

(۴) خدا محالات پر بھی قادر ہے، محال انسان کے لحاظ سے ہے، خدا کے نزدیک کوئی چیز محال نہین (ص ۳۳)

(۵) خدا کے ہاتھ، منھ، آنکھ وغیرہ اعضا ہین، اور ان مین تاویل جائز نہین (ص ۳۴)

(۶) قیامت مین خدا کے نیک بندے جو خدا کے دیدار سے سرفراز ہونگے، انکی یہ رویت انکی موجودہ دنیاوی قوت کے علاوہ کسی اور قوت کے ذریعہ ہوگی، (ص ۳۴)

(۷) خوارق و معجزات کا ظہور صرف انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہی، اور اُن کیلئے تحدی شرط نہین (ص ۳۶)

(۸) سحر اور جادو صرف حیلہ گری اور نظر بندی ہے، اس مین قلب ماہیت نہین ہوتا، وہ صرف تخیل کا نام ہی (ص ۳۷)

(۹) جنت مین انبیاء علیہم السّلام کے بعد اُنکی ازواج مطہرات کا درجہ ہوگا، اُنکے بعد تمام صحابہ کا درجہ ہی (ص ۴۴)

(۱۰) تمام دنیاے اسلام مین ایک وقت مین صرف ایک امام ہونا چاہئے، اور اُس امام کی بعیت ہر مسلمان پر فرض ہی، اور ایک امام کے مرنے کے بعد تین دن سے زیادہ مسلمانون کا بے امام ہونا جائز نہین بلکہ اتنی تاخیر بھی درست نہین (ص ۴۵)

(۱۱) خضر علیہ السلام بھی انبیا مین سے ایک تھے، اور وہ وفات پا چکے، (ص ۵۰)

(۱۲) لیکن ان سب سے زیادہ عجیب ابن حزم کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق ہی، وہ گو عام مسلمانون کی طرح یقین رکھتے ہین کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوے، (ص ۱۰) اور یہ بھی یقین رکھتے ہین کہ وہ قیامت کے قرب مین نازل ہونگے (ص ۹) لیکن دوسری طرف جمہور کے خلاف یہ کہتے ہین کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وفات پا چکے یعنی مرچکے لکھتے ہین،

وان عیسیٰ علیہ السلام لم یقتل ولم یصلب ولکن توفاہ اللہ تعالیٰ عز وجل ثم رفعہ الیہ. وقال عز وجل (وما قتلوہ وما صلبوہ) وقال تعالیٰ (انی متوفیک و رافعک الی) وقال اللہ تعالیٰ عنہ انہ	اور عیسیٰ علیہ السلام نہ تو مقتول ہوے، اور نہ ان کو سولی دیگئی، بلکہ خدا نے اُن کو وفات دی، پھر اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (نہ تو یہود یون نے عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ سولی دی) اور حضرت عیسیٰ کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ (مین تجکو وفات دینے والا ہون اور تجکو اپنی

قال (وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شئ شهيد) وقال تعالى (الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها) فالوفاة قسمان نوم وموت فقط ولم يرد عيسى عليه السلام بقوله (فلما توفيتني) وفاة النوم فتعين انه انما عنى وفاة الموت ومن قال انه عليه السلام قتل او صلب فهو كافر مرتد حلال دمه وماله لتكذيبه القرآن وخلافه الاجماع (ص ۲۳)

طرف اٹھانے والا ہون) اور خدا حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتا ہے کہ انھون نے عرض کی کہ (اور مین اُن پر گواہ تھا جب تک مین اُن مین تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو تو اُن کا نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ ہے)، اور خدا فرماتا ہے (کہ خدا وفات دیتا ہے جانون کو اُن کی موت کے وقت، اور جو نہین مرتی ان کو نیند کے وقت)، اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے قول (جب تو نے مجھے وفات دی) سے نیند کی وفات مراد نہین لی، تو صحیح یہ ہے کہ انھون نے موت کی وفات مراد لی، اور جو یہ کہے کہ وہ قتل ہوے یا سولی پائے وہ کافر ہے، مرتد ہے، اُس کا خون اور اس کا مال حلال ہے، کہ وہ قرآن کو جھٹلاتا اور اجماع کی مخالفت کرتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید مرحوم سے پہلے بھی کچھ علماء اس مسئلہ مین ان کے ہم آہنگ گذرے ہین، اور آج کل جو لوگ اس مسئلہ کو کفر اور اسلام کا معیار بنا رہے ہین، وہ افراط و تفریط مین مبتلا ہین،

خیابانِ دانش

تیسرا باب،

بسلسلۂ گذشتہ

(فلسفہ کا مطلق فائدہ)

از مولوی ابوالقاسم صاحب سرور، دارالترجمہ حیدرآباد دکن

عنوانِ بالا مین مطلق کا لفظ آگیا ہے، پہلے اس کی توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے، فلسفہ کی اصطلاح مین کسی شے کو قیود سے معرّا اور آزاد رکھکر اس کی تعمیم و عمومیت باقی رکھنے کا نام مطلق ہے، مثلاً زید کی قومیت، مذہب، پیشہ، تمول و عدمِ تمول، صحتِ اعضا یا عدمِ صحت، حسنِ شمائل یا اس کا عکس، عالم یا جاہل وغیرہ وغیرہ یہ سب قیدین ہین، ان سب سے اگر قطع نظر کرکے ذاتِ زید سے صرف انسانیت کا مفہوم مراد لیا جائے تو اسے مطلق کہین گے، اس تصریح سے عنوانِ بالا کا مفہوم صاف ہو گیا کہ یہان فلسفہ کے اقسام وغیرہ سے بحث نہین بلکہ عام طور پر فلسفہ کی سودمندی کا اظہار مدِ نظر ہے اور فلسفہ سے بغیر کسی قسم کی تخصیص کی حدبندی کے تعمیم و عمومیت مرکوز ہے۔

اصل بحث سے پہلے ابھی علوم مختلفہ کے فوائد کی نسبت کچھ کہنا ہے، مذاقِ عام نے فوائدِ علوم کی جو فہرست مرتب کی ہو اس مین پہلا نمبر اُن علوم کا رکھا ہے جن سے معیشت کی تھیلیان سونے کے پھلون اور چاندی کے پھولون سے بھری رہین، عوام کے نزدیک راس المال اور معیارِ التفات وہی علم سمجھا جا سکتا ہو جو افلاس کے درد کی دوا ہو، اور مادی جلبِ منفعت کے سکے جس سے برابر ڈھلتے رہین، یہ سوقیانہ مسلہ عام طبیعتون کے لیے کیسا ہی طمانیت بخش اور سکون آور کیون نہ ہو، لیکن ایک بالغ نظر کبھی بھول کر بھی اس ننگ و عار کو گوارا نہین کر سکتا کہ فوائدِ علوم کا معیار ایسا پست و فروتر قرار دیکر دامنِ روحانیت مادیت کے بدنما دھبون کے لیے وقف کردے

اصل حقیقت یہ ہے کہ رجحانِ عام کے عکس ونقیض وہ علوم جنہین ظاہری منفعت کا درجہ نہایت فروتر ہے، اربابِ نظر نے انھین کی اولیت وافضلیت تسلیم کی ہے،کسی شے پر منفعت بخش یامضرت رسان کا اُس وقت تک اطلاق نہین ہوسکتا جب تک اس شے کی غایت مفید یاغیر مفید ہونے کی تعیین نکردیجائے،جس کے اکتساب کے لیے وہ شے کارآمد تصور کی جاتی ہے،مطلق یا اضافی یہی دو قسمین ہر شے کی منفعت کی ہوسکتی ہین،کسی علم کے حاصل کرنے سے ذہنی نشو ونما مین اگر آثارِ ترقی ظاہر ہون تو یہ منفعت مطلق ہوگی،اوراگر یہ تحصیل واکتساب علوم کی اوراور شاخون کی معرفت اوراس کی تحصیل کی معاون ہو تو اسے منفعت اضافی سے تعبیر کیا جائیگا،

منفعت مطلقہ کی بھی دو صورتین ہین،داخلی اورخارجی،کسی علم کی تحصیل سے ذہن کی قوتون کو بیدار کرکے ترقی کے راستہ پر لانے کا نام داخلی ہے اوراس کی وساطت سے کچھ تھوڑی بہت واقفیت کی سوغات کا ذہن تک پہنچنے کو خارجی کہتے ہین،کوئی سودمند چیز اس وجہ سے لائقِ قدر ومنزلت نہین قرار پاسکتی کہ اس مین کوئی منفعت کا عنصر پوشیدہ ہے،جو منزلت وعزت کا باعث ہوتا ہے بلکہ اس کی اصل علت یہ ہے کہ وہ شے مفید کسی اورمفید تر شے کی تحصیل کا ذریعہ ہے،جوافراد اس اصول کے ماننے پر بھی فلسفہ کی عملی منفعت کے کھلم کھلا منکر ہین،مغرب کے ایک نقاد نے اس عدمِ تسلیم کی دو وجہین بیان کی ہین،

پہلی وجہ یہ کہ منکرین کے نزدیک نوعِ انسان خود اپنی ذات کی آپ غایت نہین،بلکہ اُس کی ہستی اُس سے علٰحدہ ایک اور شے خارج کے لیے معرض وجود مین آئی ،

دوسری وجہ یہ کہ معارضین کی نظر مین کسی شے کی صرف واقفیت حاصل کرلینا ذہنی ترقی کے مقابلہ مین گران وزن ہے،

پہلی وجہ کی تردید اس طرح کی ہے کہ انسان حقیقۃً خود اپنی ذات کی آپ غایت ہے،اس بنا پر کہ یہی ذات سرمدی کا مظہر اوراس کی آفرینش کی علت آخرین ہے،انسان کی ذات جس حد تک تکمیلِ اخلاق اور تہذیب کے زیور سے آراستہ ہوگی اُسی حد پر اوصافِ ربانی کے مرکز اور جمالِ یزدانی کے مظہر کا اس پر اطلاق آسکے گا،اور یہ

بنا پر کہ اصل علت تخلیق یہی ہے کہ انسان اوصافِ ربوبیت کا حامل اور بقدر امکان اس کی ترجمانی مین مصروف منہمک رہے، بتدریج اپنی ذات کو مدارجِ تکمیل پر پہنچانا اور اس کمال سے حقیقی مسرت و انبساط کا اندوختہ فراہم کرنا وجود انسانی کا ماحصل یہی ہے، نوع انسانی کا ہر فرد آپس مین ایک دوسرے کے لیے کسی منفعت و صنعت و حرفت یا دستکاری یا کسی اور پیشہ کی بدولت تعاون و نفع رسانی کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا ہے، بہ لحاظ اصل غایت اور بہ اعتبار ذریعہ یا آلہ مدارجِ کمال پر فائز ہونے کے لیے اس قسم کی تعلیم کارآمد کہی جا سکتی ہے، جس کی دو مختلف سیرگاہین ہون، ایک کسبی و اکتسابی، دوسرے آزاد،

قسم اول کے علوم مین نان و نمک کا سامان نظر آتا ہے جنھین اہل مغرب توس اور مسکہ کا ہوٹل کہتے ہین، لیکن بطور استثنا انھین اکتسابی علوم مین بعض ایسے بھی ہین جو قواے اعلیٰ کے معین و مددگار ہین، اسی بنا پر ایسے علوم کو پہلی قسم سے خارج کر کے دوسری قسم مین جگہ دی ہے،

علم طب چونکہ معین قواے اعلیٰ کی مثال مین شامل ہے، اس لیے اُسے قسم دوم مین شمار کیا جائیگا، بہر طور انھین علوم کا اکتساب حقیقی طور پر مفید و کارآمد کہنے کے قابل ہے، جو انسان کو کارآمد و مفید ذخیرہ کا سرمایہ دار بنا دے، مگر حقیقت کے اعتبار سے لفظ مفید کا یہ محلِ استعمال بھی پورے طور پر صحت سے ہمدوش نہین،

دوسری وجہ کی تردید اس طور پر کیگئی ہے کہ واقفیت حاصل کرنا اور قواے عقلی یا ذہنی کی بالیدگی و ترقی یہ دونون ایک چیز نہین ان مین کافی فرق کی دیوار حائل ہے، ذہن کے نشو و نما کے واسطے محض حصول واقفیت کچھ نفع بخش نہین بلکہ قواے عقلیہ کا خود استعمال اور ان سے برابر کام لینے پر اس کی ترقی و تکمیل کا انحصار ہے، بنظر تعمق دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قواے عقلی کی ترقی و تکمیل کے مقابلہ مین صرف واقفیت کی تحصیل نہایت ادون مرتبہ رکھتی ہے، نظری اور عملی علوم کے اکتساب و تعلم کا نصب العین صرف یہی ہے کہ خیالات اور قواے عقلیہ کو اس طرح غور و خوض کی محنت کا خوگر بنایا جائے جس سے ذہنی ترقی و تکمیل ہمدوش ہو، اس اکتساب سے صرف واقفیت کا حاصل کرنا ہرگز غرض و غایت نہین، یہی وجہ ہے کہ

جو علوم ترقی کی راہ مین پیشقدمی کررہے ہین اور جن کے آخری حد و د نظر سے اوجھل ہین، ان کے مطالعہ کی شوق انگیزی یونہی ہے کہ ابھی وہ پورے طور پر معلوم نہین، اگر ان کی حقیقت کا راز تمام کھل چکا ہوتا تو پھر تحصیلِ حاصل مین ذوق و شوق کی جگہ نفرت لے لیتی، مطلقاً کسی علم کے دائرہ فہم مین آجانے سے اس کی تحصیل کا خیال خوشگوار زحمتِ جستجو کا جذبہ دل مین پیدا نہین ہونے دیتا، لطف جب ہی آتا ہے کہ تلاش کے قدمون سے جتنی راہ طے ہو چکی ہے، وہ طے شدہ راستہ چونکہ کدوکاوش کا نتیجہ ہے، اس وجہ سے وہ بیش بہا خزانہ کی طرح معلوم ہوتا ہے اور اسی سے آگے بڑھنے کی ہمت ہوتی ہے، یہ خیال ذوق و شوق کے پر پرواز لگا دیتا ہے کہ اتنا حصہ تو قبضہ مین آچکا، اب باقی ہی کتنا ہے، خیال کی اس حوصلہ افزائی سے سخت سے سخت پیچیدگی سہل و سہل تر تصور ہی مین نہین معلوم ہوتی، بلکہ عملی میدان مین بھی اسی وزن و مقدار پر پوری اُترتی ہے، آگے کا راستہ چونکہ دیکھا بھالا نہین ہوتا اس لیے قدم قدم پر نا واقفیت کی ٹھوکرین کھانا اور سنگِ راہ دریافت کرکے علمی تجربہ کی ٹھوکر سے اُسے ہٹا دینا یا مصلحت وقتی کے اقتضا سے اس سدِ راہ سے کترا کر نکلنے اور اسی دُھن مین آگے بڑھنے مین جو کیف انبساط ہے وہ علوم معلومہ کے کسب مین نہین،

حقیقت یہ ہے کہ راہِ طلب مین سنبھل سنبھلکر گرنا اور گر گر کر سنبھلنے کا مزہ اہل ذوق ہی محسوس کرسکتا ہے، علمی رکاوٹون کے خارزار کو تحقیق سعی و کوشش کے دست و بازو سے چھانٹنے مین جو روحانی بالیدگی اور حقیقی نشاط و انشراح کی تلذذ آفرین کیفیت پیدا ہوتی ہے، مادی دنیا مین اس کی نظیر و مثال کے لیے، کوئی منظرِ مسرت ڈھونڈنے سے بھی نہین مل سکتا،

مجھرِ علمی بیداری، حقیقی ہوشیاری و ترقی اور تکمیل و کمال کا روحانی دلچسپ جمگھٹا گرد و پیش جمع کر دیتی ہے، اور وہی علم استحقاق منزلت رکھتا ہے جو انسان کے قوائے دماغی کو غور و خوض کی ورزش پر آمادہ کردے، اس معیار سے فلسفہ کو دیکھو کہ اس مین چارون طرف حقائق کے پر پیچ لق و دق میدان تصور کی حدِ نگہ سے بھی آگے تک پھیلے ہوئے ہین، خانوادہ دماغ کے نبرد آزما یعنی قوائے عقلیہ حقیقت کے ماننے

سربستہ کے دریافت کرنے کا بیڑا اٹھا کر حقائق کو بے نقاب دیکھنے کے شوق مین راستون کے ہیر پھیر کج و واکج مقامات، سنگلاخ راہون مین ان کی وہ ستم کی دوڑ دھوپ رہتی ہے کہ دم چڑھنے لگتا ہے، دانتون پسینہ آجاتا ہے، لوہے کے چنے چبانا پڑتے ہین مگر دامنِ ہمت ہاتھ سے نہین چھوٹتا، شوق کا یہ عالم کہ آثارِ منزل ناپدید، راہ مین سے راہ اور ایک راستہ مین سے نئے نئے راستے اور ہر راہ کے ایک جداگانہ پیچ وخم کا انکشاف اورصعوبتِ منزل تک پہنچنے کی دھن مین ان پر گران نہین گذرتی جتنی دشواریان پیچیدگیان سامنے آتی جاتی ہین، ان مختلف صعوبتون کی محض اطلاع اور ان کے معلوم ہو جانے کو ہی اس سفر کا زادِ راہ سمجھا جاتا ہے،

او پر بیان کیا جاچکا ہے کہ حقیقۃً سرمایۂ منفعت اور گنجینۂ منزلت وہی علم قرار دیا جاسکتا ہی جس سے قوائے عقلیہ محنت کے اکھاڑے مین غور تام کے ڈنڑ بیلین، اس معیار کے اعتبار سے منفعتِ علم کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ کو جانچو کہ اس علم سے بڑھکر قوائے عقلی کی ورزش اور کیا ہوگی، اس لیے کہ علتون کے استقصا سے معلولات کے علم حاصل کرنے کا نام فلسفہ ہے، اور اس لحاظ سے اُسے تجسُّسِ علل کے نام سے بھی موسوم کرسکتے ہین، کیونکہ ہر علت اپنے سے مافوق اور کسی علت کا معلول ہوا کرتی ہے، اگر یہی سلسلۂ جستجو باقی رکھا جائے تو انتہا مین علت العلل تک پہنچنا اس کا لازمی نتیجہ ہے، ہر ایک معلول کا پیکر دو یا کچھ زاید علتون کے عناصر سے تیار ہوتا ہے، کسی چیز کا نفسِ وجود اطمینان کے لائق نہین جبتک اس کی علت معلوم نہ ہو، یہ علم جستجوے علل کے اصول کی طرف رہبری کرتا ہے، کسی شے کا بغیر علت کے ظاہر ہونا بالکل غیر مفہوم طریقہ ہے، علت و معلول کا طویل سراغ علت اولی کے بامِ حقیقت تک پہنچا کر دم لیتا ہے، اگرچہ اسکی کنہ اور ماہیت فہمِ بشر کے لیے ایک غیر مفہوم امر کے مماثل ہے مگر تاہم وجود کی علت غائی یا علت تامہ کا ناقابلِ انکار سراغ ضرور ملتا ہے اور یہی حد نفس ناطقہ کے لیے باعثِ طمانیت تسلیم کیگئی ہے، غور و خوض کے میدان مین جتنا قدم آگے بڑھے گا اتنا ہی علل بعیدہ کا سامنا ہوگا اور ان مین سے تدریجاً ہر علت سادہ اور سادہ تر

دکھائی دے گی، ممکنات کی تحلیل دیر پا نہین ہوتی، یہ شمع تحلیل کے دو ایک ہی جھونکون سے گھل گھل کر بہت جلد ختم ہو جاتی ہے، اس کے مقابلہ مین تصورات یا خیالات کی قندیل زیادہ دیر پا ہوتی ہے، علت و معلول کی تلاش ہوتے ہوتے آخر مین وحدت مطلقہ کا سراپردہ آجاتا ہے جہان کل بشری قوی ہیچ و ناکارہ نظر آتے ہین، تو فلسفہ جستجوے علل کے اصول و قوانین کی تعلیم دیتا ہے، جس کی بدولت لم یلد ولم یولد کے حقیقی مصداق کی قربت تک رسائی ہوتی ہے،

ظاہر ہے کہ قواے عقلیہ کا غیر معمولی محنت برداشت کئے بغیر اس علم کا مدعا کب حاصل ہو سکتا ہے، اس بنا پر فلسفہ کے سودمند اور مفید ہونے مین ادنیٰ شک کی گنجایش نہین رہتی، اس کے ماسوا فلسفہ کی ایک خاص قسم (الٰہیات) کی وجہ سے بھی کوئی اور علم فلسفہ کی برتری تک نہین پہنچ سکتا، کیونکہ الٰہیات مین افضل ترا شیا کی مبسوط بحثین ہی اس کا آغاز و اختتام ہین، منزلت موضوع کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علت العلل واحد احد، ارواح انسانی اور ان کے مستقبل کی روداد کے لبریز حیرت تذکرون کے سوا مادیت کے ناکارہ رطب و یابس کا ایک حرف تک جس مین نہین آنے پاتا،

بزم مخلوقات مین نفس ناطقہ کی صدر نشینی، اس کی سحر طراز قدرت، علم نفس ناطقہ کی معرفت کا وحدت مطلقہ کی طرف رہبری کرنا، اور بقول بعض اثبات واجب کے قوی ادلہ کا نتیجۂ نفس ناطقہ سے دستیاب ہونا، فکر بشر کے منتہاے پرواز کی تعیین اور اس منتہا سے اس جانب کے پراسرار طلسم کی حدبندی جہان اس کی باریابی ممکن نہین یہ اسی مہر عالم افروز کی شعاعین ہین، اس بیان سے معلوم ہوا کہ فلسفہ ذہن کی صیقل، اس کی بالیدگی، نشو و نما، ترقی و تکمیل کا بہترین سبب و ذریعہ ہے،

ارسطاطالیس، فلسفہ کے متعلق کہتا ہے کہ طلب علم مین قوائے دماغی کا محنت تجسس کا خوگر ہو فلسفہ کی یہی غایت اصلی ہے، نہ کہ صرف مجرد علم، بحث بالا مین ترقی کا لفظ بہ کثرت آیا ہے اس کے متعلق فقط اتنی ہی توضیح کفایت کرتی ہے کہ ترقی ذاتی جد و جہد کا کرشمہ اور ہمت ذاتی کے نہال بارآور

عمل نوشگفتہ ہے، اکتساب وتحصیل سے انسانی ادراک کے دست و بازو ہمت کی طاقت سے جتنے قوی ہون گے اسی حد پر تعلیم اپنے مدعا اور حقیقی نصب العین سے قریب تر ہو جائے گی،

ہر فرد بشر کا بغیر تخصیص فرض اولین یہی ہے کہ اپنی ذات کا خود معلم بنے تجربہ کے فلاسفر کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے نہایت مستعدی اور عرق ریزی سے تمام وکمال درسیات دانش نکال کر وسیع سرمایۂ فہم وخرد فراہم کرے، ہمت افزائی کی ترقی اور کیفیت پیدا کرنے کے لیے پہلے طالب کے حرکات وسکنات کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ ذہنی تفکر کی سلسلہ جنبانی کی طرف مائل اور اس پر عامل بھی ہے کہ نہین، نفی کی صورت مین ترغیبات کے ذریعہ سے اس کی توجہ والتفات اس طرف منتقل کر دینا غیر ممکن نہین ممکن ہے،

موجودہ فرمانروایان عرب

(۴)

نو زیر حمایت قبائل،

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

انگریزی سیاست ایک ننھے سے زندہ جسم کی طرح ابتدا میں بہت چھوٹی سی شکل میں پیدا ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ترقی کرتے کرتے ایک دیو ہیکل شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے، شروع میں دوستانہ معاہدہ ہوتا ہے، پھر اس میں وقتاً فوقتاً نہایت غیر محسوس طور پر قیود کا اضافہ ہوتا جاتا ہے کہ اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے، اور جب معاہد اس کے ذریعہ سے گرفت میں آگیا تو پھر جنبش نہیں کر سکتا، یہ ایک عام اصول ہے، جو عموماً برتا جاتا ہے، اور بہت کامیاب ثابت ہوتا ہے،

اس عام اصول کے علاوہ ملک کی حالت کے لحاظ سے اور بھی مختلف نسخے استعمال ہوتے ہیں، ان ممالک میں جہان زیادہ جہل وجمود اور لامرکزیت ہے" ورق نقرہ" کا استعمال تیر بہدف ثابت ہوا ہے، بحر عرب کے ساحل اور حضرموت اور یمن کی سرحدون پر مثلث نمار قبہ میں اسی قسم کے قبائل آباد ہیں، اور انھین قبائل کے انقیاد و سرکشی پر بحر عرب کی بندرگاہون کے امن و بدامنی کا دار و مدار ہے، ان میں سے بعض راہزن ہیں قتل و غارت گری ان کا پیشہ ہے لیکن اکثرون میں یہ وحشت نہیں ہے، لیکن جنگجو اور سرکش سب ہیں، انگریزون نے ان سب کو وظائف پر لگا رکھا ہے، اس لیے ان کی بندرگاہین محفوظ ہو گئی ہیں، اور بوقت ضرورت یمن کے مقابلہ میں بھی یہ کام میں لائے جا سکتے ہیں،

ابتدا میں ان سے دوستانہ معاہدہ ہوا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ سب زیر حمایت آ گئے، سب سے

پہلے عربی سے معاہدہ ہوا کہ ہم ایک دوسرے کے دوست ہین اور امن و امان اور باہمی امداد کا عہد کرتے ہین، ہمارے مقاصد اور دلی خواہشات متحد ہین، عدن مین ہمیشہ امن رہیگا، اگر انگریز ہمارے قبیلہ کے کسی آدمی کو یا ہم کسی انگریز کو پکڑینگے، تو اسکو کسی قسم کی تکلیف نہ دیجائے گی اور نہ اہانت کیجائیگی، پھر ۱۸۳۹ء مین یوافع اور حواشب وغیرہ کے ساتھ اسی قسم کے معاہدے ہوے، لیکن ان مین مزید شرائط کا اضافہ ہوگیا، جنمین ان کے اختیارات اور آزادی کی تحدید ہوتی گئی، مثلاً قبیلہ کا سردار خواہ وہ شیخ ہو یا سلطان سلطنت برطانیہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسری سلطنت سے نہ خط و کتابت کرسکتا ہے، نہ معاہدہ کرسکتا ہے، نہ ان سے کسی قسم کی مالی اور غیر مالی امداد لے سکتا ہے، اور نہ اپنی ملکیت کا کوئی حصہ کسی بیرونی سلطنت کو کرایہ پر یا رہن مین یا عطیہ کے طور پر دے سکتا ہے، اس معاہدہ نے قبائل کے بیرونی تعلقات کو بالکل منقطع کردیا اور اس کے بدلہ مین مرتبہ کے اعتبار سے قبیلہ کا وظیفہ مقرر ہوگیا،

لیکن ابھی آزادی کا تسمہ باقی ہے، کیونکہ قبائل اندرونی معاملات مین آزاد ہین، لیکن ان کی باہمی آویزش کے تصفیہ مین یہ تسمہ بھی باقی نہین رہتا، آزاد قبائل ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہین، خاص طور پر عربی قبائل تو اس وصف مین مشہور ہین، چنانچہ جب کسی ایسے دو قبیلون مین جو انگریزون کے وظیفہ خوار ہین کوئی اختلاف رونما ہوا، تو وہ فوراً ثالث بن گئے، اس ثالثی سے ان کو کافی فائدہ پہنچ گیا، انھون نے دونون کے حدود مقرر کرکے پتھر نصب کردیا، لیکن ان کی زیر سرپرستی جو صلح ہوئی اس مین ایک فریق کو اپنا نقصان محسوس کرنا ایک فطری امر ہے، چنانچہ یہ فریق ان کے مقرر کردہ حدود توڑ دیتا ہے اور دوسرا فریق صلح کی آڑ پکڑ کے لڑتا ہے اور چونکہ انگریز ثالث تھے اس لیے ان سے امداد کا خواہان ہوتا ہے، چنانچہ یہ ان کی امداد کرتے ہین اور اس امداد سے حمایت کا دور شروع ہوجاتا ہے اور جو قبیلہ پہلے برابر کا معاہد تھا وہ زیر حمایت آجاتا ہے، اس قسم کے زیر حمایت قبائل کی تعداد نو ہے، ان کے مختصر حالات یہ ہین،

صبیحہ — یہ قبیلہ متعدد قبائل عطیفی، برلیی وغیرہ کا مجموعہ ہے، اور عدن کے مغربی سمت مین عمران سے

باب المندب تک لب ساحل آباد ہے، جنگ و غارتگری ان کا پیشہ ہے، ان مین کوئی ضبط و نظام نہین، شیوخ اور عقال ان پر بدویانہ حکومت کرتے ہین، ان مین ۲۰ ہزار نفوس ہتھیار اٹھانے کے لائق ہین، ان کا کوئی متعین وظیفہ مقرر نہین ہے، انعام کے طور پر ہر تیسرے مہینہ کچھ رقم ملجاتی ہے جس کی تعداد سو سے زیادہ نہین ہوتی، یہ رقم عقال عدن سے وصول کرلاتے ہین اور بعضون کو حج کے ذریعہ سے ملتی ہے،

آلِ فضل | یہ قبیلہ عدن کے مشرق جانب عبادلہ کے حدود سے لیکر مغربی عوالق تک لب ساحل سو میل کے رقبہ مین آباد ہے، عدن کے شمالی مشرق مین ان سے زیادہ تندخوا اور طاقتور کوئی قبیلہ نہین ہے، سلطان عبد القادر یہان کے رئیس ہین، ان کو ۰۰ ۴ ماہوار وظیفہ ملتا ہے اور ۹ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہے، ان کے پاس پچیس ہزار مسلح فوج ہے، یہ فوج بدوی ہے اور نہایت شجاع و جنگجو ہے، عبد القادر کو اپنے حدودِ حکومت وسیع کرنے کی ہمیشہ فکر رہتی ہے، چنانچہ انھون نے اس مقصد کے لیے انگریزون سے اسلحہ بھی مانگے تھے، لیکن انھون نے نہین دیئے، اس سے دونون کے تعلقات ناخوشگوار ہوگئے،

العوالق | یہ بھی لب ساحل آلِ فضل کے قریب آباد ہین، ان کا رقبۂ آبادی "نواحی تسعہ محمیہ" مین سب سے زیادہ وسیع ہے، مشرق اور شمال دونون سمت مین سو میل سے اوپر کے رقبہ مین پھیلے ہوئے ہین، انکی آبادی دو حصون مین منقسم ہے، بالائی عوالق اور نشیبی عوالق، بالائی عوالق پر سلطان صالح بن عبد اللہ عوالقی حکمران ہین، انصاب ان کا صدر مقام ہے، نشیبی حصہ مین ایک اور سلطان حکمران ہین، انکی طاقت سلطان صالح سے زیادہ ہے، ان دونون کے علاوہ عرقا اور رمنیا مین علحدہ حکمران ہین، بالائی عوالق کے شیوخ اور علماء مین مال و دولت کی طمع بہت ہے اور وہ آزادی کو بھی اس پر قربان کر دیتے ہین، چنانچہ یہ لوگ برطانوی گورنمنٹ کے وظائف کے عوض اپنے ملک مین اس کا اثر و نفوذ بڑھاتے ہین، ان مین اور حکومتِ عدن مین ۱۹۰۳ء مین ایک معاہدہ بھی ہوا تھا، نشیبی عوالق کے تعلقات بھی انگریزون کے ساتھ دوستانہ ہین، ۱۸۵۵ء مین ان سے اور انگریزون سے معاہدہ ہوا تھا، اس کے

بعد ایک اور معاہدہ ہوا کہ سلطان افریقہ کے غلام اپنے ملک مین نہ آنے دینگے، یہان کے سلطان کو سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے، ان کے پاس ۳۰۰۰،۴ ہزار آدمی اسلحہ باندھنے کے لائق ہین، لیکن انگریزون سے تعلقات ساحل پر آبادی غیر اقوام سے اختلاط کے باوجود انکی وحشت علی حالہ قائم ہے، حتیٰ کہ بعض قبائل اسلام سے بھی واقف نہین اور جاہلی روایات پر قائم ہین،

الواحدی یہ قبیلہ عواذل کے پاس شمال مشرق مین آباد ہے، سلطان علی بن محسن یہان کے حکمران ہین، حبان ان کا پایہ تخت اور بلحاف بندرگاہ ہے، برٹش گورنمنٹ سے ان کو وظیفہ ملتا ہے، حبان تاریخی مقام ہے، کسی زمانہ مین علم و ادب مین مشہور تھا اور اب بھی یہان علماء کی ایک مختصر جماعت موجود ہے، الواحدی مین بدلاوت بہت زیادہ ہے، اسی لیے یہ لوگ ہمیشہ حمایت کی قید توڑنے کی فکر مین رہتے ہین،

العوازل یہ آل فضل اور عوالق کے درمیان مین آباد ہین، ان کی آبادی کا نام وتنیہ ہے، یہ مقام نہایت سرسبز و شاداب ہے اور یہان کے باشندے نہایت سخت مزاج اور تندخو ہین، کسی زمانہ مین وتنیہ اپنے تمرد اور سرکشی مین مشہور تھا، چنانچہ ایکبار انھون نے انگریزون کی حمایت کا قلادہ اتار کے پھینک دیا تھا، اور عدن کی فوج کو نہایت فاش شکست دی تھی لیکن عوالق کی وجہ سے جو ان کے ہمسایہ اور انگریزون کے دوست اور ان کے مددگار ہین ان کا ملک اجنبی اثر سے پاک نہ ہو سکا، اب بھی ان مین اور انگریزون مین کھٹک رہتی ہے کیونکہ انھون نے ایک مرتبہ برٹش اقتدار پر نہایت سخت ضرب لگائی تھی انگریزون نے اس کے انتقام مین عدن کے عوازل کو کوڑے لگا کر شہر بدر کیا،

یوافع سمت مغرب مین وادی رقوح کو طے کرنے کے بعد سپید کوہستانی سلسلہ کے جنوب مین شاداب قطعہ کے اُس پار ان کی آبادیان شروع ہوتی ہین عوالق کی طرح ان کی آبادی بھی دو حصون پر تقسیم ہے ان دونون حصون کے علٰحدہ علٰحدہ حکمران ہین، ان حکمرانون کے علاوہ متعدد شیوخ بھی ہین نشیبی یوافع کے حکمران سلطان محسن بن علی ہین ۱۸۳۹ء سے ان مین اور انگریزون مین دوستانہ تعلقات تھے، لیکن

اب کچھ دنون سے کشیدگی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ انھون نے ان سے مشاہرہ مین اضافہ چاہا جس کو انھون نے نامنظور کردیا، یہ سب بدوی ہین؛ اسی لیے دوستی اور دشمنی دونون مین نہایت سخت ہین ۱۸۶۳ء مین ان مین اور آلِ فضل مین بگڑ گئی تھی جس کا سلسلہ ۲۰ سال تک قائم رہا، آخر مین ۱۸۹۵ء مین انگریزون نے اپنی حمایت مین لیکر دونون کی کشیدگی رفع کی،

بالائی یوافع کی حالت نشیبی سے بالکل مختلف ہے ان کے سلطان فضل بن محمد کو انگریزون سے کوئی تعلق نہین ہے وہ نہ اُن کی برتری تسلیم کرتے ہین اور نہ اُن سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے ہین؛ بلکہ اُن سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہین، یہ حصہ نواحی تسعہ مین عبادلہ کی طرح بہت ترقی یافتہ اور دولتمند ہے، اس کی تجارت کا سلسلہ ہندوستان اور بحرِ ہند کے جزائر تک پھیلا ہوا ہے، یہ حد درجہ آزاد اور حریت پسند ہین اپنے دوسرے ہمسایون کے سامنے فخریہ بیان کرتے ہین کہ آجتک ہمارے یہان نہ کوئی اجنبی آسکا اور نہ آئندہ آسکیگا گذشتہ ایام مین حکومتِ عدن نے عربان شعیب کے ایک شیخ کو اپنے اور ان کے درمیان سرحد کی حفاظت کے لیے وظیفہ دیکر مامور کیا تھا،

علوی | یہ قبیلہ منجلہ اُن قبائل کے ہے جنکو حکومتِ عدن باوجود کوشش کے دوسرے قبائل کی طرح اپنے ضبط مین نہ لے سکی ۱۸۹۵ء تک اِن سے باضابطہ تعلق نہ پیدا ہوا تھا لیکن ان کے ہمسایہ سلطان حواشب کے توسط سے یہان کے شیخ کو برابر وظیفہ ملتا رہا تا آنکہ دوسرے قبائل کی طرح ان سے بھی معاہدہ کرلیا، لیکن اِس معاہدہ کے بعد بھی پوری طور پر یہ حمایت مین نہ آسے جو کچھ حمایت اور دوستی ہے بھی برائے نام ہے،

القطیبی | قطیبی صبیحہ کی طرح جنگجو ہین، پہلے یہ ضالع اور علوی سے بہت لڑا کرتے تھے، اور قافلون سے ٹیکس وصول کرتے تھے اور کبھی کبھی راہزنی بھی کرلیتے تھے، پھر متعاہدین کے زمرہ مین آگیے لیکن پوری طور پر حمایت نہین قبول کی چنانچہ دار الاعتماد کو اب تک ان پر بھروسہ نہین ہے، ان کے موجودہ

شیخ کا نام شیخ محمد صالح اخرم ہے، جب یمن نے نواحی تسعہ کو اپنے ممالک محروسہ مین شامل کرنے کے لیے ان پر حملہ کیا تو اولاً انھون نے مقابلہ کی کوشش کی لیکن پھر مجبور ہوگئے اور امام یحیٰی کی ماتحتی قبول کرلی کیونکہ دار الاعتماد نے مال اور اسلحہ سے ان کی مدد نہین کی،

حواشب | یہ قطیبی لحج اور صبیحہ کے قریب آباد ہین، سب سے پہلے انگریزون سے انھون نے اور عزیبی نے معاہدہ کیا تھا، یہ زر کے بندے ہین جو روپیہ دے اُسکی حمایت مین لڑتے ہین، علی بن مانع ان کے حکمران ہین مسیمیر ان کا صدر مقام ہے، تین سو ماہانہ ان کو وظیفہ ملتا ہے اور چھٹے مہینہ برآمد ہوتا ہے، اس کے عوض یہ راستہ کے امن وامان کے ذمہ دار ہین، ان کو امام یمن سے سخت پرخاش ہے اور انگریزون کے مقابلہ مین اِن کی دوستی قبول کرنے پر آمادہ نہین ہوتے، ان کے پاس ۲۰ ہزار سپاہی ہین، امام یحیٰی کے حالات مین گذرچکا ہے کہ اُنھون نے ایک مرتبہ اِن پر حملہ کیا تھا، لیکن انگریزی طیارون نے بمباری کرکے یمنی فوجون کو منتشر کردیا، یہ وہ نو مقامات ہین جو انگریزون کے زیر حمایت یا کم از کم ان کے وظیفہ خوار ہین،

عقارب | اِن کے علاوہ اسی رقبہ مین دو اور قبائل عقارب اور ضالع ہین، عقارب کا رقبہ گو نہایت مختصر ہے لیکن بہت قدیم ہے اور ابھی تک آزاد ہے، یہ قبیلہ درحقیقت عبادلہ کی ایک شاخ ہے، لیکن بارہوین صدی عیسوی مین اس نے الگ مستقل حکومت قائم کرلی، اسکی چند خصوصیات قابلِ ذکر ہین، ان مین کسی دوسرے قبیلہ کی آمیزش نہین ہے، جو تعداد بھی ہے وہ سب ایک جگہ آباد ہے اور شروع سے اب تک ایک حالت پر قائم ہے جو تعداد ان کی پہلے تھی وہی اب بھی ہے اور جو حدود اُس وقت تھے بعینہ وہی اس وقت بھی ہین، یہ لوگ اپنے مرکز بیراحمد پر اپنی اس حالت پر قانع اور شاکر ہین، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان کی تاسیسِ حکومت کے وقت سے معلوم نہین کتنے انقلابات ہوئے لیکن ان پر اسکا کوئی اثر نہ پڑا حتی کہ جب لحج پر تباہی آئی تو یہ لوگ قربت کے باوجود محفوظ رہے،

ضالع | یہ قبیلہ متعدد قبائل پر مشتمل ہے اور صنعار کے راستہ مین شمال جانب علویون کے مغربی سمت آباد ہے، یہان کے پہلے حکمران امیر نصر بن شائف تھے لیکن اب یہ مقام امام یحیٰی کے زیر سیادت ہے، ضالع کے شیوخ کے اجداد ائمۂ یمن کے غلام تھے اور ضالع پہلے سلطنت یمن کا ایک حصہ تھا گذشتہ صدی مین یہان کے مشائخ نے مستقل حکومت قائم کرلی تھی، لیکن اب پھر زیدیون نے امیر نصر بن شائف کو نکال کے دوبارہ ممالک محروسہ مین شامل کرلیا،

فہرست وظائف | ذیل کے نقشہ سے نواحی قسمہ اور بعض دوسرے شیوخ کے وظائف اور ان کی فوج کا حال معلوم ہوگا،

نام حکمران	مقام یا قبیلہ کا نام	وظیفہ ماہوار	تعداد فوج
سلطان عبدالکریم فضل بن علی	سلطان لحج	۳۲۸۰	۲۰۰۰
سلطان عبدالقادر بن حسین فضلی	سلطان شقرہ	۳۶۰	۱۰۰۰
سلطان صالح بن عبداللہ عولقی	عوالق: سلطان بالائی عوالق	۲۵۰	
شیخ محمد محسن بن فرید عولقی	عوالق: شیخ بالائی عوالق	۳۵۰	۳۰۰۰
شیخ محسن بن رویق	عوالق: " "	۱۵۰	
سلطان ابوبکر بن ناصر	سلطان نشیبی عوالق	۱۶۰	۱۰۰۰
سلطان محسن بن علی	بلاد یافع: سلطان بنی قاصد	۲۰۰	
سلطان صالح بن عمر	بلاد یافع: سلطان ضبی	۸۰	
شیخ سالم بن صالح بن عاطف جابر	بلاد یافع: شیخ ضبی	۸۰	۳۰۰
شیخ ابوبکر علی	بلاد یافع: شیخ موسطہ	۱۰۰	
شیخ محمد علی محسن	بلاد یافع: " "	۵۰	

نام حکمران	مقام یا قبیلہ کا نام	وظیفہ ماہوار	تعداد فوج
شیخ عبدالرحمن مفلحی]	شیخ بوافع	۸۰	
سلطان محسن بن علی بن مانع	سلطان حواشب	۴۰۰	۱۰۰۰
امیر نصر بن شائف	امیر ضالع	۳۰۰	۱۰۰۰
شیخ محمد صالح اخرم	شیخ قطیب	۱۰۰	۵۰۰
شیخ عبدالنبی علوی	شیخ صبیب	۱۰۰	۵۰۰

اعلان

شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

حسب تفصیل ذیل کتابوں کی تالیف کیلئے کام کے نمونے مطلوب ہین، ہر کتاب کے متعلق ایک نمونہ حسب تصریح ذیل ناظم دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پاس اشتہار کی تاریخ سے تین ماہ کی مدت مین پہنچ جانا چاہیے،

۱- تاریخ عہد بنی عباس: محققانہ تاریخ مستند عربی تاریخون کی بنیاد پر ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگی، تالیف کا معاوضہ پانچہزار روپیہ تک ہوگا، نمونہ بقدر کسی ایک خلیفہ کے عہد کے،

۲- مسلمانون کی خلافت اور سلطنت کے سیاسی نظریات:- عہدہاے ذیل کے متعلق علیحدہ علیحدہ کتابین تالیف ہونگی، ہر عہد ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہوگا، تالیف کا معاوضہ دس روپیہ فی صفحہ تک ہوسکیگا، نمونہ بقدر ایک مکمل باب،

۱- عہد نبوت و خلافت راشدہ،

۲- عہد بنی عباس و بنی امیہ،

۳- عہد بنی فاطمہ،

۴- اندلس کا عہد اسلامی،

۵- ہندوستان کا عہد اسلامی،

۶- سلطنت عثمانی ترکی،

ولی کا غیر مطبوعہ کلام

از

مولوی نصیر الدین احمد صاحب ہاشمی ایم آر اے، ایس ایف آر ایس اے

(۲)

دیگر

اے یار من بھلا ہے گا　　بیچ اس کے بہت جفا ہے گا
جانِ من اس ادپر فدا ہو گا　　...مز مبتلا ہے گا

عشق بازوں بیچ نکا ہے گا

جان من اس طرف توں آیا کر　　ایک دو بات خوش سنایا کر
ہر کسی کوں گلے نہ لایا کر　　بات کھکر سبھی بھلا یا کر

اس موں تیرا بہت بھلا ہے گا

جانِ من ہر کھوں بھر امت کر　　سخن بد کھوں سنا مت کر
بانکہ دغند ہ سوں ملامت کر　　ان دغل بازکوں لیامت کر

زانکہ بسیار بیوفہ (؟) ہے گا

تہمتاں لوگ کرتے ہیں مجہ پر　　سب تہرے واسطے سنے دلبر
توں مرا یار ہو کسی سوں نہ ڈر　　لاک تلوار گر پڑی سر پر

سر تری راہ پر فدا ہے گا

درنہ کہوں جو مین تلوار　　ملک ہندوستان کرن گلزار

جس کے سر پہ لگائی ماروں وار		یکسوں دو کروں دو سوں چار

تیغ میری سوں لافتا ہے گا

درکفِ یار کاسۂ رنگ است		یار من دید نش بسے رنگ است

شکر للہ کہ یار ہم رنگ است		یار من درجہان عجب رنگ است

رنگ با رنگ آشنا ہے گا

یار میرا ہے ہمچو شیرین بر		سارے خوبصورتوں میں ہی گا نر

نام رکھا ہوں میں جس کا اژدر		مددا دوست مرتضیٰ حیدر

دلربا بو ی دلربا ہے گا

ای ولی توں مثال سیمین بر		ہمچو جوگی ہو گشتہ ام در در

یار میرا عجب ہے گا جادو گر		سحر انکھوں سنے کیا مجہ پر

نگہ اس کی میں کیا بلا ہے گا،

یہ مخمس صرف دیوان نمبر ۱۴ میں ہے،

دیگر

حضرت نبی کے نور سیں سب جہان نورانی ہوا
روشن علی کی آل پر جیو جان قربانی ہوا
جامی نظامی مت کہو اب شعر خاقانی ہوا،
حب الوطن کی مصر سوں اب یوسف ثانی ہوا
ترا غم مجہ دل منی اب ہمدم جانی ہوا
معشوق کی منزل منی آواز آیا جرس کا

کرتا جاجو ستم دیکھو جیا بی ترس کا
دنیا منی ثابت ہوا کچھ خوف ناہین عرش کا
در در پکاری ہو بہر ون مشتاق تیری درس کا
جل بل برہ کی اک مین لعل بدخشانی ہوا

اس ملک ہندوستان منی مشہور کامل کا شرف
صابن لگا دھو یا کر و منہ تا نہین غم کا حرف
ہر یک سون جارا رتا پری کم ذات کا جو ہر طرف
راکھی فقیرون کا کمل شاہان کی مسند پر شرف
ہمنا کو جس کا بوریا تخت سلیمانی ہوا

ناصح منع کرتا مجھے مین مست اپنی حال سون
دیکھی عجب ہم نے صفت معشوق کے خط خال سون
اب چھوٹنا مشکل ہوا اس بند کی جنجال سون
سن یہ غزل کلمہ پڑا آکاس اور پاتال مون
دنیا کی چارون رکن مین دور مسلمانی ہوا

یہ دل کبوتر ہو مرا گیرا پرا شاہین کا ،،
جل بل انگارا ہو رہا یہ کام ہے نہین دین کا
پوچھو اگر بھیدِ خدا تک دکھ و فا مسکن ہوا
اس سیس پر قائم اچھو لک سایہ محی الدین کا
معشوق میرے کون مد دمحبوب سبحانی ہوا

رباعی کلیاتِ ولی مین کل (۲۶) رباعیان شائع ہوئی ہین جو یہان کے دیوانون مین بھی درج ہین

مگران کے سوا ذیل کی رباعیان یہان کے دیوانون مین موجود ہین جو کلیات مین نہین ہین:-

نگاہ تیز و پلک تیز و غمزہ آتش تیز　　　کئے ہین دل سون مری ملک لوبستہ تیز تیز
رقیب پر چلی جو چلی بس یو خاک کری نہ ہون　　　جو حشر لگ دو پکاری برہیز برہیز

دیگر

باج تجہ درد کی جگ مین درد سے مجھے　　　نہین ہمدم دو جا بھی غیر دم سرد سے مجھے
جب کہ دیکھا ہون تیرا روپ نظر پڑا ورنہین　　　عشق تیری نے کیا زرد کی نمن زرد مجھے

دیگر

تحصیل دل کون ہونی یو کمہ کتاب بس ہے　　　دانا ے منتخب کون یو انتخاب بس ہے
مجہ حال کا کری گر آکر سوال دلبر　　　تو لاجواب ہوتا اتنا جواب بس ہے

دیگر

جبکہ وہ رشکِ پری جلوہ گرِ ناز ہوا　　　دل کی تسخیر کون مظہرِ اعجاز ہوا
سبزۂ خط نے رخ یار کون بخشا ہی جلا　　　دیکھ یہ رنگ عجب آئینہ پرداز ہوا

دیگر

یوسفِ حسن آج سستا ہے　　　جاکہ لینی کو جیو ترستا ہے،
مدعی کون کہو کہ جیو دنون کا　　　وہ نہ دیون کا جو جیو مین بستا ہے،

دیگر

آہ سون مجہ جگر مین جسید ہوئی　　　کاش مجہ عاشق کی تہید ہوئی
اس سیہ دلسون جا کہو یاران　　　روی دیدی مری سفید ہوئی

دیگر

تجھ یاد سون سینہ ہو مرا روشن باغ　جس باغ کے دیکھے سون ہوا لالہ کو داغ
روشن باغ مین نگ غم کا محل باندھا ہون　مین آہ کے حسن بیچ کئے لالہ چراغ

(دیوان نمبرہ ورق ۹۱)

دیگر

شاخِ گل ہو یا نہالِ راز ہے　سرو قد ہے یا سراپا ناز ہے،
دودِ آہِ شوقِ مشتاقان نہین　خط نہین یہ حسن کا آغاز ہے

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

دیگر

مہربانی و لطفِ دلربا　سابقا تھا سو اب نہین دستا
یا مگر خواب وہ زمانا تھا　کہ مجھے خواب مین نہین دستا

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

دیگر

خوبرو کون جمال لازم ہے　عشق کون تب خیال لازم ہے
حسن کون خط و خال لازم ہے　مسکین طوطی کون فال لازم ہے

(دیوان نمبرہ ورق ۹۲)

غزل　کلیاتِ ولی مین کل (۴۰۳) غزلین شائع ہوئی ہین جو مختلف دیوانون سے جمع کی گئی ہین اس لیے کسی ایک دیوان سے اس قدر غزلون کا دستیاب ہونا ممکن ہے،

پندرہ دیوانون سے کلیاتِ ولی کا مقابلہ کرکے غیر درج شدہ غزلون کا پیش کرنا ایک بہت

بڑے وقت کا متقاضی ہے اور میں اپنے قلیل وقت میں اس سے زیادہ مصروف نہیں ہو سکتا تھا، مین قدر کہ ہو لیکن اس پر بھی بلا شک کہا جا سکتا ہے کہ ان دیوانون مین متعدد غزلین ایسی ملینگی جو کلیات مین نہ ہون،
اس کے علاوہ خود اختلافِ اشعار بھی ایک خاص صورت پیدا کر سکتا ہے مثلاً کلیاتِ ولی مین درج ہے،

اے دوست تیری یاد مین دل کو کمال ہے   نقش مراد آئینہ تیرا جمال ہے
لازم ہے درس یار تحصیل رات دن   ہر مدرسے کے بیچ یہی قیل و قال ہے

(صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

اس کے برخلاف یہان کے دیوان نمبر ۱ مین اس طرح ہے،

اس رشک ماہ کا جسے ہر دم خیال ہے   دل اس کا رشک خوبی بدر کمال ہے
لازم ہے درس یار کی تحصیل اے ولی
ہر مدرسے کے بیچ یہی قیل و قال ہے

کلیاتِ ولی مین درج ہے:-

ترا قد دیکھ اے سید معالی   ہوئی روشن دلان کی فکر عالی

اس کے برخلاف یہان کے دیوان مین درج ہے:-

ترا قد دیکھ اے سید معالی   سخن فہمان کے ہوئی ہے فکر عالی

کلیات مین درج ہے:-

لہر یا چیرا صنم کا بسکہ خوش انداز ہے   دلربائی مین برنگ موج گل ممتاز ہے

اور یہان کے دیوان نمبر ۱ مین ہے:-

لب سیتی بڑیا چیرا صنم کا بسکہ خوش آواز ہے   دلربائی مین برنگ موج گل ممتاز ہے

غرض کہ اس قسم کا مواد بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے،

اسی تفصیل مین غزلون کے متعلق جو بعض حواشی کلیات مین درج ہین اُن کے متعلق یہان کے مواد سے بھی روشنی ڈالنی غیر مناسب نہین ہے :-

غزل نمبر ۲ کلیات = کسی دیوان مین زیر بحث شعر نہین ہے،

غزل نمبر ۵۹ - کلیات = غزل موجود ہے مگر زیر بحث شعر نہین ہے،

غزل نمبر ۷۳ ؍؍　　=　زیر بحث شعر نہین ہے،

غزل نمبر ۹۹ و ۱۰۱ و ۱۰۲ = یہان کسی نسخہ مین نہین ہین،

غزل نمبر ۱۶۶ = کسی دیوان مین زیر بحث غزل نہین ہے،

غزل نمبر ۱۸۰ = کسی دیوان مین نہین ہے،

غزل نمبر ۱۹۲ =　　؍؍

صفحہ نمبر ۱۹ - پر ایک غزل کے پانچ شعر درج ہین، یہ غزل بھی یہان دستیاب نہین ہوئی ہی،

اس صراحت کے بعد مین یہ کہا جاسکتا ہو کہ انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ کلیات مین بعض ایسا کلام بھی درج ہوا ہے جو در اصل وؔلی کا نہین ہے،

ولی کی مثنویان اور دہ مجلس | جامع کلیاتِ وؔلی نے دو مثنویون کو درج کرکے لکھا ہے :-

ایک مثنوی غالباً وؔلی کی دہ مجلس کا ابتدائی حصہ ہے، اور اس کے بعد دہ مجلس کا قطعۂ تاریخ بھی درج لیا گیا ہے، مگر یہ صراحت نہین ہو کہ دہ قطعہ کس کس دیوان مین موجود ہے،

مجھے "دہ مجلس" کے وؔلی کی تصنیف ہونے سے اختلاف ہے، میری رائے ہے کہ وؔلی اورنگ آبادی نے دہ مجلس نام تصنیف نہین کی ہے، اپنی تائید مین حسب ذیل امور پیش کرتا ہون،

(الف) وؔلی کے اب تک جس قدر دیوان دیکھے گئے اور جن مین مثنویان درج ہین، ان مین صرف دو ہی مثنویان پائی گئین، اگر ایک مثنوی اُس کے "دہ مجلس" کا ابتدائی حصہ ہے تو اس کا صرف اسی قدر حصہ ہر

دیوان مین درج ہونا ایک تعجب انگیز امر ہے، یہ ہرگز نہین کہا جاسکتا کہ کل دیوان ایک سے نقل ہوتے ہین، اور یہ سمجھ مین نہین آتا کہ ہر جامع دیوان نے کیون دہ مجلس کے ابتدائی حصہ کو اپنے دیوان مین نقل کیا، مثنوی کا صرف اسی قدر حصہ دیوان مین ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ ولی نے اسی قدر حصہ کہا تھا،

(ب) "دہ مجلس" کوئی تصنیف کسی ولی کی اب تک دستیاب نہین ہوئی، نہ تو ہندوستان کے کتبخانون مین اور نہ یورپ مین اس کا پتہ چلا، اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ ولی کی دہ مجلس کا خارج مین کوئی وجود نہین ہے

(ج) یورپ کے کسی دیوان مین دہ مجلس کا قطعۂ تاریخ درج نہین ہے خصوصاً سب سے قدیم دیوان (۱۱۴۴ھ) اور ابوالمعالی کے فرزند کے مرتبہ دیوان مین اس کا نہ ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ ولی نے وہ تاریخ کہی ہی نہین،

(د) "دہ مجلس" غالباً فارسی کا ترجمہ ہے، ولی کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے، وہ ذاتی تصنیف کے بجائے کسی کتاب کے ترجمہ پر اپنا وقت صرف کرے جبکہ خود وہ اس سے بہتر تصنیف کرسکتا تھا، تو مجھ اس پر تعجب ہوتا ہے کیون اس نے فارسی سے ترجمہ کرنا مناسب سمجھا،

ان وجوہ سے مین دہ مجلس کو ولی کی تصنیف خیال کرنے سے قاصر ہون، میرا خیال ہے کہ "دہ مجلس" جو ولی سے منسوب کیگئی ہے، دراصل وہ ولی ویلوری کی "روضۃ الشہدا" ہے، خصوصاً جبکہ روضۃ الشہدا کا بیان دس مجلسون مین بیان کیا گیا ہے اور ہر مجلس کا پہلا شعر مجلس ہی کے نام سے شروع ہوتا ہے، مثلاً

کرون مین مجلس اول مین تحریر وفاتِ سید عالم کا تقریر

کردن مین مجلسِ دوم پُرغم وفاتِ فاطمہؓ کر کر مرتسم

قلم ہو غم کے صحرا کا مسافر لگیا چلنے دہم مجلس مین اک سر

اس طرح "روضۃ الشہدا" کا دوسرا نام "دہ مجلس" ہوسکتا ہے، پھر تاریخِ تصنیف کے شعر قریب قریب ایک ہوگئے ہین، چنانچہ روضۃ الشہدا مین درج ہین:-

کیا ہون ختم جب یو درد کا قال اگیارا سو اوپر تھا تیسوان سال

وؔلی اب رکھو قلم اور ختم کر باب نبی اور آل او پر بول صلوات

کلیات مین جو قطعہ درج ہے وہ حسب ذیل ہے،

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال گیا رہ سو پو تھا اکئ لیسوان سال

کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول، ولی کا ہے سخن جن پاس مقبول

قیاس کیا جاسکتا ہے کاتبون کی غلطی سے سہو کتابت ہوئی ہے،

بہرحال جب تک وہ مجلس نام کوئی کتاب وؔلی کی دستیاب نہ ہو اور اسمین وؔلی کی مثنوی کا وہ حصہ جو دیوانون مین درج ہے موجود نہ ہو مین اس کو وؔلی کی تصنیف خیال کرنے مین تامل کرتا ہون،

فردین کلیات ولی مین کل ۹۰ فرد درج ہوئے ہین، بعض اور فردون کا پتہ چلتا ہے جو کلیات مین نہین ہین، مثلاً دیوان نمبر ۱ و ۳ مین درج ہین،

ترشی چین وشکر لب یار حق مین میرے ہے شربت لیمون (ص ۸۹)

گناہا کی سیہ نامے سون کیا غم ہے پریشان کو جسے یہ زلف دست آویز ہر روز قیامت کو

کیون نہ اسکون صافی حاصل مثال ارسی اپنی جوہر کی حیا سون سربسر پانی ہوئی (ص ۹۰)

روز و شب یک برس اگر برسے نہ بھرے کو کہ کا نگر تا لاب

تجھ جام لب سون بوند پری خاک جم مین گر سلے جام مثل لالہ نکالے دو بولی شر

دیکھ کر سب سے سینے تراس مجھے لے گئی نیند پیو کے پاس مجھے

ترے ساغر چشم طلسی نے تین، کیا یک دور مین مجنون مجھے

ہے ترے لب سون اے شکر گفتار بات کہان نبات سون شیرین (ص ۹۰)

اس کے علاوہ دیگر امور جنکا اظہار کیا جا سکتا ہے اس کو مین اپنی مستقل تالیف کیلئے اٹھا رکھتا ہون،

امید ہے اس وضاحت سے یورپ کے موجودہ دیوانون کا حال معلوم ہو جائے،

تلخیص و تبصرہ

بہائی مذہب

اور

اتحادِ مذاہب

مذہبی بے اطمینانی نے اہل یورپ کو مشرقی مذاہب کی طرف شدت سے متوجہ کر دیا ہے اور اب وہ ان کے اندر اپنی روحانی طمانیت کا سامان ڈھونڈھ رہے ہین، بالخصوص جدید مشرقی مذاہب کے ساتھ اُنکو اور بھی زیادہ دلچسپی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بہائی مذہب کے ساتھ جو مشرقی مذاہب مین ایک جدید مذہب ہے ان کو بہت زیادہ شغف پیدا ہو گیا ہے، مصر کے ایک صاحب نظر نے اہل یورپ کی اسی دلچسپی کے سلسلہ مین اپنا ایک نہایت دلچسپ ذاتی واقعہ بیان کیا ہے جس سے بہائی مذہب کے بعض نظریات و معتقدات کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ "دس سال سے زیادہ کا زمانہ گذرا کہ مین نے مذہبی تحقیقات و مطالعہ کی ابتدا کی اور رفتہ رفتہ یہ ذوق اس قدر بڑھا کہ دوست و احباب کی ملاقات کا کوئی موقع اس دلچسپ بحث سے خالی نہ جاتا تھا، اسی زمانے مین ایک بار مین نے اسکندریہ کا سفر کیا اور وہان ایک شخص سے میرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے جو میرا ہم مذاق تھا اور اس حیثیت سے عباس عبد البہاء کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا، اور قریب قریب انہین کا ہم عقیدہ ہو گیا تھا، اس نے مجھکو بھی ان کی ملاقات کی ترغیب دی اور کہا کہ تم جس قسم کے مذہبی مباحث کی جستجو کتابون مین کرنا چاہتے ہو ان کا مشاہدہ خود اپنی آنکھون سے کر لوگے، مین اس وقت تک ایران کے [illegible] پیغمبر سید البہاء اللہ سے واقف نہ تھا، لیکن جب مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا تو وہ مجھکو ایک نہایت

باوقار بزرگ معلوم ہوے جن کے چہرے سے زہد و تقشف سے زیادہ علم و تجربہ کے آثار نمایان تھے، ان کے کمرے میں ایک منشی ایک کرسی پر الگ بیٹھا ہوا تھا جس سے وہ ایک خط لکھوا رہے تھے اور اُسکی نسبت بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ترکی وزیر جنگ شوکت پاشا کے نام کا تھا، اُنھون نے پہلے ہم کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا اور جب خط لکھوا کر فارغ ہوے تو ہمارے لیے ایک نہایت دولتمند ایرانی رئیس چاے لایا، اور جب تک ہم چاے پیتے رہے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا رہا اس کے بعد اس نے چاے کی پیالیان اُٹھائین، اور ادب سے الٹے پانون واپس گیا تاکہ عبدالبہار کی طرف پشت نہ ہونے پائے، اس وقت کسی قدر ترشح ہو رہا تھا، اس کے بعد نصف گھنٹہ تک خوب بارش ہوئی پھر آسمان صاف ہوگیا، اس حالت مین ہم لوگ ایک بند کمرے مین بیٹھے ہوے شیشے کی کھڑکیون سے گھر کے باغ کا جس کے درختون کے ساتھ ہوائین چُہل کر رہی تھین، نظارہ کر رہے تھے اور انکی شادابی و تروتازگی کو دیکھ رہے تھے، عبدالبہاء نے بھی ان درختون کو دیر تک دیکھا پھر ہماری طرف متوجہ ہوے، اور ہم کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک گہری نیند سے بیدار ہوے ہین یا خود ہم کو ایک گہری نیند سے بیدار کر رہے ہین پھر اُنھون نے فرمایا۔

"سبحان اللہ! ہر چیز کو اسکی روزی مل ہی جاتی ہے، جہان درخت ہوتے ہین، وہان پانی برس ہی جاتا ہے"

لیکن مین نے کہا

"یا یہ کہ جہان بارش ہوتی ہے وہان درخت اوگ ہی جاتے ہین،

اب اُنھون نے میری طرف بغور دیکھکر فرمایا،

"ایسا بھی ہو سکتا ہے"

مین نے کہا "تو ان دونون باتون مین سے کون سی بات صحیح ہے"؟

اُنھون نے ایک نہایت باوقار ترنم ریز لہجے مین فرمایا:۔

"دونون باتین قریب قریب ایک ہی ہین، اور دونون یکسان طور پر صحیح ہین"

اس کے بعد تھوڑی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا:-

"ہم صرف اُس نقطۂ اتحاد کو دیکھتے ہیں جہان دو باتون مین اتفاق ہوتا ہے، اُس نقطہ کو نہین دیکھتے جہان سے ان کے اختلافات کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، اس لیے دو باتین گو وہ کتنی ہی مختلف ہون ہم کو باہم مربوط نظر آتی ہین:

اس کے بعد وہ اسی ترنم ریز لہجے مین بار بار اسی بات کو دہراتے رہے، پھر فرمایا:-

"لوگون کے درمیان بہت سے اختلافات ہین جن مین بآسانی اتفاق پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک نہین ہے؟ کیا تمام قومین متحد الاصل نہین ہین؟ با اینہمہ لوگون کے درمیان اختلافات ہین۔ لیکن کیون؟ اس لیے کہ اُن کو متفق ہونے کا طریقہ معلوم نہین"

مین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اُن کی خدمت مین اپنی جدید کتاب "خلاصۃ الیومیۃ" پیش کی جو چند ہی ہفتہ پیشتر چھپی تھی، اور مین نے اس کے پہلے ہی صفحے مین عام انسانی شیرازہ بندی کے متعلق لکھا تھا کہ

تمدنی ترقیان تمام دنیا کے ساتھ انسان کا تعلق پیدا کرا رہی ہین، اور وطنی حد بندیان اب عنقریب ٹوٹ جائینگی، اور زمین تمام نوعِ انسان کا عام وطن ہو جائے گی، یہ اقتصادی ہلچل جو جلب منفعت کے لیے دور دراز قومون مین روابط پیدا کرا رہی ہے، ایک دن قومون کے مصالح عامہ مین اتحاد پیدا کرا دیگی، اور اس طرح جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا، اور ہر طرف امن و امان کا پھریرا اُڑنے لگیگا"

مین نے ان کے ہاتھ مین کتاب دی تو اُسی فقرے کی طرف اُن کی توجہ مبذول کرائی، انھون نے اس حقیر علمی ہدیہ کو بخوشی قبول فرمایا اور اس فقرے کو بغور پڑھکر بولے:-

"انشاء اللہ، انشاء اللہ آپ نے خوب لکھا، آپ نے خوب لکھا"

لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ اس وقت مجھکو اقتصادیات کے ساتھ خاص دلچسپی ہے۔ تو فرمایا:

"لیکن اس وقت دنیا دیات کے نشے مین چور ہے، حالانکہ امن و امان کا راستہ روح کے اندر سے

نکلتا ہے: دنیا صرف دو بازؤن سے اڑ سکتی ہے، ایک مادہ کا بازو اور دوسرا روح کا بازو لیکن وہ اس وقت صرف ایک بازو سے اڑ رہی ہے، اور اس کا دوسرا بازو ٹوٹا ہوا ہے، اس لیے دنیا دو حصون مین منقسم ہوگئی ہے، لیکن جب تک اس کے مادی اور روحانی مقاصد مین اتفاق نہ ہوگا وہ اپنے نقطۂ کمال تک نہین پہنچ سکتی، بلکہ اگر موجودہ روش پر چلتی رہی تو سخت مصیبت کا سامنا ہوگا، جس سے خدا ہم دونون کو محفوظ رکھے"

یہ واقعہ عالمگیر جنگ سے دو سال پیشتر کا ہے، اس کے بعد مین نے چند مہینے عباسیہ مین قیام کیا، اس دوران قیام مین اپنے بعض احباب کے ساتھ ایک ایرانی حلوا فروش کی دوکان پر جایا کرتا تھا جس کو ہم لوگ فیلسوف کہا کرتے تھے، کیونکہ وہ فلسفیانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور مذاہب وسیاسیات کے متعلق عالمانہ اور ماہرانہ گفتگو کیا کرتا تھا، ایک دن جب مین نے اس سے بھی اسی قسم کی باتین سنین جس قسم کی باتین عبدالبہاء سے سنی تھین تو اس سے دریافت کیا کہ کیا تم بہائی ہو؟ اس نے اثبات مین جواب دیا، مین نے کہا کہ "تم نے یہ باتین خود عبدالبہاء سے سنی ہین؟" اس نے کہا "ہان" اور یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہیگی"

عباس عبدالبہاء بھی اپنے مخاطبین کو اسی مصیبت عظمیٰ سے ڈرایا کرتے تھے، اور ان کے اتباع اس پیشین گوئی کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہین،

(ملخص از الہلال بابت جنوری ۱۹۳۰ء)

سوپارہ

گجرات کے ایک مشہور پرانے شہر کا نام عربون نے سوبارہ لکھا ہے، اصطخری نے ہندوستان کے مشہور شہرون مین ایک اس کا بھی ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد بیت المقدس کے سیاح بشاری نے چوتھی صدی ہجری کے آخر (دسوین صدی عیسوی کے آخر) مین اس کا نام لیا ہے، اور اس کی جگہ کھمبائت

[illegible]

کے قریب بتائی ہے اور دونون مین چار مرحلون کا فصل بتایا ہے، اور کہتا ہے کہ "سوبارہ سمندر سے ایک فرسنگ (۳ میل) کی دوری پر ہے"،

۲۔ فروری ۱۹۳۰ء کے سنڈے بمبئی کرانیکل مین (ص ۱۳) سوپارہ کی اثری تحقیق پر ایک مضمون نکلا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

ابھی حال مین گجرات مین جو پرانی یادگارون کی تحقیقات ہوئی ہے انہین ایک سوبارہ نام کے شہر کا بھی پتہ چلتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر ہے، جس کا عرب سیاحون نے اپنے زمانہ مین ذکر کیا ہے، آثار قدیمہ کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا پتہ مگدہ دیس (بہار) کے مشہور راجہ اشوکا کے زمانہ سے چلتا ہے، یہان راجہ اشوکا کا ایک یادگاری پتھر ۱۸۸۲ء مین ہمارے اثری محققون کو ملا ہے، سپارہ اب بھی بی بی سی آئی ریلوے کے ایک غیر معروف اسٹیشن کا نام ہے، جو اپنے قریب کے اسی نام کے ایک گاؤن کے سبب سے رکھا گیا ہے، پنڈت بھگوان لال اندراجی اجھانی نے یہان اشوکا کے سنگی کتبہ کا پتہ لگایا تھا، اب یہ مقام بمبئی کے علاقہ مین بسین سے تین چار میل اتر اور خاص شہر بمبئی سے تیس میل ہے،

سنہ ۲۵۰ ق م مین یہ مقام ہندوستان کے مشہور پر رونق شہرون مین سے تھا جس کے سبب سے یہ اُن چند خوش قسمت شہرون مین منتخب ہوا جہان راجہ اشوکا نے اپنے یادگاری پتھر لگائے، سوپارہ والا پتھر یہان سے اٹھا کر پرنس آف ویلس میوزیم مین رکھا گیا ہے، اس مین دس سطرین ہین، پہلی چار سطرین مٹ گئی ہین، اس کا خط وہ خط ہے جو دیوناگری اور دوسرے ہندی حروف کی اصل ہے، اور جس کے متعلق یورپین محقق بوشلر کی رائے ہے کہ یہ تجارتی آمد و رفت کی راہ سے مسیح سے سات آٹھ سو برس پہلے عراق سے ہندوستان آیا تھا،

۳۔ ڈاکٹر بھنڈارکر کہتے ہین کہ بمبئی مین تھانہ کے ضلع مین سوپارہ مشہور بندرگاہ تھا جس کا نام

له احسن التقاسیم بشاری ص ۴۰۶ ۔ لیڈن ۔

نے اپنی تجارت مین سوریا لکھا ہے، اور بطلیموس نے اپنے جغرافیہ مین اس کا نام سوپارہ SOUPARA. لکھا ہے، یہ ایک مقدس مقام اور اپارنتا کا دارالحکومت تھا،

موجودہ سوپارہ گاؤن اسی نام کے مشہور قدیم شہر کے موقع پر آباد ہے، یہ ایک خلیج کے بائین کنارہ پر واقع ہے جو خلیج بسین کے ریلوے پل کے اور دریاے ویترنا کے درمیان گھومتی نظر آتی ہے، پرانے سوپارہ مین اب بھی پرانے عمارات اور مکانات کے نشان باقی ہین، یہان ایک رام کنڈ بھی ہے، جو اس کے تیرتھ ہونے کی دلیل ہے،

۱۸۸۱ء مین جب سوپارہ کے یادگاری پتھر کا پتہ لگا ہے، اس گاؤن مین بمشکل چھ سو گھر تھے جن مین تقریباً دو ہزار آدمی رہتے تھے، جن مین برہمن، ہندوستانی عیسائی اور مسلمان ہین، مسلمانون مین عرب اور ایرانی ہین جو سات صدی پیشتر سے تجارتی تعلق سے یہان آباد ہوے،

اس تحقیق سے عرب سیاح اصطخری اور بشاری کے بیانات کی جنھون نے دسوین صدی عیسوی مین اس کو دیکھا تھا، پوری تصدیق ہوتی ہے،

"س"

ہندستان کا تعلیمی خرچ

لندن ٹائمس نے اپنے تعلیمی ضمیمہ مین مندرجہ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ وزیر ہند نے ایک سوال کے جواب مین وہ اعداد پیش کئے ہین جو ہندوستان مین تعلیمات کے اخراجات کو جو ۲۶-۱۹۲۷ء مین ہوئے ظاہر کرتے ہین، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اخراجات ۳،۸۰۰،۰۰۰ پونڈ سے بڑھ کر ۹۳۰۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گئے ہین، اور اس کے معنی یہ ہین کہ حکومت ہند پہلے اپنی مجموعی آمدنی کا ۳،۷۱ء اس سلسلہ مین صرف کرتی تھی اور اب ۵،۷۲، وزیر ہند نے یہ بھی بتایا کہ اس مین وہ اخراجات شامل نہین ہین جو کسی خاص قسم کی تعلیم سے متعلق ہین (مثلاً فوجی، طبی، صنعتی، زراعتی) کو

اُن کا محکمۂ تعلیم سے کوئی واسطہ نہین ہے، اور نہ ان مین بہت سی جدید عمارات کی تعمیر اور قدیم کی ترمیم ہی شامل ہے، ان رقمون کے علاوہ وہ رقمین بھی جو مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع یا فیس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہین، محسوب ہین، ہرٹاگ کمیٹی کے ایک نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ذرائع سے حاصل شدہ رقم جو تعلیمی امور مین صرف ہوتی ہے، حکومت کی رقم سے کہین زیادہ ہے، ۲۷-۱۹۲۶ء مین یہ رقم ۲۱ کروڑ ۴۵ لاکھ ہوگئی تھی، اور اس وقت حکومت نے صرف ۱۱ کروڑ ۳۹ لاکھ دیا تھا، اس وقت تمام سرکاری تعلیمی ادارون پر مجموعی حیثیت سے ۲۰ کروڑ پونڈ صرف ہوتا ہے،

خرچ کی یہ زیادتی درحقیقت نتیجہ ہے اُس اضافہ کا جو طلبہ کی تعداد مین ہوگیا ہے، ۱۹۲۲ء مین ان کی تعداد ۷۷۰۰۰۰۰ تھی اور ۱۹۲۷ء مین یہ ۱۰۵۰۰۰۰۰ ہوگئی، ہرٹاگ کمیٹی کا بیان ہے کہ جدید ادارے بھی حیرت انگیز طریقہ سے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہین جس جگہ جتنے زیادہ تعلیم یافتہ لوگ ہین وہان اتنے ہی زیادہ تعلیمی ادارون کی مانگ ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۳۲ء کے اختتام تک طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۲۰۰۰۰۰۰ ہوجائیگی لیکن شرط یہ ہے کہ مالی یا دوسرے موانع پیش نہ آئین،

سر فلپ ہرٹاگ اور ان کے رفقاء کا خیال ہے کہ اخراجات کے اعداد وشمار دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان لوگون کی تعلیم کے متعلق دلچسپی صرف نظری نہین ہے بلکہ عملی ہے اور وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہین۔ اکثر صوبوی مجالس مین ارکان نے وزرا کی درخواست پر بہایت خوشی سے تعلیم کے سلسلہ مین مزید رقوم کو منظور کر لیا ہے، یہ حال صرف صوبوی قانون ساز مجالس ہی کا نہین ہے، بلکہ مقامی مجالس نے بھی اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ تعلیم کے لیے وقف کر رکھا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم کو ہندوستان کی تعلیمی حالت کے صحیح اندازہ کرنے مین نہ تو رقوم کی تعداد اور نہ طلبہ کا شمار کوئی مدد دیسکتا ہے، تعلیمی کمیٹی کا بیان ہے کہ یہ وقت ہندوستان کی تعلیم عامہ کے لیے بہت نازک ہے، اور جب تک ایک مضبوط اجتماعی کوشش نہ کیجائیگی ان خرابیون سے جو اس وقت موجود ہین نجات نہین مل سکتی،

سب سے بڑی خرابی طلبہ کو قبل از وقت مدارس سے ہٹا لینے کی ہے، اعداد مظہر ہیں کہ ہزاروں سو طلبہ میں جو ۱۹۲۲ء میں ابتدائی مدارس کے پہلے درجہ میں تھے ان میں ۱۹۲۵ء میں صرف ۱۰ طلبہ چوتھے درجہ میں موجود ہیں، ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ موت و علالت وغیرہ سے تعداد میں کمی ہو سکتی ہے لیکن مذکورۂ بالا کمی نہایت ہی افسوسناک و خطرناک ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے درجہ کے صرف ۱۰ فی صدی طلبہ کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان میں چوتھے درجہ تک پہنچنے اور حصول تعلیم کی صلاحیت ہے، ہم کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چونکہ بہار و بنگال میں ایسے ابتدائی مدارس کی جن میں صرف تین ہی درجہ ہیں کثرت ہے، اس لیے وہاں کے طلبہ کو چوتھے درجہ میں پہنچنے کا کوئی موقع ہی نہیں ہے، ہرٹاگ کمیٹی نے اندازہ لگایا ہے کہ اس طرح جو طلبہ قبل از وقت ابتدائی مدارس سے الگ ہو جاتے ہیں، اُن کی وجہ سے ۶۰ فی صدی اخراجات یونہی بیکار جاتے ہیں؛

"ن"

اخبارِ علمیہ

موجودہ ایجادات کا خاتمہ

جنرل ولیم بی، پرسن نے جو کولمبیا یونیورسٹی کے صدر ہین ایک تقریر مین یہ پیشنگوئی کی ہے کہ اگر انجینیرون اور سائنس کے ماہرون نے جلد از جلد کسی ایسی قوت کا جو تیل یا کوئلہ کی جگہ استعمال کیجا سکے، پتہ نہین چلایا تو وہ زمانہ دور نہین کہ وہ تمام کارنامے اور تمام عہد موجودہ کی عجیب و غریب ایجادین جنپر دنیا کو اتنا ناز ہے اور جو تہذیب حاضرہ کا سرمایۂ فخر ہین ختم ہو جائینگی، اُن کا خیال ہے کہ اس وقت جتنے کوئلون کے خزانون اور تیلون کے تالابون کا پتہ چلا ہے وہ زیادہ از زیادہ سو سال تک چل سکینگے، اس لیے اُن کی راے ہے کہ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آبشارون، بڑے دریاؤن اور اسی قسم کے غیر مختتم فطری خزانون سے قوت حاصل کرنے کی کوشش کیجاے،

جرمنی اور سرعتِ رفتار

اس وقت تک مختلف ذرائع سے متعدد اوقات یہ خبرین سننے مین آئی تھین کہ فلان شخص ایک ایسی چرخی بنا رہا ہے جس مین بیٹھ کر وہ چاند تک پہنچ جائیگا، لیکن اس وصالِ قمر کے خبط نے اس خیال ہی کو کوئی اہمیت حاصل ہونے نہین دی تھی لیکن اب جرمنی کے ایک نوجوان باہمت پروفیسر ہرمن روبرتھ نے یہ دکھانے کے لیے کہ اس قسم کا تخیل ایک بے بنیاد شے نہین ہے، یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ایک ایسی چرخی بنا رہا ہے، جس مین بیٹھ کر وہ آنِ واحد مین جرمنی سے امریکہ پہنچ جائیگا، چنانچہ یہ آلۂ پرواز تقریباً مکمل ہو چکا ہے،

(لسٹ)

دنیا کی سب سے بڑی صنعت،

دنیا کی کسی صنعت نے اتنے قلیل عرصہ مین اتنی وسعت اختیار نہین کی ہے، جتنی کہ موٹر کی صنعت نے اپنی سی سالہ زندگی مین موٹر بنانے کی اولین مساعی ۱۸۹۰ء سے لیکر ۱۸۹۹ء تک مین کی گئین اور ۱۹۰۰ء مین فرانس مین ۵۰۰۰ سے زاید موٹرین تھین اور امریکہ مین جو اس وقت اس کا سب سے بڑا مرکز ہے صرف ایک ہزار موٹرین تھین، لیکن ان تیس سالون مین ان کی تعداد ۳۲۰۰۰۰۰۰ ہوگئی ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ ہر ۵۵ آدمی کے حصہ مین ایک موٹر ہے، یہ عام تخمینہ ہے، لیکن اگر ہم ہر ملک کو الگ الگ لین تو معلوم ہوگا کہ امریکہ مین ہر پانچ آدمیون مین ایک موٹر ہے، کناڈا مین ۹ آدمیون مین اور برطانیہ و فرانس مین ہر ۳۵ اشخاص مین، اگر اس صنعت کی موجودہ رفتار باقی رہی تو اس صدی کے آخر تک اس کی موجودہ تعداد دس گنی مضاعف ہوجائے گی،

اس صنعت کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ جس ملک مین اس کے کارخانے ہین، وہان کی اکثر پیداوارین بھی اسی کام مین آتی ہین، مثلاً امریکہ کی مندرجۂ ذیل چیزین اس تناسب سے ان کارخانون مین صرف ہوتی ہین

ربڑ	۸۵ فی صدی	شیشہ	۴۰ فی صدی
لوہا	۱۸ "	لکڑی	۱۹ "
کپڑا	۶۰ "	المونیم	۲۷ "
تانبا	۱۵ "	سیسہ	۲۶ "
جستہ	۵ "	نکل	۲۸ "
پیٹرولیم	۸۰ "		

حرارت ارضی کے متعلق جدید نظریہ

اس وقت تک ارضیات کے ماہرین کا یہ ایک مسلمہ نظریہ تھا کہ زمین روز بروز سرد ہورہی ہے،

اور وہ زمانہ دور نہین جبکہ کرۂ خاکی بھی دوسرے بہت سے کرون کی طرح بالکل برفستان ہو جائیگا، مگر اب پروفیسر ڈبلیو، انڈرسن نے جرمنی کے ایک علمی رسالہ مین اپنے تجربات شائع کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم نے اس وقت تک زمین کی گہرائی مین جو کچھ دیکھا ہے وہ زیادہ از زیادہ صرف ایک میل گہرائی تک محدود ہے، لیکن اگر ہم اس سے زیادہ گہرائی کی طرف جائین تو ہم کو معلوم ہوگا کہ سردی کی جگہ زمین سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور یہ حرارت ہر سو فیٹ گہرائی پر ایک درجہ بڑھتی جاتی ہے، اس کے معنی یہ ہوے کہ زمین ابھی حرارت پیدا کرنے سے عاجز نہین ہے، اور سطح خاک پر جتنی برودت بڑھتی ہے اس سے کہین زیادہ حرارت تہ خاک سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے زمین کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہین ہے۔

لکڑی سے غذا

جنگ عظیم کے دوران مین جرمنی نے جنگلی لکڑیون سے غذا پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس زمانہ مین اس مین خاطر خواہ کامیابی نہین ہوئی تھی، مگر اب بعض پروفیسرون کی مساعی جمیلہ نے اس کو ایک کامیاب صنعت بنا دینے مین کامیابی حاصل کی ہو، چنانچہ حال ہی مین پروفیسر فریڈرک برگس نے اپنی ایک تقریر مین بیان کیا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ جرمنی اپنی اس غذاسازی کی صنعت کو کاروباری طریقہ پر شروع کرے، ان کا بیان ہے کہ اگر عام جنگلی لکڑیون کو خاص کیمیائی طریقہ سے غذا کی شکل مین منتقل کیا جاے تو وہ غذا نہ صرف جانورون بلکہ انسانون کے لیے مفید، اور ارزان ثابت ہوسکتی ہے،

ایک نفسی بیماری

پولینڈ کے ایک استاذ نفسیات پروفیسر سٹیفن بلوشکی نے مسلسل تجربون کے بعد یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اگرچہ ہر آدمی مین بعض چیزون کے گننے کی عادت ہوتی ہے، لیکن پھر بھی بعض ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین، جنکا تمام خیال صرف اسی ایک شغل تک آکر محدود ہو جاتا ہے، کبھی سیڑھیان گنتے ہین، کبھی الفاظ کے حرون کو شمار کرتے ہین اور کبھی دوسری چیزون کو، یہ عادت اُن کے ذہن مین اس قدر راسخ ہو جاتی ہے

کہ وہ اکثر و بیشتر اسی دلچسپ شغل مین مصروف رہتے ہین اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر اس قابل بھی نہین رہتے کہ کسی چیز پر پوری طور سے غور کر سکین، اس استاذ نفسیات نے اس مرض کا نام مالیخولیۂ اعداد یعنی (ARITHMO-THYMIA) رکھا ہے،

یورپ کا اوّلین تنباکوکش

اسپین کا کارخانۂ تنباکو شہر ریاموئنٹے مین یورپ کے اولین تنباکوکش کی یادگار کے طریقہ پر اُس کے شہر مین ایک لوح نصب کرنے والا ہے، ان لوگون کا دعویٰ ہے کہ تاریخی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کا باشندہ راڈریگو ڈی جیرز (RODRIGO DEJEREZ) کولمبس کے ساتھ گیا تھا اور امریکہ مین اُس نے وہان کے قدیم باشندون سے تنباکو پینا سیکھا، جب واپس آیا تو اپنے ساتھ تنباکو بھی لایا، یہان اس کے ناک اور منھ سے دھوان نکلتے دیکھ کر لوگون نے مذہبی عدالت کے افسرِ اعلیٰ سے شکایت کی کہ اس شخص کے اندر ایک ایسی خبیث روح حلول کر گئی ہے، جو ہر وقت دھوان نکالتی رہتی ہے، چنانچہ یہ شخص گرفتار ہو کر عدالت کے سامنے پیش کیا گیا، اور جب اس نے اصل حقیقت کو عملاً بتایا تو اُسے آزادی نصیب ہوئی،

تصویر کشی کا نیا آلہ

اس وقت تک جتنے اس قسم کے آلے ایجاد ہوئے ہین اُن کی انتہائی تعریف یہ تھی کہ وہ تیز سے تیز یا چھوٹی سی چھوٹی چیز کا عکس لینے مین کامیاب ہوتے تھے، مگر اب اس ایجاد نے ایک قدم اور بڑھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب اس کے ذریعہ اتنی دور کی چیزون کی تصویر بھی لیجا سکتی ہے، جتنی دور کی چیزین معمولی آنکھون سے نظر نہین آتین، چنانچہ اس سے سب سے پہلی جو تصویر لی گئی وہ اُن پہاڑون کی تھی جو ۲۲۴ میل دور اور انسانی نظر سے اوجھل تھے، اس کامیاب تجربہ نے ایک نئی دلچسپی پیدا کر دی ہے، اور اصحابِ فلکیات و حربیات دونون بہت غور سے اس ایجاد کے فادی مطالعہ مین مصروف ہین،

م ن ۱۱

ادبیات

بچہ اور شمع

از

از فضل حق صاحب قریشی متعلم قانون لکھنؤ یونیورسٹی

طفلک پروانہ خو تو کس لیے بیتاب ہے　　　　شمع بزمِ طفلی کیلئے کیون دل ترا خوناب ہے

ڈھونڈھتا ہے جسکو تو شعلون مین وہ نایاب ہے　　　　جنسِ الفت اس سرائے دہر مین اک خواب ہے

سازہاے زندگی کا جزرومد معلوم ہے

اپنی ناکامی پہ تو پھر کس لیے مغموم ہے

ہوش مین آ تبلیٔ فطرت کے سارے کام دیکھ　　　　سوے گلشن اک نظر کر گردشِ ایام دیکھ

دے نہ جاے تجھکو دھوکا تیری طبعِ خام دیکھ　　　　مقصدِ ہستی سمجھ آغاز سے انجام دیکھ

رازِ پنہانی کو تو اک مشتِ خاکستر سے سیکھ

یہ نمو خرمن کی خونِ صاعقہ پرور سے سیکھ

پھر تجھے تڑپا دیا نادان ضیاے شمع نے　　　　کر لیا گرویدہ تجھکو پھر فضاے شمع نے

درسِ عبرت بھی دیا پروانہاے شمع نے　　　　طاقِ نسیان پر رکھا لیکن اداے شمع نے

آہ نادانی تری دل کو مرے تڑپا گئی

کیون تری معصومیت دنیا سے دھوکا کھا گئی

تو سمجھتا ہو جسے لطفِ شبابِ زندگی — تو سمجھتا ہے جسے صد آب و تابِ زندگی
ہے حقیقت مین وہ اے ناداں حبابِ زندگی — ماہیت اُسکی نہین کچھ جز سرابِ زندگی

زعمِ باطل کو الگ کر بیخودی کو راہ دے
مست نہ جا آشیاں تک پر تو گمراہ ہے

شبنمِ واصل کو جب پرواز کی حسرت رہی — کرمکِ شب تاب کو تارون سے جب قربت رہی
اک ہجومِ یاس سے دل کو ترے اُلفت رہی — اپنی ناکامی پہ تجھکو بے سبب حیرت رہی

پر تمنا ہے کہ ہو معلوم رازِ زندگی
تیرا سازِ زندگی ہو بے نیازِ زندگی

خیر! آ تجھکو بتادون مین رموزِ کائنات — ابتدا سے زندگی ہے ابتداے حیات
پر کمالِ زندگی ہو ہون نہ پیدا خواہشات — قیدِ ہستی رنگِ ہستی کو نہ رہجائے ثبات

ساری دنیا سے نرالا اپنا میخانہ رہے
گر نہ ہو ساقی تو کیا گردش مین پیمانہ رہے

باب التقریظ والانتقاد

المبین پر تعقب و تبصرہ

از

جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی پی ایچ ڈی، پروفیسر عربی الہ آباد یونیورسٹی

المبین۔ رسالہ جس میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر اس کی جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں ناقابلِ انکار فوقیت و قدامت ثابت کیگئی ہے"، نوشتہ، مولوی محمد سلیمان اشرف صاحب۔ ضخامت ۸۴ صفحے علی گڑھ ۱۹۲۹ء۔

کتاب سات باب پر تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے باب میں "عربی زبان کے مخصوص فضائل" بیان ہوئے ہین۔ اِس باب کے بعض حِصّے سیوطی کی کتاب "المزہر" کی نوعِ اوّل سے ماخوذ ہین اور بعض مصنف کے طبعزاد جن مین زیادہ حصہ عربی زبان اور عجمی زبانون کے مقابلے کا ہے۔ یہ مقابلہ اِس دعوے کے ساتھ شروع ہوتا ہے: "انصاف کی نگاہون سے اگر دیکھا جاوے تو "عربی زبان کا دیگر السنہ پر وہی شرف محسوس و مشہود ہوتا ہے جو غیر عرب کی زبان و کلام کو وحوش و طیور کی آوازون پر حاصل ہے" (صفحہ ۷)

تعجب ہے کہ مصنف نے جب یہ الفاظ لکھے تو زرا دیر کے لیے بھی یہ بات "انصاف کی نگاہون سے" نہ دیکھی کہ اگر کسی شخص کے سامنے ایسی زبان بولی جاوے جسے وہ نہ جانتا ہو تو اُس کے لیے وہ ویسی ہی بے معنی ہوگی جیسی وحوش و طیور کی آوازین۔ اگر وہ دونون مین کچھ فرق کر سکے گا تو بس اِسی قدر کہ جو آوازین ایک انسان منہ سے نکال رہا ہے وہ بہ نسبت جانورون کی آوازون کے زیادہ نظم و ترتیب رکھتی ہین۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا

کی ہر قوم اپنی زبان کو بہتر جانتی ہی جیسے ہر خود دار قوم کو اپنی زبان پر ناز ہوتا ہی عربون نے بھی اپنی زبان پر فخر کیا اور بجا فخر کیا۔ اُن کی زبان کے محققون نے خوب خوب داد تحقیق دی۔ عربی کی صرف نحو کو مدوّن کیا اور فصاحت کے گُر بتائے مگر صرف نحو اور فصاحت کے وہ اصول عربی ہی تک محدود رہے، اُن محققون مین سے ایک نے بھی کبھی یہ نہین کہا کہ ہم نے جو قاعدے مقرر کیے ہین وہ عربی کے سوا کسی دوسری زبان کے محک کا کام دے سکتے ہین۔ اُن بزرگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا کہ عربی اور عجمی مین وہی نسبت ہی جو عجمی زبانون اور جانورون کی آوازون مین ہی بلکہ انھین واجب التعظیم بزرگون مین سے بعضون نے اِس قول کو بھی مانا ہی کہ علم آدم الاسماء کی تفسیر یون ہی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کل مخلوقات کو تمام زبانون یعنی عربی فارسی سُریانی عبرانی رُومی وغیرہ مین اسماء بتائے۔ [۱]

مصنف کو اگر انصاف مد نظر تھا تو پہلے دنیا کی ساری زبانون کو حاصل کرتے اور اُن کے لیے جو اصول اُن زبانون کے محققون نے بتائے ہین اُن سے کما حقہ واقف ہو لیتے تب اِس بحث پر قلم اُٹھاتے۔ بجائے اِس کے اُنھون نے سنسکرت اور عربی کا مقابلہ یون شروع کیا ہی کہ

"سنسکرت نے مخارج حروفِ تہجی کے لیے آٹھ مقام متعین کیے اور یہ سب سے بڑی تعداد ہی جسے عجمی زبانون نے پیش کیا ہی۔ اُن زبانون کو چھوڑیے جنھون نے نہ مخارج کو جانا نہ ادائے حروف کے لیے اُن کے قواعدِ تعلیم وضع ہوئے . . . . اب عربی زبان کو دیکھیے جس کے حروفِ تہجی کی کل تعداد انتیس ہی۔ اُس نے جب حرفون کے مخارج کی طرف صحیح احساس و تمیز سے غور کیا تو مخارج کا تعین سترہ مقام پر ہوا" (ص ۲۰)

مصنف نے یہ نہ سوچا کہ حروفِ تہجی کے مخرج کا تعین کرنا صوتیات کے ماہرون کا کام ہی نہ کہ خود زبان کا اور یہ کہ آوازون کی کسی جنس کو انواع مین تقسیم کرنے کی ذمہ دار زبان نہین بلکہ وہ لوگ ہین جنھون نے زبان کی آوازون کے مخرجون کو کم یا زیادہ انواع مین تقسیم کیا ہی، ممکن ہے کہ ایک ہی زبان کی آوازون کو

---

[۱] السیوطی، المزہر، ج ۱ ص ۲۰۰۔ ابن جنی نے بھی (الخصائص، ص ۳۹) اسی طرح لکھا ہی۔

ایک ماہر صوتیات زیادہ انواع مین تقسیم کرے اور دوسرا کم انواع مین، پھر تقسیم خود بھی متنوع ہو سکتی ہی یہہ خیال بھی درست نہین کہ کوئی زبان ایسی بھی ہو سکتی ہی کہ حرف رکھتی ہو مگر اُن کے مخرج متعین نہ ہو سکین۔ یہہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ عربی زبان نے "حرفون کے مخارج کی طرف صحیح احساس وتمیز سے غور کیا" سے مصنفِ علام کا مقصود کیا ہی؟ کیا دنیا کی کسی بولی مین احساس اور غور کی قدرت بھی ہی؟ اگر "زبان" سے مجازاً "زبان کے بولنے والے یا اُس کے محقق" مراد ہین تو یہہ شاعری یقیناً بے ضرورت اور بے محل ہی۔ آگے چل کے سنسکرت کے متعلق ایک عجیب خیال ظاہر کیا گیا ہی:

"سنسکرت اس کی تو مدعی ہو گئی کہ فلان فلان حرف یہان بھی حلقی ہین، لیکن حلق کے اُس حصۂ خاص کو متعین نہ کر سکی جس سے اُس حرف کے ادا کا تعلق تھا، اور یہہ ظاہر ہی کہ جب حصص مین تمیز نہ ہوی تو مرکز صوت مین بھی ممتاز ہونے کی طاقت ضعیف و کمزور ہو گی، متکلم جہان سے اُس کا جی چاہے گا اُسے ادا کریگا" (ص ۹)

اس عبارت کو پڑھ کر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور سنسکرت ہی جس کا وجود صرف مصنف کے ذہن مین ہے ورنہ ایسی زبان کا وجود ہی محال ہی جس مین یہ آزادی ہو کہ بولنے والا کسی آواز کو جہان سے اُس کا جی چاہے ادا کرے۔

اس کے بعد عربی اصوات کے مخرجون کی تفصیل دی گئی ہے اور پھر سنسکرت کا نقص یہ بتایا گیا ہی کہ اُس مین جو حرف حلقی کہے جاتے ہین وہ اُن معنون مین حلقی نہین جن معنون مین عربی کے بعض حروف حلقی کہے جاتے ہین، بالآخر یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عجم کی قوت ممیزہ عرب سے بدرجہا کم ہے" (صفحہ ۱۱)

مصنف کی ساری کوشش یہ ہی کہ عربی کی خصوصیات فضائل مین شمار کر لی جائین اور اس طرح اور زبانین خود بخود محاسن سے خالی مان لی جائین مگر یہہ راہ تو سیدھی ترکستان کو گئی ہی:

سیدھی سی بات ہی کہ ہر زبان اپنی خصوصیات رکھتی ہے اور وہی خصوصیتین اُسے اور زبانون سے ممتاز رکھتی ہین پس ایک زبان مین دوسری زبان کی خصوصیت کے نہ ہونے سے اُس کا نقص لازم نہین آتا اور اگر یہہ تصور کر لیجیے کہ نقص لازم آتا ہے تو پھر ایسے نقص سے کوئی ایک زبان بھی پاک نہین، اگر بعض آوازین

عربی مین ہین، اور سنسکرت مین نہین پائی جاتین تو بعض آوازین ایسی بھی ضرور ہین کہ سنسکرت مین ہین اور عربی مین نہین پائی جاتین۔ ایسی صورت مین اصوات کے وجود اور عدم یا اُن کے زیادہ اور کم متنوع ہونے سے بحث کرنا عبث ہے، یہہ استدلال انسانی منطق کے حدود سے بالکل باہر ہے کہ

غ اور خ کا تلفظ "عجمی ناخواندہ" اگر کرے گا تو گ اور کھ کرے گا" پس بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہی کہ سنسکرت کے حروفِ تہجی کسی وقت مین عربی ہی حروف تہجی تھے جو گھستے پٹتے اپنی ہیئتِ اصلیہ سے رفتہ رفتہ دور ہوتے چلے گئے کہ آخرکار اُن کی ہیئت نے ایک خاص شکل اختیار کرلی لیکن پھر بھی بعض بعض حروف مثلاً گ اور کھ اس وقت اِس کا پتہ دیتے ہین کہ یہ حرف عربی کی بگڑی ہوئی صورت ہے" (ص ۱۱)

یہ خیال کہ ایک زبان کسی دوسری زبان کی بگڑی ہوئی صورت ہی ایک عامیانہ مغالطہ ہی اور اِس مغالطے مین وہ لوگ اکثر پڑ جاتے ہین جنھون نے زبانون کی تاریخ اور اُن کی ارتقا کے مدارج کا کما حقہ مطالعہ نہین کیا ہے، زبان کوئی ایسی چیز نہین کہ دس بیس پچاس برس مین بنجاتی ہو، بلکہ ایک زبان کے لیے ہزار برس کا زمانہ ایک ادنیٰ سی بات ہی، اکثر زبانین اب سے ہزارون برس پہلے وجود مین آئین اور اب تک زندہ ہین یا تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ مردہ ہوگئین مگر اُن مردہ زبانون کے خط و خال بھی اُن لوگون کے لیے جنھین مطالعے کی توفیق ہو ایک بڑی حد تک روشن ہین، اِس صورتِ حال پر نظر کرکے کوئی سمجھدار آدمی کسی زبان کی کنہہ پر ہرگز راے زنی نہ کرے گا، جب تک کہ اُس نے اُس زبان کی تاریخ کا غور کے ساتھ مطالعہ نہ کرلیا ہو۔

"المبین" کے مصنف کی جسارت پر حیرت بھی ہے افسوس بھی کہ اُنھون نہ صرف تمام تاریخی ملاحظات کو بالاے طاق رکھد یا ہے بلکہ السنہ کے اثریات اور تاریخی مواد کا مطالعہ کرنے والے علما کی تضحیک فرماتے ہین۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہی:

"مین اپنا ندکورۂ بالا دعویٰ قبرون اور کھنڈرون کے کتبون یا توریت کی عبارتون سے ثابت

کرنا نہین چاہتا اور نہ توہم و تخیل کو تاریخ و تحقیق کہکر دعوے کا کوئی حصہ تسلیم کرانا چاہتا ہون ...“ (ص - ۱۸)

یہ جملہ یقیناً شرح سے مستغنی ہے مگر اس صنعت کی داد نہ دینا ظلم ہو گا، کہ اتنے تھوڑے سے لفظون مین کتنی متناقض چیزین جمع کر دیگئی ہین۔

صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۲۲ تک صفاتِ حروف سے بحث ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہو کہ عربی زبان کی ہر منفرد آواز بھی ایک معنی پر دلالت کرتی ہے، اِس بحث مین اِس قدر مبالغے سے کام لیا گیا ہے کہ عربی زبان بالکل ایک مصنوعی چیز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ مختلف مادّون کے معنون مین زبردستی کا تعلق پیدا کیا گیا ہی، فرماتے ہین :-

”مثلاً لفظ اگر حرف شین سے شروع ہوا ہی جو عربون کے نزدیک تفشّی کا حرف ہے، اب جس کلمہ مین یہ حرف پایا جائے گا، اُس مین پھیلاؤ، وسعت یا پراگندگی کا مفہوم ضرور پایا جارے گا، عام ازین کہ حسّی ہو یا معنوی“ (ص ۱۴)

اس کی جو مثالین دیگئی ہین اُن مین سے چند یہ ہین: شباب (جوانی)، شجر، شر، شرف (بزرگی)، شتم (گالی)، شجاع، شرع (قانون الٰہی)، شحم (چربی)، شرح، اِن تمام لفظون کے معنون مین جو وجہِ مناسبت بتائی گئی ہے وہ کسی طرح اعتنا کے قابل نہین ہوسکتی، اِس مقام پر اگر یہ بتا دیا جائے کہ ”تفشّی“ کا لفظ حرف شین کی آواز کے متعلق سب سے پہلے کس شخص نے استعمال کیا اور کن معنون مین تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

ہجرتِ نبوی کی دوسری صدی (تقریباً ۱۳۸ھ) مین ایک ایرانی ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر پیدا ہوا اور ۱۸۰ھ ہجری مین کوئی بیالیس[۴۲] برس کے سن مین شیراز مین مرا اور وہین دفن ہوا، ماں باپ نے پیارسے سیبویہ کہکر پکارا، اسی لقب سے دنیا مین شہرت پائی، اُسکی تصنیف ”الکتاب“ عربی نحو پر سب سے پہلی کتاب ہے اور مسلمانون کے علمی عروج کے زمانے مین کلام اللہ کے بعد شاید امام سیبویہ کی ”الکتاب“ ہی وہ کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی تھی، اُس زمانے کے بعض اہلِ نظر نے سچ کہا ہے کہ کسی علم پر

---

[۱] اِس بحث کا ماخذ یقیناً احمد فارس الشدیاق کی تصنیف ”سر الليال“ ہو لیکن تعجب ہے کہ المبین مین شدیاق یا اُسکی کتاب کا حوالہ نہین دیا گیا۔

ایسی جامع کتاب نہین تالیف ہوئی جیسی ہیئت مین بطلیوس کی مجسطی، منطق مین ارسطاطالیس کی کتاب اور علم نحو مین سیبویہ بصری کی الکتاب [1]

شؔ کی آواز کی صفت مین جو "تفشی" کا لفظ استعمال کیا وہ بھی سیبویہ ہی نے :-

"والراء لاتدغم فی اللام ولا فی النون لأنها مکررة وھی تفشی کأن معہا غیرھا فکرھوا ان یجحفوا بھا فتدغم مع مالیس یتفشی فی الفم مثلھا ولا تکریر [2]

ترجمہ "اور رؔ نہ تو لؔ مین مدغم ہوتی ہے اور نہ نؔ مین اس لیے کہ وہ "مکررہ" ہے، اور وہ (تلفظ مین) ایسی بھرپور ہوتی ہے کہ (گویا) اس کے ساتھ سوا اس کے کوئی اور (آواز) بھی ہے، پس اہل زبان نے پسند نہ کیا کہ اُن کو (رؔ کے ساتھ مدغم کرکے) بوجھل کردین اس لیے اُن کا (یعنی لؔ اور نؔ کا) ادغام اُنہین (آوازون) کے ساتھ کیا جاتا ہی جو ادا ہوتے وقت منہ کو پُر نہین کردیتی ہین اور نہ تکرار کے ساتھ ادا ہوتی ہین ۔۔۔۔"

اس سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ "تفشی" شؔ کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ اور آوازون مین بھی ہے، "المبین" کے مصنف نے اس کا ذکر بالکل نہین کیا کہ رؔ مین بھی تفشی ہے،

اُسی صفحے پر چند سطرین آگے چل کے امام سیبویہ نے یہ فرمایا ہے :-

"والشین لاتدغم فی الجیم لان الشین استطال مخرجھا لرخاوتھا حتی اتصل بمخرج الطاء فصارت منزلتھا منھا نحوًا من منزلة الفاء مع الباء فاجتمع ھذا فیھا والتفشی فکرھوا ان یدغموھا فی الجیم کما کرھوا ان یدغموا الراء فیما ذکرتُ لک فی الراء۔

"اور شؔ جؔ مین مدغم نہین ہوتا اسلیے کہ شین کے ڈھیلے پن (رخاوة) کے باعث اُس کا مخرج لمبا ہوجاتا ہے، یہانتک کہ وہ طؔ کے مخرج سے جاملتا ہے پس اُس کی حالت ویسی ہی ہوجاتی ہو جیسی کہ فؔ کی

---

[1] یاقوت، ارشاد الاریب، ج ۶ ص ۸۲

[2] الکتاب مطبوعہ کلکتہ، ص ۱۰۷۸ ۔

حالت تی کے ساتھ، اور پھر ان سب (باتون) کے ساتھ اس مین (یعنی ثّ مین) آواز کی پوری (تفشّی) بھی ہے" اس لیے (اہلِ زبان) نے ناپسند کیا کہ اُسے تّ مین مدغم کرین، اُسی طرح جیسے کہ اُنھون نے یہ ناپسند کیا کہ رَ کو ان آوازون مین مدغم کرین جنکا ذکر مین تّ کی بحث مین کر چکا ہون"۔

تفشّی" کے جو معنی سیبویہ نے لیے ہین وہ "آواز کے بھرپور" ہونے کے ہین۔ اور یہ صفت محض ثّ مین نہین بلکہ تّ مین بھی بتاری ہے، علاوہ اِس کے خود ثّ کی صفت علاوہ تفشّی کے "رخاوة" بھی بتاری ہے، پس ثّ کو خاص کر "حرفِ تفشّی" کہنا (المبین۔ ص ۱۶) درست نہین۔ خود مصنف "المبین" نے ہر حرف کی کئی کئی صفتین لکھی ہین۔ اگر یہ سب صفتین لفظون کے معنون سے متعلق کر دیجائین تو جس لفظ مین جو صفت چاہیے اور جتنی صفتین چاہیے پہنا دیجیے۔ اِس کے معنے یہ ہون گے کہ لغات مین جو امتیاز ہے وہ باقی نہ رہے گا اور یہ زبان کی خوبی نہین سب سے بڑا عیب ہے،

"الکتاب" مین سے جو عبارت اوپر دی گئی ہے اُس کے پڑھنے سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ امام سیبویہ نے جو بلا شبہ اسلام مین سب سے بڑا نحوی گزرا ہے "تفشّی"، "رخاوت" اور "مکرّرہ" کو صرف صوتیات کی اصطلاحون کے طور پر استعمال کیا ہے، اِسی طرح آوازون کی اور صفات جو "المبین" مین لکھی گئی ہین تقریبًا سب کی سب سیبویہ کے ہان موجود ہین مگر صرف آوازون کی نوعیت کے ظاہر کرنے کو۔ لفظون کے معنون سے انھین اصلا تعلق نہین۔ کیا تعجب کی بات ہے کہ سیبویہ ایسے محقق کو ذرا تنبّہ نہ ہوا کہ آوازون کی صفات کے وہ جو نام رکھ رہا ہے وہ ان لفظون کے معنون کی طرف رہبری کر رہے ہین جنمین وہ آوازین آگئی ہین۔ عربی لغت کی اِس اعجوبہ خصوصیت کو سیبویہ نے نہین پہچانا تو خیر۔ اس کے استاد خلیل عروضی نے شعر کی لے کو تاڑ کر بحرین تو قائم کر دین مگر حرفون کے نغمے کو وہ بھی نہ پہچان سکا!!!

دوسرے اور تیسرے باب مین بھی اکثر اسرارِ حروف و حرکات بیان کیے گیے ہین،

تیسرے باب مین یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر ثلاثی مادے کے پہلے دو حرفون (یعنی ف اور ع کلمے) کی

صوتی صفات کے لحاظ سے مادے کے معنی متعین ہوئے ہین اِس دعوے کے ثبوت مین جو مثالین دیگئی ہین (ص ۳۵-۴۱) اُن مین سے بعض یہ ہین :-

"ہمزہ و با جب کسی کلمہ مین . . جمع ہونگے تو اُس کے معنی مین دوری یا جدائی یا تنافر و توحش کا مفہوم ہوگا - مثلاً -

معنے	لفظ
روانگی کا قصد کیا	اَبَّ
دن ایسا گرم ہوا کہ کاروبار چھٹ گیا.	اَبتَ
وحشت دکھائی، بھاگا،	ابد
نر کھور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالا،	ابر
ہرن نے جست کی	ابز
ڈرایا	ابس
غلام آقا سے بھاگا،	ابق
اس چیز سے دور ہوا،	اَبَدَ عن الشئ[1]
انکار کیا یا ناپسند کیا"	ابی

اِس مثال مین مصنف نے جن نو لفظون کے معنے لکھے ہین اُن مین سے صرف چار لفظون (ابز، ابس، ابق، ابی) کے معنے تو ٹھیک ہین مگر باقی پانچ لفظون کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اُن کے معنون کے بیان کرنے مین افراط تفریط سے کام لیا گیا ہے اور عربی زبان مین جو معنے اِن لفظون کے آتے ہین اُن کے لحاظ سے وہ مصنف کے دعوے کو ثابت نہین کرتے بلکہ اُسے توڑتے ہین ۔ قبل اس کے کہ مین ان لفظون کے

[1] المبین مین اِس لفظ کو اَبَدَ لکھا ہے مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، اَبَدَ ہونا چاہیے۔

معنون کی تشریح کرون یہ عرض کر دینا ضروری جانتا ہون کہ جب کسی لفظ کی اصل کی تحقیق کی جاتی ہے تو اُس کے ابتدائی مفہوم سے بحث کی جاتی ہی اور مرادی یا تشبیہی معنے یا وہ معنے جو بعد کو پیدا ہوئے ہین بحث سے قطعاً خارج کر دیے جاتے ہین۔ عربی زبان کے جتنے محقق گذرے ہین اُن کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ یہہ اور بات ہے کہ کوئی محقق اپنی اِس کوشش مین ناکام رہا ہو کہ لفظ کے ابتدائی معنے دریافت کرے اور اِس طرح اُس نے دھوکے سے مرادی معنے کو ابتدائی معنے سمجھ لیا ہو۔ اب اُن پانچ لفظون کے وہ معنے ملاحظہ ہون جو عربی کے مستند لغت "لسان العرب" مین درج ہین:-

"الأَبُّ الكلأُ وعبّر بعضهم عنه بانه المرعى وقال الزجاج[2] الأبُّ جميع الكلأ الذى تعتلفه الماشية وفى التنزيل العزيز: وفاكهةً وأبّاً قال ابو حنيفة[3] سمّى الله تعالى المرعى كلّه أبّاً۔ قال الفراء[4] الأبُّ ما يأكله الانعام وقال مجاهد[5] الفاكهة ما اكله الناس والأبُّ ما اكلت الانعام فالأبُّ من المرعى للدواب كالفاكهة للانسان[1]"

ترجمہ | "اَب گھاس (کو) کہتے ہین، اور بعضون نے اُس سے چراگاہ مرادلی ہے، زجاج[2] نے کہا ہے کہ اَب تمام قسمون کی گھاس ہے جسے چوپائے چرتے ہون۔ کلام مجید مین آیا ہے "اور پھل (یا میوہ) اور گھاس" (وفاکھۃً وأبّاً) ابوحنیفہ[3] کا قول ہی کہ اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے چارے کو "اَب" کہا ہی۔ فراء[4] نے کہا ہے کہ اَب اُسے کہتے ہین جو چوپائے چرتے ہین، مجاہد[5] کا قول ہی کہ فاکھہ وہ جسے آدمی کھائین اور اَب وہ جسے چوپائے کھائین۔ پس اَب

---

[1] لسان العرب، ج ۱، ص ۱۹۸-۱۹۹ [2] ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن السری الزجاج۔ المتوفی سنہ ۳۱۱ھ بصری اہل لغت مین سے تھا اور المبرد کا شاگرد۔ دیکھو الفہرست ص ۶۰؛ ابن خلکان شمار ۱۲

[3] ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری۔ المتوفی سنہ ۲۸۲ھ ابن السکیت کا شاگرد تھا۔ دیکھو الفہرست ص ۷۸؛ کشف الظنون ج ۵ ص ۱۴۲

[4] ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء۔ المتوفی سنہ ۲۰۷ھ۔ لغت اور نحو کا امام تھا اور الکسائی کا شاگرد۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ ص ۲۷۰ الفہرست ص ۶۶؛ ابن خلکان شمار ۸۰۰

[5] مجاہد بن جبر تابعین مین سے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد۔ سنہ ۱۰۳ھ مین تراسی برس کی عمر مین وفات پائی۔ دیکھو تہذیب الاسماء ص ۵۴۰۔

جانوروں کا چارا ہے، اُسی طرح جیسے انسان کے لیے فو کہ،

یہ تو اَبّ کے اسمیت کے معنے ہوئے۔ اب اُس کے فعلیت کے معنے سنیے:۔

(۱) "اَبَّ للسیر یَئِبُّ اَبّاً ... تَہَیَّأَ للذھاب وتجہّز... " (۲) اَبَّ اذا حرّک (۳) واَبَّ اذا ھزّ بحملۃ لا مکذوبۃ فیھا۔ (۴) "کالاَبِّ النزاعُ الی الوطن واَبَّ الی الوطنِ واَبَّ وطنہ...... نَزَعَ" (۵) "ابّت اَبابۃ الشیٔ ... استقامت طریقتہ"[1]

ترجمہ:۔ (۱) اَبَّ للسیر (کے معنی ہیں): چلنے کے لیے تیار ہوا اور اُس کا بندوبست کیا (سفر کی ضروریات کو مہیا کیا) (۲) اَبَّ جنبش کی (۳) جب (کسی نے) ایسے حملے کے لیے حرکت کی جو جھوٹا نہ پڑا تو کہیں گے اَبَّ، (۴) اَبَّ (اپنے) وطن کا اشتیاق ظاہر کیا (۵) اُس چیز کا ڈھنگ مستقل ہو یعنی اُس چیز میں استقامت یا استقلال پیدا ہو گیا، یعنی نشان (۵) میں محض استقامت ہے جس میں کوئی شائبہ دوری، جدائی، تنافر، توحش کا نہیں (۴) میں آ... شوق یعنی قوی خواہش ہو۔ دوری کا مفہوم شوق اور خواہش کے افعال میں بنفسہا نہیں مانا جا سکتا گو اُن کا مفعول فاعل سے عموماً جدا یا دور ہوتا ہے۔ (۲) اور (۳) میں محض جنبش کا مفہوم ہے سو دوری یا توحش اُس میں بھی کہیں نہیں۔ (۱) کی صورت یہ ہو کہ جب چلنے کے ساتھ استعمال ہو تو بھی اَبَّ کے معنے محض تیاری اور بندوبست کرنے کے ہوں گے،

پس معلوم ہوا کہ اِس فعل میں مفہوم ہے میلان یا شوق اور استقامت کا (کہ وہ بھی اشدِ میلان کا نتیجہ ہے) اب سوال یہ ہے کہ میلان اور گھاس میں کیا واسطہ ہے۔ غالب یہ کہ اِس مادّے کے ابتدائی معنے گھاس کے تھے جانور کا میلان چارے کی طرف نہایت قوی ہوتا ہے اُس کا چارے کا شوق، اشتیاق، اُس کی طرف لپکنا، اُس کی طرف جانے کا ارادہ کرنا، اُس کی طرف سے منہ نہ موڑنا سب معلوم۔ یہ ساری باتیں اِسی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اَبّ (اسم) ابتدا میں تھا اُس سے فعل (اَبَّ) بنا۔ اور اُس اسم میں نہ کہیں دوری یا جدائی

[1] لسان العرب ج ۱ ص ۱۹۹،

نہ تنافر یا توحش۔

اَبَتَ کے معنی ہیں: "دن، بہت گرم ہوا" اور "بس مصنف "المبین" نے اُس کے جو معنی لکھے ہیں اُس میں یہ ٹکڑا: "ایسا . . . . کہ کاروبار چُھٹ گیا" لغت کی کسی کتاب میں نہ ملے گا۔ بس کاروبار چھٹ جانے کی قید صحیح نہیں۔

اَبَدَ کے ابتدائی معنے "دہر" یا "بہت طویل زمانے" کے ہیں اور اُس میں دوری ضرور ہے مگر جانور کے بھڑکنے کے معنے بعد کے ہیں۔ ملاحظہ ہو: "الاَبَدُ الدَّھْرُ . . . . . والابدُ الدائمُ والتأبیدُ التخلیدُ و اَبَدَ بالمکانِ . . . . . اقام بہ ولم یبرحہ . . . . . واَبَدَت البھیمۃُ . . . . . ای توحّشت . . . . الذکرُ آبِدٌ والانثیٰ آبدۃٌ وقیل سُمّیت بذلک ببقائہا علی الأبد"[1]

ترجمہ (۱) "ابد = دہر، دائم۔ اور تابید = ہمیشہ (کسی جگہ رہنا)، "ابد بالمکان" = وہ ایک ہی جگہ (جا) رہا اور وہاں سے ٹلا نہیں"۔ (۲) "اَبَدَت البھیمۃ" جانور نے وحشت دکھائی۔ (جانور کو) نر ہو تو آبد اور مادہ ہو تو آبدۃ کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ نام یعنی آبد یا آبدہ (جانور کو) اس لیے دیا گیا کہ اُس کا توحش ہمیشہ باقی رہتا ہے (چاہے کتنا ہی سدھایا جاوے)"۔

لسان العرب کی اس تشریح کے بعد تو کوئی شبہہ نہیں رہا کہ اس لفظ کے ابتدائی معنے توحش کے نہیں ہیں بلکہ ہمیشگی کے ہیں پھر اس میں وہ خاصیتیں کہاں جن کے لیے مصنف "المبین" اُسے بحث میں لائے ہیں۔

اَبَرَ کے معنے مصنف لکھتے ہیں "نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالا" یہ صورت مواصلت کی ہے اور مواصلت اُن سب خاصیتوں کا ضد ہے جن کو مصنف اس لفظ کے پہلے دو حرفوں میں بتاتے ہیں،

اَبَہَ کے معنے ہیں "(کسی چیز کو) یاد کیا، بھولی ہوئی چیز کو یاد کر لیا" اور اُبّھۃ = خوبی، چمک اور فخر کو کہتے ہیں۔ تَاَبَّہَ علی فلانٍ = "اُس نے فلاں شخص پر فخر جتایا یا تکبر دکھایا"۔ مصنف نے اپنے دعوے کی دلیل میں "اَبَہَ عَن الشیٔ" کو پیش کیا ہے۔ اس پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

[1] لسان العرب، ج ۴، ص ۱۲۵

پہلے یہ کہ اُس کے جو معنے مصنف نے لکھے ہین وہ اتبہ عن کے نہین ہین، بلکہ تاتبہ عن کے ہین، مزید برآن یہ کہ یہ لفظ باب تفعیل سے (یعنی فَعّل کے وزن پر) کلام عرب مین آیا بھی نہین ہے،

دوسرے یہ کہ اَتبہ اور تاتبہ دونون ثلاثی مزید فیہ سے ہین اُن کو اِس بحث مین لانا درست نہین۔ یہان فعلون کے قدیم ترین معنون سے بحث ہو اِس لیے ثلاثی مجرد کو پیش کرنا چاہیے۔

تیسرے یہ کہ عن نے فعل کے معنون کو متناقض کردیا عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ اکثر فعلون کا صلہ جب "عن" آتا ہے تو مخالف معنے پیدا ہوتے ہین مثلاً رَغِبَ عَنِ الشَّیٔ کے معنے ہوئے "اُس چیز سے منہ پھیر لیا یا اُسے ناپسند کیا"، رغبت ایسا لفظ ہے جس کے معنی ہر اُردو دان بھی جانتا ہو، سخت حیرت ہو کہ مصنف نے اِس طرف مطلق توجہ نہین کی۔ اپنی کتاب کے ص ۳۰ پر جو دوسری مثال پیش کی ہے اُس مین اَنہَءَ کے معنی "بد دل ہوا" لکھ دیے ہین، حالانکہ یہ اَنہَءَ عَنْ کے معنی ہین، اَنہَءَ کے معنی ہین: "(بھیڑ کو) پیٹ بھر کے غذا دی" جس مین "بد دلی" کا کوئی شائبہ نہین۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو جب کسی لفظ کے معنے مفید مطلب نہین ملتے ہین تو "عن" کی مدد سے وہ کم سے کم اُن لوگون کے لیے جو عربی نہین جانتے ایک طرح کا ثبوت اپنے دعوے کا بہم پہنچا لیتے ہین، مگر یہ نہین سمجھ مین آتا کہ خود اُن کو بھی اس سے کوئی اطمینان ہوجاتا ہو یا نہین۔ وہ دعویٰ جس کے ثبوت مین یہ لفظ پیش کیا گیا ہے یہ ہے:- "ہمزہ اور رزائے معجمہ اگر جمع ہون تو معنے تنگی اور بے دلی کے پیدا ہونگے" (ص ۳۰)

اِس دعوے کے ثبوت مین جو اور مثالین دیگئی ہین اُن مین سے صرف ایک کا ذکر کرونگا:-

"اَزِج، سُستی کی"، مگر لغت مین اِس کے "لمبا ہونے" کے معنے ہین؛ شلاً اَزِجَ العشبُ اور اَزَجَ: "(رجال مین) تیزی کی" سستی، تنگی یا بیدلی کے معنی مطلق نہین ہین،

اب تک تو انھین لفظون کا ذکر ہوا جن کو مصنف نے خود پیش کیا ہے مگر جو اُن کے دعوے

دلیل کا کام نہین دے سکتے بلکہ ایک بڑی حد تک اُن کے دعوے کے خلاف پڑتے ہین۔ بعضے لفظ ایسے بھی ہین جنکا ذکر اُنھون نے نہین فرمایا ہے مثلاً ہمزہ اور ب والے لفظون مین :-

اَب (ابو) " باپ "۔ اِس مین دوری، جداری، تنافر، توحُش کون بتا سکتا ہی؟

اَبَتَ - " گالی دی "۔ اِس مین تنافر ضرور ہی؛ مگر اِسی لفظ کے ایک اور معنے بھی ہین :- " اونٹنی کا دودھ پیا " جس مین وہ کوئی بات نہین ہے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہین۔ اور قرینہ یہی ہی کہ " اونٹنی کا دودھ پینا " ابتدائی معنے ہین :-

اَبَشَ " جمع کیا؛ مہمانون کی ضیافت کا سامان کیا "

اَبَصَ " خوشدل ہوا "۔ اِس کا مرادف اہلِ لغت نے " نَشَطَ " بتایا ہے اور " نشاط " سے اردو والے بھی اچھی طرح واقف ہین۔

اَبَضَ " اونٹ کا زانو باندھا "
اِبط " بغل " } وہ خاصیتین ان لفظون مین بھی نہین ملتین،
اِبل " اونٹ "

اِسی طرح چند اور حرفون کے ایک لفظ مین جمع ہونے کا اثر معنون پر بتایا ہی (ص ۲۸ - ۴۱ نیز کتاب کے بعض اور مقامات مین) اور بہت کھینچ تان کر مطلب نکالنے کی بے نتیجہ کوشش کی ہے، مصنف کے اِس طرزِ استدلال کو دیکھ کر شیخ سعدی کا وہ معرکے کا استدلال بے اختیار یاد آگیا جس کی روسے اُنھون نے ثابت کر دکھایا تھا کہ " حاجی " کے معنے ہین " سگ "

تیسرے باب مین مصنف نے جو کچھ تقریر فرمائی ہی اُسے بنیاد سمجھ کر چوتھے باب کی عمارت کھڑی کی ہی اور اُس کا نام رکھا ہی: " ایک سوفسطائیت کا اندفاع "۔ اِس باب کی وجہِ تالیف یہ ہے کہ " ایک مستشرق کے سخت مغالطہ کا سمجھنا اِس بحث پر موقوف ہی " (ص ۴۴) - وہ مستشرق جرجی زیدان ہی اُن [52]

سوفسطائیت یہ کہ وہ بعض لفظوں کو جو عربی مین مستعمل ہین غیر زبانون سے ماخوذ بتاتا ہے، ثلاثی مادون کے تیسرے حرف کو زائد تصور کرتا ہے، اور بعض عربی لفظون کو حکایتِ صوت کے اصول پر مبنی جانتا ہے اور ان فقرہ ذیع سے عربی کو کم مایہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے (ص ۵۲) مصنف اپنے بیان کے سلسلے مین آگے بڑھکر لکھتے ہین:-

"زیدان........ اپنی تحقیق کے سلسلے کو یورپ کے سلسلۂ تحقیق کی ایک کڑی ثابت کرتا ہے چنانچہ اس وقت کے مستشرقین بلا استثناء کے سب عربی زبان کے متعلق جو کچھ لکھ رہے ہین اُن کا ماخذ جرجی زیدان کی تصانیف ہین یا ڈاکٹر فونڈیک کے اقوال، مجھے اس موقع پر نہ استاد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت تھی نہ شاگرد کی طرف، لیکن مصیبت یہ آپڑی کہ اہل مشرق سے ایسے اشخاص جن کے دماغ ماؤف تھے اور اُن کا سرمایۂ نازو افتخار محض یورپ کی نقالی اور اہلِ مغرب کی غلامی تھی اُن کے منہ سے بھی وہی ہفوات صدائے بازگشت ہو کر نکلنے لگے، اس لیے ضرورت سمجھی گئی کہ جرجی زیدان کی فلسفیت کی سوفسطائیت اچھی طرح ظاہر کر دیجائے"

(ص ۵۲-۵۴)

مصنف نے جو جرجی زیدان اور مستشرقون پر اپنے سخت غصے کا اظہار فرمایا ہے اُسکی مطلق ضرورت نہ تھی۔ یورپ کے علما کے نزدیک جرجی زیدان کا شمار لسانیات کے ماہرون مین نہین کیا جاتا ہے اور یہ خیال ہرگز ہرگز صحیح نہین کہ اس وقت کے مستشرقین کا ماخذ جرجی زیدان کی تصانیف ہین، جہان تک لسانیات کا تعلق ہے فون ڈائک بھی اُن لوگون مین نہین جن کے اقوال اس فن کے ماہرون کا ماخذ ہین، کاش "المبین" کے مصنف مستشرقون کی تصنیفون کو خود پڑھتے اور دیکھتے کہ اُن کا ماخذ انھین بزرگون کی تصانیف ہین جنھون نے اسلام کے زرین عہد مین علوم عرب کی بنیاد رکھی تھی۔ اسلامی علوم کی جو خدمت پچھلے سو برس مین یورپ کے علما نے کی ہے اُس کا اعتراف نہ کرنا ہماری سخت ہٹ دھرمی ہوگی، اور اس ہٹ دھرمی یا ناشکر گذاری سے یورپ کے علما کا مطلق کوئی نقصان نہین بلکہ خود ہمارا ہی خسارہ ہے، ہمارا یہ حال ہے کہ ہم خود اپنے بزرگون کے کارنامون کو فراموش کر چکے ہین اور اگر اغیار ہمارے بزرگون کے علم و فضل سے مستفید ہو کر اُن کی تصانیف

اور اقوال کو اپنا دلیلِ راہ جانتے ہین تو اُن کو ہم گمراہ ثابت کرنے مین کوشان ہین۔ پست ہمتی اور ناشکری کی حد ہوگئی۔ یورپی مستشرقون کے علاوہ جس گروہ کو مصنف نے اِس مقام پر یاد فرمایا ہے وہ اہلِ مشرق ہین جنھون نے مغربی تعلیم بھی پائی ہے، بدقسمتی یا خوش قسمتی سے راقم الحروف بھی اُسی گروہ مین شامل ہے اور اِس لیے اس کو یہی شایان ہے کہ وہ اِس امر مین کچھ نہ کہے،

جرجی زیدان کے متعلق ابھی کہا جا چکا ہے کہ وہ لسانیات کا ماہر نہین، اُس نے کوشش کی کہ اِس فن کو عربی زبان مین منتقل کرے، اور اِس لیے وہ ہر عربی دان کے شکریے کا یقیناً مستحق ہے۔ فن کے بعض اصول مین اُس نے دانستہ یا نادانستہ مبالغہ کیا۔ مثلاً حکایتِ صوت کے بارے مین، ورنہ لسانیات کے ماہرون نے اِس مسئلے کو اُسی حد تک مانا ہے جس حد تک نحاۃِ عرب نے له

مادّے کے سہ حرفی یا دو حرفی ہونے کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عربی کے حدود کے اندر بلا شبہہ مادہ سہ حرفی ہے، اُس کے دو حرفی ہونے کی بحث محض عربی سے متعلق نہین بلکہ اُس قدیم سامی زبان سے متعلق ہے جس سے تمام سامی زبانین (عربی، ارامی، عبرانی وغیرہ) نکلی ہین۔ یہہ بات "المبین" کے مصنف کی نظر مین غالباً اِس لیے نہین آسکی کہ اُن کے نزدیک تاریخ سے بحث کرنا جائز نہین۔

اب رہی یہ بات کہ عربی مین اور زبانون کے لفظ آ گئے ہین سو اِس کی شہادت اوائلِ اسلام سے لیکر اِس وقت تک عربی کے ائمۂ فن برابر دیتے چلے آئے ہین۔ بھلا اُن کے اقوال کے ہوتے ہوئے "المبین" کے اِن لفظون کا کیا وزن ہو سکتا ہے:۔

"...... اِس کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے کہ عربی کی بے مائگی دکھانے کے لیے حکایتِ صوتی کی آواز سنی جائے، پھر سامی زبانون سے بھیک مانگی جائے، کچھ آریہ زبانون سے خیرات لیجائے..." (ص ۵)

له دیکھو ابن درید کتاب الاشتقاق ص ۲۲۷ اور ابن قتیبہ، ادب الکاتب ص ۲۱۲ ابن جنی بھی، جو صاحبِ "المبین" کا مطلب ہے، حکایتِ صوت کے متعلق کہتا ہے:۔

وهذا عندی وجه صالح ومذهب متقبل یعنی یہی رائے میرے نزدیک صحیح ہے اور یہی مذہب مقبول، دیکھو خصائص ص ۴۶

ے حوالہ آگے آتا ہے، ص ۲۳۶۔

مین اِس قدر عرض کرون گا کہ مسلمانون کی عصبیت کو برانگیختہ کرنے کے لیے اِس علمی بحث کے ذیل مین جو "بے باکی"، "بھیک" اور "مغویات" کے الفاظ لائے گئے ہین اُن کی مطلق ضرورت نہ تھی کاش ہمارے ہان کے مصنفین قلم اٹھانے سے پہلے اپنے موضوع کا صحیح اور کافی مطالعہ کر لیا کرتے۔ مصنف "المبین" قدم قدم پر لسانیات کے ماہرون کے "تعصب" کی شکایت دردناک لفظون مین کرتے ہین (مثلاً ص ۶۲) حالانکہ وہ سب شکایتین سراسر بے بنیاد ہین۔ یورپ کے محققون نے جو اصول لسانیات کے قائم کیے ہین وہ علماے اسلام کے اقوال سے مطابق ہین،

پانچوین باب مین مصنف نے اپنے خیال مین "فلسفۂ ارتقاء لسان" بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اُنھون نے باب کے شروع مین بتلایا ہے، اپنے اِس "فلسفے" کی بنیاد اُنھون نے "اشتقاق کبیر" پر رکھی ہے، جس سے وہ اگلے باب مین بحث کرین گے، یعنی پانچوان باب چھٹے باب کا مقدمہ ہے، پس یہان پانچوین باب کی تفصیلات سے بحث کرنا بے ضرورت ہے، بس اتنا کہدینا کافی ہے کہ حکایتِ صوت کے معاملے مین جرجی زیدان نے مبالغہ کیا ہے، جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ایک زمانے مین یورپ مین حکایتِ صوت کے نظریے کو بہت فروغ ہوا، مگر بہت جلد اُس کی حدبندی ہو گئی اِس طرح پر کہ کسی زبان کے سب کے سب مادے حکایتِ صوت پر مبنی نہین البتہ بعض ضرور اُس پر مبنی ہین یہی مسلک علماے اسلام کا بھی ہے۔

چھٹا باب جس کا نام "فلسفۂ اشتقاق" رکھا گیا ہے اُسی پر "المبین" کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، لیکن اس باب مین ابو الفتح ابن جنی کے اُس نظریے کا بیان ہے جسے "اشتقاق کبیر" یا "اشتقاق اکبر" کا نام دیا گیا ہے اور جسے اہل لغت نے مانا ہی نہین ہے۔ قبل اس کے اِس نظریے سے بحث کیجائے بہتر ہوگا کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ یہ نظریہ قائم کرنے کی کوشش جس شخص نے کی وہ کون تھا اور کس زمانے مین تھا۔[1]

ابو الفتح عثمان بن جنی یونانی الاصل تھے۔ سنہ ۳۳۰ھ سے کچھ قبل پیدا ہوے اور سنہ ۳۹۲ھ مین وفات پائی

---

[1] الفہرست۔ ص ۸۸، ابن خلکان شمار ۴۲۳۔

اس طرح پر اُن کے علمی مشاغل کا زمانہ چوتھی صدی کے نصف آخر مین پڑتا ہے ابن جنی کے استاد ابو علی الفارسی تھے جو ۲۸۸ھ مین پیدا ہوئے اور جنھون نے ۳۷۷ھ مین (ابن جنی سے پندرہ برس پہلے) وفات پائی[1]، اسی سلسلے مین یہہ بتادینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ زبانِ عرب کا ایک اور بہت بڑا محقق بھی ابو علی الفارسی کے شاگردون مین تھا یعنی صحاح[2] کا مصنف ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوہری الفارابی (المتوفی ۳۹۳ھ) یہہ سب حضرات چوتھی صدی ہجری کے ہین۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ عربی زبان کی اور اُس کی صرف نحو اور لغت کی تحقیق پہلی صدی مین شروع ہوگئی تھی اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ دوسری صدی ختم ہونے سے پہلے ہی پہلے اِن علون کی تدوین بھی ہوگئی تھی۔ سیبویہ اپنی یادگار "الکتاب" تکمیل کو پہنچاچکا تھا، وراُس کا نامور ستاد الخلیل کتاب العین[3] کی بنیاد ڈال چکا تھا ابو عمرو والثقفی، ابو عمرو بن العلا، یونس بن حبیب اور الکسائی جیسے ائمۂ فن تحقیق و تدقیق کی داد دے کر اس دارِ فانی سے اُٹھ چکے تھے، الفراء، ابو عمرو الشیبانی، ابو عبیدہ، الاصمعی اور ابو زید الانصاری بھی اسی زمانے مین شمار ہون گے اِس لیے کہ یہ سب محقق تیسری صدی کے پہلے پندرہ برس کے اندر اندر رحلت کرچکے تھے، انھین کے ہمعصر اور شاگرد ابو عبید، ابو حاتم السجستانی، ابن السکیت، ابن قتیبہ، ابو حنیفہ، المبرد اور ثعلب تیسری صدی کے ختم ہونے سے بہت پہلے گزرچکے تھے اور اُس علمی عروج کے زمانے کے سب سے بڑے لغوی ابن دُرید نے کم و بیش چھتر برس علمی مشاغل مین مصروف رہ کے ۳۲۱ھ مین وفات پائی، یہہ وہ ہستی تھی جسے "خاتم اللغویین" کہیے تو بجا ہوگا۔

تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ان بزرگون مین سے ایک کی نظر بھی عربی زبان کی اُس خصوصیت پر نہ پڑی جس کا نام ابن جنی نے "اشتقاق اکبر" رکھا ہے اور طرفہ یہہ کہ جب ابن جنی نے اِس راز کو منکشف کردیا تب بھی

---

[1] الفہرست۔ ص ۶۴؛ یاقوت۔ ارشاد الاریب۔ ج ۳ ص ۷، ۲۰۔ ج ۳ ص ۹؛ ابن خلکان شمار ۱۶۲،

[2] یاقوت۔ ارشاد الاریب۔ ج ۲ ص ۲۶۶۔

[3] عربی لغت کی سب سے پہلی کتاب،

اُس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی،

ابن جنی خود لکھتا ہے:-

باب في الاشتقاق الاكبر. هذا موضع لم يُسمّه احدٌ من اصحابنا غير أنّ ابا علي رحمه الله كان يستعين به ويخلدُ اليه مع اعواز الاشتقاق الاصغر لكنه مع هذا لم يسمّه وانما كان يُعتاده عند الضرورة ويستروح اليه ويتعلّل به. وانما هذا التلقيب لنا نحن ستراه فتعلم أنّهُ لقب مستحسن[1]

باب - اشتقاق اکبر کے بیان میں،

اِس کا نام ہمارے اصحاب (یعنی استادوں اور ہمعصروں) میں سے کسی نے نہیں لیا سوا اِس کے ابو علی رحمہ اللہ اِس سے مدد لیا کرتے اور جہاں اشتقاق اصغر سے کام نہ چلتا وہ اسکی (یعنی اشتقاق اکبر کی) طرف جھکتے لیکن باوجود اس کے اُسے (اشتقاق اکبر کا) نام نہیں دیا اور صرف ضرورت کے وقت اُس کی طرف رجوع کرتے اور (مطالعہ کی) تھکن دور کرنے کیلیے اس سے لطف اٹھاتے (دل بہلاتے) اور یہ نام میرا دیا ہوا ہے اور تم دیکھو گے کہ یہ لقب بہت اچھا ہے،

اِس کے بعد کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک اشتقاق کی دو قسمیں ہیں: کبیر اور صغیر، صغیر تو وہ ہے جسے لوگ جانتے ہیں اور جو کتابوں میں موجود ہے یعنی ایک مادے کو لیکر اُس سے صیغے بنا لیے۔

واما الاشتقاق الاكبر فهو أن تأخذ اصلاً من الاصول الثلاثة[2] فتعقد عليه وعلى تقاليبه الستة معنى واحداً تجتمع التراكيب الستة وما يتصرف من كل واحد منها عليه وان تباعد شئ من ذلك رُدّ بلطف الصنعة والتاويل اليه،[3]

اور اشتقاق اکبر یہ ہے کہ کوئی ثلاثی مادہ لے لو اور اُس کے حرفوں کو الٹ پلٹ کر جو چھ صورتیں ہیں اُن سب پر ایک ہی معنے جما دو اور اُن تراکیب ستہ (چھوں مرکبوں) کو اور اُن میں سے ہر ایک سے جو صیغے نکلتے ہوں، اُن کو بھی جمع کر کے اُنھیں معنوں میں جا ملاؤ اب اگر اس میں سے کوئی چیز متباعد ہو تو وہ لطفِ صنعت اور تاویل کی مدد سے اُسی ایک معنی کی طرف پھیر دی جاتی ہے"

---

[1] ابن جنی، الخصائص ج ۱، ص ۵۲۵-۵۲۶ [2] یہ لفظ غالباً الثلاثیۃ ہے، غلطی سے الثلاثۃ چھپ گیا ہے۔

[3] ابن جنی: خصائص ج ۱، ص ۵۲۶۔

اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ کھینچ تان کر چھ لفظون کے معنے ایک کر دو۔ لفظون کے معنے بتانا کسی چیز کے مفہوم کو بے کم و کاست بیان کرنا ہے اُسمین "لطفِ صنعت" یا "تاویل" کو کیا دخل ہے، متقدمین نے اس کاریگری کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور لغت کے معاملے مین خصوصاً نہایت احتیاط سے کام لیا مگر وہ اسلام کے علمی عروج کا زمانہ تھا اور یہیہ اُس عروج کا آخری زمانہ تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم کی دماغی ترقی زوال پذیر ہوتی ہے تو علمی مسائل گورکھ دھندون کی شکل اختیار کر لیتے ہین لیکن اس گورکھ دھندے کا یہ حال ہے کہ اس نے کسی زمانے مین فروغ نہ پایا۔ ابن جنّی نے خود ہی یہ بھی مانا ہے کہ یہہ تقلب اشتقاق کے حدود سے باہر نہین، مگر پھر بھی اُس کا نام "الاشتقاق الاکبر" رکھکر اُس کا ایک پورا باب باندھا اور اس مین سراسر "لطفِ صنعت و تاویل" سے کام لیا ہے۔ "المبین" کو اسی کا پرتو کہنا چاہیئے،

ابوعلی الفارسی نے اس نظریّے کی بنیاد رکھی اُس کے شاگرد ابن جنّی نے اُسے "اشتقاقِ اکبر" کا نام دیا مگر دیکھنا یہ ہے کہ اُسے مانا کس کس نے سب سے پہلے خیال ابن حماد الجوہری کی طرف جاتا ہے کہ وہ ابوعلی کا شاگرد تھا اور ابن جنّی کا ہم سبق، عرب کا نہایت مستند لغت الصحاح جوہری کی تصنیف ہے اور موجود ہے۔ مگر اس نظریّے کا اُسمین کوئی نشان مشکل ہی سے نظر آتا ہے، پس معلوم ہو گیا کہ اس نظریّے کو کوئی فروغ نہ ابوعلی کی زندگی مین ہوا نہ ابن جنّی کی زندگی مین، اُس کے بعد کے نحویوں نے بھی اس گورکھ دھندے کو نہ مانا۔ مگر "المبین" کے مصنف کا بیان ہے کہ

"ابن جنّی کے بعد امام رازی، جلال الدین سیوطی اور زمخشری نے بھی اپنی تصانیف مین اشتقاق کبیر اور ان مثالون کا ذکر کیا ہے،

غرض یہ ایسا مسئلہ نہین جسے مین لکھ رہا ہون بلکہ قدما نے لکھا اور متاخرین نے اس کی صحت کو تسلیم کیا (ص ۱۱)

[1] الخصائص، ص ۴۰

یہ کہہ دینا کہ فلاں فلاں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے[۱] کافی نہیں، سوال یہ ہے کہ ذکر کیا ہے تو کس طرح؟ "المبین" کے مصنف نے نہ اُن تصنیفوں کا حوالہ دیا نہ اُن صفحوں کا جنمیں وہ ذکر آیا ہے، جن لفظوں میں جلال الدین سیوطی نے "اشتقاق اکبر" کا ذکر کیا ہے، ذرا اُنھیں بھی سُن لیجیے:-

المزہر میں اشتقاق کو بیان کرکے آخر میں لکھا ہے:-

وھذا ھو الاشتقاق الاصغر المحتج به. واما	یہ تو اشتقاقِ اصغر ہے جس سے (لغوی) استدلال کیا جاتا ہے (یعنی
الاکبر فیحفظ فیه المادۃ دون الھیئة فیجعل	جو اشتقاق لغت میں مستند ہے) اور اشتقاقِ اکبر یہ ہے کہ اس میں
ق ول و و ل ق و ق ل و ل و ق و تقالیبھا	مادّے کی ہیئت (ترکیبی) سے قطع نظر کرکے (یعنی حرفوں کی ترتیب
الستة بمعنی الخفة والسرعة وھذا مما	کا لحاظ نہ کرکے اور انھیں پھیر پھار کے جس ترتیب میں چاہیں
ابتدعه الامام ابو الفتح ابن جنی وکان	رکھیں) مادّہ ایک ہی مانا جائے اِس طرح پر قول، ولق، وقل
شیخه ابو علی الفارسی یأنس به یسیرا	لقو (وغیرہ) اُس کی چھ (مختلف) ترتیبیں صرف خفت اور سرعت
ولیس معتمدا فی اللغة ولا یصح ان یستنبط	کے معنے رکھتی ہیں۔ اور یہ امام ابو الفتح ابن جنی کی ایجاد ہے اور انکے
به اشتقاق فی لغة العرب، وانما جعله	استاد ابو علی الفارسی بھی اس کی طرف مائل تھے مگر یہ (اشتقاق)
ابو الفتح بیانا لقوۃ ساعدہ وردہ المختلفات	علم لغت میں معتمد نہیں اور زبانِ عرب میں اِس طرح کسی اشتقاق
الی قدر مشترک مع اعترافه وعلمه بانه لیس	کا استنباط کرنا صحیح نہیں اِسے تو ابو الفتح (ابن جنی) نے اس لیے
ھو موضوع تلک الصیغ وان تراکیبھا	بیان کیا ہے کہ اپنی قوت اور زور دکھائے کہ وہ کیونکر ایسی چیزوں
تفید اجناسا من المعانی مغایرۃ للقدر	کو جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں ایک مشترک معنے کی طرف

[۱] امام رازی نے تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں ص ۴۲ تک اشتقاق اکبر کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اُس کی صحت کو مان لیا ہے، بلکہ اُنھوں نے اُسکی خرابیوں کی طرف توجہ دلائی ہے (دیکھو ج ۱ ص ۸- المسئلۃ الثانیہ) اسی طرح ج ۱ ص ۲۲ پر اس نظریے کو بھی "باطل" اور "عمل ضائع" کہا ہے، کہ ایک لفظ دوسرے سے مشتق کیا جائے، امام زمخشری کی تفصیل میں تو یقیناً اسکا ذکر نہیں کشاف میں ڈھونڈا مگر ملا نہیں جلال الدین سیوطی نے جو کچھ کہا ہے وہ اوپر نقل کر دیا گیا ہے "اساس البلاغة" "الفائق" اور "مقدمة الادب" میں کہیں اس کا ذکر نہیں، "کشاف" ...... الخ

المشترك. - - - -

وسبب اهمال العرب وعدم التفات المتقدمين الى معانيه أنّ الحروف قليلة وانواع المعاني المتفاهمة لا تكاد تتناهى فخصّوا كل تركيب بنوع منها ليفيدوا بالتراكيب والهيآت انواعا كثيرة واقتصروا على تغاير المواد حتى لا يدلوا على معنى الاكرام والتعظيم الا بما ليس فيه شيء من حروف الايلام والضرب لمنافاتهما لهما لضاق الامر جدا ولاحتاجوا الى الوف حروف لا يجدونها بل فرّقوا بين مُعتِق ومُعتَق بحركة واحدة تحصل بها تمييز بين ضدين. هذا وما فعلوه أخصر وأنسب وأخفّ، ولسنا نقول إنّ اللغة ايضا اصطلاحية بل المراد بيان انها وقعت بالحكمة كيف فرضت ففي اعتبار المادة دون هيئة التركيب من فساد اللغة

پھر سکتا ہے، باوجود اِس بات کے اعتراف اور علم کے کہ وہ (مشترک معنی) اِن صیغون (مشتقات) کا موضوع نہین، اور حقیقت یہ ہے کہ اُن صیغون) کی ترکیبین معانی کے اُن اجناس پر منطبق ہوتی ہین جو قدرِ مشترک کی رو سے ایک دوسرے کے مغایر ہین

اہل عرب نے جو اِن مختلف معنون کو اختیار نہین کیا اور متقدمین نے جو اِن کی طرف التفات نہین کیا سو اس کا سبب یہ ہے کہ حروف کی تعداد کم ہے اور معنون کے انواع لامتناہی اس لیے انھون نے ہر ترکیب کو ایک ہی نوعِ معنی کیلیے مخصوص کر دیا تاکہ (حروف کی) ترکیبون اور ہیئتون سے (معنی کے) انواعِ کثیرہ مستفاد ہون اور اگر وہ مادون کے تغایر کو اِس طرح محدود کر دیتے کہ (مثلاً) کسی ایسے لفظ کو اکرام اور تعظیم کے معنون مین نہ لیتے جو حروفِ ایلام و ضرب سے بالکل خالی نہ ہوتا کیونکہ وہ حروف اُن خواص کی نفی نہ کر دین، تو اِس طرح تو معاملہ نہایت دشوار ہو جاتا، اور ہزارون حرفون کی ضرورت پڑتی جنکا وجود ہی (حروفِ تہجی مین) نہین، (متقدمین نے ایسا نہین کیا) بلکہ ایک اکیلی حرکت کی بنا پر بھی ایک مُشتق اور دوسرے مشتق مین فرق کیا جس سے دو متضاد (معنون) مین امتیاز ہو گیا۔ اور انھون نے جو کچھ کیا بہت ٹھیک ہے اور بہت مناسب اور بہت آسانی سے سمجھ مین آنے والی بات ہے، ہم یہ نہین کہتا کہ زبان بھی

ما بيّنتُ لك ولا ينكر مع ذلك ان يكون بين التراكيب المتحدة المادة معنى مشترك بينها هو جنس لانواع موضوعاتها، ولكن التحيل على ذلك في جميع موادّ التركيبات كطلب لعنقاءِ مُغرِب ولم تحمل الاوضاع البشرية الا على فهوم قريبة غير غامضة على البديهة فلذلك أن الاشتقاقات البعيد تجدًا لا يقبلها المحققون[1]

اصطلاحی چیز ہے بلکہ مقصود اِس بات کا بیان کرنا ہے کہ جیسا کہ فرض کیا جاتا ہے زبان حکمت پر مبنی ہے پس مادّے کا اعتبار بلا لحاظ ہیئت ترکیب کے کرنا زبان میں ایک فساد ڈالنا ہے جس کی توضیح میں کر چکا ہوں، اِس لکھنے سے اِس بات کا انکار نہیں ہوتا کہ (اشتقاق صغیر کے مطابق) جو ترکیبیں ایک ہی مادّے سے ہیں اُن میں ایک مشترک معنی ہوتے ہیں، وہ (مادّہ) جنس ہے اور اُس کے موضوعات اُسی (جنس) کے انواع ہیں لیکن اِس حکم کو ترکیبات کے جملہ مادّوں پر جاری کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عنقا کو تلاش کرے (بات یہ ہے کہ) انسانی اوضاع کا اعتماد صرف ایسے ہی مفہوموں پر کرنا چاہیے جو قریب الفہم ہوں، نہ کہ اُن پر جو بدیہی طور پر اسرار ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے اشتقاقوں کو جو بہت متباعد ہیں محققین قبول نہیں کرتے،

سیوطی کے لفظوں کا ترجمہ اوپر دیدیا گیا، خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ "اشتقاق اکبر" کے مقابلے میں جس چیز کو "اشتقاق اصغر" کہتے ہیں وہ تو ایک مستند چیز ہے، مگر خود "اشتقاق اکبر" محققوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں بلکہ وہ زبان میں ایک فساد پیدا کرتا ہے، اور اُس کو عربی زبان میں تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عنقا کی تلاش میں سرگرداں رہے اور ہوا کے سوا کچھ بھی اُس کے ہاتھ نہ آئے، یہ ہے "المبین" کا مبنیٰ۔

مصنف کا یہ کہنا کہ "اشتقاق کبیر" کو "قدما نے لکھا اور متاخرین نے اُس کی صحت کو تسلیم کیا" ایک ایسی جسارت ہے جس پر سمجھ میں نہیں آتا کیا کہا جائے، سیوطی کے مفصل اور مدلل بیان سے یہ پوری طرح معلوم ہو گیا کہ

[1] سیوطی، مزہر۔ ج ۱، ص ۱۶۴-۱۶۵،

نوین صدی ہجری تک ابن جنی کا یہ اختراع قطعاً مردود رہا اور اُسے کسی نے نہین مانا۔ متاخرین سے آخر کون لوگ مراد ہین؟ سوا ایک احمد فارس الشدیاق کے، کوئی مصنف ایسا نہین ملتا جس نے ابن جنی کی رائے کو مانا ہو، شدیاق موجودہ زمانے کا آدمی ہے اور اُس کی کتاب پہلے پہل ۱۲۸۴ھ ہجری مین قسطنطنیہ سے شائع ہوئی، قلب اور ابدال پر متقدمین کی تصنیفین کثرت سے موجود ہین، مگر شدیاق نے سب کو پس پشت ڈالکر قلب اور ابدال کے وہی معنے لیے ہین جو ابن جنی کی ایجاد ہین۔ "المبین" کے اکثر مقامات کو دیکھ کر خیال ہوتا ہو کہ وہ شدیاق کی کتاب سے ماخوذ ہین، مگر کہین حوالہ نہین دیا گیا ہو، غالباً اس وجہ سے کہ شدیاق کسی شمار مین نہین اور اُسے متاخرین سے بھی بہت بعد کا زمانہ نصیب ہوا۔ قصہ مختصر مصنف کا یہ دعویٰ واقعات سے بہت دور ہو کہ اشتقاق کبیر کی صحت کو متاخرین نے مانا ہو، بلکہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ابن جنی کی اِس رائے کو سب نے مردود جانا ہو،

باوجود اِس کے "المبین" کے مصنف صاحب پروفیسر وِٹنی پر سخت غصے کا اظہار فرما کر اُس پر تعصبِ مذہبی اور تجاہلِ عارفانہ کا الزام دھرتے ہین:-

"وٹنی اپنی کتاب مین عربی زبان سے بھی بحث کرتا ہے، لیکن یہان اُس کو لفظون کے قلب کرنے کا خیال بھی نہین آتا ہو۔ . . . ." (ص ۱۱۲)

اِس کا جواب یہی ہے کہ عربی مین ایسے قلب کو خود علماے اسلام نے نہین مانا، بلکہ اُسے زبان کا فساد سمجھا (جیسا کہ سیوطی[1] نے شرح و بسط سے بیان کیا ہو) پھر وٹنی بیچارہ کیون موردِ ملامت ہو، واقعہ یہ ہو کہ لسانیات ایک ایسا فن ہو جس سے مذہبی تعصب بہت دور ہو، اُس کا مقصود ہرگز یہ نہین کہ ایک زبان کی برتری دوسری زبان پر ثابت کیجائے، بلکہ لسانیات کا موضوع حقیقی اور واقعی چیزین ہین نہ کہ ظنی اور وہمی۔

ابن جنی اور اُس کے استاد کے متعلق ایک اور امر کا اظہار بھی یہان ضروری ہو۔ "المبین"

---

[1] سیوطی ۸۴۹ھ مین پیدا ہوے اور ۹۱۱ھ مین وفات پائی ان کی تصنیف المزہر فی علوم اللغۃ و انواعہا ایک نہایت جامع کتاب ہو، جسمین نوین صدی ہجری تک کے ائمۂ فن کے اقوال درج ہین۔ [2] سر اللیال فی القلب و الابدال،

کے اوراق میں بعض جگہ ایسی عبارت آئی ہو جس سے خیال ہوتا ہو کہ مصنف "المبین" زبان کے مسائل میں بھی معتزلیوں کے مسلک کو کچھ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے (ص ۰۷) مگر وہ شاید اس بات کو بھول گئے کہ جس نظریے پر وہ اپنی کتاب کی بنیاد رکھ رہے ہیں، اُس کے بانی بھی یعنی ابو علی اور ابن جنی دونوں کے دونوں معتزلی تھے۔ چھٹے باب کے دوسرے نصف میں (ص ۱۱۴-۱۲۲) مُعرّب اور دخیل کی بحث ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ مصنف نے یہ سمجھ لیا ہو کہ کسی زبان میں دوسری زبانوں کے لفظوں کا داخل ہو جانا اُس کے لیے ننگ وعار کا باعث ہے، میں باادب اُن کی خدمت میں پھر ایک بار عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میدان مطالعے اور غور وفکر کا ہو، نہ کہ متعصبانہ مناظرے کا۔ "المبین" کے بعض فقرے ملاحظہ ہوں :-

"اُس زمانہ تک کہ اہل مشرق کے قوائے دماغیہ یورپ کی غلامی سے آزاد تھے کسی فرد واحد کو اس کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ عربی زبان غیر عربی زبانوں سے مستعار الفاظ لیکر بنی ہو۔"

"اسی جامد اور کورانہ تقلید کے نتائج میں سے ہو جواب یہ کہا جا رہا ہے کہ عربی زبان کوئی مستقل زبان نہیں۔ نہ صرف عبرانی وسریانی یعنی سامی زبانوں سے اُس میں لفظ لیے گئے ہیں، بلکہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں رہگئی (رکذا) جس نے اپنی سخاوت کا ہاتھ عربی کی طرف نہ بڑھایا ہو" (ص ۱۱۵)

ان پرجوش فقروں کے استعمال کی حاجت مصنف کو مطلق نہ ہوتی، اگر انھوں نے سیوطی کے یہ الفاظ پڑھے ہوتے :-

قال ابو عبید القاسم بن سلاّم، امّا لغات العجم فی القرآن فان الناس اختلفوا فیھا فروی عن ابن عباس ومجاھد وابن جبیر وعکرمۃ وعطاء وغیرھم من اھل العلم	ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ عجمی الفاظ قرآن میں موجود ہیں لوگوں نے اس میں اختلاف کیا تو ابن عباس اور مجاہد اور ابن جبیر اور عکرمہ اور عطاء اور اہل علم کا یہ قول پیش کیا گیا کہ اُن کی رائے میں بہت سے لفظ عجمی زبانوں کے ہیں، اُن

لہ سیوطی، مزہر، ج ۱، ص ۶۷

أنهم قالوا في احرف كثيرة انها بلغات العجم منها قوله طه واليم والطور والربانيون فيقال إنها بالسريانية والصراط والقسطاس والفردوس يقال إنها بالرومية ومشكاة وكفلين يقال إنها بالحبشية وهيت لك يقال إنها بالحورانية قال فهذا قول اهل العلم من الفقهاء[1]

میں سے اللہ پاک کے کلام میں ہیں: طٰہٰ اور یم اور طور اور ربانیون، جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سُریانی کے (لفظ) ہیں اور صراط اور قسطاس اور فردوس جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رومی (یعنی یونانی) ہیں اور مشکاۃ اور کفلین جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ حبشی زبان کے ہیں اور ہَیتَ لکَ، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حورانی زبان کا لفظ ہے۔ (ابو عبید) کہتے ہیں کہ یہ قول اُن اہلِ علم کا ہے جو فقہا میں سے ہیں"

یہ قول اُن بزرگون کا ہی جو نہ تو وہ "اہل مشرق" ہیں جن کے قوائے دماغیہ یورپ کی غلامی سے آزاد نہین اور نہ اُن کے مقتدا یعنی یورپی محققین، یہہ تو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزِ قریب اور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اُن کے شاگرد ہیں، اور وہ حضرات صرف یہی نہیں فرماتے کہ عربی زبان مین کچھ لفظ غیر زبانون کے ہین بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی مین بھی جسے "عربی مبین" کہا ہے، ناپاک عجمی لفظ داخل ہین؛

مصنف کا یہ خیال کہ یورپ کے علما کی راے مین "عربی زبان کوئی مستقل زبان نہین" سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے، مستشرق یا غیر مستشرق کسی نے یہ خیال نہین ظاہر کیا،

آگے چل کے بعض وہ حرف گنائے گئے ہین جو عربی لفظون مین جمع نہین ہوتے اور کچھ وہ وزن جو عربی مین نہین آتے (ص ۱۱۸) یہ سب وہ ہین جنکا ذکر علماے لغت نے کیا ہی مگر المبین کے مصنف نے اُن کی مدد سے جو استدلال فرمایا ہی (ص ۱۲۰-۱۲۴) وہ سراسر غلط ہی، ایک معمولی استعداد کا آدمی بھی اِس استدلال کے سقم کو ذرا غور مین معلوم کر لیگا، اور اس پر مصنف کے یہ دعوے ہین کہ جا اور وصلت کے متعلق فرماتے ہین:-

"اِن دونون کو عجمی کہنے مین علما لغت سے مسامحت واقع ہوئی ہی" (ص ۱۲۰)

طوالت کے خوف سے یہ بحث یہین چھوڑی جاتی ہی آئندہ کسی موقع پر معرب اور دخیل کے مسائل سے تفصیل

کیساتھ بحث کیجاتی، اس باب کے باقی دو تون اور ساتوین باب مین جو کچھ لکھا گیا ہو وہ بھی اُسی رنگ مین ہی، جس کا بیان اِن صفحات مین آچکا ہی اُس کے دہرانے کی ضرورت نہین، مگر ساتوین باب کا ایک خاتمہ بھی ہے، جس کی یہ عبارت کچھ سمجھ مین نہین آئی،

"ایک ثلث حصہ کتاب کا ڈیڑھ مہینے مین مبتیضہ بھی ہوگیا، لیکن اس منزل پر پہنچکر عجمیت کی بیجا عصبیت عربی کے نطق و صداقت سے ایسی دست و گریبان ہوئی کہ تاتاریون اور چنگیز خان کے ہاتھون علمی دنیا مین جو کچھ ہوا تھا، تاریخ نے مختصر طور پر گویا اُسے پھر دہرا دیا،

"مہینون کا کیا ذکر سال پر سال گزرتے چلے گئے، لیکن تعصب کا جوش نہ کم ہونا تھا نہ ہوا، کتاب نامکمل رہی اور بجز سکوت کوئی دوسری صورت امان کی نظر نہ آئی" (ص ۱۶۸)

بہت غور کیا مگر صرف اِتنا معلوم ہوا کہ مصنف پر کسی نے ظلم کیا، جس کی یہہ شکایت ہی جن لوگون نے ظلم کیا وہ "تاتاری" کہے گئے اور اُن کے سرگروہ کو "چنگیز خان" کا خطاب ملا، مگر آخر یہ کس گروہ اور کس شخص کی طرف اشارہ ہے؟ اِس قسم کا طنز وکنا یہ علمی تقریر و تحریر مین محمود نہین، اور اگر کسی کے جور و ستم کی شکایت ضروری تھی تو صاف صاف نام لینے مین کون سا امر مانع تھا، مصنف کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے تھا کہ نامون کا خفیہ رکھنا، اُن کی مصلحت کے بھی خلاف ہے، اِس لیے کہ اگر بعض لوگ اِس عبارت کو پڑھکر اس کے لکھنے والے سے ہمدردی کرین گے، تو بہت سے لوگ یہ بھی خیال کرین گے کہ ممکن ہے کہ وہ ظالم ایک سخت گیر عادل ہو اور اُس کی شکایت بے جا،

"المبین" کے مصنف کا یہ طرز ادا عجمیت کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، ورنہ عرب تو جو کچھ کہتا ہے مردانہ وار کہتا ہے۔

مطبوعات جدیدہ

الایمان، جناب حاجی مولوی مقتدا خان صاحب شروانی ناظم مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے الایمان کے نام سے اسلام کے اوّلین عقائد آمنت باللہ کی تفسیر مین پہلا اور دوسرا دو رسالے لکھے ہین، پہلا رسالہ مختصر ہے جس مین ایمان کی چھ دفعات اللہ، ملائکہ، کتب، انبیا، یوم آخر، قدر، ہر ایک کی نہایت آسان مختصر اور سہل الفہم تشریح کی ہے، دوسرے رسالہ مین اس متن کی گویا شرح لکھی ہے، اور نہایت خوبی کیساتھ ہر ایک دفعہ کو سمجھایا اور بتایا ہے، پہلی دفعہ مین اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسماء حسنیٰ بیان کئے ہین، انبیاء کے ذکر مین تمام انبیاء علیہم السلام کے مختصر حالات لکھے ہین، اسی طرح ہر دفعہ کی نہایت سلیس اور عام فہم تشریح کی ہے، بچون اور عورتون بلکہ نومسلمون کے لیے بھی نہایت مفید اور کار آمد ہے، ہم مولوی صاحب کو اُن کی اس اہم مذہبی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین، قیمت حصۂ اوّل ۴ر، حصۂ دوم ۱۲ر، لکھائی چھپائی عمدہ، مصنف کے نشان بالا سے ملیگی،

کلیاتِ طبِ جدید، مدراس کے ایک فاضل طبیب جناب حکیم محمد سعید صاحب چودھری نے اس نام سے ضعفِ ہضم، سوءِ ہضم اور ہیضہ کے تمام اسباب وعلل اور اس کے علاج وتدبیر، اسباب کی جدید تشریح، غذاؤن کے اقسام، ہر ایک کی غذائیت کی تعین، ترکیب واستحالۂ غذا کے اجزاء، اور اُن کے تمام متعلقات ولوازم پر جدید طبی تحقیقات کی روشنی مین نہایت مشرح ومفصل بحث کی ہے اور یقیناً یہ دعویٰ سے کہا جاسکتا ہو کہ اس موضوع پر اردو مین اس سے زیادہ جامع، زیادہ محقق، زیادہ مفصل کوئی کتاب نہین لکھی گئی، زبان اردو ہے، مگر نہایت صاف ہے، اصطلاحات آسان اور زود فہم ہین، اس کتاب کی تالیف پر نہ صرف حکیم صاحب بلکہ پورا مدراس مبارکباد کا مستحق ہے ضخامت ..۴ صفحہ

قیمت دو روپے،

ازالۃ الشکوک، غدر کے پس و پیش زمانہ میں مولانا محمد رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی مرحوم نے عیسائیون کے رد مین جو ربانی شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور خصوصاً ان کی عربی تصنیف میزان الحق وغیرہ نے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیاے اسلام مین مقبولیت حاصل کی، احاطۂ مدراس کے مشہور عربی درسگاہ باقیات الصالحات نے ازالۃ الشکوک کے نام سے مولانا مرحوم کی کتاب کی دو جلدین اردو مین شائع کی ہین، عیسائی مناظرون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے یہ معلومات کا ذخیرہ ہے، قیمت تین روپے، پتہ:- مہتمم صاحب مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور، شمالی ارکاٹ، احاطۂ مدراس،

رسول مدنی، یہ میلاد کی محفلون مین پڑھنے کا ایک مختصر رسالہ مولوی میر نذر علی صاحب درد کاکوروی کا لکھا ہوا ہے، کچھ نثر اور کچھ نظم ہے، دور از کار روایتون کو عموماً نہین لیا ہے، اور اختصار کیساتھ چند صفحون مین اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق مفید باتین درج ہین، اور عام محفلون مین پڑھنے اور سنانے کے لائق ہین، ضخامت ۲۴ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ:- ملک چنن الدین صاحب کتب فروش اللہ والے کی قومی دوکان، محلہ سگھ زئیان، لاہور،

النجمۃ السائرہ، آجکل عربی مدارس کے نصاب مین عربی عروض کے نصاب مین محیط الدائرہ بہت چل گئی ہے جو ایک شامی عیسائی کی تصنیف ہے، مگر مختصر، اور سہل الفہم ہونے کی بنا پر مقبول ہے، النجمۃ السائرہ کے نام سے جناب مولوی سید سبط حسن صاحب ممتاز الافاضل نے اوپر عربی متن دیکر نیچے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور تشریح کی ہے، اس لیے اردو دان اصحاب یا مشرقی امتحانات کے دلدادہ طلبہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہین، قیمت ۱۲ر

پتہ:- انجمن مؤید الاسلام، مدرستہ الواعظین، لکھنؤ،

جلد بست و پنجم | ماہ شوال المکرم ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۰ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

پچھلے شذرات میں مولنا عبد الحی سہارنپوری مرحوم کے تذکرہ میں انکے والد ماجد کا نام غلطی سے حبیب الرحمان لکھ گیا تھا، صحیح نام عبد الرحمان تھا، اس سلسلہ میں نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی اپنے والا نامہ مورخہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ میں رقم فرماتے ہیں،

"مولوی عبد الحی صاحب مرحوم بڑے مخلص دوست، ہمدرد، بہی خواہ اسلام بزرگ تھے، انجمن اسلامیہ کے مقاصد کی تائید میں متواتر دورے ایام فرصت میں فرماتے تھے، شگفتہ طبع، بذلہ سنج تھے، وفات سے دو سال پہلے کلام مجید بڑے اہتمام سے حفظ کیا، پارسال بڑے اہتمام سے محراب میں سنایا، امسال بھی، ۲۰ رمضان مبارک کی شب کو تراویح میں کلام پاک سنانے کی حالت میں مبتلاے طاعون ہوئے، ۲ ماہ مبارک یوم جمعہ کو وفات پائی، احباب کو بالخصوص بہت تاسف ہے،،"

مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ کیمیا کے نوجوان لائق صدر ڈاکٹر قاسم علی منصوری ایم اے، ایم ایس سی (کینٹب) پی ایچ ڈی (گوٹنجن) جو ہماری قوم میں اس فن کے مستند ماہر اور یورپ کی درسگاہوں کی متعدد سندوں کے مالک تھے، ۱۰ر [illegible] سنہ ۱۹۴۳ء کی صبح کو کسی بیماری میں دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پاگئے، مرحوم کے دل کا یہ عارضہ کیمیائی تجربہ گاہ کے بعض خاص قسم کے گیس کے اثر سے شروع ہوا تھا جس سے وہ بالآخر نجات نہ پاسکے، اس طرح ہم ان کو شہید علم کا درجہ دے سکتے ہیں، مرحوم کی اس غیر متوقع وفات سے ہمارے ملک کے حلقۂ علم و فن کو بڑا صدمہ پہنچا، خدا مغفرت فرمائے۔

بشار بن برد، خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دربار کا بڑا شاعر تھا، جہاں تک معلوم ہے اس کا دیوان اب تک شائع نہیں ہوا ہے، شام کے چوتھی صدی ہجری کے دو مشہور شاعر بھائی جو خالدین کے نام سے معروف ہیں، انھوں نے اسکا دیوان مرتب کیا تھا، اور اس کی شرح پانچویں صدی کے ایک ادیب اسماعیل بن احمد برقی نے لکھی تھی، اس دیوان اور اس شرح

نہایت عمدہ نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے، مسلم یونیورسٹی کے معلم عربی مولوی بدرالدین صاحب جنکا ادبی ذوق مسلم ہے، اور جو ادبی عنوانات پر الزہرا (مصر) اور رسالۃ المجمع العلمی العربی دمشق مین مضامین لکھتے رہتے ہین، اُنھون نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب کو تصحیح و تحشیہ کے بعد شائع کرین، جناب نواب مسعود جنگ بہادر وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے انکے اس ارادہ کو پسند کیا اور اُنھون نے یہ قلمی نسخہ حیدرآباد سے منگوا کر انکے حوالہ کیا ہے، دعا ہے کہ یہ مفید علمی خدمت جلد سرانجام پائے،

حیدرآباد دکن کے ایک نوجوان اہل قلم سید تمکین صاحب کاظمی اردو شاعرہ خواتین کا تذکرہ مرتب کرنا چاہتے ہین اور شروع سے آج تک جتنی اردو شعر کہنے والی خواتین گذری ہین، اُن کے حالات اُنھون نے فراہم کئے ہین، اس سلسلہ مین وہ چاہتے ہین کہ جن صاحبون کو کسی گذشتہ یا موجودہ کسی ایسی سنجیدہ باکمال شاعرہ کے کچھ حالات اور کلام معلوم ہون وہ ان سے انکو مطلع کرین، ان کا پتہ کوٹلہ عالی جاہ، حیدرآباد دکن ہے،

ممنون

ناظرینِ معارف کو پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے کا نام یاد ہوگا، وہ سرکار کے وظیفہ پر وہ اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز مین عربی کی مزید تعلیم و تحقیق کے لیے گئے ہین، اُن کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ پروفیسر آرنلڈ صاحب جن سے ہندوستان کے لوگ آشنا ہین اور جو اب اس اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز مین ہین، وہ جامعہ مصریہ کی درخواست پر جنوری ۳۰ء مین مصر آئے ہین، اور تقریباً چار مہینے وہان ٹھہر کر اسلامی تاریخ کا درس دیتے ہین، جسمین مصریون کو خصوصیت کیساتھ ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور یہان کی اسلامی حکومت، سیاسی اقتدار اور تمدنی آثار سے آگاہ کرتے ہین،

پیر جھنڈا (سندھ) کے مشہور کتبخانہ مین جو کتابین مختلف اقطاعِ عالم سے نقل ہو کر حال مین آئی ہین، ان مین حسب ذیل کتابین قابل ذکر ہین، طبقات محدثی اصفہان دو جلد کامل للحافظ ابی الشیخ، کتاب الافراد للدارقطنی کی جلد دوم، ابن منده کی کتاب علی الاتفاق والتفرق، ابن عدی کی الکامل فی الرجال کی تیسری جلد، عسکری کی کتاب تصحیفات المحدثین، اور ابو داؤد سجستانی کی کتاب المصاحف،

ریاست حیدرآباد جس نے اردو کی شاندار خدمات انجام دی ہین کئی سال سے اردو کے مکمل و خوشنما نستعلیق کے تیار کرانے مین معروف تھی چنانچہ چند سال کی کوششون کے بعد وہ اس مقصد مین کامیاب ہوئی ہے، اور اب اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک کے ممتاز و سربرآوردہ اہل علم کو جنکو اس کام سے دلچسپی و واقفیت ہو، اور جو اس کی دقتون کے حل کرنے مین مناسب مشورے دے سکتے ہون انکو حیدرآباد آنے کی تکلیف دیجائے اور انکی ایک مشورتی مجلس ۲۲-۲۳ اپریل ۳۰ء کو حیدرآباد مین منعقد ہو، ریاست نظام نے اردو کی یہ اتنی بڑی اہم خدمت انجام دی ہے کہ اسکے اس احسان سے نہ صرف اردو زبان بلکہ فارسی زبان بلکہ وہ تمام ایشیائی زبانین جو فارسی نستعلیق خط مین لکھی جاتی ہین، کبھی عہدہ برآ نہین ہو سکتین،

پچھلے رسالہ مین کتاب المبین پر ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی کا جو مضمون شائع ہوا تھا، ہمارے پاس اسکا ایک متین و سنجیدہ جواب ہمارے ہی حلقہ کے ایک ممبر مولوی اکرام اللہ خانصاحب ندوی معاون ادبی سکریٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کی طرف سے موصول ہوا ہے، مضمون دیر مین پہنچنے کے سبب سے اس مہینہ مین شائع نہ ہو سکا، انشاء اللہ آیندہ پرچہ مین شائع ہوگا،

جس طرح مکہ معظمہ مین علم و فن کی خدمت کا فخر اہل ہند کو حاصل ہے، اب مدینہ منورہ مین اس کے حصول کا سامان میسر آگیا ہے، جناب مولنا سید احمد صاحب فیض آبادی برادر مولنا سید حسین احمد صاحب نے جو اس شہر اقدس مین ایک مدت سے سکونت پذیر ہین، اور اپنے فضل و کمال، اخلاص و دینداری اور حسن اخلاق کی بنا پر عرب و ہند، شاہ و رعایا دونون ملکتون اور دونون طبقون کے قلوب پر یکسان حکمران ہین، چند سال سے وہان "مدرسۃ العلوم الشرعیۃ لیتامی البلدۃ النبویۃ" کے نام سے ایک مذہبی درسگاہ قائم کی ہے، اور جسکی الگ عمارت مسجد نبوی کے جوار مین بن رہی ہے، عرب، ہندوستان، اور افریقہ کے متعدد باکمال مدرسین امین ادبی و دینی علوم کا درس دے رہے ہین، اور انتہائی ایثار کیساتھ صرف کفاف پر اپنی خدمتون کو انجام دے رہے ہین، ابھی حال مین ۱۳۴۸ھ کی روداد شائع ہوئی ہے جسمین مدرسہ مذکور کے متعلق ہر قسم کے معلومات اور مختلف چندون کی فہرستین درج ہین، ایسی ضروری درسگاہ کی امداد ہر مسلمان کا فرض ہے، جو خوش قسمت اصحاب اس کار خیر مین شرکت کرنا چاہین وہ چاندنی چوک دہلی کوٹھی حاجی علی جان صاحب مرحوم کے ذریعہ سے اپنا چندہ بھیج سکتے ہین،

مقالات

قدیم مشرقی مصنوعات

"اسلامی اقتدار کا اثر یورپ کی صنعت پر"

از

مولنا عبدالسلام صاحب ندوی

چند روز ہوئے کہ ایک یورپین لیڈی نے ایک جغرافیانہ انجمن کے سامنے اس دلچسپ موضوع پر ایک تقریر کی تھی اور اُس تقریر مین یہ الفاظ کہے تھے۔

"جو کپڑا آج موسلین کے نام سے مشہور ہے وہ موصل سے آیا تھا اور اٹالین کپڑا جس کو "بلڈاکو" کہتے ہین اس کے معنی پردہ یا چھتری کے ہین اور انگریز لوگ جس کپڑے کو "ڈیمیٹی" کہتے ہین اس کی اصل شہر "دُمیاط" سے ہے"

بلڈاکو کے متعلق اگرچہ اس لیڈی کا خیال غلط ہے، کیونکہ یہ لفظ "بلڈاک" سے مشتق ہے، جو بغداد کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور بلڈاکو "ثوب بغدادی" یعنی بغدادی کپڑے سے ماخوذ ہے جس کو یورپین لوگ اپنے ملکون مین چھتری بنانے کے لیے لیجاتے تھے لیکن اور الفاظ کے متعلق اس کی فیلالوجی صحیح ہے، لیکن یہ جغرافیانہ تحقیقات صرف انھی چند الفاظ تک محدود نہین ہے، بلکہ یورپین زبانون مین اور بھی بہت سے کپڑون کے نام ملتے ہین جو یورپین ملکون مین مشرق کے مختلف شہرون سے لائے گئے ہین، اور وہان انھین شہرون کے انتساب سے مشہور ہوگئے ہین، مثلاً

حلبی	Alepine
بغدادی،	Baldaquin
بعلبکی، یہ کپڑا بعلبک سے بنگال مین بھی آیا اور وہان بنا گیا،	Belebac
بوقاسی (حلب اور مصیصہ کے درمیان ایک شہر کا نام ہے)	Bocassin
براق	Brocart
کشمیری یا قشمیری،	Cachemire
قائم مقامی،	Caimacani
قالیقوطی (کالیکوٹ) کالی کٹ کی طرف منسوب ہے،	Calicot
کنبائی ہندوستان کے شہر کھمبایت کی طرف منسوب ہے،	Cambaye
خانقینی خانقین کی طرف منسوب ہے جو عراق کا ایک گانون ہے،	Canequin
شیت عراقی اس کو چیت یعنی چھینٹ کہتے ہین،	Chite
دمشقی	Damas
دمیاطی	Demitte
فیتر	Feutre
فوط	Fotte
فسطان ایک قسم کا لباس ہے جس کو عورتین پہلے فسطاطی کپڑون سے بناتی تھین پھر رومیون نے اسکو اپنا مخصوص لباس بنا لیا،	Foustanelle
فسطاطی فسطاط مصر کی طرف منسوب ہے جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار کئے جاتے تھے،	Futaine
غزی	Gaze

غرناطی	اندلس کے مشہور شہر غرناطہ کی طرف منسوب ہے،	Grenade
حبشی	بصرہ کے محلہ حبش کی طرف منسوب ہے،	Habassis
حموی		Haman
ہندی		Indienne
لاوندی	(یعنی مشرقی)	Levantine
مضام	یہ لفظ ہندوستان کے شہر پیٹھا پلم سے ماخوذ ہے،	Madapolam
مغربی		Magrabin
مراکشی		Maroc
ماصولی	ہندوستان کے شہر مسلی پٹم کی طرف منسوب ہے،	Masulipatam.
مقعد	ایک قسم کا کپڑا جو بیٹھنے کی چیزون پر منڈھا جاتا ہے،	Mocade
مور	ایک کپڑا جس مین موجون کی طرح لہرین اٹھتی ہین،	Moire
مہابادی	ایک گانون کی طرف منسوب ہے جو قم اور اصبہان کے درمیان ہے،	Mohabut
مخیر		Moncayar
مولتانی	ملتان کی طرف منسوب ہے،	Moultans
موصلی		Mousseline
ننکینی	چین کے شہر ننکین کی طرف منسوب ہے،	Nankin
ننکینیہ		Nankinette
نوصاری	ہندوستان کے شہر نوصار کی طرف منسوب ہے،	Nossaris
پکینی	چین کے شہر پکین کی طرف منسوب ہے،	Pekin

صایہ	شابہ یا شیہ کی تحریف ہی جو سلج سے ماخوذ ہی جو ایک کپڑے کا نام ہی،	Saie Saiette
سیامی یا میامی	سیام کی طرف منسوب ہی،	Siamoise
عتابی	عتابین کی طرف منسوب ہی جو بغداد کا ایک محلہ تھا اور وہین یہ کپڑا بنا جاتا تھا،	Tabi Tabis
طنجلی	ہندوستان کا ایک شہر ہے،	Tanjeb.
ترکی		Turquine

یہ ایک جدید تحقیقات ہی جسکو اس زمانے کے اور مورخانہ نظریات کی طرح اگرچہ قیاسی کہا جا سکتا ہی، لیکن تاریخی روایات سے بھی اس کی تائید کیجا سکتی ہے، اور ان روایات کی بنا پر مشرق کے اکثر شہرون کو مختلف قسم کی مصنوعات کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہی، بالخصوص بغداد مین جو اس زمانے کا پیرس تھا بہترین قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے، اور وہان کے متعدد گاؤن اس صنعت مین نمایان شہرت رکھتے تھے، مثلاً سبن بغداد کا ایک گاؤن تھا جس مین سبنی کپڑے بنے جاتے تھے، اور وہ ایک قسم کا سیاہ تہ بند ہوتا تھا جو سوت اور حریر سے تیار کیا جاتا تھا اور اس کو عورتین استعمال کرتی تھین، ابن خلدون نے اپنی کتاب اخبار الاندلس مین بغدادی چادرون کا ذکر کیا ہے جو زرین حریر سے تیار کی جاتی تھین، اور گھوڑون کی زیبایش وآرایش کے کام آتی تھین،

یاقوت حموی نے خطیرہ کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:-

"بغداد کا ایک بڑا گاؤن ہی . . جس مین نہایت باریک سوتی کپڑے تیار کیے جاتے ہین، اور انکو تاجر اپنے شہرون مین لے جاتے ہین، حرَم بغداد کا ایک محلہ ہے جس مین مختلف قسم کے جالی دار کپڑے تیار ہوتے تھے،،

مقدسی لکھتا ہے :-

"کیا تم نے بصرہ کے ریشم وہان کے کپڑے اور وہان کی اور چیزون کا ذکر نہین سنا ہے؟ ابلہ مین کتان[2]

---

[1] تنزیب کی اصل غالباً یہی ہے، [2] نوعے از جامہ باشد و آنرا از علف بافند (برہان قاطع)

کے قیمتی کپڑے بنتے ہین اور کوفہ مین ریشم کے نہایت عمدہ عمامے اور بغداد مین نادر چیزین اور طرح طرح کے ریشمی کپڑے، نعمانیہ مین چادرین اور عمدہ ادنی کپڑے بنائے جاتے ہین، اور بغداد مین قیمتی تہ بند، عمامے، قصریہ اور یوبیتہ مین رومال، تکریت کے اونی کپڑے، واسط کے پردے"،

یہ اس مضمون کا خلاصہ ہے جو بغداد کے مشہور رسالہ لغۃ العرب[1] مین شائع ہوا ہے، اور مضمون نگار نے اس کو ان پرحسرت الفاظ مین ختم کیا ہے،

"آج ان صنعتون کا نام ونشان بالکل مٹ گیا ہے، اور بجز حریر کے تہ بندون کے اور کوئی صنعت باقی نہین ہے، کیونکہ یورپین کپڑون نے سب کا گلا گھونٹ دیا ہے، کاش وہ دن آئے جب ہماری قدیم صنعتین دوبارہ زندہ ہوجائین"،

لیکن یہ پرحسرت داستان یہین ختم نہین ہوجاتی بلکہ اس کو اور بھی زیادہ پھیلا کر بیان کیا جاسکتا ہے اور ہم اس مضمون کے ذریعہ سے یہی فرض انجام دیتے ہین، عنوان کے لحاظ سے اگرچہ یہ مضمون تمام مشرقی مصنوعات پر مشتمل ہے، تاہم جہان تک معلومات کا تعلق ہے وہ صرف صنعت پارچہ بافی مین محدود کردیا گیا ہے، حالانکہ قدیم زمانے مین کوئی صنعت ایسی نہ تھی جو مشرقی ممالک مین نہ پائی جاتی ہو، اگرچہ یہ افسوسناک بات ہے کہ ہمارے مورخین نے مشرقی صنائع کی کوئی مستقل تاریخ نہین لکھی، اس لیے اس موضوع کے متعلق مفصل اور مسلسل معلومات بمشکل مل سکتی ہین، تاہم ہمارے جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے اس کے متعلق جو جستہ جستہ معلومات فراہم کی ہین، ان سے مشرقی ممالک کی صنعتی ترقیون کا اندازہ نہایت خوبی کے ساتھ ہوسکتا ہے، اور ہم مختلف صنعتون کے متعلق انہی معلومات کو مختلف عنوانات مین یکجا کردیتے ہین،

کاغذ دار القز بغداد کا ایک عظیم الشان محلہ تھا، عربی زبان مین قز ریشم کو کہتے ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس محلے مین ریشمی کپڑے تیار کئے جاتے تھے، لیکن یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "اب یہ محلہ بالکل ویران ہوگیا ہے، صرف چار محلے باقی رہ گئے ہین، اور ان مین کاغذ بنایا جاتا ہے[2]"..

[1] لغۃ العرب فروری ۱۹۲۹ء [2] معجم جلد ۴ صفحہ ۱۱،

شاطبہ | مشرقی اندلس کا ایک عظیم الشان پرانا شہر تھا، اور اس مین نہایت عمدہ کاغذ تیار کیا جاتا تھا جو اندلس کے تمام شہرون مین جاتا تھا[1]،

ظروف گلی | تونس افریقہ کا مشہور شہر ہے، اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ تونس مین پانی رکھنے کے لیے مٹی کے کوزے بنائے جاتے ہین جنکو ریحیہ کہتے ہین، اور وہ اسقدر سفید اور شفاف ہوتے ہین کہ ان کے اندر کی چیز قریب قریب جھلکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور ملکون مین ان کی نظیر نہین پائی جاتی[2]،

ظروف چوبی | بعلبک نہایت مشہور مشرقی شہر اور صنعت و حرفت کا مرکز تھا، اسکی نسبت ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ یہان لکڑی کے برتن اور چمچے ایسے عمدہ بنائے جاتے ہین جنکی نظیر اور شہرون مین نہین ملتی، یہ لوگ بڑے پیالے کو دست کہتے ہین، اور بعض اوقات ایک پیالہ تیار کرتے ہین، پھر اسی کے اندر دوسرا پیالہ تیار کرتے ہین، اور اسی طرح ایک پیالہ کے اندر دس پیالون کی گنجایش نکال لیتے ہین، حالانکہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی پیالہ ہے، اسی طرح ایک چمچے کے اندر دس چمچے بنا لیتے ہین، جنکا غلاف چمڑے کا ہوتا ہے، اور جب کوئی شخص دسترخوان پر ان سے کام لینا چاہتا ہے تو دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی چمچہ ہے، لیکن اس کے اندر سے دس چمچے نکلتے ہین[3]،

غضار | یہ ایک شہر کا نام ہے جس کے ذکر مین یہی سیاح لکھتا ہے کہ غضاوی کپڑے یہین تیار ہوتے ہین اور سب سے عجیب تر جو چیز یہان تیار ہوتی ہے وہ بانس کے طشت ہین جس کے ٹکڑے باہم نہایت مہارت کیساتھ جوڑے جاتے ہین اور چمکدار سرخ رنگ سے ان کو رنگا جاتا ہے، اور ایک طشت کے اندر دس طشت ہوتے ہین لیکن دیکھنے والے کو ایک ہی طشت معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ اسی بانس سے پیالے بھی بناتے ہین اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ وہ اوپر سے گر کر نہین ٹوٹتا، ان مین گرم کھانا رکھدیا جاتا ہے لیکن ان کا رنگ نہین بدلتا اور وہ ہندوستان اور خراسان وغیرہ مین سے لایا جاتا ہے[4]،

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۱۲ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ [3] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ [4] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ ۔

ظروف برنجی ارمناز حلب کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا جہان نہایت عمدہ دیگ اور لوٹے بنتے تھے[1]

شیشہ سازی حلب کو نہایت قدیم زمانے سے شیشہ سازی مین شہرت حاصل ہے، اور آج ہر شخص اسی شہرت کی بناپر حلبی آئینہ سے واقف ہے، اور اس کو یہ شہرت اس کی قدرتی پیداوار کی بناپر حاصل ہوئی ہے، چنانچہ یاقوت حموی ایک پہاڑ کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "اس مین چار کانین ہین، ایک تارکول کی، ایک گیرو کی، تیسری اس مٹی کی جس سے لوہے ڈھالنے کی کلیا بنائی جاتی ہے چوتھی اس ریگ کی جو حلب مین پیدا ہوتا ہے اور اس سے شیشہ بنایا جاتا ہے، اور وہ چونا کی طرح سفید ہوتا ہے[2]" لیکن حلب ہی کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ قدیم شہرون مین بہت سے شہر اس صنعت کے جلوہ گاہ تھے، مثلاً ابن بطوطہ دمشق کی سڑکون کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "ان پر جوہریون، کتب فروشون اور عجیب و غریب شیشے کے برتنون کے کاریگرون کی دوکانین ہین[3]"

مشہور تاریخی مقام قادسیہ کے علاوہ زمانہ قدیم مین ایک گانون بھی اسی نام سے آباد تھا اور اسکی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "وہان شیشے بنائے جاتے ہین[4]"

چرم سازی زمانہ جاہلیت کے اشعار مین عرب کے بعض مقامات کے مشہور چمڑون کا ذکر آتا ہے، احادیث مین بھی اسی قسم کی تصریحات ملتی ہین، بالخصوص ادیم یمنی تو عام طور پر مشہور ہے، لیکن ان کے علاوہ جغرافیون اور سفرنامون مین اور بھی متعدد مقامات کے نام ملتے ہین، جو چرم سازی یعنی چمڑون کی دباغت مین مشہور تھے، مثلاً یاقوت حموی اغمات کے ذکر مین جو مغرب کا ایک مشہور شہر تھا لکھتا ہے کہ "یہان چمڑون کی دباغت اس خوبی کے ساتھ ہوتی ہے کہ دنیا کے اور چمڑے ان کے آگے کوئی حقیقت نہین رکھتے، اور وہان سے وہ مغرب کے تمام شہرون مین لائے جاتے ہین، اور مغربی لوگ ان کے سخت خواہشمند ہوتے ہین[5]"

اسی طرح مغرب کے شہرون مین غدامس کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہان غدامسی چمڑون کی دباغت ہوتی ہے

---

[1] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۲۰۰ ۔ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ ۔ [3] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۵۶ ۔ [4] معجم جلد ۷ صفحہ ۷۷ ۔

[5] معجم جلد اول صفحہ ۲۹۶ ۔

اور یہ بہترین دباغت شدہ چمڑا ہوتا ہے جس کے آگے خوبی کا کوئی درجہ نہین نرمی اور چمک مین گو یادہ ریشمی کپڑا معلوم ہوتا ہے[۱]

صعدہ یمن کا ایک شہر تھا اور اس مین چرم سازی کے متعدد کارخانے تھے، جہان جوتے کے لیے گائے بیل کے چمڑے کی دباغت ہوتی تھی[۲]

صنعت پارچہ بافی اس صنعت کی ترقی کا پہلا دور سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ سے شروع ہوا کیونکہ وہ نہایت خوش خوراک اور خوش پوشاک تھا اس لیے اس کے دور حکومت مین قدرتی طور پر صنعت پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، اور اسکے بعد مشرق کے تمام شہر تمام قصبات اور دیہات اس صنعت کا مرکز بنگئے، چنانچہ ان مین جس قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

مصلی اور قالین آمُل طبرستان کا مشہور شہر ہے، اور وہان طبرستانی مصلے اور نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے[۳]

البش اندلس کا ایک شہر تھا اور یہان بے نظیر قالین تیار ہوتے تھے[۴]

اقصرا روم کا ایک بہترین شہر تھا اور وہان بے مثل اونی قالین بنائے جاتے تھے جو شام و مصر و عراق، ہندوستان، چین اور ترکستانی شہرون مین لائے جاتے تھے[۵]

تبسہ افریقہ کا ایک مشہور شہر تھا جہان نہایت مضبوط اور لمبے چوڑے قالین تیار ہوتے تھے، اور مدتون ٹھہرتے تھے[۶]

تنس بحر مصر کا ایک جزیرہ تھا جہان رنگین کپڑے، اور رنگا رنگ کے قالین بنائے جاتے تھے[۷]

قالیقلا ارمینیہ کے اطراف مین ایک شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے،

وتعمل بقالیقلا هذه البسط المسماة بالقالی اختصروا فی النسبة الی بعض اسمه لثقله[۸]	قالیقلا مین یہ بچھونے جنکو قالی کہتے ہین، بنائے جاتے ہین اختصار کے لئے اس کے نام کے ایک جزو کی طرف ان کو منسوب کردیا ہے۔

[۱] معجم جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ [۲] معجم جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ [۳] معجم جلد اول صفحہ ۶۳ [۴] ایضاً صفحہ ۳۲۲ [۵] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۲۲ [۶] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ [۷] ایضاً صفحہ ۴۱۹ [۸] معجم جلد ۷ صفحہ ۱۷،

اس عبارت سے قالین کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ فارسی مین قالین کو قالی ہی کہتے ہین، جو اردو مین قالین ہوگیا ہے،

جہرم ایک ایرانی شہر تھا جہان نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے، اور خود ان قالینون کو بھی جہرم کہتے تھے[1] اور غالباً جاجم کی اصلیت یہی ہے،

معجم وغیرہ مین ان مواقع پر "بسط" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بساط کی جمع ہے اور وہ قالین کے علاوہ بچھانے کی اور تمام چیزون کو شامل ہے،

پردے | بعضا اہواز کے اطراف مین ایک شہر تھا جہان کے تمام مرد اور تمام عورتین اُون کاتتی تھین اور فرش اور پردے بنتی تھین[2]

غندجان ایران کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان قالین، پردے اور کرسیان وغیرہ اس قدر عمدہ بنتی ہین، جو ارمنون کی صناعیون کا مقابلہ کرسکتی ہین، یہین سے بادشاہ کے لیے طراز بھی بنکر تمام ملکون مین جاتا تھا[3]، جس کی حقیقت ابن خلدون نے ان الفاظ مین بیان کی ہے: بادشاہون کے نام یا اس کی مخصوص علامتین ان کے حریر و دیبا کے لباس مین بیل بوٹون کے ساتھ کاڑھے جاتے ہین، اور ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سنہرے دھاگے یا ایسے رنگین دھاگون سے جو اس کپڑے کے رنگ سے مختلف ہون بن دیے جائین اور اس طریقے سے شاہی کپڑے شاندار ہوجاتے ہین"

رومال | اسمنان، رے اور دامغان کے درمیان ایک شہر تھا جہان نہایت عمدہ رومال بنائے جاتے تھے[4] عربی زبان مین رومال کو مندیل کہتے ہین جس کو ہمارے جغرافیہ نویسون نے نہایت وسیع معنون مین استعمال

---

[1] معجم جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۱۰

[3] معجم جلد ۶ صفحہ ۳۱۰

[4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۲۹

کیا ہے، اس لیے سرپوش اور دسترخوان وغیرہ بھی اس مین داخل ہو گئے ہین، چنانچہ اسی وسیع معنی کی بنا پر یاقوت حموی بشاری کے حوالے سے بدخشان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ یہان ابرک پیدا ہوتا ہے جس کو آگ نہین جلا سکتی، اس کو تیل کے اندر رکھکر آگ لگا دیجاتی ہے تو وہ چراغ کی بتی کی طرح جلنے لگتا ہے، لیکن تیل تو جل جاتا ہے اور وہ بعینہٖ اپنے اصلی رنگ و روپ کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس سے بڑے دبیز سرپوش بنائے جاتے ہین، اور جب وہ میلے ہو جاتے ہین اور ان کے دھونے کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کو آگ مین ڈال دیا جاتا ہے جس سے میل کچیل جل جاتا ہے اور وہ خود آگ سے صاف ستھرا اور بیداغ ہو کر نکل آتا ہے[1]۔

چادر قلعہ حماد، مغرب کا ایک شہر تھا جہان ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا اور غالباً یہ شہر اسی قلعہ کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہو گیا تھا، یاقوت حموی اس قلعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اس کا منظر تو اچھا نہین البتہ اس کے گرد بہت سے زرخیز گانون آباد ہین، جہان انجیر اور انگور پیدا ہوتے ہین، یہان باریک بناوٹ کی نہایت عمدہ چادرین بنتی ہین، جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، یہان کے اون مین اس قدر نرمی اور چمک ہوتی ہے جو سونے کے ساتھ مل کر ریشم کا مقابلہ کرتا ہے[2]۔"

ایران کی انتہائی سرحد پر تارم ایک شہر تھا جہان نہایت قیمتی ریشمی چادرین تیار ہوتی تھین[3]،

رصافہ شام ہشام بن عبد الملک کا آباد کیا ہوا تھا اور یہان کے لوگ چادرون کے بننے مین نہایت مہارت رکھتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان کے غریب و امیر سب کے سب اُون کاتتے ہین اور ان کی عورتین بُنتی ہین[4]، دریائے نیل کے مغرب مین سبنو ایک مقام ہے جہان نہایت عمدہ چادرین بنتی تھین[5]۔

عفارہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو یہود اپنی عبادت گاہون مین اوڑھ کر جاتے ہین، اور اس قسم کی چادرون کے بننے مین سجلماسہ کے لوگ نہایت مہارت رکھتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۲۱)

[1] معجم جلد ۲ صفحہ ۲،۱۰۲،۱۰۹ [2] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۹۱ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ [4] معجم جلد ۴ صفحہ ۲۵۵ [5] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۳۔

تہ بند سجلماسہ، جنوب مغرب مین ایک شہر تھا جہان کی عورتین اُون کاتنے مین نہایت مہارت رکھتی تھین اور اس سے نہایت نادر قسم کے تہ بند تیار کرتی تھین جنکی قیمت ۳۵ دینار سے زائد ہوتی تھی[1]

تس ہندوستان کا ایک شہر ہے اور غالباً کچھ کا معرب ہے، اس کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان سے مختلف قسم کے کپڑے اور تہ بند لائے جاتے ہین اور ہندوستان سے جو چیزین آتی ہین اون مین سب سے بہتر یہی ہے، یہان سے نیل بھی آتا ہے جو رنگنے کے کام آتا ہے، اور وہ بھی اپنے اقسام مین سب سے بہتر ہوتا ہے[2]،

عمامہ تستر خوزستان کا بہت بڑا شہر ہے، جہان نہایت عمدہ کپڑے اور نہایت عمدہ عمامے بنائے جاتے تھے، چنانچہ ایک دن صاحب بن عباد نے تستر کا بنا ہوا، ایک منقش عمامہ باندھا تو اس کے بعض ہمنشینون نے اس کو بغور دیکھنا شروع کیا اس پر صاحب بن عباد نے یہ لطیف ادیبانہ فقرہ کہا،

ما عملت بتُستَر لتُستَر — یعنی یہ تستر مین اسلیے نہین بنایا گیا کہ اسکو چھپا کر رکھا جائے.

یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہ فقرہ صاحب بن عباد کے نوادرات مین سے ہے[3]،

پوستین سرقسطہ اندلس کا مشہور شہر ہے اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ سمور صرف اسی شہر مین بنایا جاتا ہے اور وہ نہایت باریک کپڑا ہوتا ہے جو سرقسطیہ کے نام سے مشہور اور اسی اطراف کے باشندون کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس جگہ جس سمور کا ذکر ہے اس کی حقیقت سے مین ناواقف ہون یا تو وہ ایک گھاس کا نام ہے جو وہان ہوتی ہے، یا ایک مشہور جانور کا اون ہے، اور اگر وہ یہی مشہور جانور ہے تو اس کو جند بادستر بھی کہتے ہین[4]،

مصیصہ، انطاکیہ اور بلاد روم کے درمیان مسلمانون کا مشہور فوجی مرکز تھا اور یہان پوستین بنائے جاتے تھے جو اور ملکون مین جاتے تھے، اور ایک پوستین کی قیمت ۳۰ دینار تک ہوتی تھی[5]،

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴ [2] ؍؍ جلد ۲ صفحہ ۵۸ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ [4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱ [5] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۸۰

نقاب سرخس خراسان کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا اور یہان کے باشندے عورتون کے لیے نقاب، اور ان کے سر مین باندھنے کے رومال وغیرہ کے بنانے مین نہایت مہارت رکھتے تھے[۱]،

ندے تلمسان مغرب کا ایک مشہور شہر ہے جہان گھوڑون کی ایک خاص نسل نہایت شہرت رکھتی تھی، اور اس مناسبت سے یہان گھوڑون کی زین کے نیچے رکھنے کے لیے نہایت عمدہ ندے تیار کئے جاتے تھے چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ تلمسان مین راشدی گھوڑون کو اور تمام گھوڑون پر فوقیت حاصل ہے، اور وہان کی عورتین مختلف قسم کے اونی ندے تیار کرتی ہین جو وہان کے سوا اور شہرون مین نہین ملتے[۲]، سبنو صعید مصر کا ایک گانون ہے اور یہان بھی نہایت عمدہ ندے بنائے جاتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۲۱)

کپڑون کی ان مخصوص قسمون کے علاوہ عام ریشمی، سوتی اور اونی کپڑے تو تقریباً تمام شہرون مین بنے جاتے تھے، مثلاً

ریشمی کپڑے البیرہ، اندلس کا ایک بہت بڑا ضلع تھا جس مین بڑے بڑے شہر آباد تھے اور اس کے گوشے گوشے مین کتان اور حریر تیار کئے جاتے تھے[۳]،

تبریز نہایت متمدن اور نہایت خوبصورت اسلامی شہر تھا اور یہان عبائی، خطائی، زرکار ریشمی کپڑے اور اطلس وغیرہ تیار ہوتے تھے جو مشرق اور مغرب کے تمام شہرون مین جاتے تھے[۴]،

توج ایران کا ایک شہر تھا جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین فتح ہوا تھا اور یہان کتان کے کپڑے تیار ہوتے تھے جو یہان کی مخصوص چیز سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان کتان کے کپڑے تیار کئے جاتے ہین جو یمن کی سرزمین کی طرف منسوب ہین، اگرچہ جو لوگ اس قسم کے کپڑے تیار کرتے ہین وہ زیادہ تر کازرون کے باشندے ہین لیکن اس کپڑے کی نسبت توج کی طرف اس لیے کیجاتی ہے کہ توج کے باشندے اسکی صنعت

---

۱ معجم جلد ۵ صفحہ ۶۵ ۲ معجم جلد ۲ صفحہ ۴۰۰ ۳ معجم جلد اول صفحہ ۳۲۲ ۴ معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۲،

مین بہت زیادہ مہارت رکھتے ہین یہ ایک باریک اور جالی دار کپڑا ہوتا ہے جو چھلنی سے مشابہت رکھتا ہے، لیکن اس کا رنگ نہایت عمدہ ہوتا ہے اور اس پر سنہرے بوٹے ہوتے ہین اس کے ڈھیر گن گن کر فروخت ہوتے ہین، اہل خراسان اس کا بڑا شوق رکھتے تھے اور یہ وہان بہ کثرت جاتا تھا، اس کی ایک اور باریک قسم تیار کیجاتی ہے، جس کو لوگ استعمال کرتے ہین[۱]،

جرجان ایک مشہور اسلامی اور تاریخی شہر ہے، جہان ریشم پیدا ہوتا تھا، اس لیے قدرتی طور پر وہ ریشمی کپڑون کا مرکز تھا، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان ریشم اور ریشمی کپڑون کی پیداوار ہوتی ہے جو اور ملکون مین جاتے ہین، جرجان کا یہ ریشم ایک کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو طبرستان مین جاتا ہے، اور طبرستان مین ریشم نہین پیدا ہوتا[۲]،

قابس افریقہ کا نہایت متمدن اور زرخیز شہر تھا، جہان مختلف پھلون کے ساتھ ریشم بھی بہ کثرت پیدا ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہان شہتوت کے درخت بہ کثرت تھے اور اون کے ایک درخت سے جس قدر ریشم پیدا ہوتا تھا دوسرے شہرون کے پانچ درختون سے بھی نہین پیدا ہو سکتا تھا، اس بنا پر یہان نہایت عمدہ اور نہایت باریک حریر تیار ہوتا تھا، جو افریقہ کے اور صوبون مین مطلق نہین پایا جاتا تھا[۳]،

مریہ اندلس کا اسلامی شہر تھا جو ضلع بیرہ مین واقع تھا، اور یہان نہایت عمدہ دیبا تیار ہوتا تھا، جو پہلے قرطبہ مین بنا جاتا تھا پھر اہل مریہ نے اسکی صنعت مین قرطبہ پر تفوق حاصل کر لیا، اور اس حیثیت سے اندلس کے اور شہرون سے ممتاز ہو گئے[۴]،

عمان مین چند گاؤن تھے جن کے مجموعے کو نزوہ کہتے تھے، یہان ایک قسم کا حریر تیار ہوتا تھا جو عرب کے اور شہرون مین نہین پایا جاتا تھا، بالخصوص اس کے تہ بند غیر معمولی قیمت پر فروخت ہوتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ مین نے ان کو دیکھا اور پسند کیا[۵]، احادیث مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قسی کپڑون

۱؎ معجم جلد ۲ صفحہ ۲۲۴، ۲؎ ایضاً جلد ۳ صفحہ ۵، ۳؎ ایضاً جلد ۷ صفحہ ۲، ۴؎ ایضاً جلد ۸ صفحہ ۴۲، ۵؎ ایضاً جلد ۸ صفحہ ۲۸۱،

کے استعمال کرنے سے منع فرمایا، لیکن اس کی حقیقت مین بڑا اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک قس ایک جگہ کا نام ہے اور یہ کپڑا اسی کی طرف منسوب ہے، بعضون کے خیال مین ایک مخصوص ریشمی کپڑے کا نام ہے، جو مصر سے آتا تھا، اور بعضون کے نزدیک یہ قز کا معرب ہے جس کے معنی ریشم کے ہین[1]، بہرحال یہ ایک ریشمی کپڑا ہوتا تھا جو مشرق ہی مین تیار کیا جاتا تھا،

سوتی کپڑے باب بزاعہ، حلب کے صوبہ وادی بطنان کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جہان بکثرت گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا اور مصر اور دمشق مین جاتا تھا[2]،

باقداری بغداد کا ایک گانون تھا جہان دبیز سوتی کپڑے بنے جاتے تھے جو بغداد مین نہایت مشہور تھے[3]

حربی بھی بغداد اور تکریت کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا اور یہان بھی گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا جنکو تاجر اور تمام ملکون مین لے جاتے تھے[4]،

لاذق ایک رومی شہر تھا اور یہان بھی نہایت عمدہ سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے، چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بازار نہایت عمدہ ہین اور یہان بے نظیر سوتی کپڑے بنائے جاتے ہین جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، چونکہ یہان کی روئی عمدہ ہوتی ہے اور مضبوطی کے ساتھ کاتی جاتی ہے اس لیے یہ کپڑے نہایت پائدار ہوتے ہین اور مدتون ٹھہرتے ہین، یہ کپڑے اسی شہر کی نسبت کے ساتھ مشہور ہین، اور ان کپڑون کی کاریگر زیادہ تر رومی عورتین ہوتی ہین، اور یہان بکثرت رومی رہتے ہین، جو ذمیون کی حیثیت رکھتے ہین[5]

ان کپڑون کے علاوہ اور مختلف مواقع پر صنعت پارچہ بافی کا ذکر ملتا ہے، لیکن ان کی نوعیت کا پتہ نہین چلتا، یعنی یہ نہین معلوم ہوتا کہ وہ سوتی ہوتے تھے یا ریشمی؟ مثلاً یاقوت حموی اروستان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ یہان بڑے بڑے گانون آباد ہین، جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار ہوتے ہین، اور تمام ملکون مین جاتے ہین[6]، تونہ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہان کے کپڑے اور ان کے بیل بوٹے حسن و خوبی مین ضرب المثل ہین[7]،

---

[1] معجم جلد ۷ صفحہ ۸۰ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۹ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۴ [4] معجم جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ [5] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۱۷، [6] معجم جلد اول صفحہ ۱۸۴ [7] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۴۳۵،

شطا کے متعلق لکھتا ہے کہ شطوی کپڑے اسی کی طرف منسوب ہین، اور یہان اور دمیاط مین وہ قیمتی کپڑا تیار ہوتا ہے جس کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سنہرا کام نہین ہوتا[1]،

ابن بطوطہ ایک چینی شہر کے ذکر مین لکھتا ہے کہ اس شہر مین چند سائبان بنے ہوے ہین جنمین کاریگر رہتے ہین جو عمدہ کپڑے اور آلات حرب بناتے ہین[2]،

ان تصریحات کے ساتھ مشرقی ممالک مین صنعتی گرم بازاری کا اندازہ کاریگرون کی کثرت سے بھی ہوسکتا ہے اور اس کے متعلق بھی کتابون مین بکثرت معلومات ملتی ہین، مثلاً یاقوت حموی اصبہان کے ایک گانون کی نسبت لکھتا ہے کہ یہان کے باشندے زیادہ تر جولاہے ہین[3] ابن فقیہ ایک موقع پر خراسان کے متعلق لکھتا ہے کہ صنعتی خوبی کے لحاظ سے وہ گویا چینی شہرون کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، یہان کے لوگ تجارتی زندگی بسر کرتے ہین[4]

بم کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ کرمان کا نہایت عمدہ شہر ہے اور یہان کے لوگ خاص طور پر صنعتی مہارت رکھتے ہین جو زیادہ تر جولاہے ہین اور یہان کے کپڑے تمام شہرون مین مشہور ہین[5]،

دمیاط کے ذکر مین لکھتا ہے کہ وہ اسلام کا ایک فوجی مرکز ہے اور عمدہ شرب[6] کے کپڑے کی صنعت مین مشہور ہے اور دمیاط اور تنیس کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ جو جولاہے ان قیمتی کپڑون کو بنتے ہین وہ قبطی ہوتے ہین جو پست ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہین، نہایت ذلیل کھانا کھاتے ہین، اور کھانے کے بعد ہاتھ تک نہین دھوتے، پھر اسی حالت مین یہ قیمتی کپڑے بنتے ہین، اور جب ایک خریدار ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عود سے بسائے گئے ہین، یہ بھی یہان ایک عجیب بات ہے کہ یہان دریا کے کنارے چند مکانات ہین جو کارخانے کے نام سے موسوم ہین، جولاہے ان کپڑون کے بننے کے لیے ان کو کرایہ پر لے لیتے ہین، اور وہین یہ کپڑے عمدہ بنتے ہین، اگر کسی دوسری جگہ بنے جائین یہان تک کہ اگر ان مین صرف ایک بالشت کی کسر رکھی جائے جو ان کارخانون مین لا کر پوری کی جائے اور دلال کو

---

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۶۴ [2] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۴ [4] کتاب البلدان صفحہ ۳۱۶ [5] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ [6] جنسے باشد از کتان نازک و رقیق کہ بیشتر در مصر بافند و اکابر و بزرگان آنجا بر سر بندند و آن بسیار لطیف و گرانمایہ است (برہان قاطع)

معلوم ہوجاے تو وہ اس کی قیمت کم کردیتا ہے کیونکہ اس سے کپڑے کی نوعیت مین فرق آجاتا ہے،

دمیاط مین ہرقسم کا قصب ملمی اور شرب تیار ہوتا ہے لیکن تنیس ان کی صنعت مین دمیاط کا مقابلہ نہین کرسکتا حالانکہ دونو کے درمیان صرف دو پہر کا راستہ ہے، دمیاط مین سفید کپڑے کی قیمت تین سو دینار تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سونا نہین ہوتا، دمیاط مین رنگین کپڑا اور تنیس مین سفید کپڑا نہین بنایا جاتا، بعض معتبر تاجرون کا بیان ہے کہ ۳۹۳ھ مین دو دمیاطی حلّے تین ہزار دینار مین فروخت کئے گئے، اور ایسا کسی اور شہر مین نہین سنا گیا، یہان ہرقسم کے بوٹے دار اور منقش فرش قلمونی اور تولیے بنائے جاتے ہین جو دنیا کے تمام بادشاہون کی خدمت مین ہدیۃً پیش ہوتے ہین[1]

سمیران کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک مضبوط قلعہ اور محمد بن مسافر کے قبضہ مین ہے، وہ جب کوئی عمدہ تجارتی مال یا کوئی عمدہ صنعت دیکھتا ہے تو اس کے بنانے والے کا نام پوچھتا ہے، اور جب اس کو اس کی جاے سکونت معلوم ہوجاتی ہے تو اس کے پاس اس قدر مال بھیجدیتا ہے جو اس کے لیے موجب ترغیب ہوسکتا ہے اور اس کے پاس آنے کے بعد اس سے بہت زیادہ مال کا وعدہ کرتا ہے، پھر جب وہ اس کے پاس آجاتا ہے تو قلعہ سے نکلنے نہین دیتا وہ اپنی رعایا کے بچون کو بھی صنعتی کاروبار مین لگاتا ہے[2]،

سوسہ کے متعلق لکھا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین جو سوسی کپڑے بنتے ہین، اور یہ کپڑے اگر دوسرے شہرون مین بنتے ہین تو وہ ان کے مشابہ ہوتے ہین، خود سوسہ مین اس کپڑے کی قیمت دس دینار ہوتی ہے[3]، دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ سوسہ مین جولاہون کا پیشہ بکثرت رائج ہے اور یہان ایک قسم کا سوت کاتا جاتا ہے جسکے ایک مثقال کی قیمت سونے کے دو مثقال کے برابر ہوتی ہے[4]، صالقان کی نسبت لکھا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین[5]"

الجہاد فی الاسلام

از مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، رفیق اعزازی دار المصنفین،

جس مین اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسلام کے قوانین جنگ و صلح، معترضین کے جوابات اور شکوک و شبہات کا ازالہ کیا قانون کا دوسرے مذاہب اور دوسری قومون کے قوانین جنگ سے مقابلہ و موازنہ اور موجودہ یورپ مین قوانین جنگ پر مفصل تبصرہ، اور ان پر اسلامی قانون کی برتری، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت قیمت ... منیجر

---

[1] معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۸۰، [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۳۵، [3] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۷۳، [4] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۷۲، [5] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۳۴

ایک کمیاب اردو مخطوطہ
"قصۂ حضرت تمیم انصاریؓ"
(کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ مین)

از

مولوی عبدالقادر صاحب سروری، ایم اے، ال ال بی، اسسٹنٹ پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کالج

کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے اردو مخطوطون کی تفصیلی فہرست (Descriptive Catalogue) کی ترتیب کے دوران مین قدیم دکنی اردو کے بعض کمیاب مخطوطے بھی مجھے دستیاب ہوئے جو کتب خانہ مین داخل کیے گیے، انھین مین صنعتی کا "قصۂ حضرت تمیم انصاریؓ" بھی ہے،

مولوی عبدالحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کو اس مخطوطے کی کیفیت لکھنے پر موصوف نے مطلع فرمایا کہ آپ کے پاس بھی اس کا ایک غیر مکمل مخطوطہ موجود ہے، ان دو کے سوا کسی اور نسخے کا علم نہین[1]، بحالت موجودہ کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ہی مکمل معلوم ہوتا ہے اور اسلیے قیمتی ہے،

حیدرآباد مین باوجود قدیم ترین کتب خانون کے خود دکنی کتابون کی ریسرچ کا مواد اساسی کتب (REFERENCE WORKS) وغیرہ جیسی کہ ضرورت ہے نہین مل سکتے تاہم کمیاب مخطوطون کے متعلق ممکنہ سعی سے جس قدر معلومات فراہم ہو سکتی ہین، ان سے ایک

[1] اس مضمون کے لکھے جانے کے بعد ہم نے صنعتی کے قصے کا ایک اور نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر مددگار محکمۂ صفائی حیدرآباد دکن کے کتب خانہ مین دیکھا یہ نسخہ بھی مکمل اور نفیس ہے،

مضمون "باقر آگاہ" پر لکھا گیا تھا جو رسالہ "اردو" (اورنگ آباد دکن بابتہ اپریل ۱۹۲۶ء) مین شائع

ہوا، یہ دوسرا مخطوطہ ہے جو شاید اب تک گوشۂ گمنامی مین پڑا ہوا تھا،

(عبدالقادر سروری)

قصہ حضرت تمیم انصاریؓ تقریباً تین سو سال پیشتر یعنی گیارھوین صدی ہجری کے وسط مین لکھا گیا تھا، اس کا مصنف بیجاپور کے دربار کا ایک شاعر صنعتی ہے، یہ تصنیف غالباً اردو منظوم قصہ نویسی کی تاریخ مین ابتدائی مرحلہ ہے، ادبیات کے متعلق بارہا کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پیدایشی ماحول اور زمانہ کے رجحانات کا عکس ہوا کرتے ہیں، اردو کے متعلق اس امر مین کچھ شبہ نہین کہ یہ زبان مسلمانون اور ہندوؤن کے باہمی میل جول، ایک کا دوسرے پر عمل اور ردِ عمل اور بڑی حد تک انکی باہمی مفاہمت اور انس و یگانگت کا نتیجہ ہے،

مسلمانون کے ہندوستان مین مستقل طور پر آنے سے پہلے اور اس کے فوراً بعد ہی سے انھون نے ہندو مسلک کے حق مین انصاف کرنے کی خاطر اس کو سمجھنے کی طرح طرح سے کوشش کی، عباسی خلفاء کے عہد ہی سے مسلمان ہندی تہذیب سے اپنے سیاح اور مصنفین وغیرہ کے ذریعہ روشناس ہو چکے تھے، لیکن ہندوستان کو اپنا وطن قرار دینے کے بعد یہ چیز اور بھی نمایان ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان جو اسلامی عہدِ حکومت ہند کی قدیم ترین زبان ہے، اس مین بہت سی تصنیفات ہندو مسلک سے متعلق ملتی ہین،

ایک طرف تو وہ خود اس ملک کو زیادہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، دوسری طرف انھون نے ہندوؤن کو صحیح اور صحت بخش اصول پر اپنے آپ سے مانوس بنانے کی خاطر اپنے مشرب اور مذہب کو ان پر واضح کرنے کی طرح طرح سے کوششین کین، اس تاریخی حقیقت کو نظر مین رکھتے ہوے اس اتفاق پر زیادہ استعجاب نہین ہوتا کہ اردو کے ابتدائی ادب کے پیدا کرنے والون مین اکثر مذہبی پیشواؤن کے اسمائے گرامی دیکھنے مین آتے ہین، اس سے ابتدائی ادب کے خاص خاص رجحانات کا پتہ چلانے مین بھی آسانی

---

[1] یہ اشارہ ہے البیرونی وغیرہ کی طرف جنھون نے خلفائے عباسیہ کے عہد مین ہندوستان کا سفر کیا اور یہان کے حالات کا مطالعہ کیا،

ہو جاتی ہے، چنانچہ اس دور کے کارنامے فطری طور پر تمامتر مذہبی تحریرون پر مشتمل ہین، دکنی دور جو اردو ادب کی پیدائش کا اولین دور ہے، اس کے تین سو سال کے اندر (۸۰۰ - ۱۱۰۰) جس قدر وسیع ادب پیدا ہوا اس کا بیشتر موضوع مذہب ہے، اسکی تفصیل یہان بے موقع ہے، صرف ہم اس قصہ کی موضوعی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے لیے ان ابتدائی امور کی طرف توجہ منعطف کرانی ضرور سمجھتے تھے،

قصہ گوئی اور قصہ نگاری، ہر قوم کی تمدنی ابتدا کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، اس کی سنجیدہ اور فنی اہمیت سے قطع نظر کم سے کم دل بہلانے کے لیے اس کی ضرورت ہر جگہ اور ہر وقت مسلم ہے، لیکن قدیم ترین اردو مصنفین جنھین سے اکثر کسی حال مین بھی مذہبی پیشوا نہین تھے، اور جو زیادہ مذہبیات پر قلم اٹھانا نہین چاہتے تھے وہ بھی، مذہب کے گہرے اثرات سے خالی نہین تھے، چنانچہ قصہ نگاری جسے بظاہر مذہبیات سے کسی قسم کا تعلق نہین نظر آتا وہ بھی مذہب کے سہارے ہی چلنا چاہتی تھی، اس وقت کے عام رجحانات کی طرح قصہ نگارون کا بھی ایک رجحان تھا، چنانچہ مختلف قدیم تصوف مثلاً "زلیخاے ثانی" (مصنفہ فتح) قصہ ملکہ مصر (مصنفہ عاجز) وغیرہ کی طرح قصہ تمیم انصاری بھی اسی قسم کے میلانِ طبع کا ایک ظہور ہے،

صنعتی جس کا علمی دنیا کو کم سے کم حال معلوم ہوا ہے دکن کے غالبًا شہر بیجاپور یا اس کے نواح مین اس زمانہ مین پیدا ہوا، جبکہ شمالی ہند مین خوش حالی کا دورہ اکبر اعظم کی علمی ترقیون سے مستفید ہو چکا تھا اور اب اس کا سلسلہ شاہجہان کی یادگار حکومت مین اپنی منتہا تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، فارسی زبان اور ہندی فارسی شاعری کے چرچے دربار کے اندر اور باہر خوب ہو رہے تھے، اردو شاعری کی تصنیف و تالیف کا تو یہان کوئی ذکر نہین، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ دو آبے مین اور اس کے اطراف یہ زبان فارسی کے ساتھ بن رہی تھی،

صنعتی کا ذکر تذکرون مین نایاب ہے، خوش قسمتی سے خود اس نے تمہید مین چند ایسے واقعات بیان کئے ہین جن سے اس کے متعلق تو نہین مگر اس کے ماحول کے مطابق کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہین،

اس نے سلاطین عادل شاہی کے غالباً دو سلسلے دیکھے، چنانچہ وہ اپنی اس تصنیف کے اندر محمد شاہ بادشاہ کی تعریف کرتا ہے،

کہ ہے جگپو او سایہ کردگار   اچنبا ہے یو پو چھاؤن پروردگار

محمد شہ داد گر دین پناہ   کہ ہر دم محمدؐ جسے دستگاہ

یہان محمد شہ سے خیال دکن کے ان تمام حکمرانون کی طرف جا سکتا ہے، جن کے نام یا نام کا جز محمد شہ ہو، چنانچہ سلاطین بہمنیہ مین اسی نام کے تین بادشاہ گذرے ہین، محمد شاہ بن بہمن شاہ (۷۵۹ء-۷۷۶ھ) محمد شاہ ثانی (۷۸۰-۷۹۹ھ) محمد شاہ ثالث جس کا پورا نام شمس الدین محمد شاہ تھا، (۸۶۷-۸۸۷ھ) لیکن ان مین سے آخری بادشاہ کے زمانے سے بھی صنعتی کا زمانہ مطابقت نہین کرتا، یہ قصہ اس نے جس سنہ مین لکھا، اس کو اور شمس الدین محمد ثالث کے زمانے کو ایکسو اڑسٹھ (۱۶۸) سال ہوتے ہین اگر اس قصہ کے لکھنے کے وقت صنعتی کی عمر کم سے کم بیس سال کی بھی سمجھی جائے تو اس حساب سے اس کے قصے کے لکھنے کے وقت اس کی عمر (۱۸۸) سال کی ہوگی، جو ناممکن ہے، اس لیے یہ یقین ہے کہ بہمنی سلسلے کے اس نام کے بادشاہون مین سے کسی کے عہد مین صنعتی موجود نہین ہو سکتا، اسی طرح سلاطین قطب شاہیہ مین محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸-۱۰۲۰ھ) اور محمد قطب شاہ (۱۰۲۰-۱۰۳۵ھ) جس کے متعلق صنعتی کے معاصر ہونے کا شبہہ ہو سکتا تھا، کوئی بھی اس قصے کے لکھنے کے وقت زندہ نہین رہ سکتا،

صنعتی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد شہ، ابراہیم شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، اس سے ہمارے قیاس کو مزید تقویت ہوتی ہے، کیونکہ محمد عادل شاہ سے بالکل پہلے ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸-۱۰۳۷ھ) تخت نشین تھا، صنعتی کے شعر مین محمد شاہ کے نام کے ساتھ "داد گر" کی صفت یقیناً اس کے عادل شاہی لقب کی طرف اشارہ ہے،

یہ محمد شاہ دکن کا حکمران تھا، جس کو صنعتی ہی نے اپنے ایک شعر مین صاف کر دیا ہے، بیجاپور کے

پادشاہون کو شاعرون اور مورخون نے عمومًا "شاہ دکن" یا "پادشاہ دکن" ہی لکھا ہے،

دکھن کا تون ہے خسروِ نامدار　　　جتے تاجداران وتے باجدار

فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ فرشتہ[1] ابراہیم عادل شاہ ثانی ہی کے زمانے مین لکھی، غالبًا ابراہیم عادل شاہ کے عہد مین صنعتی کم عمر تھا، ورنہ وہ خصوصًا اس مقام پر جہان اُس نے ابراہیم کے فرزند علاء الدولہ کی پیدایش کے جشن کا حال لکھا ہے اور ضمنًا شاعرون کے نام بھی لے لیے ہین ضرور صنعتی کا ذکر کرتا،

"بساتین السلاطین" (تاریخ بیجاپور) کے مصنف نے محمد عادل شاہ کے بیان مین ایک سرخی "در بیان بعضے شاعر کہ درآن زمان بودند" قائم کی ہے، اس مین وہ سب سے پہلے ایک شاعر کا ذکر کرتا ہے جس کا نام وہ ابراہیم خان صبعی بتلاتا ہے، صبعی کسی شاعر کا تخلص نہین سنا، بہت ممکن ہے کہ یہ صنعتی ہی ہو، اور کاتب کی غلطی نے اس کو صبعی کر دیا ہو (افسوس ہے کہ ہم کو بساتین کا ایک بے حد غلط نسخہ ملا جو یہان کے تمام کتب خانون مین مل سکتا ہے) صبعی اور صنعتی مین لفظی مماثلت ظاہر ہے کہ کس حد تک ہے، اس لیے یہ غیر قرین قیاس نہین کہ ابراہیم خان کا تخلص صنعتی ہو،

ملا ابراہیم کا ذکر مصنفِ بساتین السلاطین نے بڑی وقعت سے کیا ہے، ظہوری کے حوالے سے وہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ نے ظہوری سے مشاہیرِ دکن پر کتاب لکھنے کی فرمایش کی،

"تمام احوالاتِ پادشاہان را کہ در تاریخ مسطور بود احوالِ سعادت مآل و فتوحاتِ برکات آیاتِ پادشاہ جمجاہ سلطان خاقان ابن خاقان سلطان محمد ادام اللہ جلالہٗ علی مفارق البریات، آنچہ خود مشاہدہ نمودہ، وآنچہ از ثقات صادق القول مسموع داشتہ بر صفحہ ایام خجستہ فرجام نگاشتم، اول کسیکہ از مجلسیان حضور بہ تحقیق این مقدمہ پرداخت ابراہیم خان صبعی است کہ مجموعہ علم عقلی فراہم آوردہ، نقلِ مقالات اوجست و مقدماتِ جمیع علوم در اشارہ معلوم نمودن یک

---

[1] تاریخ فرشتہ (مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۱ھ) جلد دوم صفحہ ۸۲

نفس کو ش برافتادہ او بودن است، و دقیقہ یابی و نکتہ دانی موجی است کہ از قلزم تفکرش برخاستہ و از نازکی بیانش سوسن سیراب باز آستگی زبان خود آراستہ، و در بزم گاہ سخن سنجیش شعر فہمان سخن رس را تا مصرع نفس موزون از سینہ سر بر زند دم زدن خیال محال است اندازہ بلندش کمندی است کہ بر کنگرۂ گردون پیچیدہ، و فکر فلک پیوندش صید بندی است کہ سرگرم شکار ملک و ملک گردیدہ، و قصیدہ و غزل معنی پیچیدہ، و معانی رنگین برجستہ چندان سربستہ کہ از بار تحسین آں زبان حرف گیران چون رنگ ر دستہ نشان دہم شکستہ نیسان فکرتش از بہر مخزن اسرار ہزاران در بر ردی کار آوردہ و بیک فرخندہ پے خیالش بہ نہان خانہ معرفت پر صد گاری بردہ نظم،

زہے نکتہ پرداز عالی مکان ... کہ پیوند کہ فکرش قدر دشان
درایت صنعت گشتہ ہر صبح و شام ... مضامین نایاب بہر سلام
بمیدان معنی چو تازد سمند ... سر اہل دعوی کند در کمند
چو دریائے طبعش شود موجزن ... زند جوش گوہر زمین و زمن

(بساتین السلاطین مطبوعہ مطبع سیدی حیدرآباد دکن ص۳۳۳-۳۳۴)

اس نسخے کی صحت مین بھی ناشر کو شبہ ہے، چنانچہ وہ اس کے آخر مین اسکی معذرت کرتا ہے کہ سوا ایک نسخے کے اس کا پتہ نہ چل سکا، اور یہ نقل صرف اصل سے مطابق ہے، اس لیے اس مین غلطیان بہت سی رہگئی ہین، اسکو قارئین درست فرمالین،

زیر نظر قصہ نو سطور کے (۹۵) اوراق پر ختم ہوا ہے، خوشنما خط نسخ مین دیسی کھرے کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس کے ساتھ ترقیمہ[1] نہین ہے، کاتب، سنہ کتابت اور مقام کتابت کا حال بھی درج نہین، لیکن نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہے، غالباً بہت قدیم نہین ہے، اور اچھی طرح محفوظ کیا گیا ہے،

قصہ کا موضوع حضرت تمیم انصاری رضی کی فوق فطری مہمات ہین اور ان کی نوعیت وہی ہے جو قصہ

[1] COLOPHIN

حاتم طائی یا سندہ باد جہازی کے قصے کے واقعات کی ہے، قصہ کا پلاٹ بھی تقریباً ملتا جلتا ہے،
اکثر دکھنی تصنیفات کی طرح اس قصہ کی ابتدا بھی حمد سے ہوتی ہے،

ثنا بول اول تو سبحان کا　　جو خلاق ہے جن و انسان کا

حمد کے ختم سے پانچ شعر پہلے مصنف اپنے تخلص کا اظہار کرتا ہے،

ترا رحم کر صنعتی پر مدام　　کر نکی تو کر کر حرا مکا متام

حمد کے (۹۰) اشعار کے بعد نعت شروع ہوتی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے،

نبی کریم شفیع امین　　رسول خدا رحمت العالمین

نعت کے کل (۷۶) شعر ہیں یہاں بھی اختتام نعت سے پانچویں شعر میں مصنف اپنا تخلص لاتا ہے،

ہے صنعتی سو تری بات پر　　دو جگ میں اسے تو سرافراز کر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں بھی نعت کے بعد (۴۹) شعر اور سخن (شعر) کی تعریف میں (۵۸) شعر، بادشاہ وقت محمد عادل شاہ کی تعریف میں (۵۷) شعر لکھے ہیں، چونکہ اسی حصے سے مصنف کے ماحول پر روشنی پڑ سکتی ہے، اس لیے اس کے اشعار جا بجا سے نقل کیے جاتے ہیں، پہلا شعر یہ ہے،

مبارک اتو[1] ہی جھاڑ جس چھاؤن[2] تل[3]　　خلق آئین آسودگی کی بدل[4]
وہی جگ میں ہے آب حیوان تمام　　کہ جیتی[5] سدا فیض ہے خاص و عام
مسیحا جگت میں وہی آج ہے　　کہ جس دم لگتے[6] سب خلق کا کاج ہے
اچھو[7] جھاڑ سر سبز ایسا مدام　　کہ جس جگ میں ہی فیض اشتی تمام
اچھی کیون نہ او جھاڑ یون باردار　　کہ ہے جس سون[8] آرام سینسار[9] کار
کہ ہے جگپو[10] او سایۂ کردگار　　اجنبا ہے یو چھانون پروردگار

[1] وہ [2] چھاؤن [3] تلے [4] کے لیے [5] جس سے [6] سے [7] ہو [8] اس سے [9] سے [10] سنسار [11] جگ پر [12] ظل اشعار کا ترجمہ

محمد شہ داد گر دین پناہ ۔۔۔ کہ ہر دم محمد جسے دستگاہ

براہیم کے بعد از ہوا نا مدار ۔۔۔ جگت مین محمد شہ کا مگار

دکھن کا تون ہی خسرو تاجدار ۔۔۔ جتی[1] تاجداران دتی[2] باجدار

رہی حکم تل تجہ ہوٗر عجم ۔۔۔ شہاں تجھ[3] سورج کن ستاریان تے کم[4]

کرین ملک گیری اتی یون شتاب ۔۔۔ کہ جون پل مین لیوی ملک آفتاب

دلانکی نگر مین سشی تجھ سہاشے ۔۔۔ پرم کی نگر مین بھری تجھ دہائی

مدن کا چمن جب تی پایا جمال ۔۔۔ نہ دیکھیا ہی تجہ سار کا نونہال

مدن مین ہی بلکہ مدن روپ تو ۔۔۔ مدن مست ہے تجہ مدن شوق سون

اسی حسن کے ملک کا شاہ تون ۔۔۔ عدالت کی آکاس کا ماہ تون

اگر ابر برسائے باران تر ۔۔۔ تیرا ہات برسای لعل وگہر

برستا ہی تجہ ابر احسان جیون ۔۔۔ نہ برسی کدھی ابر برسات یون

دعائیہ کے بعد ساقی نامہ پر اس مدحت کا خاتمہ ہوتا ہے،

سدا عیش وعشرتسون یون راجکر ۔۔۔ دیا دان سون دل کو معراج کر

ایتا ساقی او جام لیا زرنگار ۔۔۔ سدا شہ کی اچھہ لطف سون کامگار

بھرا اس دورا صاف خورشید کا(؟) ۔۔۔ جو بسری جہان جام جمشید کا

ساقی نامہ لکھنے کا رواج صنعتی کے زمانہ مین شروع ہو چکا تھا، ساقی نامے درحقیقت قدیم طویل نظمون مین بڑے لطف اور نزاکتون کے ادبی پارے ہوتے تھے جن سے شاعر تھکے ہوئے ناظرین کی تواضع کرتا، اس کا رواج سب سے پہلے فارسی مین ہوا، جہان کی فضا اس کے لیے موزون تھی،

---

[1] دجتنے [2] جسقدر [3] راتنے) اس قدر [4] اور [5] تجھ [6] کنیاس [7] ستارون سے کم [8] وہ [9] موزون ہو [10] شراب [11] ایسا [12] جیسا [13] آسمان [14] لا ئے ہی،

یہ یقیناً اس موقع کی ادبی صورت مین پیش کشی ہے جب قصے یا نظم کی یکسانیت سامعین کی طبیعتون مین جمود پیدا کرنے کو ہو، اور شاعر یا قصہ خوان اُن کو اکسانے کی کوشش کرے،

لیکن صنعتی کے ساقی نامون مین اور دوسرے شاعرون کے ساقی نامون مین ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے شاعر کسی بیان کے شروع کرنے سے پہلے ساقی نامہ لکھتے ہین اور صنعتی ختم ہونیوالی فصل کے آخر مین آنے والے واقعات سے متعلق ساقی نامہ لکھتا ہے، چنانچہ اوپر کے مدحی اشعار سے اسکا پتہ چل گیا ہوگا،

مدح سے شاعر اپنے اصلی موضوع کی طرف گویا گریز کرتا ہے لیکن اصل مطلب کے آغاز کرنے سے پہلے، وہ سببِ تالیفِ کتاب، سنہ تصنیف، وغیرہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہے، وہ بیان کرتا ہے ایک رات مین سوچ رہا تھا، خیالات، فوج در فوج دماغ مین گھوم رہے تھے، آخر کار یہ خیال آیا کہ اس جگ مین حیات دائم کس کو نصیب ہے؟ لیکن اسکی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ نام نیک باقی رہتا ہے، ایسا جینا کس کام کا جس کی یادگار ہی نہ باقی رہے، بقائے نام بڑی چیز ہے، اس کا وسیلہ نیک نام حقیقی اولا د نہین بلکہ معنوی ہے،

جو بولے ہین یون عارفانِ سلف | کہ ہے شعر بہتر سو بہتر خلف
کہا طبع سون دل تے یو بات مین | کہون کون قصہ سو کس دھات[۱] مین

غرض غور کرتے کرتے خیال مین یہ آیا کہ "سیہ زلف" اور "بنگال کے لعل" کا قصہ بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کوئی کام کی بات بیان کیجائے، چنانچہ اسی لیے حضرت تمیم انصاریؓ کا یہ قصہ لکھنے پر آمادہ ہوگیا،

حالات

جو اول تمیم انصاری اوپر | کھریا کیون یہ قصہ عجیب سخت تر
سو کس کس بلایا[۲] نمین سپڑی[۳] الو[۴] | بھی[۵] کس دھات[۶] آپس[۷] گھرکون پتری[۸] الو

[۱] دھات طرح [۲] بلاؤن مین [۳] گرفتار ہوئے [۴] وہ [۵] بستی اور [۶] حالت [۷] اپنے [۸] پہنچے،

ہواجب یو الہام مج آشکار   یہی پاک قصہ کیا اختیار

لیکن [illegible] لکھتے ہیں،

اسی فارسی بولنا شوق تھا   دلی بی عزیزان[1] کو یون ذوق تھا

کہ دکھنی زبان سون اسی بولنا   جو سیپی تی موتی نمن[2] رولنا

جسی فارسی کا نہ کچھ گیان[3] ہے   سو دکھنی زبان ان کون آسان ہے

کیا اوستی[4] دکھنی مین آسان کر   جو ظاہر ہوسیں[5] اس مین کی کی[6] ہنر

اس کے بعد قصے اور اس کے اخلاقی درس کی اہمیت کی بحث کرتے ہین اور خود قصے کے متعلق بیان کرتے ہین کہ

اتھا گرچہ قصہ مین اس اختلاف   ششی[7] کر کو بولیان مین بی خلاف

دیا اس رسالہ کو مین سعی کر   سو ترتیب بارا مقامات پر

ہزار ایک پر سال پنجاہ و پنج   ہوئی تب ہوا پر جواہر یو گنج

ان ابتدائی امور پر کافی طور سے لکھنے کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف گریز کرتے ہین، اور قصہ کا آغاز ایک ساقی نامہ سے کرتے ہین،

ایتا ساقی لیا جام اور زرنگار   جوتا ناچری طبع کی سرنگار (؟)

پلا بھر کو ہر دور او صاف جام   جو کئی ایک جمشید اسکے غلام

---

[1] غالباً یہ صنعتی کی کوئی رشتہ دار عورت ہے، [2] مثل [3] علم [4] اس کو [5] دکھائی دیں، [6] کئی کئی [7] شاید سچ،

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۵)

نجد

سلطان عبد العزیز آلِ سعود

از
مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

نجد | حکومتِ نجد عرب کی موجودہ حکومتوں مین سب سے زیادہ طاقت ور اور پرشوکت ہے، سلطان عبد العزیز یہان کے حکمران ہین، اس کے حدودِ اربعہ بہت پیچیدہ ہین، مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مجموعی رقبہ ۸ لاکھ مربع میل ہے، عرب کی کسی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع نہین ہے، اس طول و عرض مین ۲۰ لاکھ نفوس آباد ہین، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی، شیعہ، حنبلی، (وہابی) اور بعض دوسرے اہل سنت پر مشتمل ہے، مشہور مقامات مین ریاض، بریدہ، عنیزہ، حائل، زُمدہ، شقرار، مجمعہ، حریلا، ہفوف، قطیف اور مشہور قبائل مین مسطیر، حرب، عتیبہ، سبیع، دواسر، عجمان، عوازم، سہول، بنومرہ، قحطان ہین، اب چند برسون سے حکومتِ حجاز بھی نجد مین شامل ہوگئی ہے، اس لیے آبادی مین ۳ لاکھ نفوس اور رقبہ مین ۵۰ ہزار مربع میل کا اور اضافہ ہوگیا ہے، اور حجاز کی سیادت کی وجہ سے اس کو مرکزی حکومت کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے،

حکومتِ نجد کی تاریخ | نجدی حکومت کی تاریخ اٹھارہوین صدی کے اول سے شروع ہوتی ہے، ۱۱۴۳ھ مین محمد بن عبد الوہاب نجدی نے عرب مین احیاے سنت کی دعوت شروع کی، اور سنہ ۱۱۴۰ھ مین مقام درعیہ کے شیخ محمد بن سعود (موجودہ حکمرانِ نجد کے مورثِ اعلیٰ) اس دعوت مین شریک ہوئے اور ۱۱۴۶ھ مین

اطراف وجوانب کے قبائل سے جنگ چھڑگئی اسوقت سے برابر انکا اثر بڑھتا گیا اور شریف مکہ نے انکو
حج سے روک دیا، ۱۷۶۵ء مین اپنا کام ناتمام چھوڑ کر محمد بن سعود انتقال کر گئے، انکے بعد انکے لڑکے
عبدالعزیز بن محمد بن سعود انکے جانشین ہوئے اور ۱۷۹۵ء مین اُنھون نے الحسا، اور قطیف پر
قبضہ کر کے خلیج فارس کے ساحل پر اقتدار قائم کر لیا، ترکون نے ان کے نکالنے کی بہت کوشش
کی لیکن ناکام رہے، اور بالآخر ۱۷۹۶ء مین پاشائے بغداد نے عارضی صلح کر لی، اور ۱۷۹۸ء مین شریف مکہ
نے ان کے بڑھتے ہوے سیلاب کی روک سے مجبور ہو کر عبدالعزیز کو حج کی اجازت دیدی اور انھون
نے شریف کے زیر اثر علاقہ مین تاخت وتاراج نہ کرنے کا اقرار کیا، لیکن یہ تعلقات زیادہ دنون تک
قائم نہ رہ سکے، شیخ خزعل نے ایک وہابی قافلہ پر حملہ کر دیا اسکے انتقام مین سلطان عبدالعزیز نے
۱۸۰۱ء مین کربلا پر قبضہ کر کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی اور یہان کے باشندون کو تہ تیغ کیا، ۱۸۰۳ء مین پھر
شریف مکہ سے جنگ ہوئی اس مرتبہ سلطان عبدالعزیز طائف پر قابض ہو گئے، اور اسی سال اُنھون نے فاتحانہ
حج کیا، لیکن ان کی واپسی کے بعد پھر شریف غالب نے وہابی فوجون کو نکال دیا، البتہ کچھ مزید مراعات منظور
کین، اسی زمانہ مین وہابیون نے خلیج فارس پر اقتدار جاتے جاتے بحرین پر قبضہ کر لیا، اور ۱۸۰۳ء مین عبدالعزیز کے
بعد سعود بن عبدالعزیز ان کے جانشین ہوے، اُنھون نے ۱۸۰۵ء مین مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کر کے شریف
غالب سے اطاعت قبول کرائی، اور خطبہ سے غالب کا نام نکال دیا گیا، اور ترکی حجاج کا قافلہ روک دیا گیا
نیز خلیفہ سے اپنی دعوت کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار پر ۱۸۱۰ء مین حوران لوٹ لیا اور خلیج
فارس پر تاخت وتاراج شروع کر دی، اسی زمانہ مین انگریزون نے اس کی حفاظت کے لیے ایک جنگی بیڑا
روانہ کیا اس نے راس الخیمہ پر قبضہ کر کے سعودی بیڑے کو برباد کر دیا، اسی زمانہ مین سلطان محمد علی پاشا خدیو
مصر نے وہابیون کے مقابلہ مین فوجین روانہ کین چنانچہ طوسون پاشا نے ۱۸۱۱ء مین ینبع البحر اور ینبع البر فتح
کیا، اور ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۳ء مین مدینہ اور مکہ پر ان کا قبضہ ہو گیا ۱۸۱۳ء مین محمد علی پاشا خود جدہ آئے لیکن سعود سے

سے صلح نہ ہو سکی ۱۸۱۳ء کے آخر مین طوسون پاشا نے تربہ پر دوسرا حملہ کیا لیکن اس مین ناکام رہا اس کے بعد مصریون کی جنگی کارروائی ختم ہوگئی اور ۱۸۱۴ء مین سعود کا انتقال ہوگیا ان کے بعد اُن کے لڑکے عبداللہ بن سعود جانشین ہوے، ان کی جانشینی کے بعد پھر محمد علی پاشا نے جنگی کارروائی کا آغاز کر دیا اور ۱۸۱۵ء مین تربہ پر قبضہ کرکے عسیر کی طرف بڑھے اور قنفذہ ہوتے ہوے مکہ آئے، اسی سال مارچ مین طوسون پاشا نجد مین داخل ہوگئے اور الراس پر قبضہ کر لیا، یہان ان سے اور عبداللہ بن سعود سے عارضی صلح ہوگئی، ۱۸۱۶ء مین پھر ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا نے مصری فوج کی کمان اپنے ہاتھ مین لی اور ایک سال مسلسل خونریز جنگ کے بعد درعیہ پہنچ گئے اور ۱۸۱۸ء مین نجد کے دار السلطنت پر قبضہ کرکے سلطان عبداللہ اور محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کو گرفتار کرکے قاہرہ بھیجدیا، ۱۸۱۹ء مین طوسون پاشا نجد سے واپس ہوے، ان کی واپسی کے تھوڑے ہی دنون بعد سلطان عبداللہ کے بھائی مشاری نے پھر درعیہ مین حکومت قائم کر لی، لیکن حسین نے بہت جلد اس حکومت کا خاتمہ کرکے اُس کو گرفتار کر لیا، مصری حکومت کے زمانہ مین عبداللہ بن محمد کا لڑکا ترکی سدیر بھاگ گیا تھا، مشاری کے بعد اس نے ریاض مین خودمختاری کی کوشش کی لیکن مصریون نے اسکو یہان سے نکال دیا، ۱۸۲۲ء مین پھر یہ اٹھا اور ریاض کے مصری دستہ پر حملہ کرکے اسکو مسخر کر دیا اور محمد علی پاشا کو سالانہ رقم دیکر ان کو راضی کر لیا اور ۱۸۳۰ء مین الحسا جس پر ترک قابض تھے فتح کرکے بحرین پر پھر تسلط جما لیا، اس وقت سے نجدی حکومت کا دار السلطنت درعیہ سے ریاض منتقل ہوگیا، ۱۸۳۴ء مین ترکی بن عبداللہ کا خاتمہ مشاری بن عبدالرحمن کے ہاتھون ہوا، ابھی اسکو حکومت ملے چالیس دن ہوے تھے کہ خود مین فیصل بن ترکی کے ہاتھون قتل ہوگیا، اور فیصل تخت حکومت پر بیٹھا، نجدی سلسلہ کے تیسرے فرمانروا سعود کے لڑکے خالد نے مصری فوج کی مدد سے فیصل کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ریاض مین فیصل کو شکست دی، مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے ۱۸۳۸ء مین الدلیم مین اسکو دوسری مرتبہ شکست دے کر گرفتار کرکے مصر بھیجدیا، اور خالد بن سعود نجد کا فرمانروا ہوا، لیکن مصری فوج کی واپسی کے بعد ۱۸۴۱ء مین عبداللہ بن ثنیان آل سعود ان کو ریاض سے نکال کے خود بادشاہ بن بیٹھا، ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اس سلسلہ

کے آٹھوین فرمانروا فیصل نے (جواب رہا ہو چکا تھا) اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا، فیصل بن ترکی ایک مرتبہ تجربہ اٹھا چکا تھا اس لیے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس نے دوبارہ نجد مین اپنی حکومت جمائی اور ۱۸۶۵ء مین انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ بن فیصل بن ترکی حکمران ہوا اسکی تخت نشینی کے ۹ سال بعد ۱۸۷۱ء مین اس کے بھائی سعود بن فیصل نے اس کو تخت سے اتار دیا، سعود بن فیصل کے زمانہ مین ترکون نے الحسا اور قطیف پر قبضہ کر لیا، اس کی موت کے بعد ۱۸۷۴ء مین پھر عبداللہ نے تخت حاصل کر لیا اور ۱۸۸۷ء تک قابض رہا، اسی سنہ مین اسکو محمد بن رشید حائل سے جنگ کرنا پڑی یہ جنگ مین مشغول تھا کہ سعود کے بیٹون نے حکومت پر قبضہ کر کے اسکو جلا وطن کر دیا اور محمد بن سعود حکمران ہوا، اس کے چند ہی دنون کے بعد محمد بن سعود کا چچا عبدالرحمن بن فیصل تخت نشین ہوا، ایک سال کے بعد محمد بن رشید نے اس کو تخت سے اتار دیا اور عبداللہ بن فیصل کو بٹھایا، یہ اسکی حکومت کا تیسرا موقع تھا، دو سال بعد ۱۸۸۹ء مین اس کا انتقال ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد محمد بن رشید نے محمد بن فیصل کو بٹھایا، یہ سلسلہ رشید کے ماتحت تھا، محمد کی وفات کے بعد ریاض مین رشید کے عمال حکمران رہے،

موجودہ حکمران اسی سلسلہ کے بیدار مغز فرمانروا عبدالعزیز ہین، انھون نے اپنی کوششون سے اپنے آبا و اجداد کی مٹی ہوئی حکومت از سر نو قائم کی، ریاض پر محمد بن رشید والی حائل کا قبضہ تھا اور یہ جسکو چاہتے تھے حکمران بناتے تھے، ۱۹۰۲ء مین موجودہ سلطان نے کویت کے شیخ کی مدد سے ریاض کو واپس لیا، اور مدتون ان کے حملون کا کامیاب مقابلہ کرتے رہے، ابن رشید نے ترکون سے بھی مدد لی، لیکن حائل مین خود بدامنی پھیل گئی تھی، اس لیے کچھ نہ کر سکے اور ریاض مین آزاد نجدی حکومت قائم ہو گئی، اب رشید خود ان کے دست نگر ہین اور ان کی جملہ ضروریات سلطان عبدالعزیز پوری کرتے ہین، سلطان عبدالعزیز آل سعود نہایت بیدار مغز اور روشن خیال حکمران ہین، ذہانت، طباعی اور زبان آوری فطرۃً موجود ہے، علوم سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے، خصوصاً موجودہ پالٹکس مین ان کے معلومات نہایت وسیع ہین، ہر مسئلہ کے متعلق ذاتی اور صائب رائے رکھتے ہین، یورپ کو انھون نے خوب سمجھا ہے اور اس کی ہر ادا پر ان کی نظر بہت غائر رہتی ہے، اس کے

متعلق ان کی یہ راے نہایت دلچسپ ہے کہ یورپ اس آہنی پھاٹک کے مثل ہے جس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ یہ بیرونی طاقتوں سے مطلقًا خوف نہیں کھاتے اور ان کے نمایندوں کے سامنے نہایت بے باکی سے اپنے خیالات اظہار کرتے ہیں، گو وہ نجدی ہیں، لیکن ان کی ذات میں کوئی تعصب نہیں، ان کو شیعوں کا سب سے بڑا دشمن کہا جاتا ہے لیکن غالبًا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ احسا میں ۳۰ ہزار شیعہ ان کے زیرِ حکومت نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں، البتہ مراسم میں افراط تفریط کی اجازت نہیں ہے، شیعہ تو مسلمان ہیں، غیر مسلموں کے ساتھ ان کو تعصب نہیں، چنانچہ انگریزوں کے ساتھ بلا تکلف کانٹے چھری سے کھاتے ہیں،

علاقہ بیرون سے تعلق حجاز مقدس کی حکمرانی کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ان کے اور بیرونی غیر مسلم حکومتوں کے تعلقات مسئلہ بہت اہم ہے، جنگِ عظیم کے قبل تک ان کے اور انگریزوں کے تعلقات دوستانہ تھے اور اس زمانہ میں انھوں نے ان کی بہت قیمتی مدد کی تھی، اس کے عوض میں انگریزوں نے کچھ رقم بھی مقرر کی تھی لیکن اختتامِ جنگ کے بعد پوری ادا نہیں کی، اس لیے تعلقات میں ناخوشگواری پیدا ہوگئی، گو ظاہری تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے تاہم وہ بات باقی نہیں رہی، اس کے علاوہ انھوں نے سلطان کے دشمنوں کو ان کے اردگرد حکمران بنا دیا ہے جس کی وجہ سے سلطان ہر طرف سے محصور ہو گئے ہیں، عراق میں فیصل اور شرق اردن میں عبد اللہ ان کے سخت دشمن ہیں، آج سے چند سال پیشتر انگریزوں کے ساختہ پرداختہ شریف حسین بھی تھے، لیکن اب وہ ختم ہو چکے تاہم جو لوگ باقی ہیں، انگریز ان کی مالی اور سیاسی مدد کرتے ہیں، اور اس کا منشاء یہ ہے کہ سلطان انگریزوں کے مفاد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں اور یہ بھی دوسرے فرمانروایانِ عرب کی طرح ان کی بساطِ سیاست تماشہ گاہ کا کام دیں،

اتحادِ عرب کا خیال سلطان ابن سعود ان تمام امور کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں، اسی لیے وہ تمام امراء عرب کو متحد کرنا چاہتے ہیں، اور اس میں وہ نہایت خلوص سے کوشاں ہیں تاکہ عرب میں کوئی خطرناک اجنبی اثر پیدا نہ ہو سکے، اتحادِ عرب کے لیے انھوں نے مختلف صورتیں پیش کی ہیں، ایک یہ کہ تمام فرمانروایانِ عرب کی

کانفرنس ہو اور وہ سب ان کو جزیرۃ العرب کا بادشاہ تسلیم کرین کیونکہ ان کے نزدیک اس منصب جلیل کا ان سے زیادہ کوئی اہل نہین ہے، اور اگر امرائے عرب ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو منتخب کرین تو ان کو اس کے تسلیم کرنے مین تامل ہوگا، اور اس کے بعد بھی یہ عرب کے فلاح وبہبود مین کوشان رہین گے، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہوسکے اور کوئی ایسی تیسری شکل پر اتفاق ہو جو سب کے لیے مفید ہو تو اس کے قبول کرنے مین بھی ان کو عذر نہ ہوگا مثلاً آپس مین کوئی اس قسم کا معاہدہ ہو جائے جو امرائے عرب کے انتظامی یا سیاسی امور کے متعلق ہو یا مشترک اقتصادی مسائل کے تحفظ پر مشتمل ہو تو وہ اس کو نہایت خوشی سے قبول کرینگے، اور اگر ان شکلون مین کوئی بھی نہ ہوسکے تو کم از کم وہ خود اپنے سیاسی مقتضیات کے موافق ہر اس سلطنت کے ساتھ جس کا اور ان کا مفاد مشترک ہوگا معاہدہ کرنے مین تامل نہ کرین گے، اس کا مقصد کسی کی مخالفت نہ ہوگا کیونکہ سلطان ایک صلح پسند آدمی ہین، البتہ وہ یہ ضرور چاہتے ہین کہ ان پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے لیکن عربون کے کسی معاملہ مین بھی انگریزون کی ثالثی پسند نہین کرتے، وہ یہ کہتے ہین کہ ان کی ثالثی اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع کر دیتی ہے، اگر دو شیوخ کے حدود مین کوئی ایسا اختلاف ہو جو ملکی آدمی کے ذریعہ سے بآسانی طے ہوسکتا ہے اگر اس مین انگریز ثالث بن جائین تو ان کا پولیٹیکل ایجنٹ اس اختلاف کو اور زیادہ موکد کر دیگا کہ پھر صلح ناممکن ہو جائے گی، اس مین تنہا انگریزون کا قصور نہین بلکہ ایک حد تک شیوخ بھی اس کے ذمہ دار ہین کیونکہ فریقین اپنی اپنی جگہ فطری طور پر یہ سمجھتے ہین کہ ثالث یا ان کا جنبہ دار ہوگا یا مخالف ہوگا، اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ مطالبات پیش کرتے ہین تاکہ جنبہ داری کی صورت مین سب پورے ہو جائین اور مخالفت کی صورت مین نقصان نہ اٹھانا پڑے،

نظامِ حکومت نجد کی حکومت مختلف اضلاع پر تقسیم ہے ہر بڑے مقام پر ایک حاکم اعلیٰ رہتا ہے، یہ یہان کے تمام سپید وسیاہ کا مالک ہوتا ہے، عدل وانصاف امن وامان اور پابندیٔ شریعت حکومت نجد کا نمایان وصف ہے خصوصاً عدل اس کا بنیادی اصول ہے، عدل وانصاف کے دائرہ سے کوئی عامل سرِمو تجاوز نہین کرسکتا حتی کہ خود سلطان جب غزوہ پر نکلتے ہین تو کسی رعایا اور ادنیٰ پیشہ ور سے بھی رسد نہین لیجاتی، شاہی اشیا

بازاری نرخ سے ایک حبہ کم نہین کرسکتا تاجرون پر کسی قسم کی زیادتی نہین ہونے پاتی محض قیام عدل کے خاطر رعایا کو عام اجازت ہے کہ راستون مین بھی سلطان کے سامنے اپنی شکایت پیش کرسکتی ہے، اس عدل و انصاف کا یہ کھلا ہوا نتیجہ تم کو ہر جگہ نظر آئیگا کہ نجد کے طول و عرض مین بلامبالغہ اتنا امن وامان ہے کہ متمدن ممالک مین بھی اس کی نظیر نہین ملسکتی، قافلون کی گذرگاہین بالکل مامون ہین، ایک تنہا آدمی جس صحرا اور ویرانہ مین چاہے سفر کرے کوئی شخص تعرض نہین کرسکتا، سلطان کے عدل نے اُن مقامات پر امن پیدا کر دیا ہے جہان ترکی حکومت اپنی قوت وشوکت کے باوجود قیام امن سے عاجز تھی، عقیر و حسا کے درمیان ہمیشہ سے تجارتی قافلے آتے جاتے ہین، ترکون کے زمانہ مین اسی راستہ مین ہر پانچ دس میل کی مسافت پر تاجرون کو قبائل کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح بحرین اور عقیر کے تجار کو بھی عقیر سے نخل اور نخل سے ام الذر، ام الذر سے علاوہ کے تمام راستون مین تجار کو ہر ہر قدم پر داد و دہش کرنی پڑتی تھی، ترکون نے یہان امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اسمین شکست کھائی، اب انھین راستون مین اگر کسی تاجر کا مال بھی رہجاتا ہے تو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا تا آنکہ وہ خود آکر نہ اٹھائے،

پابندی شرع

شرع کی پابندی جس قدر نجد مین ہے اس کی نظیر کسی اسلامی ملک مین نہین ملسکتی، اس زمانہ مین شرعی حدود کا اجرار نجد کے سوا کہین نہین ہوتا، اس بارہ مین نجدی حکومت نے عہدِ صحابہ کی یاد تازہ کردی، پھر حدود کا اجرار اس شدت سے ہوتا ہے کہ اس سے امیر و غریب کوئی نہین بچ سکتا، چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، تارک نماز کو کوڑے کی سزا دیجاتی ہے اور اسی قبیل کے تمام شرعی حدود جاری ہین، ریاض کی تمام مسجدون مین نمازیون کی باقاعدہ حاضری لیجاتی ہے، بلاعذر غیر حاضر شخص کو ایک مرتبہ سمجھایا جاتا ہے، دوسری مرتبہ تنبیہ کیجاتی اور تیسری مرتبہ کوڑون سے ضیافت ہوتی ہے، تمباکو کا استعمال قانوناً ممنوع ہے، کوئی شخص علی الاعلان استعمال نہین کرسکتا، گھر کے اندر لوگ چوری چھپے سگریٹ وغیرہ پی لیتے ہین، خود معتدل نجدی اس سے احتراز نہین کرتے اور شیوخ ان باتون سے عموماً چشم پوشی کرجاتے ہین، گو یہ قوانین اس متمدن عہد مین پسندیدہ نہین ہین لیکن خالص شرعی نقطۂ نظر سے ان کے مستحسن و محمود ہونے مین کسکو شبہہ ہوسکتا ہے،

حلم وعفو یہ ایک اصول ہو کہ محض درشتی اور سختی سے حکومت نہین چل سکتی اس کے لیے شدت کے ساتھ نرمی اور مواخذہ کے ساتھ درگذر بھی ضروری ہے سلطان اس نکتہ سے اچھی طرح واقف ہین چنانچہ ان کی ذات مین عدل اللہ کے علاوہ حلم وعفو کا مادہ زیادہ ہے جو شخص چند ساعتین بھی ان کے ساتھ گذاریگا اس کو اس وصف کا تجربہ ہو جائیگا، وہ خلاف مزاج باتون مین بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہین لیکن پھر چند ہی منٹون مین تبسم اور خندہ جبینی کی تلافی کر دیتی ہے، ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کے اس سحر سے مسحور ہو جاتا ہے، بڑے بڑے باغی تیور کرخ گڑ ڈالے ہو کر آتے ہین اور جہان چند دن ان کی میزبانی مین بسر کئے سارے باغیانہ جذبات سرد پڑ جاتے ہین اسی لیے ان کی رعایا عام طور پر ان سے خوش ہے شیخ محمد بن رشید جنکا ذکر اوپر آچکا ہے مدتون ان سے لڑے ان کے آبا و اجداد کی سلطنت کو مٹایا لیکن جب وہ ان کے قبضہ مین آگئے تو انھون نے ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہین کیا، بلکہ شاہی مہمان کی حیثیت سے ان کا پورا گھرانا اب تک مقیم ہے اور حکومت کی طرف سے ان کی شایان شان جملہ ضروریات پوری کیجاتی ہین، مکان، سواری، لونڈی غلام اور جملہ ضروریات کے سامان سلطان کے ذمہ ہین اس لیے اب وہ سب ان کے بڑے دوست ہین،

ایک اور وصف جو ان سب پر فائق اور لائق ذکر ہے وہ سلطان کی غربا پروری ہے ریاض اور اس کے اطراف مین ہزارون کی تعداد مین فقرا اور مساکین ہین ان کی پرورش حکومت کرتی ہے صبح شام ان سبکو شاہی لنگر سے کھانا ملتا ہے ان اوقات مین ہزارون کی تعداد مین شہری اور دیہاتی عربان اور اخوان مرد اور عورتین بوڑھے اور بچے جمع ہوتے ہین ان سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے، پھر ان مسکینون مین فرق مراتب کا لحاظ رہتا ہے، بھیک مانگنے والون کی کشکول مین دیدیا جاتا ہے اور شریف تنگ حالون کو دسترخوان پر کھلایا جاتا ہے،

فوج نجدی فوج کی تعداد کی صحیح تعیین نہین کیجا سکتی، اور غالباً بڑی تعداد مین کوئی مستقل فوج ہے بھی نہین قیام امن کے لیے اہم مقامون پر تھوڑی بہت فوج رہتی ہے باقی ضرورت کے وقت مجنون اخوان سے فوجی خدمت لیجاتی ہے ان مجنون اخوان کا تذکرہ آگے آئیگا جنگ کے زمانہ مین عام منادی کرادی جاتی ہے اس منادی

ہر ملک کے ہر حصہ کے نجدی ہزارون کی تعداد مین جمع ہوجاتے ہین یہ لوگ زمانۂ جنگ مین اپنے اخراجات کا بار حکومت پر نہین ڈالتے سواری اسلحہ اور سامانِ خورد و نوش ساتھ لاتے ہین، اخوان جنپر فوج کا بڑا حصہ مشتمل ہے سخت جفاکش ہیں جفاکشی مین شاید ہی افریقہ کے وحشی ان کا مقابلہ کرسکین، دو دو تین تین دن تک بے آب و دانہ رہ سکتے ہین اور ابرو پر شکن نہین پڑتی عرب کے ریگستان مین کوسون ننگے پاؤن چلے جاتے ہین اور زبان سے اف نہین کرتے ان کا نمایان وصف جہاد کا ولولہ ہے جہاد کی اسپرٹ ان کے رگ و ریشہ مین ساری ہے، خدا کے نام پر جان دینا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے، ان کو فتحمندی سے زیادہ شہادت کی تمنا رہتی ہے اور جنگ کے زمانہ مین نہایت جذب و ولولہ کے ساتھ نعرہ لگاتے ہین کہ جنت کی ہوا چل رہی ہے اس کا باغی کہان ہے جس مین یہ اسپرٹ ہو اس کو دنیا کی کونسی طاقت مغلوب کرسکتی ہے، اس لیے نجدی فوج بہت کم ناکام ہوتی ہے، یہ وہی جذبۂ فدویت ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے نصف صدی کے اندر اندر ایران و روم کی پرشوکت سلطنتون کو ریگ بناکر اڑادیا تھا گو مسلمانون مین یہ جذبہ عرصہ ہوا رخصت ہوچکا، لیکن الحمد للہ کہ ویرانۂ نجد کے وحشی مسلمانون مین آج بھی یہ خصوصیت نظر آتی ہے،

محاصل | نجدی حکومت کی آمدنی سے ہم بالکل لاعلم ہین لیکن قیاس کہتا ہے کہ مختلف ضروری ٹیکسون سے کافی آمدنی ہوتی ہوگی، مفروضہ زکوۃ، پیداوار کا عشر کھلی ہوئی آمدنی ہے، نجد مین متعدد بازار ہین خصوصًا بریدہ مین اونٹون کا عرب کا سب سے بڑا بازار ہے اور حکومت کی نگرانی مین ان بازارون سے کافی آمدنی ہوتی ہوگی بعض قدرتی اشیاء، انگریزی کمپنی کے ٹھیکہ مین ہیں، اس کے علاوہ اب چند برسون سے حجاز سے لاکھون روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے، یہ تمام آمدنیان ملاکر محاصل کی مقدار کافی ہوجاتی ہوگی،

تعلیم اور بعض ترقیات | نجد مین گو تعلیم عام نہین ہے لیکن اخوان کا ایک طبقہ جو "مطاوعہ" کہلاتا ہے مذہبی تعلیم کی اشاعت کے لیے مخصوص ہے، علماء ان کو ضروری تعلیم دیکر تیار کرتے ہین اور یہ گھوم پھر کر عوام کو مذہبی تعلیم دیتے ہین بعض خاص خاص مقامات مثلاً عنیزہ وغیرہ مین بہت خاصی تعلیم ہے، البتہ شاہی خاندان مین اعلیٰ تعلیم ہے، خود سلطان

کے لڑکے مصر میں جدید تعلیم حاصل کر رہے ہیں، سلطان تعلیم اور اس قسم کے دوسری ضروری اصلاحات میں کوشان ہیں، چنانچہ محکمۂ حفظانِ صحت اور تعمیرات کے لیے اُنھون نے ڈاکٹرون اور انجنیرون کی خدمات حاصل کی ہین، اور چھوٹی چھوٹی آبادیون کی تعمیر کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے، یہ آبادیان "ہجر" کہلاتی ہین، جو لوگ تعلیم حاصل کر لیتے ہین وہ اپنے وحشت کدون سے نکل کے اسمین آکر آباد ہوتے ہین،

ایک ترقی یافتہ مقام

نجد کے خشک، بنجر اور غیر تربیت یافتہ علاقہ مین ایک مقام عنیزہ ہے، اس کو نجد کا پیرس کہنا چاہئے، یہ مقام نجد کی عام خصوصیات سے بالکل مختلف ہے، اس کی آبادی ۲۰ ہزار ہے، منظر کے لحاظ سے نہایت خوشنما ہے، چارون طرف سے سرسبز شاداب کھجور کے جھنڈ اپنے دامن مین چھپائے ہوئے ہین، بازار نہایت بارونق ہین، خصوصاً سوق منیرہ اپنی رنگا رنگی کے لحاظ سے عجیب چیز ہے، یہان عربی بولنے والون کے جرگہ مین انگریزی، فرنچ اور اردو بولنے والے بھی نظر آتے ہین اور مختلف رنگ اور نسل کے لوگون کے اژدحام سے کوئی بڑے متمدن شہر کا بازار معلوم ہوتا ہے، یہان کے باشندون کے طبائع بھی نجدیون سے مختلف ہین، ان مین کسی قسم کی وحشت نہین، اکثر تعلیم یافتہ، صاحبِ ذوق، خوش اخلاق، شیرین زبان ہین، خواہ کسی ملک و ملت اور کسی زاد و بوم کا آدمی ہو اسے مطلقاً مغائرت نہ محسوس کریگا اور بہت جلد ان مین مل جل جائے گا، مکانات نہایت خوشنما اور آراستہ و پیراستہ ہین، اگر آپ کسی کے یہان چلے جائیے تو نہایت خندہ جبینی سے استقبال کرے گا، باعزت جگہ بٹھائیگا اور اپنے ہاتھ سے قہوہ بناکر پلائیگا، بعض ایسے بھی ملین گے جو علوم و فنون اور مختلف سیاسی مباحث پر گفتگو کرتے جائین گے، ان مین عام نجدیون کے جیسا مذہبی تقشف بھی نہین ہے، سیر و تفریح کے اوقات مین نماز بھی کھو دیتے ہین اور ترکِ نماز کے بعد بیٹھ مواخذہ سے بھی بری رہتی ہے، غرض یہ وہ نجدی نہین جنکو دیکھکر مہذب انسان ڈر جاتا ہے،

اہل نجد کے طبقات

ہندوستان مین علی العموم یہ اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ نجدی نہایت وحشی اور سخت مزاج ہین، خصوصاً ان کا مذہبی تشدد جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے حتی کہ وہ اپنے علاوہ دوسرے

مسلمانون کو مسلمان نہین سمجھتے، اور ان پر تلوار اٹھانے مین بھی باک نہین کرتے، لیکن یہ حکم علی الاطلاق صحیح نہین ہے، عام مسلمانون کی طرح ان مین بھی مختلف خیالات اور طبقات کے لوگ ہین، اخوان کا ایک طبقہ بلا شبہہ نہایت جاہل متعصب ہے، ان کو روحانیت اور عقل سے کوئی تعلق نہین، یہ لوگ اپنے علاوہ اور کسی مسلم فرقہ کو مسلمان نہین سمجھتے اور ان کے سلام کا جواب نہین دیتے ہین، اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی ان کو اسلام قبول کئے ہوئے زیادہ زمانہ نہین گذرا، کچھ عرصہ پہلے یہ بالکل وحشی اور رسوم جاہلیت کے پابند تھے، دور جہالت سے نکلتے ہی اُنھون نے خشک وہابی تعلیم پائی اور دنیا سے ملنے جلنے کا موقعہ نہ ملا، اس لیے اُن مین نرمی اور لچک نہ پیدا ہو سکی، خصوصاً اخوان نوار سخت وحشی ہین، ان کی وجہ سے بعض اوقات حکومت کو قیام نظم مین دشواری پیش آجاتی ہے، یہ لوگ بلا قوت کے سیدھے نہین رہتے، اس لیے حکومت ان کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہے، انھین کے مقابلہ مین دوسرا طبقہ ان نجدیون کا ہے جن کو نجدی مذہب مین داخل ہوئے کئی پشتین گذر چکی ہین، ان مین مطلق خشونت اور تنگ نظری نہین ہے، عام مسلمانون سے ملتے جلتے ہین، سلام کرتے ہین، سلام کا جواب دیتے ہین بلکہ تمباکو نوشی سے بھی پرہیز نہین کرتے، تفریح طبع کے لیے کبھی کبھی گنگنا بھی لیتے ہین، عنیزہ کے وہابی تو نماز وغیرہ مین بھی تساہل کرجاتے ہین، ان سے زیادہ ترقی یافتہ طبقہ کی توحید وسنت صرف عقائد تک محدود ہے، عملاً وہ اس مین بہت سست اور کاہل ہین، غرض اس وقت نجد مین ۳ طبقات ہین، ایک وحشی اور مجنون نجدی، یہ عقل و روحانیت سے بالکل معرا ہین، ان سے فوجی خدمت لیجاتی ہے، دوسرا معتدل، یہ عہدون اور مناصب پر ممتاز ہین، تیسرا سست اور بے عمل، یہ تجارتی اور سیاسی امور مین لگائے جاتے ہین،

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت:- ؏ منیجر

خیابانِ دانش

(۳)

چوتھا باب

استعمال لفظ فلسفہ کی مجمل تاریخ،

از

مولوی ابوالقاسم صاحب سترو ز دارالترجمہ حیدرآباد دکن ،

تاریخ کیا ہے، گذرے ہوے ماحول کا ارگن یا گراموفون، گذشتہ حالات اور واقعات کے پرتاثیر نغمے اس گراموفون کے دلچسپ ریکارڈ ہین جنسے ملل سابقہ کی موسیقی حیات کی اطلاع اعقاب تک پہنچتی ہے، لیکن بیشتر و اکثر ریکارڈون کی یہ حالت ہے کہ ان مین نواہاے بیشین کے ناقص اور بے ربط ترانون کے چند بول باقی رہ گئے ہین، یہی وجہ ہوئی کہ ذوق تفتیش کے مطالبہ سے بچنے کے لیے قبل تاریخ اور بعد تاریخ کی قیدین لگاکر زمانہ کی تقسیم کرنا پڑی، تاکہ جستجو اور تلاش کی دوربین مین جو مقامات تاریخ نامعلوم یا دھندلے دکھائی دین ان کی نسبت قبل تاریخ کے الفاظ لکھکر استفسار کے منھ پر ہات رکھدیا جائے، عنوان صدر کی توضیح و تشریح کے لیے بہت پھیلنے کی ضرورت تھی مگر مجبوری کی صورت مین پھر سواے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جن چند باتون کا تذکرہ زبانون پر ہے انھین کو دہرادیا جائے ،

پہلے پہل لفظ فلسفہ کس نے استعمال کیا، اس بارے مین اختلاف آرا ہے، شہرت عام اس کا مرجع فیثاغورث کو قرار دیتی ہے مگر یہ اس لیے صحیح نہین کہ اکابرِ فن نے اس کے سلسلۂ رواۃ کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے، بعض بغیر تعیین عمرو زید مدعی ہین کہ سقراط سے پہلے اس لفظ کا پتہ چلتا ہے، دلیل اس سے زاید نہین کہ فالوزوفین کے معنی تحصیل و اکتساب علم کے واسطے سفر اختیار کرنے کے ہین اس معنے سے یہ احتمال پیدا کیا جاتا ہے کہ عجب نہین سقراط سے بھی پہلے یہ لفظ شہرت کے زبان زد رہچکا ہو، اس قول مین تعیین و تخصیص اور جزم و حتم کو ترک کرکے احتمال و امکان کو زیادہ قوت دیگئی ہے جو ضعف کی نمایان دلیل ہے،

بہرطور اس باب خاص مین ناقدین کی نگاہِ انتخاب سقراط ہی کی جانب اشارہ کرتی ہے اور اسی فیلسوف کو اس کا مشارالیہ قرار دیکر ظاہر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے لفظ فلسفہ کا استعمال عموماً علوم کے لیے سقراط ہی نے کیا، اور موجوداتِ عالم کی تعمیم کے بعد علل و اسباب کی سراغرسی کے علم کے لیے اس کی تخصیص کر دی، جس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ سوفسطائی حکما سے سقراط کی تحقیق کا نصب العین جداگانہ واقع ہوا تھا، یہ طبقۂ سوفسطائی وہ ہے جو اسرارِ قدرت اور نیچر کی اہم اور پیچیدہ مشکلات کی گتھیان سلجھانے کی لاف زنی کیا کرتا تھا جس کی تصدیق لقب سوفاس (یعنی عقلمند) اختیار کرنے سے بخوبی ہوتی ہے کہ فخر و غرور و خود بینی کے اظہار کے لیے یہ لقب زیر استعمال تھا، اس طبقہ کی بیجا گاؤزوریون اور غیر مفید سعی و کوشش کے باوجود کبر و نخوت کی گرم بازاری دیکھکر ان کے پندار و غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے سقراط نے پہلے پہل سوفاس کے پندار نما لقب کے مقابلہ مین فلاسوفاس (یعنی متجسس عقل) کے استعمال کا اشتہار دیا،

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ سقراط کے دستِ کوشش نے فلسفہ کو دوشِ ابر سے نیچے اتارا، اس کا مطلب یہ ہے کہ سوفسطائیون کے دوراز کار صعب و دشوار مطمحِ نظر کے غیر مفید ہونے سے اکتا کر سقراط

نے نفس ناطقہ کی معرفت مین انہاک تام کی راہ نکالی، ابھی موحد فیلسوف نے سوفسطائیون کے پیانۂ نخوت توڑنے اور انسان ضعیف البیان کی بیچیرزی ظاہر کرنیکے لیے یہ لفظ تراشا تھا جس سے فروتنی اور انکسار کی ترویج مد نظر تھی مگر اسکی آنکھ بند ہونے کے بعد آہستہ آہستہ یہ لفظ پندار و استکبار کا مرادف بنگیا، حسنِ قبول کے ساتھ دینے سے اس حد پر اُس نے پاؤن پھیلائے کہ حقیقت شناس ایک ٹیٹس کو یہ بگڑا ہوا رنگ دیکھ کر اس سے اجتناب و احتراز کے متعلق اپنے حلقۂ تلامذہ مین ایک طولانی لکچر دینے پر مجبور ہونا پڑا لیکن جو غلطی شہرت کے پر و بال پیدا کر لیتی ہے اُس کا استیصال کر دینا پھر قابو مین نہین رہتا، ایک آدھ نے اگر کبھی مخالفت بھی کی تو اس غلطی کے پرستارون کے شور و غل نے اس پست آواز کو سننے نہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر اس لفظ سے سقراط کے معین کئے ہوے معنے کے بجاے کبر و نخوت کا مفہوم رائج ہوگیا، اور تجسس عقل کی جگہ صرف عقل مراد لی جانے لگی، ایک مدت کے بعد رفتہ رفتہ یہ بلند آہنگی کم ہوئی اور اس شورش نے بالینِ سکوت پر سر رکھا اور تدریجاً اس لفظ کا استعمال نفس ناطقہ کے واسطے مخصوص ہوگیا، یورپ کے براعظم نے تو اسی تخصیصی نظر سے اس لفظ کو دیکھا لیکن انگلستان کو یہ تعیین و تخصیص پسند نہ آئی اور اس حد بندی کو توڑ کر تعمیم شریک کر دینے سے اس نے اس کا مصرف کچھ سے کچھ کر دیا جس کی وجہ سے فلسفۂ قدرت، فلسفۂ زراعت، فلسفۂ تجارت، فلسفۂ طباخی وغیرہ سب اس دائرے مین آگئے اور لفظ فلسفہ ان سب کا جزو لاینفک بنکر استعمال کی زبان پر چڑھ گیا، بہ قولِ عام سقراط نے جسے بادلون کی بلندی سے نیچے اتارا تھا، انگلستان نے اُسے مطبخ کا ایندھن بنا دیا، بحث مذکور کے بعد اسباب فلسفہ کا تذکرہ بھی یہین مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسبابِ فلسفہ،

انسان مین قوت عملیہ کا وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت کے مماثل ہے، یہی وہ قوت ہے جو اسبابِ فلسفہ اپنے ساتھ رکھتی ہے، اسباب کے ساتھ ضروری اور معاون کی قیدین لگا کر دو قسمین کیگئی

ہین، پہلی قسم یعنی اسباب ضروری کی بھی اسی طرح دو قسمین ہین پہلی یہ کہ انسان کی طبعی خواہش علت و معلول مین ارتباط کا سلسلہ قائم کردے، دوسری قسم بشری خواہش کا کثرت کو وحدت مین ضم کردینا یہ خواہشین دراصل متفاوت ہونے پر بھی مآل و نتیجہ مین دونون ایک ٹھہرتی ہین، فطرت انسانی کا تجسس علل کی جانب میلان و خواہش کو استدلال سے ثابت کرنا امر لایعنی کے مرادف ہے، کیونکہ انسان کی یہ فطری ادائین ہین کہ مشاہدہ اور تجربہ کی ہوئی چیزون کی وہ طبعًا پہلے علت کے ڈھونڈھنے کی زحمت کوشش بطیب خاطر گوارا کرتا ہے اس لیے کہ علت کی تلاش سے ایک انبساطی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کیفیت انبساطی کا فطرۃً انسان شیفتہ و فریفتہ ہے، اس قسم کے اکتساب مسرت کی فطرت انسانی ایسی خواہشمند ہے کہ کسی چیز کی اصل علت روپوش ہونے پر کدوکاوش سے مفروضی علت ہاتھ آجانا ہی فی الجملہ اطمینان کے لیے غنیمت سمجھتی ہے،

اسباب ضروری کی دوسری قسم یعنی خواہش انسانی کا کل سرمایۂ علم کو وحدت مین منتقل کردینا یہ خواہش انتقال نوع انسانی کا ایک اہم خاصہ ہے، یہ سچ ہے کہ انسان کثرت کی مضبوط زنجیرون مین ایسا جکڑا ہوا ہے کہ جنبش تک نہین کرسکتا مگر اس قید پر بھی فطری ذوق تحریک کی بناء پر ذہن بشر کے لیے اسی کثرت مین رہ کر وحدت کی جستجو مین منہمک ہونا اس کا ایک ضروری اور دلچسپ مشغلہ ہے گروہ فلاسفہ مین سے قدما ہون یا متاخرین سب کے سب برابر اسی خواہش یا رغبت کو تسلیم کرتے چلے آئے اور کثرت کو وحدت مین منتقل کردینا ہی خیال ان کی نظر مین فلسفہ کا راس المال اور مقصد اہم قرار پایا، افلاطون اور اس کے تلامذہ کی تحقیق کا ماحصل اس باب خاص مین یہی تھا،

ارسطاطالیس، سینٹ اگسٹائن، لائب نٹز، کینٹ اے وغیرہ کچھ تھوڑے تغایر لفظی سے بغیر اختلاف مفہوم اسی مصرعۂ بالا بیان کے موید و ہمنوا ہین، چونکہ انسان کے لیے الفت وحدت فطری چیز ہے اس لیے وہ انس اور الفت فطری عام مظاہر قدرت مین بھی اسی طرح وحدت تلاش کریگا

ق پیدا کرتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر محقق طبعی علوم مین عام اصول وقوانین کی معرفت کو اپنا نصب العین ماننے پر مجبور ہوتا ہے اور معرفت کی ابتدائی کڑیون کا مسلسل ہوجانا تلاش کی صعوبت وعرق ریزی کے بعد یہی اس کے ذرا ستانے اور اطمینان اور خواب دیکھنے کا محل اور مقام ہے، جس خواہش کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کیے جا چکے اسی کے بارے مین یہ یاد رکھنا بھی ضرور ہے کہ ذراسی نگاہ چوکنے پر یہی خواہش اغلاط کا انبار لگادیتی ہے، اس لیے کہ تعمیم کے وسیع میدان مین اصل اور حقیقی واقعات کے جواہر فراہم کرتے وقت نظر دھوکا کھا کر غلطی سے مشتبہ اور غیر واقعی واقعات کے سنگریزون کو جواہر ریزون کے ساتھ ملادیتی ہے، واقعات کو کانٹ چھانٹ کر اپنے قیاس کے محاذ مین لے آنا اور غیر معلوم چیز کو شے معلوم کے اصول وقواعد سے منسوب کرنا، وہ چیزین جو نہایت ہی خفیف باہم بہت مشابہت رکھتی ہین اس خفیف سی مشابہت کی بنا پر ان سب کو ایک مفہوم کا مصداق قرار دینا، غلطیون کی دلدل مین پھنسنے کے یہی قومی اسباب ہین،

اس قسم کی غلطی کی نمایان مثال اگر دیکھنا ہو تو دور حشین مین فیثاغورث کے حلقۂ تلامذہ پر نظر ڈالو جو تمام صفات محسوسات کو صرف اعداد کا پرتو سمجھتے تھے اور جنھون نے نیرنگیٔ قدرت کے پر پیچ اسرار کا حل خواص اعداد کو قرار دیا تھا، کچھ مدت کے بعد اس نظریے کی تردید مین مسئلۂ اعداد کی جگہ یہ خیال قائم ہوا کہ اگرچہ خود اشیا تغیر پذیر ہین مگر ان کے تعلقات کا سلسلہ دائمی ہے، اس تحقیق سے علم حیوانات کے محقق کچھ مدت کے بعد ایسے گمراہ ہوے کہ انسان کو حشرات الارض کا نتیجۂ تولید کہنے لگے، انھون نے اپنے خیالات کی اس طرح داغ بیل ڈالی کہ پہلے عالم قدرت کے واسطے وحدت کا لزوم اس کے بعد سے انسان اور حشرات الارض کی ساخت وترکیب کے تقابل وتوازن کی طرف طبیعتون کا میلان بڑھا اور توازن ترکیب کا نتیجہ ان الفاظ مین نکلا کہ انسان حشرات الارض کا ورثہ دار ہے،

صحیح یا غلط جو خیال پہلے پہل راسخ ہو چکتا ہے اس کے استحکام و استواری کے سامنے حقائق آہنی کی بھی کوئی حقیقت نہین، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تفتیش کا فیصلہ زیادہ تر اسی خیال اولین کے رجحان کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے، سابقہ سعی و کوشش سے حاصل کیے ہوے خیالات یا رایون کا چشم زدن مین کالعدم کر دینا اگر محال نہین تو قریب قریب ناممکن کے ضرور ہے، تسلیم کیے ہوے خیالات کی الفت اور پاسداری تجسسِ اشیا سے اپنے ہی مطابق تکمیلی نتیجہ نکالنے کی رغبت پیدا کرتی ہے، خیالات راسخہ کی عدم صحت کی صورت مین وہ اصول و قواعد جن کی بنیاد واقعات و مشاہدات کے مصالحہ سے مستحکم و پائدار بنانے کا بلند آہنگی سے دعویٰ کیا جاتا ہے در اصل ان کی مدمفروضات و اختراع سے زائد نہین ہوا کرتی،

بہرصورت استقرار کی نزاکت اور اہمیت بہت دقتِ نظر چاہتی ہے، بلوغِ نظر کے معیار سے ہر ہر جزو کو پرکھنا، جو اشیا آپس مین قوی مشابہت رکھتے ہین انھین اچھی طرح تعین کے بعد ان چیزون سے جنکر علیحدہ کر لینا جنھین اس مماثلت و مشابہت کا وجود تو ہے مگر برائے نام، اسی طرز کے بار بار کی جانچ پرتال مذکورہ رغبت و خواہش کو غلطی کی آمیزش سے محفوظ رکھتی ہے،

نفس اسباب کی دو قسمین ہین، ایک اسباب ضروری اور دوسری اسباب معاون، پہلی قسم یعنی اسباب ضروری کے بیان کے بعد اب اس کی دوسری قسم یعنی اسباب معاون کی تفصیل ملاحظہ طلب ہے، اس دوسری قسم کو تاثرات کی گنجان بستی سمجھنا غیر موزون نہ ہوگا، کیونکہ اس کی بنا ہی تاثرات پر ہے جن مین تعجب کا درجہ اگر ممتاز نہین تو قریب بہ امتیاز ضرور ہے، دخترِ جہل اور مادرِ علوم کے الفاظ اسی تعجب کے لیے معین کئے جا چکے ہین، افلاطون اور ارسطاطالیس اسے فلسفی تاثر سے تعبیر کرتے ہین، بیکن اسی کی تخصیص کر کے کہتا ہے کہ فلسفیانہ تحقیقون کی جانب میلان و رجحان کی علت تامہ یہی تعجب ہے اس بنا پر اسے غایت حکمت کہنا غیر مناسب نہین، ایک اور نقاد فلسفہ کے آغاز و اختتام دونون

کا اصل یہی ایک تعجب کو ٹھہراتا ہے، یعنی فلسفہ کی ابتدا بھی تعجب ہی سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی اسی سے، فرق ان دونوں حالتوں میں بس یہی ہے کہ ابتدا کا تعجب نتیجۂ جہل ہے اور آخر کا سرچشمۂ معرفت،

نتیجۂ جہل اس بنا پر کہ ابتدائی معمولی معمولی باتوں میں ذہن کا اُلجھنا، قدم قدم پر تشویش کی ٹھوکریں کھانا، ہر سی اور پیش پا افتادہ باتوں میں تلاش توجیہ سے طبیعت کی عاجزی و مجبوری سے تعجب کا پیدا ہونا یہ سب جہل کے متعلقات ہیں،

سرچشمۂ معرفت اس لیے کہ انسان تدریجاً مادیت کا خارزار اکتساب و تحصیل کے قدموں سے بے جھجک طے کرتا ہوا روحانیت کے چمن زار کی سرانوسی میں ہمہ تن منہک ہو کر دور تک آگے نکل جاتا ہے، اُس کی ہمت پیشقدمی اُس کو شک حقیقت تک پہنچا دیتی ہے، جہاں چاروں طرف سے نسیم حیرت کے تیز و تند جھونکے اُسے گھیر کر مبہوت و خود رفتہ بنا دیتے ہیں، یہ پابند قیود ہستی اپنے ہی مخصوصات فطری کو گھٹا بڑھا کر اس بے قید و غیر محدود ہستی مطلق کی تفتیش حقیقت و ماہیت کا خاکہ بار بار بناتی اور بگاڑتی ہے، پیہم سعی و کوشش کے باوجود بھی حصول مقصود میں محرومی و ناکامی پر تعجب و حیرت دامن تھام لیتے ہیں اور اُن کے سامنے انسان سپر انداختہ ہو کر خود رفتگی کے رنگ میں ڈوب جاتا ہے،

تعجب کو فلسفہ کا سبب قوی تسلیم کرنے میں افلاطون اور ارسطاطالیس دونوں کے دونوں متحد ہم آہنگ ہیں، بعض حکما نے تعجب کے اظہار افضلیت میں زیادہ تر مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، بظاہر اس کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جو فلسفیانہ مضامین نہایت حیرت آور اور تعجب خیز تھے ابتداءً اُن حکما کی توجہ اور میلان انھیں سے مدبھیڑ ہوئی، خارجی عالم کی سیر نے طبیعتوں کو استعجاب سے لبریز کر دیا کیونکہ قدرت کی بڑائی سمت ہی فلاسفۂ متقدمین کی سعی اکتساب کی معراج تھی، اس دور از کار اور غیر مفید روش کے خلاف پہلے پہل سقراط ہی نے صدائے احتجاج بلند کی، اور اس وقت کے مسلمات عام کی بھیڑ سے ہٹ کر نفس ناطقہ کی طرف توجہ دلا کر ایک علحدہ شاہراہ قائم کی، تو جملہ قوائے عقلیہ کی انتہائی سعی و کوشش اور جد و جہد کا حصل تعجب آخر

سرچشمۂ معرفت، اور قوائے عقلیہ کے تعطل و عدم ورزش کا نتیجہ تعجب اولین نتیجہ جہل قرار پایا، ہیٹ فلسفہ کی زبان مین نتیجۂ جس کی توضیح یون کی جاسکتی ہے کہ قریب قریب اور پاس پاس کی علتون کے دریافت کرنے سے عاجز آکر تعجب کے سلسلہ مین پھنس جانا، اور سرچشمۂ معرفت کی تشریح اس طرح کہ علل قریبہ کی جستجو اور تلاش کے بعد بعید علتون تک پہنچنا اور ان کا سراغ پا کر یا انتہائے سراغ رسی مین آگے بڑھنا (یہ پیشتر ظاہر کیا جا چکا ہے کہ جتنی علتین دور اور بعید ہوتی جائینگی اسی حد پر سادہ اور سادہ تر حالت اختیار کرینگی) سادگی سے ہم دوش علتون کی دیکھ بھال، جانچ پڑتال مین مصروف ہو کر تدریجاً ایسے راس العلل اور علت العلل تک پہنچ جانا جس کے وجود کا ثبوت تو متحقق لیکن کنہ و ماہیت انسانی فہم و ادراک کے لیے بالکل غیر مفہوم، علت العلل کے وجود کے ظہور و ثبوت کے بعد اس کی نوعیت ماہیت کی لگاتار تجسس کی غیر معمولی عرق ریزی پر استعجاب و تعجب کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آنا، یہی وہ تعجب ہے جسے اسلامی شریعت لفظاً حیرت کے ساتھ تعبیر کرتی ہے، اور محمودہ و مذمومہ کی قیدین لگا کر اس حیرت کی دو قسمین کی ہین، کنہ باری کے سوچ بچار مین جو ایک ربودگی کی سی حالت ذہن پر چھا جاتی ہے اُسے حیرت محمودہ کہتے ہین، اور دنیاوی امور مین منتشر الحواس ہو کر براگندہ ہو جانا حیرت مذمومہ کہلاتا ہے،

القضاء فی الاسلام

از

مولانا عبد السلام ندوی،

ابوبکر بن زکریا الرازی

ماخوذ از

ای، جے ہوم یارڈ، ایم اے، ایم ایس سی، افسر اعلیٰ شعبۂ کیمیا، کلفٹن کالج برسٹل

از

س، م، ہیرڈی، ہوشیارپور، پنجاب

یورپ مین علم طب مین علم کیمیا کا استعمال پیراسلیس (۱۴۹۳-۱۵۴۱) کے زمانہ مین شروع ہوا، باوجود اس کے کہ پیراسلیس کا طرز تحریر و تقریر رعونت آمیز اور اپنے ہمعصرون کو حقیقت سے ناآشنا رکھنے والا تھا، اُس نے علماے کیمیا کو کیمیاگری کے خیال سے ہٹا کر ادویات کی طیاری کی طرف مائل کیا، اور یہ بہت بڑی خدمت تھی جو اُس نے سرانجام دی، لیکن علم طب اور علم کیمیا کا رشتہ اس سے بہت دیر پہلے کا معلوم ہوتا ہے، اسلامی ممالک کے اکثر کیمیادان دراصل طبیب ہی ہوا کرتے تھے، اور علم کیمیا مین اُن کی دلچسپی ادویات کی طیاری اور اکسیر کی تلاش کے سبب پیدا ہوئی، ان سب مین سے رازی کو غیرمعمولی شہرت حاصل ہوئی، گو دونون کی طبیعتین ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھین، لیکن رازی کو ایرانی پیراسلیس یا پیراسلیس کو یورپی رازی کہا جا سکتا ہے،

گذشتہ چند سالون مین انگلستان مین کرنل رینکنگ اور پروفیسر براؤن جرمنی مین پروفیسر سکا ہم ہندوستان مین پرنسپل سٹیپل نے رازی کی زندگی کے حالات اور اسکے کام کے متعلق بہت تحقیقات کی ہین چنانچہ اب رازی کی زندگی اور کام کے متعلق صحیح واقفیت ہو گئی ہے،

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی سنہ ۸۶۵ء مین ایران کے صوبۂ جبال کے قصبہ رے مین پیدا ہوا، رے اس نواح مین واقع تھا، جہان اس وقت طہران ہے، رے کی نسبت کی وجہ سے اس کا نام الرازی مشہور ہو گیا اور اسی نام نے یورپی زبانون مین کئی مختلف شکلین اختیار کین،

زمانۂ شباب میں اس نے اپنا وقت موسیقی، منطق، اور فلسفہ کے مطالعہ میں صرف کیا، وہ بہت اچھا گویا تھا، اور بانسری خوب بجاتا تھا، لیکن بعد میں اس نے موسیقی کا خیال یہ کہکر ترک کر دیا، کہ داڑھی اور مونچھوں میں سے نکلی ہوئی راگ کی سریلی معلوم نہیں ہوتی، منطق کا نہ تو اس نے شوق سے مطالعہ کیا، اور نہ ہی منطق اس کی طبیعت سے ٹھیک طور پر راس آئی، اوسکے دلائل عام طور پر خام ہوا کرتے تھے اور دوسرے علما کے اصولوں کو سمجھنے کے بغیر ہی ان کی تردید شروع کر دیا کرتا تھا، تیس سال کی عمر کے بعد اسے بغداد جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پرانے شفاخانہ میں جو شہر کے مضافات میں شہر کے دائیں کنارے پر واقع تھا اس نے ایک عجیب وغریب علاج کا تذکرہ سنا، چنانچہ اس طرح سے دلچسپی کا آغاز ہونے کے بعد اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا باقی حصہ علم طب کے مطالعہ میں ہی صرف کرے گا، علم طب کے مطالعہ کی ابتدا کے متعلق ایک اور قصہ بھی مشہور ہے، کیمیاگری کے سلسلہ میں تجربات کرتے ہوئے ایک دن رازی کوئی زہریلی گیس سونگھ کر علاج کے لیے شفاخانہ گیا، علاج کے بعد طبیب نے پانچ سو دینار یعنی ڈھائی سو پونڈ کا بل پیش کیا، رازی نے خیال کیا کہ اصلی کیمیاگری یہی ہے، چنانچہ اس دن کے بعد اس نے علم طب کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا، لیکن رازی کی زندگی کے سب حالات معلوم کرنے کے بعد یہ نہایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ روپیہ کے لالچ سے اُسے یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا، کیونکہ روپے سے اسے قطعی محبت نہیں تھی،

اپنے وطن واپس آکر اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، جہاں دوائی تقسیم کرنے والا رازی کا ابنا دوست تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اتنی مہارت حاصل کر لی کہ شفاخانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبیب بھی اس کی قابلیت کے قائل ہو گئے، اور رے کے شفاخانہ کی اعلیٰ طبابت اور نظامت کا عہدہ اس کو پیش کیا گیا، اس عہدہ کے فرائض میں اطبا کی تعلیم بھی شامل تھی، چنانچہ رازی خود فرش پر بیٹھ جاتا تھا، اور شاگرد اس کے گرد بیٹھتے تھے، پرانے طلبا اس کے قریب اور مبتدی باہر کے حلقہ میں، جب کوئی مریض علاج کے

لیے آتا، تو سب سے پہلے وہ اپنی کیفیت باہر کے حلقہ کے طلبہ کو بتاتا، اگر وہ بیماری کی اصلیت سمجھ جاتے تو نسخہ تجویز کر دیتے ورنہ بیمار کو پرانے طلبا کے سپرد کر دیتے، اگر پرانے طلبہ بھی مرض تشخیص نہ کرسکتے تو رازی خود مریض کو دیکھتا، اور نسخہ تجویز کرتا،

رے مین رازی کی شہرت بحیثیت ناظم اور طبیب اس درجہ تک بڑھی کہ خلیفہ المکتفی (۹۰۲-۹۰۷) کے زمانہ مین بغداد کے شاہی شفاخانہ کی نظامت اور اعلیٰ طبابت کا عہدہ اسے پیش ہوا، بغداد مین اس شفاخانہ کا سنگ بنیاد رکھنے سے پیشتر اس کے جاے وقوع کے متعلق رازی سے مشورہ کیا گیا، چنانچہ اس نے شہر کے مختلف حصون مین کچے گوشت کے ٹکڑے ہوا مین لٹکوا دیے، جس جگہ گوشت کا ٹکڑا سب سے زیادہ دیر مین سڑا، وہ جگہ شفاخانہ کے لیے انتخاب کی گئی، اس طریقۂ انتخاب سے اسکی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، یہ معلوم نہین ہو سکا کہ بغداد مین اس نے کتنی دیر قیام کیا، اکثر دفعہ امرا اور خود خلیفہ کے ساتھ اس نے سفر کیا، ایران کو بوجہ اپنا وطن ہونے کے عراق پر ہمیشہ ترجیح دیتا تھا،

زندگی کے آخری حصہ مین وہ موتیابند کے مرض سے نابینا ہو گیا تھا، اس کے دوست عمل جراحی کے لیے بہت اصرار کرتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتا رہا، کہ اس نے دنیا بہت دیر تک دیکھی ہے، اور زیادہ دیکھنے کی خواہش باقی نہین، ۲۶ راکتوبر ۹۲۵ء کو ساٹھ سال دو ماہ کی عمر مین رازی نے وفات پائی، وہ بہت فیاض اور خوش اخلاق تھا، غربا پر خاص طور پر شفقت کیا کرتا تھا، اور اُن کا علاج ہمیشہ مفت کرتا تھا،

رازی اپنے زمانہ کا قابل ترین طبیب ہی نہین تھا، بلکہ زمانہ قدیم کے اطبا کی تصانیف کا بڑا جید عالم تھا، یونانی علما کی تصانیف کے مطالعہ کا اسے بہت شوق تھا، اپنے فرائض سے فارغ ہو کر ہمیشہ مطالعہ مین مصروف رہتا تھا، یا کتابین نقل کرتا رہتا تھا، زیادہ مطالعہ ہی غالبًا اسکی بصارت کے ضائع ہونے کا موجب ہوا ہوگا،

رازی کے طریقِ علاج کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کہانی مشہور ہے، ایک امیر گٹھیا

کے مرض کی شدت کے سبب چلنے پھرنے سے عاری تھا، اور طبیبون کے علاج سے مایوس ہوکر اُس نے رازی سے علاج کروانا چاہا، رازی نے بھی کچھ دیر کئی طریقون سے علاج کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی، آخر اُس نے امیر مذکور سے کہا کہ وہ ایک نیا علاج کرنا چاہتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ علاج شروع کرنے سے پہلے امیر رازی کو اپنا سب سے اچھا گھوڑا اور خچر دیدے، امیر نے منظور کیا اور گھوڑا اور خچر رازی کے سپرد کردیے، رازی امیر کو شہر سے باہر ایک حمام مین لے گیا، اور اس کے ساتھ ایک گرم کمرے مین داخل ہوگیا، کچھ دیر تک مالش ہوتی رہی، اس کے بعد رازی باہر چلا گیا، اور لباس تبدیل کرکے واپس آگیا، اب اس کے ہاتھ مین ایک چھرا تھا، اور اندر آتے ہی اُس نے امیر کو گالیان دینی شروع کین، امیر سخت حیران ہوا، لیکن آخر جب رازی نے اسے قتل کردینے کی دھمکی دی تو امیر کے ڈر اور غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، مرض اور درد کا سب خیال بھلا کر وہ فوراً اپنے پاؤن پر کھڑا ہوگیا تاکہ اپنے ملازمون کو مدد کے لیے بلائے، امیر کو چلتا دیکھ کر رازی حمام سے باہر نکل گیا، آپ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے نوکر کو خچر پر سوار کیا، اور جس وقت تک امیر مذکور کے علاقہ سے باہر نہ نکل گئے دم نہ لیا، رازی نے کچھ دیر بعد امیر کو لکھا کہ گالیان اور قتل کی دھمکی سب علاج کا ایک حصہ تھا، امیر جسے مرض سے بالکل صحت ہوچکی تھی سارے معاملہ کو سمجھ چکا تھا چنانچہ اس نے رازی کو بہت تحائف بھیجے اور ایک ہزار پونڈ اور دو سو گدھون کا بار غلہ اسکی سالانہ پنشن مقرر کردی،

بحیثیت عالم کیمیا رازی خاص شہرت اور عزت کا مستحق ہے، اُس کی تصانیف مین سب سے پہلے کیمیائی مرکبات، مختلف کیمیائی عملون اور کیمیائی آلات کے متعلق مشاہدات کی نہایت باقاعدہ قسم بندی پائی جاتی ہے، یہی نہین بلکہ اُس نے اپنے مشاہدات کو ایسی صاف عبارت مین ادا کیا ہے جو اس زمانے کے کیمیا گرون کے ڈھکوسلون سے بالکل مبرا ہے، رازی جابر کی شان کو کبھی نہین پہنچا، اور اپنی تصانیف مین جابر کی بہت عزت اور تعریف کرتا ہے، اپنے خیالات کو نہایت واضح طور پر ادا کرنے کا اس کا طریقہ ایسا تھا جو ہر خاص و عام کی سمجھ مین آسکے، یہ امر نہ صرف اُس کی دائمی شہرت

کا باعث ہے، بلکہ اب تک بھی نہایت مفید اور کار آمد ہے، اس کی تصانیف کسی حد تک آج کی کیمیائی ٹکسٹ بکون کا مقابلہ کرتی ہین،

کیمیائی مرکبات کی مندرجہ ذیل قسم بندی سے علم کیمیا مین اسکی باریک بینی اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے،

مرکبات

۱ معدنیات
۲ ماخوذ از نباتات
۳ ماخوذ از حیوانات
۴ پہلی تین قسمون مین سے کسی دوسے مکر بنے ہوئے اجسام، مثلاً جلا ہوا تانبا، توتیا، لوہے کا زنگ وغیرہ،

معدنیات:
۱ وہ اجسام جو حرارت سے بخارات مین تبدیل ہو جاتے ہین، مثلاً پارہ، گندھک اور نشادر وغیرہ
۲ دھاتین
۳ حجر
۴ سلفیٹ سفید، سبز، سرخ وغیرہ
۵ سہاگے
۶ نمکیات شیرین، ترش، مثلاً قلمی چونا وغیرہ

رازی نے اُن آلات کی فہرست بھی دے رکھی ہے جو کیمیائی تجربات مین استعمال ہوتے ہین، پھر ان کو دو قسمون مین تقسیم کیا ہے، آلات کی فہرست اچھی خاصی مکمل ہے، لیکن رازی نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ مختلف حصون کو جوڑ کر نئے آلات تیار کرنے کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہین چنانچہ اس کی تصانیف مین آلات کے متعلق ایسی ہی مفصل تفصیل پائی جاتی ہے جیسے موجودہ زمانے کی تجربہ گاہون کے متعلق نوٹ بکون مین،

جابر کی طرح رازی بھی طلاسازی کے امکان پر یقین رکھتا تھا، چنانچہ پرنسپل سٹیپل ٹن نے رازی کے طریقہ طلاسازی کا ایک خاکہ بھی دیا ہے، سب سے پہلے مختلف عملون سے اس مرکب کو صاف کیا جاتا تھا جس سے اکسیر بنانی مقصود ہوتی تھی، اس کے بعد اسے ایسی صورت مین تبدیل کیا جاتا تھا کہ وہ آسانی سے پگھل سکے، لیکن اس عمل مین اس مین سے بخارات خارج نہ ہون، اس کے بعد اسے کسی مناسب کیمیائی مرکب مین حل کیا جاتا تھا، مختلف اقسام کے سلوشن مختلف مقدارون مین مل کر اکسیر پیدا کرتے تھے،

اکسیر کی بہت تھوڑی مقدار کو اگر کسی کم قیمت دھات کی بڑی مقدار کے ساتھ ملایا جائے تو سونا

اور چاندی بننے کی امید کیجاتی تھی،

رازی کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد سٹیپل ٹن کا خیال ہے کہ رازی کا نام محققین کی فہرست مین سب سے اول نمبر پر آنا چاہیے، اُس کی شاندار تحقیقات اور لاثانی قابلیت نہ صرف اس کے اپنے زمانہ مین بلکہ گلیلیو اور بائل کے زمانہ تک اپنی آپ ہی مثال رہینگی، اُسکا معاملات کی اصلیت دریافت کرنے کا شوق انتہائی درجہ تک پہنچا ہوا تھا، اور وہ کتابین جو طب کے علاوہ اُس نے دیگر مختلف علوم کے متعلق لکھین اسکی حیرت انگیز ذکاوت کا بین ثبوت ہین، ان سب باتون پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے بے مجبور ہین کہ رازی اپنے استاد جابر کے سوا ساتوین صدی سے لیکر چوتھی صدی قبل مسیح تک کے یونانی حکما کا ان سب علما مین سے زیادہ صاحب دانش و فراست پیرو تھا، جو ارسطو کی وفات کے بعد انیس سو سال کے عرصہ مین اس دنیا مین پیدا ہوے، اس کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جادو اور جوتش کی فسون سازیون پر اعتبار نہ کرتا تھا، کبھی ایسی بات پر ایمان نہ لاتا تھا جو امتحان اور تجربہ کی کسوٹی پر صحیح اور درست ثابت نہ ہو،

علم طب کے متعلق رازی کی متعدد تصانیف کا اس جگہ تذکرہ کسی قدر بے محل ہوگا، لیکن یہ امر خالی از دلچسپی نہین ہوگا، کہ اُس نے چیچک اور خسرہ کے متعلق ایک ایسی جامع اور مکمل تصنیف چھوڑی ہے جو اس وقت تک صحیح طور پر عربی علم طب مین ایک بے بہا اور درخشندہ گوہر تصور کیجاتی ہے، علم طب پر اس کی سب سے مشہور تصنیف حاوی (HAWi) کے نام سے مشہور تھی، جو عربی زبان مین کبھی شائع نہین ہوئی اور جس کا قلمی نسخہ بھی آج ناپید ہے، دسوین صدی مین علامۂ زمان علی بن عباس جو یورپ مین HALLY ABAS کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی صرف دو مکمل جلدین تلاش کرنے مین کامیاب ہوا، لاطینی زبان مین یہ کتاب ۱۴۸۶ء مین بمقام برشیا (BRESCiA) شائع ہوئی اور شروع شروع مین تمام یورپ مین علم طب کی بہترین اور مستند کتابون مین شمار کیجاتی تھی،

تلخیص و تبصرہ

اوستاد جبر ضومط

شام کے اون عیسائی ادبا مین جنہون نے پچھلے پچاس برس کے طویل عہد مین عربی زبان کی خدمت کی، اور جدید طریقہ تعلیم سے فیض پاکر عربی زبان و ادب کے قدیم علوم کو نئے قالب مین ڈھالا اور انکو ملک کا سکۂ رائج الوقت بنا دیا، ایک ہستی اوستاد جبر ضومط کی بھی تھی، افسوس ہے کہ انہون نے ۹ جنوری ۱۹۳۰ء کی صبح کو وفات پائی،

وہ ۱۸۵۵ء مین طرابلس الشام کے متصل برج صافیتا مین پیدا ہوے اور وہین کے مدرسہ مین ابتدائی تعلیم پائی، اُس کے بعد لبنان کے ایک گانون عبیہ کے مشن اسکول مین ۱۱ سال کی عمر مین داخل ہوے، پھر ۱۸۶۷ء مین شام کے مشن کالج مین داخل ہوکر دو برس تک تعلیم حاصل کی وہان سے اکتوبر ۱۸۶۷ء مین بیروت آئے اور ۱۸۷۱ء مین وہان سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے اور فارغ ہونے کے ساتھ ہی کفتین کے مدرسہ مین طبیعات اور عربی علم ادب کے مدرس مقرر ہوگئے، پھر ۱۸۸۳ء مین اُس جماعت کے ایک رکن مقرر ہوے جو مہدی سوڈانی کی جنگ مین جنرل گارڈن کی رہائی اور خرطوم کے محاصرہ توڑنے کے لئے روانہ کی گئی تھی، وہان سے پلٹنے کے بعد امریکن کالج بیروت نے انکو اپنے یہان عربی زبان کا پروفیسر مقرر کر دیا اور جہان وہ ۴۴ سال تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور اس وسیع مدت مین اُن کے زیر تربیت بہت سے شامی طلبا نے ادبی حیثیت سے شہرت و امتیاز پیدا کیا لیکن ۱۹۲۲ء مین انہون نے خرابی صحت

سے پنشن لے لی، لیکن پنشن پانے کے بعد بھی علمی مشاغل مین برابر مصروف رہے، یہان تک کہ وفات سے دو ہفتہ پیشتر بھی اُن کا یہی دلچسپ مشغلہ تھا،

اوستاد جبر ضومط نے اگرچہ عمر بھر مختلف مدرسون مین تعلیم دی اور اس لحاظ سے معلم کا لقب اُنکے نام کا جزو ہوگیا لیکن وہ صرف مدرس نہ تھے بلکہ اُسی کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے، انھون نے جو کچھ لکھا ہے عربی زبان کے متعلق لکھا ہے اور اس سلسلہ مین اُنھون نے سب سے پہلی جو کتاب لکھی ہے اس کا نام "خواطر فی اللغۃ" ہے، اس کے علاوہ اُنکی تصنیف سے حسب ذیل کتابین ہین،

(۱) خواطر الاعراب فی النحو والاعراب،

(۲) المعانی الحسان فی المعانی والبیان،

(۳) فلسفۃ البلاغۃ،

سب سے اخیر مین اُنھون نے اپنے مضامین کا ایک مجموعہ "عربی علم لغت کا فلسفہ اور اس کی تدریجی ترقی" کے نام سے تیار کیا تھا، جو مطبع المقتطف مین چھپا تھا،

ان علمی خدمات کی بنا پر اُنھون نے خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور تمام ملک اُنکی نہایت قدر کرتا تھا، چنانچہ جب ۱۹۲۴ء کے موسم سرما مین وہ مصر آئے تو اُنکے تلامذہ نے جو وہان رہتے تھے نہایت شاندار طریقہ سے اُنکی پذیرائی کی، ۱۹۲۸ء مین امیرکن کالج بیروت مین اُنکی جوبلی منائی گئی، اور اس طرح اُن کے علم و فضل کا اعتراف کیا گیا، وفات کے بعد بھی مراسم تجہیز و تکفین اُن کے شایان شان ادا کئے گیے،

اوستاد جبر ضومط نے عربی زبان کی سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ اُنھون نے عربی زبان کو موجودہ اصول علم الالسنہ کے معیار پر پرکھا، اور دوسری سامی زبانون کے مقابلہ مین اُسکی اہمیت واضح کی پھر اُس کی بلاغت یعنی معانی و بیان کے پرانے اصول کو فلسفیانہ آمیزش کے ساتھ نئے قالب مین نوجوانون کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان کے مذاق اور اُنکی طبیعت کے بالکل مطابق

تھی اور اس طرح عربی اصولِ بلاغت کو اُن کی نظرون مین قابلِ قبول بنا دیا، آج ہندوستان مین عربی دانون کی کمی نہین، عربی مدرسون کی کمی نہین، عربی علم ادب کے مدعیانِ خدمت کی کمی نہین، لیکن یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علمار، ہمارے مدرسین اور ہمارے عربی مدرسے اب تک انھین پرانے سکون کو نئے بازارون مین رواج دینے کے کوشان ہین،

۱۹۲۹ء مین ادب کا نوبل پرائز،

گذشتہ سال (۱۹۲۹ء) مین ادب کا نوبل انعام جرمنی کے ایک خوش قسمت ادیب کے حصہ مین آیا جسکا نام تھامس مان ہے،

پہلے جرمن علم ادب کی عام خصوصیت مایوسانہ اور فلسفیانہ خیالات کی آمیزش تھی، گذشتہ زمانہ مین جرمنی مین جو مشہور فلاسفر پیدا ہوے جرمن علم ادب ان کے فلسفیانہ خیالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا، لیکن بعد کو وہ ان گرانبار خیالات سے سبکدوش ہوکر فرنچ اور روسی علم ادب کے ساتھ مذہب واقعی (ریا لزم) سے متاثر ہوا، پھر جب نٹشے نے شوپنہار کے فلسفۂ یاس و ناامیدی کی مخالفت کرکے اپنے فلسفہ کی بنیاد قوت پر رکھی، تو جرمن علم ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا، اور جدید جرمنی کے شباب کی ابتدا اُسی کے خیالات کے اثر سے ہوئی اوسکا قول ہے کہ "زندگی کے آقا بنو، اس کے غلام نہ بنو" اور اسی قول نے نوجوانانِ جرمنی کو اُس کے فلسفیانہ خیالات و نظریات کا گرویدہ بنالیا ہے، نہایت قدیم زمانہ سے جرمن علم ادب مین جذباتی شاعری کے عناصر کی آمیزش پائی جاتی ہے، اور گیٹے کے قصاید کا جرمنون کے دل پر بہت زیادہ اثر ہے، لیکن موجودہ زمانہ مین جرمن علم ادب نے ایک بالکل جدید اسلوب اختیار کیا ہے، اور اس جدید اسلوب کے ادیبون مین تھامس مان ۱۸۷۵ء مین شہر لوبک مین پیدا ہوا، اور بدقسمتی سے اس کی عمر کے سولھوین سال باپ کا انتقال ہوگیا، البتہ اُسکی ماں زندہ رہی اور اُس نے اپنے لڑکے کی شہرت کا زمانۂ شباب اپنی آنکھون سے دیکھا،

تھامس مان نے اوّل اوّل شہر مونیخ کی ایک بیمہ کمپنی مین ملازمت کی تھی لیکن یہ کام اُسکو پسند نہ تھا، اسلئے فرصت کے اوقات مین ایک افسانہ لکھا کرتا تھا، جو بعد کو ایک اخبار مین شایع ہوا، اسکی شہرت کی ابتدا اسی افسانہ سے ہوئی اور اُسی وقت سے ملازمت کو چھوڑ کر وہ مستقل طور پر ادبی خدمت مین مشغول ہو گیا، تصنیف و تالیف کے ساتھ وہ مونیخ یونیورسٹی مین جاکر لکچر بھی سنا کرتا تھا، وہ مونیخ سے نکل کر روما مین آیا اور وہان ایک اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف مین شامل ہو گیا اور وہین اس نے اپنا مشہور افسانہ بوڈنبروکس لکھنا شروع کیا جس مین شہر لوبک کے ایک شریف خاندان کی مصیبتون کا حال لکھا گیا ہے، اور لوگ اُس سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہین،

اُسکو اٹلی مین ٹالسٹائی کے افسانون سے بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور وہان وہ مختلف اخبارات مین افسانے لکھ لکھ کر بھیجا کرتا تھا، جو اگرچہ اٹلی کی فضا مین لکھے جاتے تھے لیکن اُن کے اندر جرمن علم ادب کی روح نمایان نظر آتی تھی، اس کے بعد اُسکی متعدد کتابین پے درپے شایع ہوتی ہین لیکن اُس کا سب سے زیادہ اہم ناول "DERTODINVENEDIG" ہے جس مین اُس نے اپنی پوری ذہانت اور قابلیت صرف کر دی ہے، اور جرمن ادبا مین کوئی شخص اُس کا مقابلہ نہین کر سکتا،

(م ق) "ع"

لفظ "تبغ" کی اصلیت

جدید عربی زبان مین تنباکو کو تبغ کہتے ہین، اس زمانے کے بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ ایک عجمی لفظ "تاباک" "TABAC" کی تعریب ہے خود قدیم عربی مین اس کے لئے کوئی لفظ موجود نہین کیونکہ انکشاف امریکہ سے پہلے اہل عرب تنباکو کے وجود سے بالکل ناآشنا تھے بعض لوگ کہتے ہین کہ یہ لفظ "تاباسکو" یا "TABAS" سے مشتق ہے جو خلیج مکسیکو مین ایک جزیرے کا نام ہے اور غالباً تنباکو وہین پیدا ہوتا ہوگا لیکن حلب کے ایک ادیب نے جو اسلامی علم ادب کے بڑے حامی ہین اسکی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اسلام سے پہلے او.

اسلام کے بعد اہل عرب اس لفظ سے واقف تھے اور نباتا کو حجاز اور اس کے قرب وجوار میں پیدا ہوتا تھا، اور اہل عرب نے اپنے اشعار میں اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ نابطہ نے کہا ہے،

کانما تخثرا خصیاً قوادمہ　　او ام خشف بذی شث وطباق

ابن سیدہ نے مخصص جلد ا صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳ میں لفظ طباق کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک گھاس ہے جسکو بکریاں کھاتی ہیں اسکے علاوہ بعض اہل لغت لکھتے ہیں کہ وہ حجاز میں پیدا ہوتی ہے اور اسکو ہرن اور پہاڑی بکرے کھاتے ہیں،

اسلامی شعرا میں ابو العلا معری نے بھی اپنے اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے،

لم تنتصفی غذیت اطیب مطعم　　وغدا اوہن الضغث (دالطباق)

اور لسان العرب میں ہے کہ طباق ایک گھاس یا ایک درخت کا نام ہے ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ طباق قد آدم برابر ایک درخت ہوتا ہے جو تنہا کبھی نہیں اُگتا بلکہ بہت سے درخت ایک ساتھ اُگتے ہیں، صاحب قاموس کے نزدیک طباق ایک درخت کا نام ہے جو مکہ کے پہاڑون پر پیدا ہوتا ہے"

اب اس تحقیق کے بعد پہلا نظریہ بالکل بدلجاتا ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود لفظ "تاباکو" یا "تاباک" اسی قدیم عربی لفظ "طباق" کی تحریف ہے، (مق)　　"ع"

رومانیا اور بلگیریا مین مسلمان

اس وقت رومانیا مین مسلمانون کی تعداد ڈھائی لاکھ ہے، جو سب کے سب تورانی نسل سے ہین اور ترکی زبان بولتے ہین، یہ لوگ زیادہ تر دوبریجہ کے اطراف مین رہتے ہین اور ان کی ایک مختصر سی تعداد جزیرۂ آطہ قلعہ مین دریاے ڈینوب کے کنارے بھی آباد ہے، ان لوگون کا ذریعہ معاش زراعت و تجارت ہے لیکن ان مین دولتمند لوگ کم اور معمولی وجہ معاش رکھنے والے زیادہ ہین، البتہ ان کی اقتصادی حالت روز بروز ترقی کر رہی ہے،

رومانی حکومت کی طرف سے ان کو تمام تمدنی اور سیاسی حقوق حاصل ہین، رومانی فوج مین

اُن کے افسر موجود ہین، سرکاری کالجون اور یونیورسٹیون مین اُن کے طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہین، اور اُن مین وکلا کی ایک جماعت موجود ہے البتہ چونکہ اُن کے خیالات مین اتحاد نہین ہے، اور اُن کی مختلف سیاسی پارٹیان قائم ہین اس لئے وہ ان حقوق سے کافی فائدہ نہین اٹھاتے، آج سے آٹھ سال پہلے پارلیمنٹ مین اُن کے چار ممبر تھے اور اب صرف ایک ممبر رہ گیا ہے،

مذہبی حیثیت سے حکومت نے ان کے لئے چار مفتی اور چار قاضی مقرر کر دیے ہین، اور ہر سال اُن کے مدارس و مساجد وغیرہ پر ۲ ملین (لای) یعنی ۲۴ ہزار مصری گنی صرف کرتی ہے، مساجد او قاف اور ان کے ملازمین کی نگرانی مفتیون سے تعلق رکھتی ہے، اور قاضیون کا کام نکاح، طلاق، وصیت، اور وراثت کے مقدمات کا فیصل کرنا ہے، لیکن اس سال جنوری سے ایک نیا قانون پاس ہوا ہے جسکا منشاء یہ ہے کہ تمام تمدنی معاملات ایک سلسلہ مین منظم ہو جائین اور اس قانون کی بنا پر سب سے پہلے ایک خاص عہدیدار کے سامنے تمدنی طور پر نکاح ہوتا ہے، اس کے بعد اگر فریقین کی خواہش ہو تو وہ مذہبی حیثیت سے بھی نکاح کر سکتے ہین لیکن اس قانون مین ترمیم و تنسیخ کرنے کے لئے مسلمانون کا ایک وفد بخارسٹ گیا ہے البتہ بعض مسلمان اسی جدید قانون کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین،

آجکل تبدیل رسم الخط کے مسئلہ نے مسلمانان بلگیریا مین سخت اختلاف پیدا کر دیا ہے بعض نوجوان مسلمان چاہتے ہین کہ اسلامی مدارس مین عربی رسم الخط کے بجائے لیٹن خط رائج کیا جائے، چنانچہ بعض مدارس مین اسکا رواج بھی ہو چکا ہے لیکن بعض مدارس مین اب تک وہی قدیم عربی رسم الخط جاری ہے، اور اس مسئلہ کے تصفیہ کیلئے اسلامی کانفرنس مین جو صوفیہ مین منعقد ہوئی تھی بحث بھی ہوئی، لیکن اس بحث و مباحثہ کا نتیجہ اب تک کچھ نہین نکلا،

حکومت بلگیریا نے ایک مسودہ اس غرض سے بھی پیش کیا تھا کہ مسلمانان بلگیریا پر بھی عام بلگیرین قانون نافذ کئے جائین اور ان کے جو شرعی محکمے قائم ہین توڑ دئے جائین لیکن رئیس المفتی اور بعض مسلمان ممبرون

کی مخالفت کے سبب سے اس نے اس کو واپس لے لیا، اور سر دست نکاح، طلاق اور وصیت وغیرہ کے تمام مقدمات اوّل اوّل ابتدائی شرعی محکمون مین فیصل کئے جاتے ہین اور انکی آخری اپیل محکمۂ افتاء کے صدر کے یہان ہوتی ہے، جو صوفیہ مین قائم ہے۔ (۱۱) "ع"

"کایا پلٹ"

اگلے زمانہ کے بوڑھے شاعرون مین سے جنکو قانونِ فطرت کے عجائبات کا حال کم معلوم تھا کسی نے اپنی بیوقوفی سے یہ شعر کہا تھا،

جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی — جو آ کے نہ جائے وہ بوڑھاپا دیکھا

پہلے تو دور دور سے سنتے رہے کہ یورپ مین بوڑھون کو آپریشن اور نوجوان بندرون کی گلٹیون کا پیوند لگا کر جوان بنایا جا رہا ہے، دو مہینے ہوئے کہ یہ روداد خود ہندوستان مین پیش آئی اور کلکتہ کے ایک دولتمند مارواڑی میان بیوی نے دو لاکھ روپئے خرچ کر کے یورپ سے ایسے ڈاکٹرون کو بلوایا اور اپنے آپریشن کرا کے اور بندرون کی گلٹیان لگوا کر جوان بننے کی کوشش کی گئی چنانچہ یہ کامیاب آپریشن کیا گیا، اور دونون اپنی اپنی جوانی کے منتظر ہین، یا شاید اس اثنا مین ہو چکے ہون،

ڈاکٹر جارونکی نے پیرس کے فرنچ رسالہ ایرنو ویل مین جوانی اور بوڑھاپے اور عمر کی درازی پر ایک مضمون لکھا ہے جسمین وہ کہتے ہین:

جوانی کے لوٹانے کے معنی عمر کے بڑھانے کے نہین ہین بلکہ صرف بوڑھاپے کی کمزوری کے انسداد اور زندگی کے نشاط کو کسی قدر بڑھا دینے کے ہین بوڑھاپا صرف جسمانی قویٰ کے ارکان اور کمزوری کا نام ہے، موجودہ زمانہ کی ایجادون نے جہاں ہمکو فائدہ پہونچایا ہے، وہان ہمارے جسمانی اور دماغی قویٰ کو فطری مقدار سے بہت زیادہ تھکانا شروع کر دیا ہے، موٹر ٹیلیفون، ریڈیو سینما وغیرہ انسان کو بہت زیادہ تھکا اور اس کے اعصاب کو صدمے پہونچا رہی ہے، اس تھکن اور اعصابی بے اضطرابی کے لحاظ سے کہنا صحیح ہے کہ ہمارے ایکدن کی محنت گذشتہ زمانہ کے دس دن کی محنت کے برابر ہے،

اسی طرح ہر روز اخبارات کی تحقیق افزا خبرین، دنیا کی روداد ین، تار برقیان اور ریڈیو کی آوازین ہر گوشہ سے ہمکو متاثر کرتی رہتی ہین اور ہمارے بوڑھاپے کو ہمارے بزرگون سے پہلے ہم تک پہونچا دیتی ہین،

اس زمانہ مین بہت سے ایسے افسانے اور قصے لکھے گئے ہین جنمین جوانی کے دوبارہ آنیکے خوش آیند خیالات ظاہر کئے گئے ہین مگر درحقیقت ابھی تک ہم خواب و خیال کی دنیا مین ہین، بوڑھاپے کے انسداد کے معنی یہ نہین ہین کہ بوڑھون کو از سر نو جوان بنا دیا جائے بلکہ یہ ہین کہ جوانون کو جلد بوڑھے ہونے سے باز رکھا جائے،

والیف
تاہم اسمین شک نہین کہ ہمارے بعض ماہر طبابت کے لیے بھی کوشش کر رہے ہین کہ بوڑھون کو بھی جوان بنا دین، ہولیس دی نے یہ تحقیق کرکے بتایا ہے کہ بہت سے بوڑھے واقعی جوان ہو گئے، کیونکہ بوڑھاپا جیسا کہ کہا جا چکا کہ صرف تھکن اور کمزوری کا نام ہے اس لئے بہت سے ایسے بدقسمت لوگ بھی ہین جو چالیس ہی برس کی عمر مین بوڑھے ہو گئے، اور بہت سے ایسے ہین جو ساٹھ برس کی عمر مین بھی پٹھے بنے پھرتے ہین، اور ایسے بھی ہین جو گو سترکی عمر کو پہونچ گئے ہین لیکن انکی روشنی اور دانت سلامت ہین یا اور اسی عمر مین دوسرے ان تمام فطری عطیون سے محروم ہو جاتے ہین،

بہرحال جوانی کے دوبارہ حاصل کرنے کے پانچ طریقے اب تک دریافت ہو چکے ہین، پہلا ستیناخ کا طریقہ جو گو خود اسکے اور اسکے شاگردون کے لیے تو مفید ہوا مگر دوسرے مین کامیاب نہ ہوا، دوسرا دور ونوف کا طریقہ جس کے نتائج گو شاندار ہین، مگر اوسکا اپریشن بہت خطرناک ہے، تیسرا آسٹریا کے ڈاکٹر دوپلر کا طریقہ اور چوتھا بوسکے کا طریقہ جسکا خلاصہ بیل کے جراثیم کی پچکاری اور جو عورت اور مرد دونون کے لئے کارآمد ہے، پانچوان طریقہ میرا ہے اور وہ کسی نوجوان کے خون کا بوڑھے جسم کے اندر داخل کرنا ہے، یہ طریقہ خطرات اور مشکلات سے پاک ہے، اس مین ردّ فعل کا عمل کیمیائی ہے، بیالوجی سے کوئی تعلق نہین رکھتا، ہمین معلوم نہین کہ خون مین کون سا موثر جز ہے جو اس اثر کو پیدا کرتا ہے۔　　(ہلا)

"م س"

آثارِ علمیہ ادبیہ

حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری اخیر زمانہ کے بڑے صاحبِ حال عالم تھے، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان سے تھے، اپنے زمانہ مین فقہ حنفی کے مشہور شارح تھے، بڑے بڑے باکمال لوگون نے ان سے درس لیا، حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمہ بھی ان کے تلامذہ او مستفیدین مین تھے، ۱۳۱۱ھ مین وفات پائی، ذیل کا فارسی خط بھی اسی سنہ کی تحریر ہے، (معارف)

زان روی کہ چشم تست احول　　معبودِ تو پیرِ تست اوّل

رشحات عین الحیات حضرات مشایخ نقشبندیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات مین مولانا علی بن الحسین کاشفی المتخلص بہ صفی علیہ الرحمۃ کے تالیفات سے مشہور کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ قدیم خوش خط لکھا ہوا حضرت اقدس مولانا و مرشدنا حافظ سید فرزند علی محدث نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ نے ہجرت سے پہلے مجھے مرحمت فرمایا تھا، وہ اب تک میرے کتب خانہ کی زینت اور باعثِ خیر و برکت ہے،

اس کتاب مین میر حسینی علیہ الرحمۃ کا شعر مذکورۂ بالا ایک موقع پر لکھا ہے جب مین نے پڑھا تو بخوبی سمجھ مین نہین آیا، اتفاقِ وقت سے حضرت مولانا قدس سرہ سے اس کا مطلب نہ پوچھ سکا تو مین نے حضرت مولانا محمد ارشاد حسین احمدی مجددی علیہ الرحمہ سے جو بڑے نامی درویش اور عالم اور فقیہ تھے اور دار الریاست رامپور مین تشریف رکھتے تھے اس کا مطلب بذریعہ عریضہ کے دریافت کیا، جناب ممدوح کی عنایت میرے حال پر تھی آپ نے اس کا جواب بذریعہ خط کے تحریر فرمایا وہ خط اس وقت تک خوش قسمتی سے محفوظ رہ گیا ہے، اس خط کو چھتیس[۳۶] سال سے زیادہ مدت گذری، اسکی نقل معارف مین چھاپنے کیلئے بھیجتا ہون امید ہے کہ ناظرین معارف مین سے جنکو تصوف اور اس قسم کے اشعار سے دلچسپی ہوگی شوق سے پڑھینگے اور مستفید ہونگے، والسلام علی البررۃ الکرام فقط (محمد اعجاز حسن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ، از محمد ارشاد حسین عفی عنہ مولوی صاحب محبی و مخلصی مولوی محمد اعجاز حسن صاحب وفقهم اللہ سبحانہ لرضائہ پس از سلام مسنون مطالعہ نمایند رقیمۂ کریمہ رسید جواب مسئلۂ مستفسرہ علیحدہ نوشتہ نمودہ رقیمہ می فرستم وانچہ از شعر مذکورہ رشحات پرسیدند بیانش مختصر این کہ معاملہ عابد با معبود آنست کہ چون وچرا در اطاعت و امتثال اوامر و انتہاے نواہی معبود عابد را نمی رسد و اگر از عابد در این امور در ظاہر یا در باطن واقع شود خلاف عبادت است پس ضابطہ مرید مستعد بہ نسبت شیخ کامل در ابتدا ہمین است کہ ہرچہ پیر مقتدا از مرید می خواہد ہمان بجا آرد و علم و ادراک خود و اندیشۂ نفع و ضرر مزعومہ خویش یکسر ترک نماید و چون وچرا را در افعال و احکام و امور شیخ راہ ندہد چنانچہ حافظ شیرازی اشارہ بدین معنی می فرمایند

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پس در شعر مذکور می فرمایند کہ معبود تو در اول یعنی ابتداے ارادت و شروع سلوک پیر تست یعنی چنانکہ عابد را با معبود گنجائی چون وچرا نیست ہمچنین ترا کہ تعلیم راہ سلوک می خواہی با پیر خود گنجائش چون وچرا نیست زیرا کہ چشم تو احول است و این چون وچرا از ہمان حول پیدا شد کہ بسبب حول حکم حق را کہ بزبان پیر کامل نافذ است غیر حق و حکم حق می دانی پس اندیشہ کنی و گوئی کہ این امر چرا کنم کہ خلاف مقصود من است و آن چرا نہ کنم کہ مرا نافع ست درین صورت از راہ و رسم مریدین دور افتی و سرمایۂ استعداد از دست دہی لہذا می فرمایند زان رو کہ چشم تست احول و مقتضاے آن یک شئے را دو دیدن ست در بعض اوقات آن حکم پیر را غیر حکم حق قرار دہی لہذا می باید کہ پیر خود را معبود خود دانی و چون وچرا در احکام او بگذاری وسنہ از شیخ کامل متمتع نخواہی شد و بعد حصول مناسبت معتد بہا و ملکۂ اخذ از جانب حق حاجت این چنین انقیاد و عبادت نیست فقط اینست مختصر از بیان شعر واللہ سبحانہ اعلم ۔

(مرقومہ ۱۳۱۱ھ)

اخبار علمیہ

بجلی کا باغ

چند ماہرین زراعت سویڈن کے پایہ تخت اسٹاکہوم مین پودون مین بجلی کے اثرات ڈال کر زراعت کی ترقی کے وسائل کا تجربہ کر رہے ہین کہ برقی رو درختون کی بالیدگی مین معاون ہوسکتی ہے یا نہین چنانچہ آجکل اُن کے تجربون کی جولانگاہ ایک باغ ہے اس باغ مین زیر زمین ایک ایک قدم کے فاصلہ پر بجلی کے تار نصب کر کے اُن کو اوپر سے پختہ اینٹون سے پاٹ دیا گیا ہے اور پھر ان اینٹون پر مٹی ڈال دی گئی ہے، اور اس طرح بجلی کے اثر کو درختون مین منتقل کرنا چاہا ہے، اگر ان درختون نے اثر قبول کرلیا تو وہ جلد سے جلد نشو نما پا کر پھلنے لگینگے لیکن ابھی تک اس کے کسی نتیجہ کا اعلان نہین ہوا ہے،

بحر وبر کے درمیان سلسلۂ لاسلکی

بے تار کی برقی خبر رسانی کی ایجاد کو ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اب اس کا استعمال عام ٹیلیفونون کی طرح جا بجا ہونے لگا ہے، اور نیز اس کی مزید ترقیون کی جد وجہد کا سلسلہ جاری ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ایک کوشش یہ جاری تھی کہ بحر وبر اور خشکی وتری کے درمیان بھی اسکا سلسلہ جاری کر دیا جائے کہ بحر اٹلانٹک مین سفر کرتا ہوا ایک تاجر اپنے نیویارک کے دفترون سے ہدایت ونگہداشت کا سلسلہ جاری رکھ سکے، چنانچہ ان کوششون کا تذکرہ ان صفحون مین ایک سے زیادہ مرتبہ کیا جا چکا ہے، اب اس سلسلہ کی آخری کڑی یہ ہے کہ عملاً پورے طور پر کامیاب ثابت ہوگئی، اور امریکہ نے اس کے لئے

کا اعلان کردیا چنانچہ نیویارک کی "ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی امریکہ" کے صدر مسٹر جفرڈ نے امریکہ کے ایک جہاز "لویاتھان" سے بے تار کی بجلی کے ذریعہ گفتگو کی، یہ جہاز یورپ کی طرف جارہا تھا اور اگرچہ گفتگو کے وقت امریکہ کے ساحل سے صرف ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا، لیکن خیال ہے کہ اس بین فاصلہ کی کمی وبیشی کچھ اثر انداز نہ ہوگی، یہ گفتگو جسطرح ۳۰۰ میل کے فاصلہ سے کی گئی ہے اسی طرح ۱۵۰۰ میل کے فاصلہ سے بھی بآسانی ممکن ہے، مسٹر جفرڈ نے توقع ظاہر کی ہے کہ عنقریب دنیا کے ہر بڑے جہاز مین اسلکی کا ایسا سلسلہ قائم ہوجائیگا جس سے بحر وبر کے درمیان سلسلۂ گفتگو قائم رہ سکے،

خطۂ منجمد جنوبی وقطب جنوبی کی ایک جغرافی مہم

دور حاضر کے علم جغرافیہ کی ترقیون مین قطب جنوبی وشمالی اور خطۂ منجمد شمالی وجنوبی کی تحقیقات واکتشافات کو نمایان درجہ حاصل ہے جسکا سلسلہ گذشتہ صدی کے نصف آخر سے جاری ہوا ہے، اس سلسلہ مین امریکہ کے مشہور ومعروف باہمت نوجوان کمانڈر برڈ کی لاثانی جدوجہد سے ان مقامات خصوصاً خطۂ منجمد جنوبی کے متعلق اس ناواقف دنیا کو بہت کچھ معلوم ہوچکا ہے، اگرچہ خطۂ منجمد جنوبی کی تحقیقات کا اہم سلسلہ ۱۹۰۸ء سے کمانڈر پیری کی سرگردگی مین جاری ہوا، لیکن اصل اکتشافات ۱۹۲۶ء مین حاصل ہوئے، جبکہ کمانڈر برڈ خطۂ منجمد جنوبی کی تاریخی مہم سے واپس آیا اور پھر آجکل اسی کے ہاتھون اس کی اہم ترین مہم انجام پارہی ہے، جس مین وہ بڑی حد تک کامیاب ہوچکا ہے، چنانچہ حکومت ولایت متحدہ امریکہ نے اس کی موجودہ مہم کی مساعی کے صلہ مین اس کو "امیر البحر" کا خطاب عطا کیا ہے، اور وہ اپنے سفر سے فارغ ہوکر واپسی کے لئے روانہ ہوچکا تھا اور باشندگان امریکہ اپنے اس قابل فخر ہموطن کے لئے چشم براہ تھے کہ اوس کی آمد کے بعد اس کی اس جدید سرفرازی پر تہنیت کے جلسے کرکے اس کی خدمات کا اعتراف کرینگے، کہ یکایک بحر منجمد ساکن ہوگیا، جس سے اس کا جہاز وسط

سمندر میں گھر گیا ہے لیکن مسرت ہے کہ جہاز کے مسافرون کے پاس خورد و نوش کا اتنا وافر سامان موجود ہے کہ وہ اس موسم کو بآسانی گذار لینگے اور برف پگھلنے کے بعد امریکہ واپس آجائینگے،

دوسری طرف انگلستان کا ایک وفد سر ڈگلس موشن کی سرکردگی مین گذشتہ ماہ اکتوبر مین قطب جنوبی کی طرف روانہ ہوا ہے، رئیس وفد نے روانگی سے پیشتر ایک بیان شایع کیا تھا کہ ان کے جہاز کا راستہ قطب جنوبی کے اس پہاڑی سلسلہ کے محاذات مین ہوگا جسکی چٹانین سمندر تک ڈھالوان چلی آئی ہین اور وفد کے چند ارکان وہان کی خشکی کے بعض حصون پر تحقیقات کے لئے اُتر جائینگے اور جہاز آگے روانہ ہوجائیگا، توقع ہے کہ یہ جماعت اسی ماہ اپریل مین اپنی مہم سے فارغ ہو کر واپس آجائیگی،

صحرا کا اثر بارش پر،

کنیا (شمالی افریقہ) کے "محکمۂ جنگلات" کے افسر اعلیٰ مسٹر نکلس نے "صحرا کا اثر ملک کی ہوا اور بارش پر" کے عنوان سے ایک مبسوط تقریر کی ہے جس مین انہون نے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ بارش کی کمی اور زیادتی مین صحرا کا اثر نہین ہوتا، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ملک کے صحرا وہان کی بارش کے ہونے اور نہ ہونے مین اثر انداز ہوتے ہین، اور اعداد و شمار سے واضح کیا ہے کہ جن ممالک مین جنگلون کی کثرت ہے وہان بارش عام مقامات کی بہ نسبت ۳ فی صدی زیادہ ہوتی ہے، لیکن اہل علم کا خیال ہے کہ مسٹر نکلس اپنے نظریہ کے دلائل پیش کرنے مین کامیاب نہین ہوسکے ہین،

۱۹۳۰ء کی یادگار صد سالہ مجلسین،

سال روان ۱۹۳۰ء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسمین مختلف ماہرین علوم جدیدہ کی یادگار کی صد سالہ مجلسین منعقد ہونگی چنانچہ حسب ذیل اہل علم کی ولادت یا وفات پر سو سال پورے ہوتے ہین،

مشہور ماہر فلک کیپلر کی وفات کو اس سال تین سو سال پورے ہوگئے،

جرمن ماہر کیمیا لیکل کی ولادت کے دو سو سال پورے ہوتے ہیں لیکل وہی مشہور ہستی ہے جس نے قدیم و جدید علم کیمیا کے درمیان نئے تجربوں اور نظریوں سے مابہ الامتیاز حد فاصل قائم کی اور اسی کے ہاتھوں جدید علم کیمیا کی بنا پڑی،

اور اسی طرح مشہور ماہر فلکیات بوچارڈی سارون، اور فرانسیسی ماہر فلک مسیبیا کی پیدائش کے دو سو سال پورے ہوجائینگے،

اور ماہر علم طبیعیات فورییے کی وفات کے سو سال گذر جائینگے،

اس سال ان تمام اہل علم کی صد سالہ یادگاریں مختلف مقامات پر مختلف تاریخوں میں منائی جائینگی،

بارش کے جبریہ حصول کی کوشش

ہانکانگ میں گذشتہ ماہ جون تک کامل ایک سال تک بہت کم بارش ہوئی جس سے زراعت کو اس درجہ سخت نقصانات پہونچے کہ حکومت برطانیہ کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا حکومت نے اپنی طاقت کی نمایش ابر و باد پر بھی کرنی چاہی اور ہوائی جہازوں کے ایک بیڑے سے سیاہ دل بادل ابر پر چڑھائی کی کہ وہ اول گھنگھور گھٹاؤں پر حملہ آور ہوں جو ہانکانگ کی فضا پر اُمڈ اُمڈ کے چھاتی ہیں اور سرزمین کو سیراب کئے بغیر چھٹ جاتی ہیں لیکن حکومت برطانیہ کی یہ مہم ناکام رہی، دست قدرت نے اپنی شان جبروت سے مقابلہ کیا، اور آسمان کی بادشاہت دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت پر اُس کے تمام ایجادات و اختراعات سے مسلح ہونے کے باوجود غالب آئی، اور قدرت سے جنگ آزما سپاہ کو ناکام و نامراد واپس آنا پڑا،

مدیرلہ

ادبیات

رباعیات

علوم جدیدہ اور حقائق

از

لسان الحکمۃ شمس العلماء عبد الرحمٰن شاطر مدراسی

حضرت شاطر نے جنکا کمال فلسفہ کو شاعری کے قالب مین ڈھالنا ہے حسب ذیل رباعیان ہمکو عنایت کی ہین ناظرین مین جو صاحب کسی رباعی کے معنی نہ سمجھین وہ اُس کا حل ڈاکٹر سر اقبال سے کرلین ہم سے نہ دریافت فرمائین کہ اس مین ہم بھی انہین کی طرح کورے ہین (معارف)

اسما کو ظہور مین تعطّل ہے محال یعنی متجدد ہین دمادم امثال
منسوب یہ کوانٹم تھیوری سے کھلا اشراق جہان نماے صوفی کا حال

سائنس کی فکر مین ہے گرگٹ کا حال منطق ہے فلسفی کی، مکڑی کا جال
اڈنگٹن بھی ہے قیامت کا مقر سمجھا ہے اسکو (انتشار) کا مآل

جب صفر کی قوت کو پہنچتے ہین عدد کھو دیتے ہین فرق نسبتی بن کے احد
تمثیل سے بھی درست ہے استدلال[۱] شاطر! لے نیستی سے لے تو بھی مدد

---

۱ ۱ = ۲
۱ ÷ ۵
۱ ÷ ۱۰
۱ ÷ ۲۰
۱ ÷ ۵۰۰

وہ منفرجہ بن گیا جو حادّہ تھا — طفرہ جو کرے زاویہ حیرت ہے کیا
دیکھا نہیں کاربن کو سیال کبھی — نابالغ پیر کو بھی اکثر دیکھا

ایتھر خلا میں ہو تو حرکت ہے محال — معدوم ہوا ایتھر تو ہے باقی اشکال
ہم دیکھتے بھی ہیں، آنکھ بھی ہے محفوظ — اس راز کو سمجھے عقل کی کیا ہے مجال

اب ہے یہ فزکس اور ریاضی کا بیان — محصور نہیں، گو متناہی ہے مکان
ہے کوئی؟ جو امریکہ و یورپ سے کہے — شاطر سے سنو رازِ مکان، سرِّ زمان

سچ ہے کہ نہیں سنتِ حق میں تبدیل — مانا کہ مظاہر میں ہے ربطِ تعلیل
گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی ہے سردی سے آب — قانون کی کس اصول پر ہو تشکیل

فریادِ جرس

از

جناب محمد اسد خان، بی، اے، (ملتان)

فغان کہ اہلِ وطن را بہ دشتِ بے خبری — زِ راہ گشتہ گان، می کنند راہبری
خضر گم است خود اندر ہجومِ راہزنان — کہ در لباسِ خضر می کنند جلوہ گری
بعذرِ راہنمائی شکستہ پائے چند — بہ دوشِ ہمسفران اند گرمِ رہ سپری
بہیچ کار جہان رہ نیافتند مگر — کہ اختیار نمودند پیشۂ خضری
برآمدند بہ دعوائے تابشِ خورشید — ولے شدند نہان چون ستارۂ سحری

چو ہر یکے بہ فریب کسے گرفتار است — چہ سود بر دگران طعنہ ہای کم نظری

بروآسد، رہِ منزل رسیدگان برگیر

مجو بہ رہبرِ افسون طراز ہمسفری

کیفِ سخن

از

مولانا کیفی چریاکوٹی خلف الصدق استاذنا حضرت مولینا محمد فاروق چریاکوٹی،

یہی گم ہو کے ہم کونین کا حاصل سمجھتے ہیں — کہ اس کوچے کے ہر ذرے کو اپنا دل سمجھتے ہیں
ہمارے دل پر اپنا نقش کھینچو نوکِ خنجر سے — سوا اس کے ہے جو کچھ ہم اسے باطل سمجھتے ہیں
یہی ہے انتہای دستِ صحرای ناکامی — جہان دل بیٹھ جاتا ہے وہین منزل سمجھتے ہیں
وفورِ شوقِ نظارہ سے آنکھیں بند کرلیں گے — کہ ہم اپنی یہ خلوت آپکی محفل سمجھتے ہیں
تری آنکھیں پھرین تو عمرِ ہستی کٹ گئی ساقی — ترے کھینچے کو مکین خنجرِ قاتل سمجھتے ہین
مری عمرِ روان سے ناخدا سے دل یہ کہتا ہے — یہ کشتی آکے ڈوبیگی لبِ ساحل سمجھتے ہین
کسی کروٹ جو دم لیتا نہیں تو شامِ فرقت میں — یہ ہوگی صبحِ محشر اضطرابِ دل سمجھتے ہین
دلِ بیتاب کو لیکر چلے ہین سوئے میخانہ — بقدرِ ظرف ہم ساقی کو دریا دل سمجھتے ہین
سمجھ مین آنہیں سکتا کسی سے اور کیا مانگین — گدا تیرے تجھے کونین کا حاصل سمجھتے ہین
نظر آتا ہے ہمین ہر طرف ہر ذرہ بیگانہ — سیہ بختی کو اپنی آنکھ کا ہم تل سمجھتے ہین
یہ کیفِ جوشِ بیتابی ہے چارہ گر نہ سمجھیگا — تڑپنے لوٹنے کی انتہا بسمل سمجھتے ہین
بنے جز مرگ کیا چارہ گرون سے نا امیدی مین — جسے آسان ہم سمجھے ہین مشکل سمجھتے ہین

اگر نکلے تو یہی آرزو کو جان سمجھیں گے — نہ نکلے یہ اگر دل سے تو داغِ دل سمجھتے ہیں
یہ لمحے زندگانی کے چمک ہین سوزِ پنہانی کی — نگاہِ برق اس خرمن کا ہم حاصل سمجھتے ہین
نہ شوقِ پائمالی ہے نہ ذوقِ سرفرازی ہے — خدا جانے مرے دل کو وہ کس قابل سمجھتے ہین
دلِ بیخود کی بن آئی جنون کا زمانہ سے — وہ دیوانے ہین جو اس مست کو غافل سمجھتے ہین

کمالِ انسان کا شوقِ آرزو نے کھو دیا کیفی
یہ دل سینے مین ہم داغِ مہِ کامل سمجھتے ہین

شعر الہند

حصہ اوّل

مصنفہ

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

جس مین قدماء کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کتابت اور کاغذ اعلیٰ ہے، ضخامت ۴۴۵ صفحے، قیمت: للعہ

حصہ دوم

جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کیگئی ہے، کاغذ اور کتابت اعلیٰ ضخامت ۴۵۵ صفحے، قیمت للعہ "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

ماہِ نو

آج سے چھ برس پہلے کا زمانہ گذرا کہ فروری ۱۹۲۴ء مین ڈاکٹر سر اقبال نے محمد اکبر منیر نام ایک نوجوان شاعر کا فارسی کلام میرے پاس بھیجا جسکا مطلع یہ تھا،

شتربانا! بیا! بربند محمل   کہ دارم عزم خاکِ پاکِ بغداد

اور لکھا کہ یہ نوجوان جوہر صالح اور فارسی کا اچھا مذاق رکھتا ہے، اور آجکل ایران کی سیاحت مین مصروف ہے، منیر صاحب کی یہ نظم مارچ ۱۹۲۴ء کے معارف مین تھوڑی سی تمہید کے ساتھ شایع ہوئی، غالباً ہندوستان مین منیر صاحب کا یہ پہلا تعارف تھا جو معارف کے ذریعہ انجام پایا، اسکے بعد بھی معارف مین وقتاً فوقتاً انکی اکثر فارسی اور بعض اردو نظمین شایع ہوتی رہین،

"ماہِ نو" کے مجموعہ کا خیال جب منیر صاحب کو آیا تھا تو انھون نے اپنی مہربانی سے یہ تمام کام میرے مشورہ سے کرنا مناسب سمجھا اور اسی تعلق سے وہ مطبع معارف مین چھپا، اور کہتے ہین کہ اچھا چھپا

ادبائے ہند مین شمس العلماء آزاد پہلے شخص ہین جنھون نے عروسِ شیراز کے عشق مین ایران کی خاک چھانی اور واپس آئے تو سخندانِ پارس کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، یہ تو اگلے زمانہ کے بوڑھون کی بات تھی، اب اس نئے زمانہ مین نوجوانون کو بھی اس میدان مین اپنی ہمت دکھانی چاہئے تھی، یہ کام پروفیسر محمد اکبر منیر صاحب نے انجام دیا، اس زمانہ مین ایک گریجویٹ کیلئے ولایتی سفر کے بجائے مشرقی "ولایت" کا سفر "کرامت" سے کم نہین، جہان سے نہ ایل ایل ڈی، نہ پی ایچ ڈی

نہ اور کسی حرف ابجد کی ڈگری مل سکتی ہے، اور نہ وہاں سے کامیاب واپسی پر کسی سرکاری قدر و منزلت کی امید ہو سکتی ہے، ہاں فارسی زباندانی کا ذوق و کمال پیدا ہوتا تو اس بازار میں اس متاع کا کوئی گاہک نہیں ہاں ہمارے صاحب کا آکسفورڈ، کیمبرج یا لندن جا کر کسی قلمی فارسی کتاب کو اُلٹ کر کے فارسی کی ڈگری کی ڈگری لانے کو چھوڑ کر سعدی و حافظ کے مزاروں کی زیارت اور ان کے ملک و وطن کی گلیوں کی خاک بیزی اور خاک بازی، اس زمانہ میں اُن کا وہ سب سے بڑا علمی ایثار ہے جو وہ کر سکتے تھے، اور یورپ کے معتبر شین اسکالرس" کی بخشی ہوئی ڈاکٹری کی ڈگری سے ماہ نو کا مجموعہ اہل نظر اور ارباب کمال کی نگاہوں میں زیادہ با وقعت، زیادہ مستند، زیادہ روشن اور زیادہ بلند ہے وہ فارسی دانی کی کاغذ کی فرضی دستاویز نہیں ہے بلکہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" ہے،

ہر زبان کی طرح فارسی زبان بھی پہلے سے بہت کچھ بدل گئی ہے۔ الفاظ نئے پیدا ہو گئے ہیں محاورات نئے بن گئے ہیں، خیالات میں انقلاب ہو گیا ہے، بحریں نئی نئی استعمال میں آگئی ہیں اور ان سب سے مل کر اب نئی فارسی زبان معرض وجود میں آگئی ہے، اور اب یہی ایران کی مقبولِ عام زبان اور دلپسند شاعری بن گئی ہے، ہندوستان نے مسعود سعد سلمان سے لیکر آج تک پرانی فارسی کے بے شمار شاعر اور استاد اس ملک میں پیدا کئے جن میں خسرو، حسن، غالب وغیرہ متعدد ایسے شاعر پیدا ہوئے جنکی تیر بہ ہدف کسی بات میں اہل زبان سے کم نہ تھی جب فارسی زبان نے اپنا قالب بدلا، اور اپنی خاص فارسی خانگی رنگ کے بجائے غازہ فرنگ سے اپنی زیبایش و آرایش کی ہے، ضرورت تھی کہ فارسی کے اس "جمال نو" اور "حسن تازہ" کے کچھ قیس و وامق ہماری سرزمین میں بھی پیدا ہوتے اس اولیت کا فخر پروفیسر اکبر منیر کو حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے اس دشت نوردی کا حوصلہ کیا اور اس کے عشق میں اپنا مال و متاع لٹایا اور آخر اُس "حور پارس نژاد" کو لیکر خوش خوش گھر لوٹے، اس لئے ماہِ نو کے مصنف کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ ہندوستان میں نئی فارسی کے سب سے پہلے نئے شاعر

ہین جنکو ایران کے پرانے شاعرون نے بھی ہندوستان کا نیا کامل شاعر تسلیم کرلیا،

شروع مین مقدمہ کے بعد "شاعر و آفتاب بہار" کے عنوان سے جدید شاعرانہ فارسی نثر ہے اسکے بعد فارسی نظمین شروع ہوتی ہین، اونکا آغاز ایک پیشکش ہے جو نکتہ چین نقاد حضرات کے نام ہے جسکو "معصومانہ شاعرانہ تعلی" کی ایک اچھی مثال ہم کہہ سکتے ہین،

مشتم حقیر زادۂ طبعِ جوانِ من — این قطرۂ آب و دانۂ گوہر شود ہمی
چین بر جبین میفگن اگر دامنش تہی است — کین آسمانِ شام پُر اختر شود ہمی
بے برگ و ساز بینی اگر پیکرِ ہلال — عیبش مکن کہ ماہِ منوّر شود ہمی
خندان مشو بہ گریۂ این اخترِ سحر — کز اشک او بروی رُخِ خاور شود ہمی
زین خون کہ قطرہ قطرہ چکد از خُم دلم — گیتی بساطِ لالۂ احمر شود ہمی
آسان مگیر گرمیِ اندیشۂ منیر — کین طفلِ شعلہ مادرِ آذر شود ہمی

یہ نیا دیوان پرانے دیوانون کی طرح کسی سلطان و امیر کے نام نہین، بلکہ حسن عشق اور آزادی کے نام معنون ہے، اس کے بعد یہ نظم

شدہ وقت آن کہ برون زنم رمِ تیغِ آئینہ فام را

پھر اسی طرح نسیم مصلیٰ ،یک صبا، غازی مصطفیٰ کمال ،نسیم صبا ،یک ماہ، آئینۂ جمال ،ربعہ طہران ہیں

ششتر بانا بیا در اصفہان انداز محل را

پھر، ساقی تو خود بگو کہ بنوشم کدام را

پھر، قضائے خویشتن در پنجۂ گردون نمی خواہم

ان کے بعد خوشۂ پروین، خونِ خزان وغیرہ نظمین ہین، ان مین سے اکثر نظمین خود ایران کے مختلف شہرون مین لکھی گئی ہین اور اُن کے لئے خود اہل زبان سے داد تحسین حاصل کی گئی ہے،

مین بے حد جوش وخروش، زور وقوت اور فطرت پرستی کے نظاہر مین، زبان کا لطف اور محاورات کی شیرینی مزید ہے،

دیوان مین فرضی حسن وعشق والی غزلین نہین مین، جو کچھ ہے وہ حسنِ فطرت اور آزادی کا ترانہ ہے، یہ وہ صدائین ہین جو موجودہ ماحول کے ہر درودیوار سے بلند ہو رہی ہین، ضرورت ہے کہ انگریزی سکولون اور کالجون کے فارسی نصاب مین ان خیالات کو داخل کیا جائے اور پرانی شاعری کیساتھ ساتھ نئی شاعری کے نمونے بھی طلبہ کو دکھائے جائین، نیز فارسی زبان کے پرانے قدر شناسون سے بھی التماس ہے کہ اس مادہ نو سے لطف اٹھا کر فارسی کے اس نوجوان شاعر کی قدر کرین، قیمت عہ، پتہ : پروفیسر اکبر منیر گورنمنٹ کالج اٹک، "س"

خطباتِ مدراس

مولانا نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچر) دیے تھے، جو نہایت مقبول ہوے، اور مسلمانون نے انکو بیحد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین، تاریخی دلایل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا خطر اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ اس لایق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھا جائے،

ضخامت ۱۵۰ صفحے طبع دوم قیمت عہ

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید الفاظ کی ڈکشنری قیمت عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

غالب اور اُسکی شاعری، نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب، ایم اے جم ۸۴ قیمت ۸ر
پتہ :- سفیر بک ایجنسی، الہ آباد،

غالب کو اس وقت جو مقبولیت حاصل ہے اور اُسکی اردو شاعری کے متعلق (جسے وہ اپنے لئے ننگ سمجھتا تھا) جو بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، وہ محتاج بیان نہین، پہلے اگر غالب کی شاعری کو مشرقی اصول کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا تو اب مغربی اصول اس پر چسپان کئے جارہے ہین، موجودہ مضمون بھی جو ایک نوجوان فارغ التحصیل طالب علم کا لکھا ہوا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مضمون نگار نے دعوی کیا ہے کہ غالب کو

نہ ستایش کی تمنا نہ گلہ کی پرواہ

ہے، وہ صرف اپنے پیغام کو عملی صورت مین دیکھنا چاہتا ہے لیکن پورے مضمون مین کہین بھی اُس کے اُس "روحانی پیغام" کا ذکر نہین ہے، مضمون بیس اچھا اور لائق مطالعہ ہے،

مقالات نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب ایم اے جم ۸۴ قیمت ۶ر پتہ :-
سفیر بک ایجنسی الہ آباد،

یہ چھوٹا سا رسالہ ہمارے نوجوان انشاپرداز کے پانچ چھوٹے چھوٹے مضامین کا مجموعہ ہے، اگرچہ ان عنوانات پر مفصل تحقیقات شایع ہو چکی ہین تاہم اُن کے نتائج کو جس کثرت سے پھیلایا جائے بہتر ہے، ہندوستان کے پانچ بڑے مسلمان حکمرانون پر جو پانچ غیر تاریخی الزامات ہین اُن کے یہ مجمل جوابات ہین اور عام اشخاص کیلئے جو تحقیقات و تنقیدات کے صبر طلب راستہ پر نہین چل سکتے

ایک حد تک تسکین کا باعث ہو سکتے ہیں، ضرورت ہے کہ اس قسم کے مضامین بکثرت انگریزی ہندی وغیرہ میں لکھے جائیں کہ صدیوں کی پیدا کردہ غلطیوں کا ازالہ ہو جائے،

"ن"

فیروز شاہ، مصنفہ جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، منیجر وپبلشر رسالہ دلگداز، حجم ۴۴ صفحے قیمت ۸ر پتہ: منیجر دلگداز کٹرہ بیزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب نے اس کتاب میں سلطان فیروز شاہ بہمنی اور راجہ دیورای بیجانگر کی معرکہ آرائیوں کا نقشہ حسن وعشق کی رنگ آمیزی کے ساتھ دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا ہے،

حکیم صاحب نے اپنے اس ناول میں مولانا شرر مرحوم کے نقش قدم کی پیروی کی پوری کوشش کی ہے اور اگر فسانہ کے پلاٹ کی بعض بعض کی فروگذاشتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بلا شبہ اس پر مولانا شرر مرحوم کی تصنیف ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی کامیابی ہے،

اسرار شربا تیہ، مصنفہ مولانا حکیم محمد عبدالوہاب صاحب انصاری حجم ۱۰۴ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سے پتہ:۔ حکیم محمد عبدالحیٔ صاحب انصاری جامع مسجد دہلی،

مولانا عبدالوہاب، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری وغیرہ جیسے اہل کمال کی صحبت کے فیضیافتہ ہیں اور ایک زمانہ سے علم طب کی خدمت میں مصروف ہیں، زیر تبصرہ کتاب مولانا کی ذاتی تجربات وتجربات پر مشتمل ہے،

کتاب کی ابتدا میں نبض کے حرکات وسکنات کیفیات، علامات اور اس کے تمام اثرات و نتائج پر نہایت شرح وبسط سے مفصل ومحققانہ بحث کی گئی ہے، جو کتاب کے ۱۱ صفحوں میں آئی ہے اس کے بعد مولانا کے آزمودہ مرکبات اور ان کے تفصیلی نسخے درج ہیں،

زبان سے قدیم اہل علم کے اردو طرز تحریر کا انداز نمایاں ہے،

اتباع الرسول، مرتبہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری حجم ۴۸ صفحے قیمت ۲ر پتہ دفتر اہلحدیث، امرتسر،

مولانا چند سال سے مولوی احمد دین صاحب "مدعی منکر حدیث" سے حدیث کے حجت اور قابل اتباع ہونے پر بحث و مناظرہ فرما رہے تھے، زیر نظر رسالہ اسی تحریری مناظرہ کی روداد ہے، جسمین طرفین کے خطوط سوال و جواب کی شکل مین شائع کئے گئے ہین، مولانا نے جوابات مین صرف قرآن مجید کو پیش نظر رکھا ہے، یون تو آجکل مناظرہ کا نتیجہ کبھی بھی فیصلہ کن ثابت نہین ہوتا، لیکن اگر ان خطوط کے اوّل و آخر کو دیکھا جائے تو دعویٰ "انکار حدیث" خود مدعی کے الفاظ سے سست ہوتا گیا ہے، اور بالآخر مولوی احمد دین کے قلم سے یہ الفاظ بھی نکل گئے ہین "رسالت کی اطاعت کے تو ہم دونون قائل ہی تھے" اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ دلچسپ رسالہ ہے،

قاعدہ فارسی، مولفہ جناب ابوالمحاسن محمد محسن خانصاحب منشی مدرس فارسی وسطانیہ دارالشفا سرکار عالی حیدرآباد، حجم ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی طباعت و کتابت ایرانی طرز مین عمدہ اور بچون کے لائق ہے، قیمت ۲ر پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدرآباد،

یہ فارسی کا ایک جدید قاعدہ ہے جو نئے اسلوب مین جدید طریق تعلیم مین سے "طریق راست" (DIRECT METHOD) کے اصول پر مرتب کیا گیا ہے، جو غالباً ہندوستان مین فارسی زبان کے لئے سب سے پہلی کوشش ہے، رسالہ ۱۷ درس مین منقسم ہے، پھر مختلف درس مختلف مشق مین مشق کرائے گئے ہین، ہر درس مین الفاظ کی تعبیر تصویرون سے کیگئی ہے، نیز قدیم فارسی الفاظ کے پہلو بہ پہلو جدید الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہین، پھر ہر درس کی تعلیم کے لئے ہدایتین الگ درج ہین، آخر مین ایک فرہنگ منسلک ہے، جسمین مشکل الفاظ کے اردو معنی بتائے گئے ہین، جناب مؤلف اس تالیف کیلئے شکریہ کے مستحق ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا، "ر"

جلد بست و پنجم | ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۰ء | عدد ۵

مضامین

ماتم خادمۂ ملت و مخدومۂ امت

علیا حضرت **سلطان جہان بیگم** سابق فرمانروائے کشور بھوپال جنکے نام نامی کیساتھ ہمیشہ قسلم کو یہ لکھنے کی عادت تھی کہ خلد اللہ ملکہا، خدا انکی حکومت ہمیشہ قائم رکھے، اب وہان کو سدھارین جہان کی حکومت واقعًا ہمیشہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت کی لازوال دولت اور اپنی رضا و خوشنودی کی غیر فانی سلطنت عطا فرمائے،

علیا حضرت کی وفات ایک ایسا سانحہ ہی جس کا ماتم نہ صرف بھوپال، نہ صرف ہندوستان، نہ صرف مسلمان، بلکہ تمام دنیا کر رہی ہی، اور کریگی، وہ نہ صرف اسلام کی بلکہ مشرق کی وہ آخری تاجدار خاتون تھین جن کے کارنامون پر مرد سلاطین اور امرا بھی رشک کر سکتے ہین، ان کا دور حکومت جو تیئس سال سے کم نہین رہا بھوپال کی تاریخ کا زرین عہد ہے،

سلطانہ مرحومہ مشرقی و مغربی تعلیم و تمدن کا ایسا مجمع البحرین تھین، جو آج مصلحین امت کا آئیڈیل ہے، ان کی مشرقی تعلیم پوری اور مغربی واقفیت بقدر ضرورت تھی، وہ نہ صرف فرمانروا تھین بلکہ ہندی خواتین کی رہنما، مسلمانون کی واحد یونیورسٹی کی رئیسۂ علیا، مذہبی تعلیم کی سب سے بڑی حامی، مذہبی علوم و فنون کی سب سے بڑی سرپرست، کی معتدل نسوانی اصلاحات کی سب سے بڑی مبلغ، مسلمان عورتون مین سب سے بڑی کثیر التصانیف اور سب سے بہتر مقررہ، لیکن ان ہر قسم کے انتظامی، اصلاحی، ملکی، علمی اور تعلیمی کارنامون سے بڑھکر اُن کا جوہر شرف، ان کی مذہبی گرویدگی، دینی عقیدت اور ایمانی جوش و ولولہ تھا،

وہ ہر قومی و مذہبی و علمی تحریک پر سب سے پہلے لبیک کہتی تھین، اور اُس کے لیے عملی قدم

تھین، مسلم یونیورسٹی، مدرسۂ دیوبند، دار العلوم ندوہ، اور دوکنگ مشن چھوٹے بڑے بیسیون تبلیغی و مذہبی ادارے اُن کی امداد و اعانت کے طوق منت سے گرانبار ہین، دار المصنفین اور سیرۃ نبویؐ کو کہا جائے کہ انھین کے دستِ کرم سے اُن کی بنیاد پڑی، خصوصاً سیرۃ النبیؐ جیسی اہم کتاب کا عالمِ وجود مین آنے کا شرف صرف انکی ذاتِ گرامی کے لیے مخصوص ہے، امید ہے کہ تنہا انکی یہی نیکی شفاعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استحقاق کے لیے کافی ہوگی،

سلطانہ مرحومہ کی ہستی مین رعب و شفقت کی عجیب آمیزش تھی اور اُن کے اخلاق مین عجیب کشش تھی، اُن کا دربار حد درجہ سادہ ہوتا تھا، دربار کے آداب بھی تمام تر شرعی تھے، پردہ کے پیچھے وہ تشریف رکھتی تھین، کورنش و تسلیمات و رکوع و سجود کا وہان دخل نہ تھا، سب سے پہلے السلام علیکم کی بلند آواز اُن کی طرف سے آتی تھی، شاید ہی کوئی اُن سے ملا ہو اور اُن کے اخلاق و معلومات کی وسعت سے وہ متاثر نہ ہوا ہو، علامہ شبلی مرحوم غالباً ۱۹۰۶ء مین اُن سے ملے، تو ایسے متاثر ہوے کہ اُنھون نے اپنے جذبات الندوہ کے چند صفحات مین ظاہر کیے، مجھے دو تین دفعہ اُن کے حضور مین باریابی کا شرف حاصل ہوا، مگر ہر دفعہ دیر تک وہ اس اخلاق سے مصروفِ کلام رہین، کہ مخاطب یہ بھول جاتا تھا کہ وہ کسی خود مختار فرمانروا سے باتین کر رہا ہے،

اُن کو تصنیف و تالیف کا شوق تھا اور اس کے لیے ایک خاص محکمہ تھا، اس سلسلہ مین انکے مسودات بارہا دیکھے، اُن کے برمحل اعتراض اور باموقع سوجھ حیرت انگیز تھی، اپنی تصنیفات کے مسودے پر وہ خود نظر ثانی کرتی تھین اور اپنے قلم سے ان پر نشان بناتی تھین،

ان کو رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ سے بے مثال عقیدت تھی جس کی کھلی دلیل خود سیرۃ نبوی موجود ہے، مگر اس کے علاوہ انکی گفتگو، تحریر، تقریر ہر چیز سے اُن کا یہ جذبہ ظاہر ہوتا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مین سیرۃ کی پہلی جلد لیکر جب اُن کی خدمت مین حاضر ہوا تھا تو بڑے اشتیاق سے انھون

نے دریافت کیا تھا کہ عالم رویا میں رسول انام علیہ السلام کی زیارت کس طرح ہوسکتی ہے، انھوں
کی کہ کتب حدیث و سیرت کے مطالعہ اور درود و سلام کی کثرت سے،

سلطانہ! تو آج سب سے بڑے سلطان کے دربار میں حاضر ہے تیری ایک ایک نیکیاں انشاء اللہ اس دربار میں تیری سفارشی ہونگی، قبول و مغفرت کا تاج تیرے سر پر ہوگا، اور رضا و خوشنودی کے مروارید تیرے گلے میں، سلطانہ! اب زمانہ ہزاروں کروٹیں بدلیگا، مگر تجھکو نہ پائیگا تاہم تیری زندۂ جاوید نیکیاں تجھکو تا ابد زندہ رکھینگی،

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام تو

مقالات

نزول القرآن علی سبعۃ احرف

از

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

روایات صحیحہ سے ثابت ہو کہ قرآن مجید سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے، چنانچہ بخاری میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

ان ھٰذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف   یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا،

لیکن اس روایت کی صحت کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

جس وقت کاتبان وحی قرآن شریف کو نازل ہونے کے وقت یا ذرا بعد میں لکھا کرتے تھے اُن سے کبھی یہ بات نہیں کہی گئی کہ سات طرح پر لکھو، اس کے بعد جب ابوبکر صدیق رضکے زمانہ مین قرآن شریف جمع کیا گیا ہے اس وقت رقاع، لخاف، اکتاف، عسب اور صدور الرجال سے جمع کیا گیا تھا نہ کسی تحریر مین کوئی نشان سبعۃ احرف کا پایا گیا اور نہ ان لوگون مین اختلاف کا سراغ ملا جنکے صدور سے قرآن شریف لیا گی

تھا، اس کے بعد حذیفہؓ نے جب لوگون کے قرآن پڑھنے مین اختلاف پایا، اور عثمانؓ سے درخواست کی کہ قبل اس کے کہ لوگ اہل کتاب کی طرح اپنی کتاب مین اختلاف کرنے لگین ان کا ابھی انتظام کر دینا چاہیئے۔ اس خواست پر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے وہ مصاحف منگوائے جو خلیفہ اول نے جمع کر کے ان کے پاس بھجوا دیے تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے قرار کو حکم دیا کہ اسکی نقلین کر دین اور اگر کسی لفظ پر اختلاف ہو، تو قریش کی زبان کا لفظ لکھدین کیونکہ قرآن شریف قریش کی زبان مین اترا ہے

اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ باوجودیکہ قرآن شریف دوبارہ مدون و مرتب کیا گیا، اور ان کی ترتیب و تدوین مین تمام اکابر صحابہ شریک تھے، لیکن کسی نے قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کا اشارہ تک نہین کیا، بلکہ حضرت عثمانؓ نے جامعین قرآن کو صاف صاف الفاظ مین ہدایت کر دی کہ اختلاف کے وقت قریش کی زبان کو مقدم رکھین کیونکہ قرآن صرف قریش کی زبان مین اترا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حرفون والی روایت صحیح نہین

ہمکو اسوقت اس سے بحث نہین ہی، کہ سات حرف پر قرآن مجید کے نازل ہونے کے کیا معنی ہین؟ البتہ یہ روایت صحاح مین موجود ہے، بلکہ ابو عبید نے اس کے تواتر کا دعوی کیا ہے، اس لیے اسکی صحت مین شبہہ نہین کیا جاسکتا اور اس کے صحیح مان لینے کے بعد ہم کو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس اختلاف کا اثر قرآن مجید کے طرز تحریر و اسلوب کتابت پر پڑ سکتا تھا یا نہین ؟

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عرب کے مختلف قبائل کی زبان اور لب و لہجہ مین اختلافات موجود تھے مثلاً

(۱) قریش و اسد کی زبان مین یاے مضارع کو فتحہ یا ضمہ ہوتا تھا ان کے علاوہ دیگر قبائل کسرہ دیتے تھے اور یفعل کو یِفعل کہتے تھے،

(۲) عام عربی مین حرف گ نہین، لیکن بنو تمیم گ بولتے تھے،

(۳) ربیعہ اور مضر مونث مین کاف خطاب کے بعد ش بڑھا دیتے تھے جیسے علیک کی جگہ علیکش،

(۴) شمالی عرب مین علامت جمع ن اور جنوبی مین م تھی، شمالی عربی مین حرف تعریف الف تھا جنوبی

(۵) بنو تمیم ہمزۂ ابتدا کو عین کر دیتے ہین جیسے اسلم کو عسلم

(۶) بنو ہذیل ح کو عین کر دیتے تھے جیسے حرب کو عرب،

(۷) بنو قضاعہ ی کو ج کر دیتے تھے جیسے تیمی کو تمیج.

(۸) بنو سعد ع کو ن کہتے تھے جیسے اعلی کو انطی.

لیکن یہ تمام اختلافات صرف قرأت وتلاوت سے تعلق رکھتے تھے طرز تحریر پر ان کا کوئی اثر نہین پڑتا تھا کیونکہ اول اول قرآن مجید صرف قریش کی زبان بلکہ قریش مین بھی صرف رسول اللہ صلعم کے قبیلے کی زبان مین نازل ہوتا تھا اور اسی کے موافق لکھا جاتا تھا اس کے بعد لوگون کی آسانی کے لیے مختلف لب ولہجہ مین تلاوت کی اجازت دیدیجاتی تھی چنانچہ خود بخاری مین یہ روایت موجود ہے،

اقرانی جبرئیل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزید فی حتی انتھی الی سبعۃ احرف | مجھکو جبریل نے قرآن کو صرف ایک حرف کے مطابق پڑھایا لیکن مین بار باران سے اس پر اضافہ چاہتا رہا اور وہ اضافہ کرتے رہے یہان تک کہ سات حرف تک پہنچے،

بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہین،

ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ، | یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہو تو ان مین جو آسان معلوم ہو اسکے مطابق پڑھو،

اس کے ساتھ اور بھی بعض وجوہ تھے جنکی بنا پر قرآن مجید کا طرز تحریر ان اختلافات سے غیر متاثر رہتا تھا،

(۱) اولاً تو بعض اختلافات ایسے تھے جنکا کوئی اثر طرز تحریر کے اختلاف پر پڑ ہی نہین سکتا تھا، مثلاً قریش واسد زبان مین اگرچہ یاے مضارع کو فتحہ یا ضمہ ہوتا تھا اور ان کے علاوہ دوسرے قبائل اس کو کسرہ دیتے تھے، تاہم چونکہ اس زمانے مین اعراب کا رواج نہین تھا، اسلیے ان صیغون کے لکھنے مین کوئی اختلاف ہو ہی نہین سکتا جن الفاظ مین نقطون کے تغیر سے اختلاف ہو جاتا ہے، مثلاً حدب اور حدیث ان کا بھی یہی حال ہو کیونکہ

نقطے بھی بعد کی چیز ہیں،

(۲) ثانیاً اگرچہ بنو تمیم تمام قبائل عرب کے خلاف گ بولتے تھے، ربیعہ اور مضر مونث میں کاف خطاب کے بجائے ش بڑھا دیتے تھے، شمالی عرب میں علامت جمع نون اور جنوبی میں میم تھی، شمالی عرب میں حرف تعریف الف اور جنوبی میں میم تھا، بنو تمیم ہمزہ ابتداء کو اور بنو ہذیل ح کو عین، بنو قضاعہ ی کو ج کر دیتے تھے اور بنو سعد ع کو ن کہتے تھے، لیکن یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ جس طرح ان قبائل کے لب و لہجہ میں اختلاف تھا اسی طرح ان کے طرز تحریر میں بھی اختلاف تھا، خود ہمارے زمانے میں پنجاب کے لوگ ق کا تلفظ نہیں کر سکتے اور قرآن کو کران کہتے ہیں، لیکن اس کا کوئی اثر طرز تحریر پر نہیں پڑتا اور پنجاب کے لوگ بھی قرآن کو قرآن ہی لکھتے ہیں، بعینہ اسی طرح ممکن ہے کہ اہل عرب کے لب و لہجہ میں تو اختلاف ہو لیکن طرز تحریر میں اختلاف نہ ہوا اس لیے لب و لہجہ کے اس اختلاف کا کوئی اثر قرآن مجید کے طرز تحریر پر نہیں پڑ سکتا،

بہر حال ان اسباب سے رسول اللہ صلعم کے زمانے تک قرآن مجید کے طرز تحریر و کتابت میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوا اور عہد صدیقی میں بھی جو قرآن مرتب ہوا وہ چونکہ انھی اجزاء سے مرتب کیا گیا تھا جن پر عہد رسالت میں قرآن مجید لکھا گیا تھا اس لیے اس میں بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا، البتہ اس کے بعد لوگوں نے بطور خود جو مصاحف مرتب کئے تھے ان میں باہم اختلاف تھا، اس لیے قرآن مجید کا جو نسخہ ابتدائی نزول کے مطابق صرف قریش کی زبان میں لکھا گیا تھا، اسی کے ذریعہ سے ان تمام اختلافات کو دور کیا جا سکتا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اسی سے نقل کرا کے مختلف مصاحف مرتب کروائے اور ان کے علاوہ جس قدر دوسرے مصاحف موجود تھے ان سب کو ضائع کرا دیا اور اب قرآن مجید میں ان اختلافات کا کوئی وجود نہیں ہے،

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ایک سوال کا جواب تھا، جو اس روایت کے متعلق ہم سے کیا گیا تھا، لیکن یہ سوال یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ روایت خود قرآن مجید کی بعض آیتوں کے بھی مخالف معلوم ہوتی ہے، مثلاً خداوند تعالیٰ نے مختلف آیتوں میں قرآن مجید کی جو خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں ان میں ایک تو

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا — اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو ضرور اس مین بہت سے اختلاف پاتے،

لیکن کیا قرآن مجید کا سات حروف پر نازل ہونا اس آیت کے صریح مخالف نہین ہے ؟ کیا اختلاف کی اس سے زیادہ واضح کوئی اور مثال مل سکتی ہے ؟ امام رازی نے اس آیت کی تفسیر مین لکھا ہے کہ سورتون کا چھوٹا اور بڑا ہونا اس آیت کے مخالف نہین ہے، لیکن انھون نے اختلافِ حروف سے کوئی تعرض نہین کیا ہے، البتہ امام شاطبی نے الموافقات فی اصول الاحکام مین ضمناً ایک موقع پر اس سوال کا جواب دیا ہے، چنانچہ انھون نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"شریعت کے سمجھنے کے لیے امیون یعنی اہل عرب کی رسم و عادت کی پیروی کرنی لازمی ہے جنکی زبان مین قرآن مجید نازل ہوا ہے، پس اگر اہل عرب کی زبان مین کوئی مقررہ رواج موجود ہو تو شریعت کے سمجھنے مین اس سے تجاوز کرنا صحیح نہین ہے، لیکن اگر اس قسم کا رواج موجود نہین تو ایسی روش اختیار نہین کرنی چاہیئے، جس سے اہل عرب واقف نہ ہون، مثلاً اہل عرب کا ایک اصول یہ ہے کہ جب تک معانی محفوظ رہ سکتے ہین وہ الفاظ کی پابندی ضروری نہین سمجھتے، اور اس سے ان کے کلام کی صحت و استقامت مین کوئی خلل واقع نہین ہوتا، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بہت سے کلام مین قوانین کلیہ اور ضوابط مستمرہ کی پابندی نہین کرتے، اور بلا ضرورت بہت سے منثور کلام مین نظم کی روش اختیار کرتے ہین، اور جو چیز ان کے مقاصد کو بہترین طور پر ظاہر کر سکتی تھی اس کو چھوڑ دیتے ہین اور اس کو کسی قسم کی کمزوری یا کمی نہین خیال کیا جاتا،

بعض الفاظ کی بنا پر وہ ان الفاظ سے بے نیاز ہو جاتے ہین جو ان کے مرادف یا قریب المعنی ہون، بشرطیکہ معنی مقصود ٹھیک طور پر ادا ہو جائے، اور اسکو اختلاف یا اضطراب خیال نہین کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، جو سب کے سب کافی و شافی ہین، اہل قرأت ہمیشہ ان روایات

پر جوان کے نزدیک صحیح یعنی مصحف کے موافق ہین عمل کرتے چلے آئے ہین، اگرچہ بظاہر دونون قراتون مین معناً اختلاف نظر آتا ہے لیکن وہ لوگ بلاشک واشکال قرآن ہی کی قرأت کرتے ہین، کیونکہ مقصود خطاب کے موافق اول سے آخر تک کلام کے معنی ٹھیک ہین اور ان مین کوئی تفاوت نہین ہے مثلاً مالک اور ملک (وما یخدعون الا انفسہم) (وما یخادعون الا انفسہم) وغیرہ مین کیونکہ ان سب آیتون مین مقصود خطاب کے سمجھنے مین کوئی تفاوت نہین ہے،

یہ عرب کی ایک عادت تھی، چنانچہ ابن جنی نے عیسیٰ بن عمرو سے روایت کی کہ مین نے ذوالرمہ کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا،

وظاہر لہا من یابس الشخت واستعن علیہا الصبا واجعل یدیک لہا سترا

تو مین نے کہا کہ تم نے میرے سامنے "من بائس" پڑھا تھا تو اس نے کہا کہ یابس اور بائس ایک ہین تو دیکھو کہ ذوالرمہ نے بوس اور یبس کے اختلاف کی پروا نہین کی کیونکہ شعر کے معنی دونون طریقے پر ٹھیک تھے، ان کے اشعار مختلف روایات اور مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہین اور ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی لفظ کا التزام اس خصوصیت کے ساتھ نہین کرتے تھے کہ اس کا مرادف یا قریب المعنی لفظ عیب یا ضعف خیال کیا جائے[1]،،

قرآن مجید تمامتر اہل عرب کے لغت وعادت کے مطابق نازل ہوا ہے اسلیے اسکے الفاظ مین اس قسم کے معمولی اختلافات کا ہونا اسکی فہم مین خلل انداز نہین ہوسکتا، اسکے ساتھ بعض اصول اور بھی تھے جنھون نے ان اختلافات کو ضروری کردیا تھا مثلاً افہام وتفہیم کا ایک اصول یہ ہے کہ ایسی روش اختیار کیجائے جو تمام عرب کے لئے عام ہو کیونکہ تمام باتون مین لوگون کی سمجھ یکسان نہین ہوتی البتہ عام جمہوری معاملات مین تمام لوگون کی سمجھ تقریباً یکسان ہوتی ہے کتاب وسنت کا سمجھنا بھی اسی اصول کے تحت مین داخل ہے، اسلیے ان کے معانی کو بھی تمام عرب کے لیے مشترک ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا اور اسمین تمام لغات کو شریک کر لیا گیا تاکہ عرب کے تمام قبائل اسکو سمجھ سکین خود ترمذی مین ہے

---

[1] الموافقات ج دوم ص ۵۴-۵۵؛

حدیث موجود ہی کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت جبرئیل سے ملاقات کی تو فرمایا کہ اے جبرئیل مین ایک ان پڑھ قوم مین مبعوث کیا گیا ہون جن مین بوڑھی عورتین بوڑھے مرد، لڑکے لڑکیان اور ایسے مرد موجود ہین جنھون نے کبھی کوئی کتاب نہین پڑھی، تو انھون نے کہا کہ آپ محمد قرآن سات حرفون پر نازل کیا گیا ہی، لیکن بااینہمہ بعض صحابہ قرآن مجید کو عام کلام عرب سے مختلف اور اہل عرب کی اس عادت سے بالاتر سمجھتے تھے اور اسکو افہام و تفہیم کے اس اصول کے تحت مین داخل نہین کرتے تھے، اسلیے جب وہ قرآن مجید کی مختلف قرأتین سنتے تھے تو ان کے دل مین شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے تھے، اور ان اصول کے مطابق رسول اللہ صلعم کو انکے ازالہ کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ صحیح بخاری مین ہی کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ہشام بن حکیمؓ کو خود رسول اللہ صلعم کی زندگی مین سورہ فرقان کو مختلف طریقون سے پڑھتے ہوے سنا جو ان طریقون کے مخالف تھے جنکے مطابق آپ نے ان کو قرآن مجید کی تعلیم دی تھی اسلیے انھون نے سختی کیساتھ اُن سے اختلاف کیا اور انکو پکڑکر آپکی خدمت مین لائے تو آپ نے دونون کی قرأتون کو سنکر فرمایا،

ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف — یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہی، تو ان مین جو آسان

فاقرؤا ما تیسر منہ — معلوم ہو اس کے مطابق پڑھو،

صحیح مسلم مین ہی کہ ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ مسجد مین تھے کہ ایک شخص نماز پڑھنے آیا اور اس نے ایسی قرأت کی جس سے انھون نے اختلاف کیا، اسکے بعد دوسرا شخص آیا اور اس نے اس سے مختلف قرأت کی، جب سب نماز پڑھ چکے تو ایک ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین حاضر ہوے اور حضرت ابی بن کعبؓ نے ان دونون کی اختلاف قرأت کا واقعہ بیان کیا آپنے دونون کی قرأتین سنکر دونون کی تعریف کی جس سے حضرت ابی بن کعبؓ کے دل مین آپکی تکذیب کا خیال پیدا ہوا آپ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس سے وہ عرق عرق ہو گئے اور خوف کے مارے ان کو خدا نظر آنے لگا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے ابی میرے پاس یہ پیغام آیا کہ مین قرآن کو صرف ایک حرف کے مطابق پڑھون، مین نے درخواست کی کہ میری امت پر آسانی کر، دوبارہ پیغام آیا کہ مین دو حرفون کے مطابق پڑھون، مین نے درخواست کی کہ میری امت پر آسانی کر، تیسرے بار پیغام آیا کہ مین اسکو سات حروف کے مطابق پڑھون،

---

[1] الموافقات فی اصول الاحکام جلد دوم صفحہ ۵۶ — ۵۷،

ایک کمیاب اردو مخطوطہ
"قصہ حضرت تمیم انصاری"
(کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں)

(۲)

از مولوی عبد القادر صاحب سروری اسسٹنٹ پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کالج

قلم اب توں اِتّی قصہ بے نظیر　　شتابی سوں لکھ مختصر دلپذیر

اب آگے قصہ بیان ہوا ہے کہ

"ایک روز حضرت عمر فاروقؓ فریضۂ فجر ادا کرکے وعظ فرما رہے تھے کہ ایک عورت جس کے متعلق بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تمیم انصاری کی بی بی تھی پریشان حال آتی ہے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کرتی ہے،

کہی مجھ اوپر بہوت ہی سخت حال　　میرا مرد غائب ہوا چار سال

کھانے پینے کا سامان بھی نہیں، اب آپ سے اجازت لینے آئی ہوں کہ اگر آپ کی رضا ہوئے تو عقد دوسرا کروں؟ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے اس کو کچھ دن اور انتظار کرنے کے لئے فرمایا، لیکن اس کے بعد بھی جب اس کے شوہر کا پتہ نہیں چلا تو حضرت عمرؓ نے اسے نکاح ثانی کی اجازت دیدی اور ایک صاحب نکاح کرنے کے لیے راضی بھی ہوگئے، دہین عقد کی رسم ادا ہوگئی، مصنف نے اس عورت کے پہلے شوہر کا نام نہیں بتایا، بلکہ تمیم انصاری کے اپنی مہمات ختم کرکے واپس آنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ غائب شدہ شوہر یہی تھے، اسی طرح دوسرے

لہ یہ سنہ لکھ،

صاحب کا نام بھی نہین لکھا جنھون نے تمیم انصاری کی بی بی سے عقد کیا تھا،

الغرض نکاح کے بعد جب یہ مکان پہنچے تو اتفاق سے جمعرات تھی وہ خدا کی عبادت کر ہی رہے تھے کہ حضرت تمیم انصاری آجاتے ہین، ان کو دیکھکر ان کی بی بی ان کو پہچان نہین سکین، اور ان کو دھوکہ باز شخص تصور کر کے حضرت عمرؓ کے پاس لیجاتی ہین اور گذرے ہوے حالات سناتی ہین، حالات سنکر حضرت عمرؓ متعجب ہوے اور دونون کو لے کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے، یہان تمیم انصاری اپنا قصہ بیان کرتے ہین کہ ایک رات مجھے غسل کی ضرورت محسوس ہوئی، بی بی سے مین نے پانی گرم کرنے کے لیے کہا، اور جلدی کی تو اس نے جھنجھلا کر کہا کہ صبر کیون نہین کرتے کیا تم کو دیو پکڑ لیجاتا ہے، ایسے مین ایک دیو مجھکو لیکر اڑ گیا اور زمین کے پانچوین طبق مین لیجا کر پھینکا، یہان اُن کو قسم قسم کی مخلوقات نظر آئی، ایک دھاکا ہوا اور یہ مخلوقات جو دیو[1] پری وغیرہ پر مشتمل تھی ظاہر ہوئی، پریان اکثر سلح پوش اور ہوا پر اُڑ رہی تھین، اُن کی سردار پری ہوا سے اتر کر تمیم انصاری کے پاس آئی، اور اُن کو ان کے نام سے مخاطب کر کے سلام کیا، حال دریافت کر ہی رہی تھی کہ دیوون کی ایک فوج نمودار ہوئی، اور پریون مین اور ان مین جنگ شروع ہو گئی، پریون کو فتح نصیب ہوئی، اور سردار پری نے بعد فراغ جنگ ساتھیون سے کہا کہ تمیم انصاری کو "پیر پری" کے پاس لے جا کر ملاؤ، گھوڑے پر سوار ہو کر چلے، بعد مین معلوم ہوا کہ وہ پہلے پانچوین طبق زمین مین تھے اور اب دوسرے مین پہنچ گئے ہین، پیر پری کے پاس پہنچے تو اس نے مہربانی کی، اور پوچھا کہ کیا رسول خداؐ جہان مین حیات ہین"۔ انھون نے کہا کہ "رحلت علیہ السلام ہوے" اس پر وہ رونے لگی، اور بے ہوش ہو گئی، جب ذرا سنبھلی تو پوچھا کیا تم نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے؟ تمیم انصاریؓ نے فرمایا کہ ہان، اس پر اس نے حضرت تمیم کی آنکھون کو چوما، گھر مین لے گئی اور کہا کہ اگر تم مجھکو مصحف پڑھاؤ تو مین تم کو مکان بھجوا دون، حضرت انصاریؓ نے اس کو قرآن پڑھایا، جب ختم ہوا تو پری نے بڑا جشن منایا،

---

[1] غالباً یہ سردار پری ہے،

اس دوران میں انصاری نے ایک رات خواب میں اپنا وطن دیکھا اور زار زار رونے لگے، اُن کو روتے دیکھکر پری نے ماجرا دریافت کیا، حضرت تمیم نے سارا واقعہ سنایا جسپر اس نے رحم کھا کر ایک دیو کو حکم دیا کہ اُن کو مکان پہنچا دے، جانے سے قبل تمیم انصاری کو اُس نے ایک دعا بھی سکھا دی، جس سے مصیبت میں کام لیا جا سکتا تھا، دیو جوان کو لے کر اڑ رہا تھا، راستہ میں آسمانون کے قریب فرشتون کی گن سن لینے ٹھہر گیا، فرشتون کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھون نے ایک آگ کے گرز سے اسکو مار کر فنا کر دیا، اتفاق سے تمیم کو پری کی سکھائی ہوئی دعا یاد آگئی جس کے پڑھنے سے وہ بچ گئے،

دوسرا مقام، اس ساقی نامے سے شروع ہوتا ہے،

ایتا تون تو اے ساقی خوش خرام پلا خوش صراحی سو بھر بھر کے جام

صراحی مدن روح کا ہے ہما کہ دولت کون یو مرغ ہے رہنما

جب تمیم انصاری کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک وسیع بیابان میں پایا، جہان کسی جاندار کا پتہ نہ تھا، وہ تھوڑی دیر ہی اس پریشانی میں رہے ہونگے کہ ایک مرغ کہ جس میں ہزارون رنگ تھے" ان کی طرف بڑھا اور سلام کرکے گھر کو پہنچنے کی امید دلائی، ان کی بھوک پیاس کے دور کرنے کے لیے ان کو ایک عیش فزا باغ میں لیجا کر ایک ایسا پھل توڑ کر دیا جس کی تعریف صنعتی نے اس طرح کی ہے،

جبی رنگ رخسار خوبان تے لال مٹھائی مین محبوب کی لب کی مثال

خنک تھا عجب وصل کے حال تے ادک نرم معشوق کے گال تے

پھل کی صفت یہ تھی کہ گو وہ مختصر تھا، لیکن کبھی ختم ہی نہین ہوتا تھا، مرغ نے ان کو گھر کا راستہ بتلایا کہ سیدھا قبلہ کی طرف چلے جاؤ، یہ کہکر مرغ غائب ہوگیا، اور یہ رات وہین بسر کرنے کے لئے ٹھہر گئے، رات کو باغ کا عجب حال تھا آپ ہی آپ تمام درخت روشن ہو گئے، اور ان کے پتون کی حرکت سے انسان کی گفتگو کی سی آواز پیدا ہونے لگین، صبح ہوتے ہی یہ پھر اپنی منزل طے کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہین،

تیسرا مقام،

ساقی نامہ اتا ساقی وہ دور آتا ہے خاص پلا جام اور غیر تے کر خلاص

صفائی تے اس دلکوں مجہ پاک کر قیامت کی ہولان تے بے باک کر

تیسرے مقام مین تمیم انصاری کا گذر ایک ہولناک جنگل مین ہوتا ہے، جس مین غول آباد تھے، اس وقت پیاس کی شدت سے حضرت تمیم بیتاب ہو رہے تھے، ان مین سے ایک مقبول صورت غول نے ہمدردی کا اظہار کیا، پانی تک پہنچانے کے حیلے سے حضرت تمیم کو لے چلی اور ایک سراب کے کنارے پہنچا کر غائب ہو گئی، پھر ایک بلا کی شکل مین نمودار ہوئی، اور حضرت تمیم کے پیچھے دوڑنے لگی، اس دعا کی برکت سے نجات ملی، وہ ایک باغ مین پہنچے، پھل وغیرہ کھا کر سستایا، اور چلے ہی تھے کہ ایک دوسری آسمانی بلا کوہ غلطان کی طرح ان کی طرف آتی ہوئی نظر پڑی، حضرت تمیم کے پاس آکر اس نے سلام کرکے کہا کہ مین وہی دابۃ الارض ہون جسکا ذکر قرآن شریف مین آیا ہے، حضرت تمیمؓ نے اس سے مکان کا راستہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ تم سیدے قبلہ کی رخ چلنے لگو، مکان پہنچ جاؤگے،

چوتھا مقام اس ساقی نامہ سے شروع ہوتا ہے.

اتا ساقی آدلکون مجہ[1] دے جیلا سو کشتی سنے[2] مجہ کول دریا پلا

میری دل کی کشتی کی تختیان کون سانڈ سوا ور زر کی کشتی کو تا وزار باند

چوتھا مقام، دہان سے شروع ہوتا ہے، جب تمیم انصاری ایک پہاڑ کے قریب پہنچے ہین، اس پہاڑ کے قریب انھین ایک مسجد نظر آتی ہے، جس مین ایک مرد بزرگ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے، تمیم انصاری ان سے جاکر ملتے ہین، غار مین ایک باغ تھا جہان کچھ میوے کھا کر آرام لیتے ہین، پیر مرد اپنے حالات بیان کرتے ہین کہ مین یہان اسی طرح کئی سال سے عبادت الٰہی مین مشغول ہون، ہر دو سال کو ایک جہاز آتا ہے،

[1] ہول کی جمع [2] مجھ [3] مین،

جس کے لوگ مجھے کچھ کپڑے وغیرہ دے جاتے ہین، یہ وقت بھی جہاز کے آنے کا تھا، چنانچہ چاند نظر آیا اور ساتھ ہی جہاز بھی آگیا، پیر عابد نے جہازیون سے تمیم انصاری کی سفارش کر کے ان کو مکان پہنچانے پر آمادہ کردیا، انصاری وہان سے روانہ ہوے، صنعتی کشتی کی تعریف اس طرح کرتے ہین،

دیکھ کشتی کو[1] تون سر بسر   کہ یک شہر چلتا ہے پانی اوپر
پھرتین جہاز او جون زن باردار   سو یک پیٹ مین اسکے طفل کئی ہزار
کرے پادن یون پیٹ مین لیکو دھاؤن   کہ جون پیٹ مین سانپنی لیکو پاؤن
رتین[2] مین زمین یون دستی تا بدار   دسین جل پو دیپک ہزاران ہزار

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صنعتی نے دریا کا سفر بھی کیا تھا، یا کم سے کم انھین کسی ساحلی مقام سے جہاز کو چلتے دیکھنے کا ضرور اتفاق ہوا تھا، یہ کوئی غیر معمولی بات نہین کیونکہ اس وقت (سنہ ء) مین مغربی قومین ہندوستان مین کثرت سے آنے جانے لگی تھین، تاہم یہ ضرور ہے کہ عوام اسکو ایک اعجوبہ ضرور خیال کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صنعتی نے بلیغ تشبیہون کے ذریعہ ایک جہاز کا حال سمجھانے کی کوشش کی ہے،

وہ جہاز جس مین تمیم انصاری چلے تھے، راستہ مین طوفان کی وجہ سے پہاڑ سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے اور یہ اتفاق سے ایک تختے پر صحیح و سالم خشکی تک پہنچے،

مقام پنجم،

اتا ساقی او لیا شراب کہن   جو ستّا[1] اگن[2] اژدہا کے نمن
کہ دمبدم پیکو او جام خاص   اچھون[3] غم کی مین اژدہا سے خلاص

تمیم انصاری اسی طرح چل رہے تھے، شام ہوگئی، اندھیرے مین انھین ایک جگہ سے روشنی آتی ہے، یہ اس طرف جاتے ہین، جواہرات کا ایک ڈھیر نظر آتا ہے، یہ ابھی اس کو دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک

---

[1] پھر [2] اسکے [3] دو [4] رات [5] دیکھے [6] وہ لاشہ ڈالتا، برساتا [7] آگ [8] رہون، ہوجاؤن،

پڑا اژدہا ان کی طرف دوڑتا ہوا نظر پڑا، قریب تھا کہ وہ ان پر حملہ کرے، ان کو یکایک پری کی سکھائی ہوئی دعا یاد آگئی جس کے اثر سے اژدہا غائب ہو گیا، وہ پھر چل کھڑے ہوے، لیکن مکان کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا، آخرکار مایوس ہو کر خودکشی پر تیار ہو جاتے ہیں ۔

مقام ششم،

آ ساقی او جام خوش ہات دے   سو ایسی کہت ریسمان ہات دے

کہ ناگاہ مین لیکو او ریسمان   چڑ ون یک بلندی اوپر بیگمان

اپنے مار لینے کے لیے تمیم انصاری پتھر تلاش کر رہے تھے کہ ایک خوشرو جوان نظر آیا اس نے ان کو خودکشی سے روکا، اور سمجھایا کہ گھر قریب ہی ہے، ہراسان نہ ہو اور کہا کہ اگر تو میرا ساتھ دے اور مین جو کچھ کہون کرے تو تجھے ایک ملک کا بادشاہ بنا دون گا، مکان پہنچا دونگا، تمیم انصاری راضی ہو گئے اس جوان نے ان کو کھلایا، پلایا اور جب چلنے کے لیے تیار ہوے تو وہ خاک مین لوٹ کر ایک مرغ کی شکل مین نمودار ہوا، اس نے تمیم سے کہا کہ میرا پیر مضبوط پکڑ لو، اس کے بعد وہان سے اڑ کر چلے۔

مقام ہفتم۔

آ ساقی وہ جام لیا لے بدل   کہ جستی کھلین خوش دلان کی محل

پلا دمبدم بھر کو او صاف جام   کہ دل کے کھلین قفل جستی تمام

دو روز کے بعد مرغ تمیم انصاری کو لیکر ایک جزیرے مین پہنچا، یہان ایک عالیشان محل کے پاس ان کو اتار کر پھر اگلا سا جوان بنگیا، اپنے پاس سے ایک ریسمان کو قفل پر پھرایا جس سے قفل کھل گیا، حضرت تمیم کو اندر لیکر چلا، یہ عمارت نو محلون پر مشتمل تھی، لیکن ہر ایک کی حفاظت شیاطین، سانپ اور کژدم وغیرہ کر رہے تھے، جب یہ جاندار ان کی طرف بڑھنے لگے تو اسی ریسمان کی مدد سے وہ ان بلاؤن سے بچکر نکل گئے،

مقام ہشتم،

اتا دمبدم ساقی لیا وہ نبیذ — کر ھل من مزیدم وھل مین مزید[1]

مین جم جم ہون ،جسم جامکا مشتری — کرون تخت جم کا ہو انگشتری

اس نوجوان کے ساتھ حضرت تمیم انصاری نوین محل مین پہنچے ، وہان تخت پر سلیمان علیہ السلام سورہے تھے، ان کے ہاتھ مین انگشتری تھی، جس کے اثر سے تمام جاندار اور بے جان ان کی اطاعت و حفاظت کے لیے تیار رہتے تھے. نوجوان جو دراصل دیو تھا اس انگشتری کو حاصل کرنے کا درپے تھا، ریسمان کی مدد سے وہ جوان تخت تک پہنچ گیا اور انگشتری نکالنے کو ہی تھا کہ ایک بڑی ہولناک آواز ہوئی، جوان کا کلیجا پھٹ کر وہ مرگیا، ایک آواز نے تمیم کو بھاگ جانے کی تاکید کی، تمیم کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آواز جبریل کی تھی، جبریل نے تمیم سے کہا کہ تخت کے نیچے ایک انگوٹھی ہے تو اس کو لیکر رکھ لے اس سے تکلیفین آسان ہونگی، انگشتری لیکر وہ چلے،

مقام نہم :-

اتا ساقی او شاہد گلعذار — پلا لیا کو شیشی کی پرتی بہار

جو شیشی مین ہے او مئی لعل گون — کر پردے منی خوب محبوب جون

تمیم انصاری محل سے نکلکر کچھ دور پہنچے تھے کہ راستہ مین ایک مکان پر سے گذر ہوا جس کی مالک ایک حسین عورت تھی، اس کی حاملہ ماں کو وہی دیو محل سے اڑا لایا تھا جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، یہ درحقیقت پری تھی، اس نے تمیم سے دیو کی مہم کے حالات سنے، تمیم نے اس سے پوچھا کہ تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوگیا، اس نے جواب دیا کہ مین نے توریت مین یہ پڑھا تھا کہ ادھر انسان کا گذر نہین ہوگا سوا ے محمد نبی کے ایک بار تمیم انصاری کے، اس سے مجھے تمہارے پہچاننے مین دشواری نہین ہوئی تمیم انصاری نے اس کی خواہش پر اسکو مسلمان کیا، اور کچھ دنون ٹھہرنے کے بعد اس سے رخصت ہوکر

[1] لاکر،

پری نے جس دیو کو پہنچانے کا حکم دیا تھا وہ ایک سمندری پہاڑ پران کو بچا کر بھاگنے سے انگشتری چھین اور دھوکہ دیکر بھاگ گیا، یہ ابھی وہان سے چلے ہی تھے کہ ایک اور دیو نے ان کو پہاڑ سے نیچے پھینک دیا، لیکن پری کی دعا سے یہ بچ گئے اور گھر کی راہ لی،

مقام دہم،

اتا ساقی اس روح کون دیران ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ اس آخر زمانے کی فتنیاں[1] کون بان
جوتا[2] اس کی مستی سون مین ساند کر ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ سٹون[3] غم کے دجال کون باند کر

راستہ مین ایک درخت کے نیچے ستا رہے تھے، ایک قوی ہیکل دیو وہین بندھا ہوا تھا، اس سے ان کی گفتگو ہوئی، اس کے بعد اس نے زور کرکے اپنی زنجیرین توڑین اور تمیم کو پکڑ کر پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ ایک فرشتہ نمودار ہوا، اس نے ان کو بچایا اور دیو کو دوبارہ درخت سے مضبوط باندھ دیا، دیو دجال لعین تھا،

مقام یازدہم،

اتا ساقی لیا اور رنگین مدن ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ شہیدان کی مانند خونی کفن
کرتا اس کی مستی سون ہو کر سعید ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ پڑیکی اچھون تیغ کا مین شہید

کچھ دور یہ چلے تھے کہ انھین ایک اور محل نظر پڑا، اندر جانے پر دیکھا کہ ایک کمرہ مین بہت سے تن بغیر سر کے پڑے ہوئے ہین، چار سوار ان کی حفاظت کر رہے ہین، ان سے پوچھنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت ؐ کے صحابی ہین جو شہید ہوئے تھے، اور یہ سوار نوح علیہ السلام کے زمانہ سے یہان پر سرحدمت ہین، اس مقام پر شہید اآگر کھاتے پیتے ہین، سوارون نے تمیم انصاری کو گھر کا پتہ بھی دیا، یہ چلے عرصہ کے بعد ایک عالیشان باغ ملا، بے حد پرفضا، ایک درخت کے تلے ایک پیر مرد

---

[1] فتنون کو [2] تاکہ [3] پھینکون

تسبیح خوانی مین مصروف تھے انھون نے حضرت تمیم سے کہا کہ مدینہ مین تیری تلاش ہورہی ہے، تو کہان غائب تھا، وضو کر اور فلان پیر کے پاس جاکر حال بیان کر وہ گھر پہنچا دینگے،

مقام بارہوان،

اتا آتون اے ساقی خضر کن | پلا جام اوآب حیوان من
کرتا اس کی مستی سون پامین حیات | اچھون خوش سدا مل عزیزان کے سات

یہ پیرِ مرد جن کا پتہ دیا گیا تھا وہ حضرت خضر تھے، گذشتہ مقام سے چار دن کے راستہ پر ایک نہایت سرسبز و شاداب سرزمین مین رہتے تھے، تمیم جب ان کے پاس پہنچے، اور سلام علیک ہوئی، مکان کا پتہ دریافت کیا، حضرت خضر نے سو سال کی راہ پر تبلایا، تمیم کو یہ سنکر سخت رنج ہوا، لیکن حضرت خضر نے سمجھا کر اپنے ساتھ رکھا اور کچھ دنون بعد ایک ابر جو مدینہ پر برسنے والا تھا حضرت خضر سے اجازت طلب کرنے آیا، اس کے ہمراہ خضر نے تمیم کو مدینہ روانہ کیا،

حضرت علیؓ نے اس قصہ کو سنکر فرمایا کہ یہ سب درست ہے، کیونکہ مجھے اسکی خبر خدا کی طرف سے ہو چکی ہے، پھر تمیم کو ان کی بی بی عطا ہوئی،

ان اشعار پر قصہ ختم ہوتا ہے،

اتا ساقیا عشق کا جام لیا | سو اوجام نیکو سرانجام لیا
کرتا مل بیوین سب عزیزان کے سات | جو ہی زم خوش دلکی یاران سنگات
بحمد اللہ از حسنِ توفیقِ رب | ہوا نظم دلخواہ تو ختم سب

یہ قصہ تاریخی حیثیت سے اعلیٰ کارنامہ نہین، تاہم اس کی دو خصوصیات کسی حال مین بھی نظر انداز نہین کیجا سکتین، ایک طرف تو یہ کہ تین سو سال پہلے دکن کی اردو کا یہ ایک نمونہ اور اردو منظوم قصون کی تاریخ کی ایک مفید کڑی ہے، ابتدائی حصہ مین ہم نے مذہبی روایات اور خصوصیات

کا اثر قصون پر ظاہر کیا ہے، یہ قصہ اس کا مزید ثبوت ہے،

دوسری طرف قصے اور ادبی نقطۂ نظر سے بھی اس کا مطالعہ کچھ کم دلچسپ نہین، اس مین قدیم قصون کی خصوصی خوبیان بڑی حد تک موجود ہین، قصہ نگار نے اپنے تخیل سے ہر جگہ ایک عالم تصور (IDEAL WORLD) پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس عالم کی تکمیل کے لیے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ فوق فطری عناصر سے مدد لی ہے، کبھی وہ آن واحد مین پانچوین طبق زمین مین پہنچ جاتا ہے، کہین آسمان کے فرشتون کی کن سوئیان لینے لگتا ہے، کہین ناممکن الوقوع بلاؤن مین وہ گرفتار ہو جاتا ہے، اور پھر ایک نقطہ کی مدد سے اس جال سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے، ایک جگہ وہ ایسی مکمل اور تصوری دنیا کا ایک رخ پیش کرتا ہے جس پر فردوس کو بھی جاے رشک ہے، باغ جس کے میوے کا ایک دانہ ایک شخص کی بھوک اور پیاس کو ہمیشہ کے لیے بجھا سکتا ہے، پتیان ہلتی ہین تو موسیقی پیدا ہونے لگتی ہے وہی پھل جو دن مین آپ کی بھوک پیاس کو دور کرتے، رات کو ایک قدرتی نور سے عرش کی قندیلون کی طرح منور ہو جاتے، غرض اس جہان کا عیش مکمل اس کے مصائب تصوری، اور ہر شے پختہ کار یہی عناصر تھے جن سے تمام قدیم داستان نگارون نے استفادہ کیا،

اس فنی پہلو سے بھی قطع نظر کر لیجئے، قدیم وسیع دکنی ادب کے مطالعہ کے دوران مین مجھے سواے وجہی اور چند اعلیٰ پایہ شاعرون کے کلام کے، تھوڑے ہی کارنامے ایسے نظر آسکے جو صنعتی کے اس قصے کے بعض ادبی پارون سے بہتر ہون،

شعریت کی صنعتی بڑی عزت کرتا ہے، اس کے لیے سخن، الہام تھا،

سخن گنج ہے عالم غیب کا سخن موج زن ملک لاریب کا

یہ خوبی سخن ہی مین موجود ہے کہ اس کے لیے مشکل سے مشکل چیز کوئی حقیقی رکاوٹ نہین، حتی کہ وہ حصے بھی جو مصور کی پہنچ سے باہر ہین سخن کی قلمرو مین داخل ہین،

سخن کا عجب ہے گگن بے حساب | جو یک پل مین لیاتا ہے کئی آفتاب
جو کچھ ہے شہادت مین اور غیب مین | سخن کی سماتا ہے آجیب مین

یہ ضروری نہین کہ ہر شخص جو لکھ پڑھ سکتا ہو یا معانی کو وزن قافیہ اور ردیف کے اندر مقید کر سکتا ہو شاعر کے موقر لقب سے موسوم کیا جائے، شاعری جس قدر دلچسپ، ہر دلعزیز اور آسان ہے اس سے زیادہ مشکل بھی ہے،

نہ ہر کوئی سخن کا سزاوار ہے | نہ ہر قطرہ لولوی شہوار ہے

آگے مسلسل تشبیہون کے ذریعہ اسکی وضاحت کی ہے،

اگر ہر ستارہ اچھے آفتاب | تو خورشید کون کیا رہتا آب و تاب
کہان ہوئے کودن سے شعر سلیم | کرے کاٹ کان آرہ برگ نیم
نہ محنت بغیر یہ گہر ہات آئے | نہ چھیدے بغیر کان مین در سہائے

پریون اور دیوون کی لڑائی کا سمان بھی صنعتی کے غائر مشاہدہ کا ثبوت ہے،

سو کہنے کون دیوان اوپر مار مار | چلیا دل پریان کا ہزاران ہزار
پریان کی ترنگ جب ہوا تے اٹھے | سکے تون گگن نے شہایان چھٹے
ہوا پر سون پریان کیا فوجیان چلیان | تون بولے کہ دریا کیان موجان چلیان
ہویان روبرو جب صفان بیشمار | ہتھیاران سنبھالے سو مارے ہنکار
غصے سون پری یکسو یک سر بسر | پری دیو پر، دیو پریان اوپر
جو سینے تے کینہ آپس سار شنے | لگے یک پو یک بے جگر مارنے
دسین لہو سون یون لال پریان کے بھال | کہ تنبول کھائے ہین جون جیب لال
ادھر تے اودھر اودر اودھر تے ادھر | پریان جائین دیوان کی صف چیر کر
پریان یون چلیان دیو مین ہر رخ | کہ تک ابر مین جلد بجلیان نمن

۱ آسمان ۲ کمان ۳ پہلے معلوم ہوتی ۴ نعرہ ۵ نکالتے ۶ رخ،

پری آپڑی دیو پر یون شتاب کر دیوان پو پڑتا ہے جون آشہاب
دسی سب پریان پیٹر دیوان مین یون ستارے رین کے اندھارے مین جون
سوکئی دیو ہر ایک پری بے درنگ کرین قتل یک شمع جون کئی پتنگ

ہوا فتح پریان کون دیوان پو یون رین پر اچھے صبح کون فتح جون (دورقی ب ۴۳ الف ۴۵)

صنعتی کے زمانے کا لحاظ کرتے جو خاکہ اس نے جہاز کا کھینچا ہے، تصویر کی طرح خوبصورت ہے، چار سو سال پہلے عوام کو جہاز سے روشناس کرنا مشکل کام تھا، لیکن صنعتی نے اس کام کو ایک شاعر کی فوق فطری قوت کیساتھ مختصر الفاظ مین تشبیہون کے ذریعہ اس خوبی سے انجام دیا ہے کہ ہم اسکی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتے،

سبک سیر تھا اس گران بار سا تو چلے جان کے منہ مین کی منہ مین بات
ادک جلد تھا، گرچہ بے پاے تھا سو بے پاے نت آب پیاے تھا
کے دیک[1] کشتی کون تون سربسر کہ یک شہر چلتا ہے پانی او پر
اگر یک[2] جانے کا ہم آپڑے دہم سات کشتی وہ، کشتی لڑے
پھرین جہاز او، جون زن باردار سو یک پیٹ مین اس رکے طفل کئی ہزار
کرین پاؤن یون پیٹ مین لیکو چاول کہ جون پیٹ مین سانپنی لیکو پاؤن
سورج کی دسین تاب سون موج یون رو بیری نگمٹ صاف چندنی مین جون
رین مین زمین یون دسی تاب دار دسین جل پو دیپک ہزاران ہزار

طوالت کے خوف سے ہم بہت سی مثالین اس نوع کی نظر انداز کر رہے ہین، تاہم ساقی نامون اور دوسرے اقتباسات سے صنعتی کے کلام کی خوبی، قوت بیان اور ایک بڑی حد تک فطری مناسبت کا کچھ نہ کچھ خاکہ ذہن نشین ہو سکتا ہے،

[1] غالباً یہ لفظ صحیح ہے [2] دیکھو [3] جلد

محدثینِ جون پور

از "بندۂ خدا"

جناب مولانا و مقتدانا ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم و برکاتکم،

بعد تقدیمِ ہدیہ سلام مسنون آنکہ رسالۂ معارف مین ایک نہایت اہم موضوع "ہندوستان مین علم حدیث" کے زیرِ عنوان آپ کے بصیرت افزا مقالات اور ان کے تکملہ و تتمہ کے طور پر بہاری، پھلواروی، چڑیا کوٹی اور مدراسی بزرگون کے بھی محققانہ مضامین شائع ہوے، ان سب کا سلسلہ اکتوبر ۲۸ء سے نومبر ۲۹ء تک چند درمیانی وقفون کے ساتھ جاری رہا، مین یہ امید کیے ہوے تھا کہ آپ کے جدید النوعیت مقالات نے کم از کم تین صوبون کے طبقۂ اہل علم مین جو دلچسپی پیدا کر دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی بزرگ تو اس سلسلہ مین اور اضافہ فرما دینگے اور کوئی بزرگ موجود الوقت محدثین پر جامعانہ قلم فرسائی فرماوینگے جس مین ان کے حالات اور ان کے سلاسل اسنادِ حدیث کا اتصال مشہورِ عالم اساتذۂ احادیث (مثلاً شیخ عبد الحق، شاہ ولی اللہ، حضرت امام ربانی، حضرت ابن حجر مکی وغیرہم) تک پہنچا دینگے، ساتھ ہی تمام سنین و تواریخ جو ان کے جزئی حالات کے متعلق معلوم ہو سکین ان کو بھی بالضرور درج فرما دین، اب تک تو یہ امید بر نہ آئی، و لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ممکن ہے کہ ایک یا چند بزرگ کسی ایسے ہی شغل مین مصروف ہون،

اس طرف اواخر مارچ مین مین کانپور گیا تھا، وہان مین نے ایک مہربان شاہ سعید اللہ صاحب (شاہ بدر عالم مرحوم کے قریبی رشتہ دار) غازی پوری سنٹرل ناظر جی کانپوری کی کتابون مین ایک مطبوعہ فارسی کتاب دیکھی، جسکا کوئی نام نہ تو سرنامہ پر ہے اور نہ دیباچۂ مصنف مین، ان دونون سے معلوم

ہوتا ہے کہ اسے ابوالبشارت سید نورالدین ظفرآبادی زیدی نے تالیف کیا اور اسے ضلع جونپور کے کلکٹر و مجسٹریٹ کے نام پر معنون کیا، عبارت خاتمۃ الطبع مورخہ ۱۰ مارچ سنہ ۱۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حصۂ دوم تجلی نور معروف بہ تذکرۂ مشاہیر جونپور ہے، جو مطبع جادو پریس واقع شہر کانپور محلہ بازار اعظم خان میں باہتمام حافظ عبدالرحمن خان مالک مطبع مطبوع ہوئی، اس دوسرے حصہ میں ۲۰۹ صفحات پر قریباً سو علما کے حالات میں، اور ۳۰ صفحات پر شعرا کے حالات ہیں، اس حصہ میں متعدد جگہ ایسے علما کے نام بحیثیت استاد یا پیر یا مورث کے آئے ہیں جن کے حالات پہلے حصہ میں بیان کئے گئے ہیں، سرسری نگاہ ڈالتے پر بعض جگہ الفاظ حدیث و محدثین نظر پڑے، یہاں لاکر اسکو بالاستیعاب مطالعہ کیا جس پر قریباً سو علمائے ظفرآباد، جونپور اور مچھلی شہر میں سے ۲۸ محدث پائے گئے، ان میں سے پانچ کا ذکر آپ کے مقالات میں آچکا ہے، باقی ۲۳ علما کے حالات میں سے صرف اتنا حصہ جس سے انکی خدمت فن حدیث یا حدیث دانی پر روشنی پڑتی ہے اپنی ژولیدہ عبارت میں قلمبند کرکے آپ کے ملاحظہ کیلیے بھیجتا ہوں، بدین توقع کہ شاید بعض علما کے حالات بحذف زوائد و اصلاح ضروری قابل اشاعت متصور ہوں، جن علما کے حالات میں کسی سنہ کا ذکر نہیں ہے وہاں میں نے ان کے زمانہ کو متعین کرنے میں ان کے اساتذہ یا تلامذہ یا معاصرین کے زمانہ کو پیش نظر رکھا ہے مگر نمبر ۱ کے متعلق ایسا قیاس ممکن ہی نہیں،

اس کتاب تذکرہ کی کتابت میں غلطیاں بہت ہیں کہیں کہیں تو باوجود کوشش بلیغ تحقیق الفاظ نہیں ہوسکی جیسا کہ نمبر ۱۹ کے حالات میں کتاب حدیث کا نام، تاہم تمام تواریخ الفاظ میں لکھی گئی ہیں بلکہ قطعات تاریخ ایک یا کئی کئی دیئے گئے ہیں، پس سنین کے متعلق سہو کتابت کا شبہ نہیں ہوسکتا، باوجود اس کے میں نے دیکھا کہ نمبر ۵ کا مدینہ منورہ میں سنہ ۱۰۳۴ھ میں پیدا ہونا مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے نمبر ۲ سے ایک ہزار چالیس حدیثوں کی سند حاصل کی اور نمبر ۲ کے حالات میں ان کا سال وفات سنہ ۱۰۳۵ھ لکھا ہے، ان اخیرالذکر ہر دو سنین میں سے ایک یقیناً غلط ہے لیکن

واقعۂ اخذ احادیث بظاہر غلط نہین ہوسکتا، اس لیے مین نے نمبرہ کی تاریخ پیدائش کو ذکر کرنا
مناسب نہین سمجھا، علمی فریب دہی سے بچنے کے لیے آپ کو مطلع کرنا ضروری خیال کیا لیکن اگر
کوئی حصہ کسی صورت مین شائع کرنا متصور ہو تو اس ہیچمرز کا نام شائع نہ کیا جائے والسلام (حمید احمد ظفر ۔)

۱۔ ملا سید مرتضیٰ کونی شہید | اصلاً کونی تھے، ذاتی استعداد حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی اسلیے بعد سن شعور تھوڑی مدت مین علوم معقول و منقول پر عبور ہوگیا، عابد و زاہد اور صاحب مجاہدات تھے، علم تفسیر اور فن حدیث مین ان کی یکتائی اور بے نظیری کی شہرت اطراف عالم مین پھیل گئی، چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری نے کمال آرزومندی سے بلاکر اپنی مصاحبت مین لے لیا، چونکہ مزاج مین شجاعت اور بہادری تھی جس کا مشاہدہ اکثر معرکون مین ہوا اسلیے سپہ سالار بنا دیئے گئے، جب سلطان موصوف ۵۹۰ھ مین فتح قنوج کے بعد بقصد استیصال بنارس روانہ ہوئے تو راہ مین بمقام ظفرآباد راجہ اودے پال سے مقابلہ ہوا جس مین ملا موصوف شہید ہوگئے، (صفحہ ۱۹ بحوالہ مناقب درویشیہ)

۲۔ ملا نظام الدین علامی ظفرآبادی، | نسباً سید حنفی المذہب اور تمام علوم مین بلند پایہ تھے، خصوصاً فقہ، اصول اور حدیث مین پورا تبحر تھا، چنانچہ زبدۃ المحدثین کے لقب سے سرافراز ہوئے، درس و تدریس کا شغل تھا، قریب نصف عمر کے ایک غیر معمولی حالت پیش آئی جس سے فقر و فنا کی طرف دل متوجہ ہوگیا، پہلے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے بیعت کی بعد ازان حضرت مخدوم اسد الدین آفتاب ہند ظفرآبادی سے تکمیل کی اور خلافت پائی، تصانیف عربی مین زاد العلماء، اور فارسی مین اوراد سالکان ہین شعر بھی کہتے تھے، سال وفات ۸۳۵ھ ہے (صفحہ ۲۲ بحوالہ مناقب درویشیہ)

۳۔ ملا رکن الدین یک لکھی | نسباً شیخ حنفی المذہب اور حضرت مخدوم آفتاب ہند موصوف الصدر کے خلفا مین سے تھے، اکثر صائم رہتے اور ہمیشہ لقمہ احتیاط تناول فرماتے، اگرچہ تمام علوم مین رفیع الشان تھے مگر دینیات مین نگاہ بہت بسیط تھی، ایک لاکھ حدیث یاد تھی، بزمانہ جہاد اپنے پیر کے ساتھ ظفرآباد آئے تھے، سال وفات ۸۰۲ھ ہے (ص ۲۴ بحوالہ مناقب درویشیہ،

۴- سید نور الدین ابو محمد ظفرآبادی | حضرت مخدوم آفتاب ہند موصوف الصدر کے پسر اوسط تھے، تمام علوم ملا قیام الدین ظفرآبادی سے حاصل کئے، استفادۂ حدیث ملا نظام الدین ظفرآبادی نمبر ۲ سے فرمایا اور قریبًا ایک ہزار چالیس حدیثین کی سند حاصل کی، مسائلِ تصوف فصوص الحکم وعوارف وغیرہ کی تحقیق اپنے والد بزرگوار سے کی اور انھین کے مرید وخلیفہ ہوئے، سالِ وفات سنہ ۸۲۷ھ ہے، (صفحہ ۹- بحوالۂ مناقب درویشیہ)

- شہاب الدین احمد الملقب بہ قاضی قیام الدین کیکلانی الجون پوری، | شیخ صدیقی اور اصلًا خطۂ کیکلان (ملک عرب) کے تھے، ان کے اجداد ہندوستان آکر گجرات مین مقیم ہوئے، وہین قاضی موصوف نے نشوونما پایا اور تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی، علوم فقہ واصول وتفسیر وحدیث مین بہت ممتاز تھے، تعدادِ تصنیفات بہت ہے، انھین مین ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ ہے جسکو بحکم سلطان ابراہیم شرقی جمع کیا تھا، اور جو فتاوی قاضی خان سے برا ہے، سالِ وفات سنہ ۸۴۵ھ ہے (صفحہ ۴۰- بحوالہ گنج ارشدی وکشف الظنون)

۸- مولانا شیخ چیذن محدث جونپوری | شیخ صدیقی، عالم مرتاض اور محدث تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ ملا محمد افضل استاد الملک برا سے اخذ کئے، اور دوسرے مشہور عالمون سے بھی فیض پایا، حرمین شریفین مین محدثانِ عالی مرتبہ سے احادیث کی تصحیح کی، سنہ ۹۶۳ھ مین مکہ معظمہ مین وفات پائی (صفحہ ۲۵ بحوالہ گنج ارشدی)

- خواجہ ارزانی محدث جونپوری | حضرت مخدوم شیخ ارزانی کے لڑکے اور مرید تھے، صاحب زہد وتقوی اور تمام علوم وفنون مین ماہر تھے، اپنے زمانہ کے مشہور علماے محدثین مین سے تھے، احادیث مشارق کو جو بترتیب حروف تہجی تھی بحسب ترتیب مصابیح الانوار تالیف کر کے اس کا نام مدارج الاخبار رکھا، عہدِ شیر شاہ مین درجۂ وزارت پر پہنچے، سالِ وفات سنہ ۹۸ھ ہے (صفحہ ۵۵ بحوالہ گنج رشیدی)

- قاضی سید احمد نور ابن سید جمال ظفرآبادی | نسب چار واسطے سے سید قطب الدین ابو الغیب ظفرآبادی تک پہنچتا ہے، مسائل فقہیہ بہت مستحضر تھے، زبدۃ المحدثین تھے، ساری زندگی درس وتدریس اور افادۂ طلبہ مین گذاری، جونپور کے قاضی تھے، سالِ وفات سنہ ۹۹۵ھ (صفحہ ۱۳ بحوالہ مناقب درویشیہ)

۹۔ شاہ طیب ظفرآبادی | نسل سادات سیوگنہ سے تھے، علوم کی تکمیل مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ تا ۱۰۵۲ھ) سے کی اور حضرت شیخ تاج الدین جھونسوی سے بیعت کی اور خلافت پائی، ان کا زمانہ قیاساً گیارہوین صدی کا پہلا نصف حصہ ہے، (صفحہ ۳۰ غالباً ماخوذ از مناقب درویشیہ)

۱۰۔ ملا شیخ عبدالجلیل انصاری جونپوری | نسلاً شیخ تھے، سلسلۂ نسب خواجہ عبداللہ انصاری اور نیز مخدوم شاہ رکن الدین جونپوری تک پہنچتا ہے، عالم باعمل، صاحب صلاح و تقویٰ تھے اور علم حدیث میں تبحر تھا، شاہجہان بادشاہ ایک طالب احادیث کی حیثیت میں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) ان سے ایک ہزار پچاس حدیثوں کی سند لی تھی، مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے عرب میں چوروں کے شبخون میں شہید ہو گیے، ان کا زمانہ قیاساً گیارہوین صدی کا وسط ہے (صفحہ ۲۰۵ بحوالہ گنج رشیدی)

۱۱۔ ملا محمد افضل استاد الملک جونپوری | بسبب وفور علم لقب استاد الملک سے ملقب ہوے، ایسا کوئی عالم نہ تھا جس نے بلا واسطہ یا بالواسطہ زانوے ارادت تہ نہ کیا ہو اور سبق نہ لیا ہو، صدہا ان کے درس کے فیض سے فاضل ہو گئے، دیوان عبدالرشید صاحب مناظرۂ رشیدیہ اور ملا محمود صاحب شمس بازغہ ان کے شاگردوں میں ہین، حضرت عثمان ہارونی رح کی نسل میں تھے، ان کے والد شیخ حمزہ مفتی اپنے وطن وماوند مضافات مازندران سے ہندوستان آکر دہلی میں جاگزین ہوے اور وہین مفتی مقرر ہو گئے، انھین سے ملا ممدوح نے علوم رسمیہ عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے، پھر دہلی میں حلقۂ درس ملا شیخ حسین (شاگرد ملا طاہر لاہوری و حکیم اسمعیل) میں تکمیل کی اور مشکلات کا استنباط اور علوم عقلیہ کی تحقیقات اور صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث درس، قرأۃً اور سماعاً ملا ابوحنیفہ (تلمیذ مخدوم الملک و حکیم گیلانی) سے کیا، اس سب کے بعد اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمود کیساتھ جونپور تشریف لائے، حضرت شیخ عبدالقدوس قلندری جونپوری سے بیعت کی، کرامات اور خوارق کو بہت چھپاتے تھے، سال وفات ۱۰۶۲ھ ہے، (صفحہ ۴۴ بحوالہ گنج رشیدی، گنج بحر زخار، تذکرہ آفتاب عالمتاب، سبحۃ المرجان و وفیات الاعلام)

۱۲۔ قاضی خوب اللہ جونپوری | ملا محمد حنیفا جونپوری کے پوتے تھے، بہت سے استادوں سے اکتساب کیا، اور افضل المحدثین تھے کہا جاتا ہے کہ ان کو اٹھارہ سو حدیثیں بقید رواۃ یاد تھیں، الٰہ آباد کے قاضی القضاۃ تھے، سال وفات سنہ ۱۱۰۰ھ ہے (صفحہ ۲۰، بحوالہ نسب نامہ سادات مفتی محلہ، جونپور)

۱۳۔ ملا ضیاء الدین محدث جونپوری | استاد الملک موصوف الصدر کے شاگرد تھے، تمام علوم میں تبحر تھا، فقہ و حدیث و لغت میں شان بلند تھے، حدیث ایک ہزار سے زائد یاد تھی، اور دقیق مسائل فقہ مستحضر تھے، قاموس اول سے آخر تک نوک زبان تھی، عالمگیر (۱۰۶۸ھ – ۱۱۱۸ھ) نے بخیال دین و برکت شاہزادہ بہادر شاہ کا استاد مقرر کر دیا تھا، عین جوانی میں وفات پائی، زمانہ قیاساً گیارہویں صدی کا آخری حصہ اور بارہویں صدی کا اوائل ہے، (صفحہ ۲۰ بحوالہ گنج رشیدی)

۱۴۔ مولانا الاجل جلال الدین محمد مچھلی شہری | بادشاہ اقلیم علوم اور اپنے زمانہ میں فقہ و حدیث میں بے نظیر تھے، فتاویٰ عالمگیری (۱۰۶۸–۱۱۱۸ھ) کے حصہ اول کے مؤلف ہیں، ان کا زمانہ بھی گیارہویں صدی کا آخری حصہ اور بارہویں صدی کا اوائل معلوم ہوتا ہے، (ص ۱۲، اغلباً ماخوذ از ریاض جونپور)

۱۵۔ شاہ نثار علی الٰہ آبادی ثم ظفر آبادی | وطن تکیہ میاں پور ضلع الٰہ آباد ہے، فارسی اپنے والد سید محمد صادق مرحوم سے پڑھی، پھر الٰہ آباد جا کر مولانا شاہ محمد برکت کے حلقۂ درس میں بیٹھے، اور مختصرات سے فراغت حاصل کی، پھر دلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ۴ سال تک تحصیل کی، پھر وطن جا کر نصف عمر درس و تدریس و مذاکرہ و مباحثہ علمی میں بسر کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی شاہ قربان علی سے بیعت کی اور خلافت پائی، قبر وطن میں مگر اولاد ظفر آباد میں ہے، سال وفات سنہ ۱۲۱۵ھ (صفحہ ۱۴، اغلباً ماخوذ از مناقب درویشیہ)

۱۶۔ مولوی غلام فرید محمد آبادی ثم جونپوری | وطن قصبہ محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ، اکتساب علوم جونپور کے علماء و فضلاء سے کیا، مسائل فقہ بہت مستحضر تھے، اور علم حدیث میں بہرہ وافر حاصل تھا، مدت تک جونپور میں درس و تدریس جاری رکھا، اس کے جد ملا نظام الدین سے جو شاہ عبد الرزاق بانسوی[1] کی اولاد میں تھے

[1] معارف: یہ صحیح نہیں، وہ حضرت سید عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باخلاص اور مستفید معنوی تھے

سلسلۂ قادریہ مین بیعت کرکے علم تصوف علی وجہ الکمال حاصل کیا اور خلافت پائی، ساری عمر تجرد مین بسر کی، سیف زبان مشہور تھے، زمانہ قیاساً بارہوین صدی کا اواخر اور المتوفی ۱۲۳۶ھ تیرہوین صدی کا اوائل (صفحہ ۹۵- بحوالہ بحر ذخار، وفیات الاعلام و شجرۂ قادریہ)

۱۷- **قاضی محمد یوسف جونپوری** | تمام علوم مین بلند پایہ تھے اور اپنے زمانہ مین صاحب فتوی تھے، علوم نقلیہ کے غوامض کو بلا تامل حل فرمالیتے تھے، علم حدیث مین بہرۂ وافر حاصل تھا، ان کی شہرت رفتہ رفتہ بادشاہ تک پہنچی اور عہدۂ قضا مل گیا، محلہ طوطی پور اضین کے ایک متوسل کا بسایا ہوا ہے، (صفحہ ۲۰۱، غالباً ماخوذ از ریاض نجوم)

۱۸- **مولانا مولوی محمد شکور مچھلی شہری** | اپنے والد اور مولانا علی محمد مچھلی شہری سے تمام علوم مین کافی استعداد پیدا کرکے دہلی گئے اور مولانا رشید الدین احمد خان و مولانا شاہ رفیع الدین و مولانا شاہ عبد العزیز و مولوی عبد الحی سے تین سال کی مدت مین تکمیل کرکے دستار فضیلت حاصل کی، اور ادیب کے خطاب سے ممتاز ہوئے، بعد ازان مولانا سید محمد حسین حنفی مفتی مکہ معظمہ و شاگرد طحطاوی سے تحقیق علم فقہ و حدیث کرکے سند حاصل کی اور مولانا فضل امام خیرآبادی سے بھی فیض حاصل کیا، مقامات حریری از اول تا آخر نوک زبان تھی، فقہ و اصول حدیث مین تمام تر عبور تھا، اور منطق و ریاضیات مین بھی حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے، شغل درس و تدریس کا رہا، شاہ محمد آفاق دہلوی سے بیعت کی، تین بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے، سرکار برطانیہ کی ملازمت مین بعہدہاے صدر امین و مفتی دائرہ و سائرہ و صدر الصدور ۲۰ برس گذارے، سال تولد ۱۲۱۱ھ اور سال وفات ۱۲[illegible]ھ ہے، (صفحہ ۱۲۵، بشرح صدر)

۱۹- **مولوی محمد سلیم مچھلی شہری** | ابتدائی تعلیم مولوی علی کبیر مچھلی شہری سے اور تکمیل مولانا محمد شکور موصوف الصدر سے کی اور ملا رحمت اللہ کابلی سے بھی فیض حاصل کیا، عربی و فارسی مین صاحب دیوان ہین، علوم ادب، عروض و قوافی، ہیئت، جبر و مقابلہ اور تاریخ مین صاحب تصانیف ہونے کے علاوہ فن حدیث مین بھی ایک تصنیف ہے جسکا نام رشحۃ التسلیم ہے، ملازمت سرکاری مین منصفی سے صدر الصدوری تک پہنچے، سال پیدائش ۱۲۲۲ھ اور سال وفات ۱۲۹۲ھ ہے (صفحہ ۱۲۰ بشرح صدر)

۱؎ لفظ کی صورت بنا دیکھی ہے، کتاب مین اسی طرح لکھا ہے۔

٢٠- مولوی محمد شبلی جونپوری | نصاب درس نظامیہ کی تکمیل مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے کی اور کتب حدیث مولوی نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں، قرآن مجید بھی حفظ تھا، رسالہ وسیلۃ النحو کے مصنف ہیں، سال پیدائش سنہ [illegible] سال حج و زیارت سنہ [illegible]، زمانہ طباعت تذکرہ (مارچ سنہ ۱۹۰۰ء مطابق ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۷ھ) تک بقید حیات (صفحہ ۱۱۱)

٢١- مولوی حافظ حاجی ابو الخیر محمد مکی مولداً جونپوری وطناً | کتب رسمیہ وکتب احادیث اپنے بڑے بھائی مولوی محمد شبلی موصوف الصدر سے اور نیز مولوی عبد اللہ گوپاموی شاگرد مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے اور مولوی سعادت حسین[1] عظیم آبادی و مولانا عبد الحئی لکھنوی فرنگی محلی سے تحصیل کیں، قرآن مجید حفظ ہے، سارا وقت درس و تدریس و وعظ و نصائح میں بسر ہوتا ہے، زمانہ طباعت تذکرہ (مارچ سنہ ۱۹۰۰ء مطابق ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۷ھ) تک بقید حیات (صفحہ ۱۱۱)

٢٢- مولوی عبد الاول جونپوری | مولانا مولوی کرامت علی واعظ جونپوری کے چھوٹے بیٹے، علوم متعارفہ اوّلاً مولوی ہدایت اللہ رامپوری سے حاصل کیے، پھر متوسطات و معتبرات اور صحاح ستہ کی تکمیل مختلف مقامات کے متعدد علماء سے کی، اپنے والد اور بڑے بھائی مولوی حافظ احمد کے طریقہ پر بنگال میں وعظ و ہدایت میں مصروف، زمانہ طباعت تذکرہ (مارچ سنہ ۱۹۰۰ء، ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۷ھ) تک بقید حیات (صفحہ ۱۳۰)

٢٣- مولوی محمد محسن جونپوری | ابن مولوی رجب علی، درسیات مفتی اسد اللہ محمد جونپوری سے پڑھیں، علوم قراءت اور خط نستعلیق کی مشق اپنے چچا مولوی کرامت علی واعظ موصوف الصدر سے کی اور افضل الفقہاء والمحدثین مولانا شیخ عبد الرحمٰن المغربی سے قراءت سبعہ کی مشق کی اور کتب حدیث کا استفادہ کیا، سید عبد الجلیل بریلوی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے، ہدایت و شیوع دین اسلام میں مصروف، زمانہ طباعت تذکرہ (مارچ سنہ ۱۹۰۰ء ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۷ھ) تک بقید حیات (صفحہ ۱۱۲)

[1] معارف:- شمس العلماء مولانا سعادت حسین صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ کلکتہ ساکن قریہ کہنہ ضلع پٹنہ، دس بارہ برس ہوئے کہ وفات پائی،

مسلمان جغرافیہ دان

از

پروفیسر ہارون خان شروانی، استاذ فلسفۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ

مسلمان جغرافیہ دانون اور جغرافیہ نویسون کے حالات، تحقیقات اور اُن کی تصنیفات کا مجکو بیس سال سے شوق ہے، اور جب مجھے موقع ملتا ہے، عربی مین اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا شوق پورا کرتا ہون، اب تک دو تین سو صفحون سے زیادہ ہو چکے ہین اور ہنوز ناتمام ہے، اس کتاب مین تاریخی ترتیب کے ساتھ ہر جغرافیہ دان کا مختصر حال، اسکی سیاحت اور اسکی تصنیفات پر مفصل تبصرہ ہو، خدا جانے یہ میرا ضمنی کام کب ختم ہو،

چند سال ہوے کہ حیدرآباد دکن کے سفر مین مجھی پروفیسر ہارون خان شیروانی سے ملاقات ہوئی، اور اسکا تذکرہ آیا تو فرمایا کہ فرنچ مصنف کارا دوو د CARRA DE VAUX نے مفکرین اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے جس مین ہر فن کے مسلمان مشاہیر اور ممتاز اکابر کا ذکر ہو اور ان کی تصنیفات و تحقیقات پر تبصرہ ہے، مین نے اپنے جذبۂ شوق سے مجبور ہوکر ان سے فرمائش کی کہ جغرافیہ کے باب کا وہ ترجمہ کردین، موصوف نے اپنی عنایت سے یہ چند ابتدائی صفحے ترجمہ کر بھیجے ہین،

کارا دوو نے اس مضمون کو تین بابون پر تقسیم کیا ہے، اور ہر باب متعدد فصلون پر منقسم ہے، اور اس مضمون مین یہ پوری بحث اس کتاب مین آئی ہے، ذیل مین اس کے ابواب کے نام پروفیسر ممدوح کی تحریر کے مطابق لکھے جاتے ہین،

باب اوّل ۱۰/ ۴۰ صفحے :- جغرافیہ دان :-
۱- عرب جغرافیہ دان یعقوبی وغیرہ،
۲- مشہور و معروف جغرافیہ دان ادریسی ابوالفدا،
۳- یاقوت، مصنف معجم البلدان،
۴- علم جغرافیہ اور مسلمان، خطوط نصف النہار کی پیمائش،
۵- قزوینی، دمشقی، زلزلے اور پہاڑون کا بننا،

باب دوم :- جغرافیہ دان، ملاح و علم بحری
۱- سیر و سیاحت کے قدیم تذکرے،
صد ۱۴ - ۱۹۷
۲- ملاحون اور سوداگرون کے باہمی تعلقات، سندباد،
ابوزید، کتاب عجائب الہند،
۳- پندرہوین صدی مین بحری معلومات کے ذخیرے، الشیخ
ماجد ابن ماجد، واسکوڈی گاما کا ارکانی سلیمان المہری،

باب سیوم :- بڑے بڑے سیاح :-
البیرونی،
۲- ابن جبیر
۳- ابن بطوطہ

کتاب کے پہلے باب کی پہلی فصل کا ترجمہ یہ ہے،

(اڈیٹر)

مسعودی | اہل عرب کو مدت دراز سے بطلیموس کے جغرافیہ سے واقفیت چلی آتی تھی، اور ان کے علم مین بہت سی ایسی کتابین تھین جنین رنگین نقشے پائے جاتے تھے، مسعودی اس جغرافیہ دان کو بطالسۂ مصر کے اعداد مین شمار کرتا ہے[1]، اور کہتا ہے کہ "اپنے جغرافیہ مین اس فلسفی (یعنی بطلیموس) نے زمین، شہر، پہاڑ، سمندر، جزائر، دریا، غرض جملہ ہیولات جغرافی کا ذکر کیا ہے، نیز اس کتاب مین آباد قصبون، اور مزروعہ اراضی

[1] مروج الذہب، ۱۰ - ۱۸۳،

کا بیان بھی ہے، بطلیموس کا قول ہے کہ میرے زمانے میں آباد قصبوں کی تعداد ۴۵۳۰ ہے جن کی تقسیم آب وہوا کے اعتبار سے کیگئی ہے، اسی کتاب میں وہ دنیا کے پہاڑوں کی تین شکلیں بیان کرتا ہے یعنی سرخ، زرد، اور سبز اور کہتا ہے کہ ان کی مجموعی تعداد غالبًا دو سو ہوگی، ساتھ ہی وہ ان کی بلندی بتاتا ہے اور ان بیش قیمت جواہر کا بیان کرتا ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں؛ اس کے بعد سمندر کا ذکر کرتے ہوئے مسعودی کا بیان ہے کہ کتاب جغرافیہ میں مختلف سمندروں اور دریاؤں کو ان کی حالت و وسعت کے اعتبار سے مختلف رنگوں میں رنگا گیا ہے اور انہیں سے بعض کی کیفیت طیلسان کی سی ہے، بعض کی صابورہ (یعنی زین) کے مانند، بعض کی امعاء کی طرح اور بعض کی مثلث نما لیکن چونکہ نقشہ میں جتنے اعلام دیے ہوئے ہیں وہ سب یونانی زبان میں ہیں اسلیے ہمارا فہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

مسعودی کے بیان سے یہ امر صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قدیم نقشہ نویسوں نے مختلف سمندروں اور دریاؤں کی شکل استوا اور ہندسی اصول پر بنائی تھی، مثلًا بحیرۂ روم کو مستطیل؛ ڈیلٹا کو مثلث دکھایا جاتا تھا اور دریائے نیل کے لیے ایک بھدی سی لکیر کھینچ دی جاتی تھی جس کے دہانے کے قریب سے بہت سے خطوط نکلتے تھے، رہا سمندر، تو اسے وہ پرکار کے ذریعہ سے بالکل ہی مدوّر بنا دیتے تھے، گویا کہ وہ تمام کرۂ زمین پر محیط کیے ہوئے ہے،

اسی مورخ کی نظر سے مارینوس ساکن صور کا رسالہ بھی گزر چکا تھا، جو اب بالکل ناپید ہو گیا ہے، اور ساتھ ہی اس نے خلیفہ مامون عباسی کے عہد کے بہت سے عرب جغرافیہ دانوں کی تصانیف بھی دیکھی تھیں، وہ کہتا ہے کہ "میری نظر سے جتنے ایسے رسالے گذرے ہیں، جنہیں آب وہوا کے منطقوں کو رنگ دیکر دکھایا ہے، ان میں سب سے زیادہ خوبصورت مارینوس کا جغرافیہ اور وہ نقشہ ہے جو خلیفہ مامون کے لیے تیار کیا گیا تھا اور جس کی تیاری میں بہت سے معاصر علماء و فضلاء مدد و معاون ہوئے تھے، اس نقشے میں دنیا کے کرے اور سیارے براعظم اور سمندر، آباد و غیر آباد خطے، اقوام عالم کے ممالک، بلاد و قصبات واضح کیے گئے تھے، یہ نقشہ اپنے حسن ظاہری و باطنی میں تمام دوسرے نقشوں پر سبقت لے گیا ہے، جنہیں بطلیموس و مارینوس کی تصانیف بھی شامل ہیں"،

ثابت ابن قرہ | بطلیموس کے جغرافیہ کا پہلا عربی ترجمہ ثابت ابن قرہ نے کیا جو ۲۲۱ھ میں پیدا ہوا اور ۲۸۸ھ میں راہی عدم ہوا[1]،

یعقوبی | اولین مسلمان جغرافیہ دان، جنکی تصانیف ہم تک پہنچی ہیں، یعقوبی اور ابن خورداذبہ ہیں، اُنمیں سے یعقوبی کو اسلامی جغرافیہ دانون کا ابوالآبار سمجھنا چاہئے، اس لیے کہ اُسکی تصانیف کو اُس کے جانشینون خصوصاً ادریسی اور ابوالفدار نے اپنی کتابون کی بنیاد اور اساس بنایا ہے یعقوبی ۲۷۸ھ میں تصنیف و تالیف میں مشغول تھا، اور ۲۹۲ھ میں بھی بقید حیات تھا،

یعقوبی ایسے اشخاص میں شمار کیا جاسکتا ہے جنکا فطری میلان جغرافیہ کی طرف ہو، اُس نے اپنی تصنیف کتاب البلدان میں حسب ذیل الفاظ میں اس علم پر سب سے پہلے قلم اٹھانے کا قصہ بیان کیا ہے[2]:-

"عہد جوانی کی ابتدا ہی سے یعنی اُس زمانے میں جب انسان کی دماغی کیفیات اپنے شباب پر ہوتی ہیں، اُسی وقت سے مجھے مختلف ممالک کی تاریخ اور اُن کے جغرافی حالات معلوم کرنے کا شوق تھا، اور اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ محض ایام طفولیت ہی میں سفر کرنے کے مواقع پیش آتے رہتے تھے، جب کبھی ایسے شخص سے ملتا جو کسی دور دراز ملک سے آیا ہو تو میں فوراً دریافت کرتا کہ تمھارا وطن مالوف کہان ہے، اور جب یہ معلوم ہو جاتا تو میں وہان کے لوگون کے حالات دریافت کرتا، کہ وہ عرب ہیں یا بربر، ان کا تمدن کس نوع کا ہے، وہ اپنے پینے کے پانی کا کیا انتظام کرتے ہیں، کس قسم کا لباس پہنتے ہیں، اُن کا مذہب کیا ہے، اُن پر کون حاکم ہے، اس کے بعد میں اُس شخص سے اُس ملک کی وسعت پر سوالات کرتا اور پوچھتا کہ اُس کے قریب دوسرے کون کون سے ملک واقع ہیں، اگر میری دانست میں میرا مخاطب معتبر ہوتا تو میں اس کے جوابات سب کے سب لکھ لیتا، غرض میں موسم حج اور دیگر ایام میں بہت لوگون سے جرح کرتا رہا جنمیں اہل مشرق اور اہل مغرب دونون موجود تھے، اور اُن سے جو معلومات حاصل ہوئیں اور جو روایات پہنچیں انھیں

[1] زوٹر:- عرب ریاضی دان و ہیئت دان، Suter: die Mathematiker und Astronomen der Araber. s. 34

[2] ڈی گوے:- حالات مغرب از کتاب البلدان مؤلفہ یعقوبی، De Goeje: Descriptio al Magribi sumta ex libro regionum. al Jaqubii. لیڈن ۱۸۶۰ء

تھی برابر لکھتا گیا، مین نے اُن امرار و خلفا کے حالات بھی لکھے جنھون نے فوجی نو آبادیات قائم کی تھین اور جو خراج و محصول انھون نے عائد کئے اُن کی بابت بھی یاد داشتین مرتب کین، اس طرح مین نے ایک مدت مدید مین یہ کتاب تالیف کی اور اسمین ہر ملک کے حالات علٰحدہ علٰحدہ لکھے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی مقنن یا ادیب قانون صرف و نحو لغت، اور ادبیات کے مجموعے لکھے، مین نے بھی مختلف ملکون کی تاریخ کو یکجا جمع کیا ہے"

یعقوبی چاہتا تھا کہ قصبات و ممالک و نیز باشندگان و فرمانروایان دیار مختلفہ کے نامون کے ساتھ ساتھ مختلف شہرون کے درمیانی فاصلے، ان سپہ سالارون کا بیان جنھون نے یہ ملک زیر کئے، ان کی فتوحات کی تاریخ، محاصل کی مقدار، ملکون کی طبعی حالت جس سے وہان کے پہاڑون اور میدانون کی کیفیت معلوم ہو، آب و ہوا خشکی و تری، پانی کے بہاؤ کی سمت تمام وہ مقامات جہان سے انسانون کے خرچ کے لیے پانی آتا ہے، یہ سب باتین مندرج کرون" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مؤلف کے دماغ مین جغرافیہ کا مفہوم نہایت وسیع ہے، اور اس نے اس خیال کی گویا پیش بندی کی ہے جسے ہمارے معاصرون نے "جغرافیۂ انسانی" کا لقب دیا ہے؛

یعقوبی کے طرزِ بیان کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم برقہ اور ہمسایہ ممالک کے متعلق اس کے بیان کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرین[1]، "قدیم الایام مین برقہ کو پنتاپولس کہتے تھے، اور اسے حضرت عمرو بن العاص رضنے سلطنتِ اسلام مین شامل کیا تھا، یہ شہر ایک نہایت وسیع میدان مین واقع ہے جس کی مٹی کا رنگ سرخ ہے، خلیفہ المتوکل نے اس کے چارون طرف ایک فصیل اور خندق تعمیر کی اور فصیل مین آہنی پھاٹک لگوائے، خلفاے اسلام اور والیانِ افریقیہ نے یہان بڑے بڑے حوض تعمیر کیے جنمین بارش اور چشمون کا پانی جمع ہوتا ہے اور اسی کو لوگ پیتے اور استعمال کرتے ہین، شہر اور اس کے اطراف مین پرانے لشکریون کی اولاد اور دوسرے باشندے دوش بدوش آباد ہین، اس شہر کے دو بندرگاہ ہین، یعنی اجیہ اور طولمیطہ، ان مین سے آجیہ شہر سے چھ میل پر واقع ہے، اس کا بڑا بیت خانہ سرائے اور چوک قابلِ ذکر ہین اور یہ باغات میوہ جات

[1] حسب بالا صفحہ ۳۴۳،

اور کشتیون سے گویا گھرا ہوا ہے، دوسری بندرگاہ یعنی طولمیطہ تک سال کے صرف چند ہی مہینے جہاز پہنچ سکتے ہین،

اس صوبہ کے محاصل کی بنیاد ان قواعد پر ہے جو خلیفہ ہارون الرشید نے جاری کئے تھے، اس خلیفہ نے اپنے آزاد کردہ غلام بشار کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ وہ (علاوہ ان ۱۵ ہزار دینار کے جو عشر زکوٰۃ اور جزیہ سے وصول ہوتے تھے،) صوبہ والون پر مجموعی طور سے ۲۶ ہزار دینار کا محصول عائد کر کے اُسے مناسب طور سے پھیلا دیے، لیکن یہ رقم ہمیشہ بڑھتی گھٹتی رہی؛

ابن خورداذبہ یعقوبی جو کچھ لکھتا ہے، سنجیدگی سے سوچ سمجھ کر لکھتا ہے، اور ابن خورداذبہ، بعض دیگر مشرقی جغرافیہ دانون کی طرح اسے خیالی حکایات اور افسانون سے بالکل مس نہین، ہمین یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فاصلون کے تعین مین اس مین ابن خورداذبہ سے زیادہ قطعیت پائی جاتی ہے اس لیے کہ یعقوبی تو مختلف مقامات کے فاصلون کو منازل مین دیتا ہے لیکن ابن خورداذبہ ان کا تعین میلون مین کرتا ہے،

ابن خورداذبہ ایک پارسی نومسلم کی اولاد سے تھا، وہ پہلے صوبہ جبال کی ڈاک اور کوتوالی کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا لیکن رفتہ رفتہ وہ خلیفہ المعتمد کا منظور نظر ہو گیا، اسکی تصنیف و تالیف کا زمانہ سنہ ۲۳۰ھ سے سنہ ۲۳۴ھ تک کا ہے، منجملہ دوسری تصانیف کے اسکی تصنیف "کتاب المسالک والممالک"[1] ہے جس مین مؤلف نے مختلف مقامات (بالخصوص اضلاع دجلہ و فرات کے شہرون اور قصبون) کے درمیانی فاصلے محاصل کی مقدار اور دیگر امور درج کئے ہین، ہم آیندہ کسی وقت موسیقی کے ضمن مین اس مؤلف کا ذکر کرینگے،

قدامہ قدامہ ایک نومسلم عیسائی تھا، اس نے "کتاب الخراج" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس مین اہلکارون اور صیغہ دارون کے لیے ہدایات ہیں اور ڈاک کے راستے بھی تبلائے گئے ہین، یہ مؤلف سنہ ۲۶۶ھ مطابق سنہ ۸۸۰ء مین مشغول تالیف تھا، اور اس کا سنہ ۳۱۰ھ مطابق سنہ ۹۲۲ء مین انتقال ہو گیا[2]

۱؎ اسکی اشاعت ڈی گویے نے "سلسلہ جغرافیہ دانان عربستان" Bibliotheca Geographorum Arabicorum میں

۲؎ سنہ ۱۸۴۸ء مین کی ہے، مقابلہ کرو رینو Reinaud: تمہید جغرافیہ ابی الفداء ص ۱۱۱،

۳؎ نمونہ تمہید حسب بالا ص ۹۱، "سلسلہ جغرافیہ دانان عرب" Bibliotheca Geogr. Arab جلد ششم مین قدامہ کی کتاب الخراج کے اقتباسات درج ہین،

الجیہانی | الجیہانی سنہ ۳۰۲ھ سے سنہ ۳۰۹ھ تک شاہان سامانیہ کا وزیر رہا، اُس نے مختلف ممالک کی بابت بہت کچھ معلومات یکجا کیں، چین سے وادیٔ سندھ کے حالات زیادہ تر اسلئے دلچسپ ہیں کہ شاید مصنف کو اس خطہ کی تحقیق کا خیال ہوگا، اُس کی تالیفات کو ابن الفقیہ نے از سر نو دریافت کیا اور اپنی کتاب میں جگہ جگہ اس کے اقتباسات مندرج کئے،

اصطخری | اصطخری تقریباً سنہ ۳۴۰ھ میں تصنیف و تالیف میں مشغول تھا، اُسکی کتاب الاقالیم میں ہر ملک کے لیے ایک ایک باب مختص ہے اور ہر باب کے ساتھ ساتھ ایک ایک نقشہ بھی دیا ہوا ہے، اس کتاب کی اوارت ج، ھ میولر نے سنہ ۱۸۳۹ء میں ڈیوک سیکس کوبرگ گوٹا کے کتب خانے کے ایک نسخے کی مدد سے کی ہے، اور اس کے ہمراہ اُس کا نقشہ طرز سنگ نگاری کے ذریعہ سے ہو بہو اصل کے مطابق طبع کیا گیا ہے،

ابن حوقل | ابن حوقل کے پیش نظر ابن خورداذبہ، قدامہ اور جیہانی کی تصانیف تھیں، دنیاے اسلام کے سفر کے دوران میں جب وہ دریاے سندھ کی وادی میں تھا، اُسکی ملاقات اصطخری سے ہوئی، جس نے اُسے اپنی کتاب کا ایک نسخہ تصحیح کے لیے دیا، خود ابن حوقل کی کتاب المسالک و الممالک[1] کی بنیاد اصطخری کی کتاب پر ہے، اور اس میں بھی مختلف رنگ کے نقشے دیئے ہوئے ہیں،[1] ان دو جغرافیہ دانوں یعنی اصطخری اور ابن حوقل نے اپنے ہمعصروں میں بڑا نام پیدا کیا،

مہلبی | دسوین صدی عیسوی کے اواخر میں مہلبی نے فاطمی خلیفہ مصر العزیز باللہ کے لیے جغرافیہ کی ایک کتاب لکھی،

البکری | اس ضمن میں البکری کا ذکر کرنا باقی ہے جو بنی عباد کے زمانے میں اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور بالآخر المیریہ کا وزیر ہو کر رہا، اُس نے بھی ایک کتاب المسالک و الممالک لکھی[2] جس میں اندلس اور مغرب کا بہت عمدہ بیان ہے، البکری نے سنہ ۴۸۷ھ میں وفات پائی،

---

[1] او ئیلن بروک:- تاریخی وجغرافی نمونہ جات متعلق جغرافیہ ابن حوقل. Uylenbroek: Specimen geographico historicum exhibens dissertationes de Ibn Haukala geographo ۱۸۲۲ء، در سلسلۂ جغرافیہ دانان عرب جلد ۲-

[2] حالات افریقہ شمال مؤلفہ البکری: Description de l'Afrique septentrionale par el Bekri متن و ترجمہ De Slane اشاعت جدید ۱۹۱۱ء

تلخیص وتبصرے

ملثمین توارج

قبائل عرب مین قبیلۂ حمیر کے یہان یہ ایک عجیب وغریب دستور تھا کہ اُن کے مرد نقاب پوش رہتے تھے اور اس وجہ سے ملثمین کہلاتے تھے، اس عجیب وغریب رسم کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اس قبیلہ کی مخالف ایک قوم تھی جسکا معمول یہ تھا کہ جب مرد گھرون سے باہر جاتے تھے تو یہ لوگ ان کے گھرون پر حملہ کرکے عورتون کو گرفتار کرلے جاتے تھے، مجبوراً اہل حمیر نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ایک دفعہ عورتین مردانہ لباس پہنکر باہر چلی گئین اور مرد نقاب پوش ہوکر گھرون مین رہے، دشمنون نے معمول کے مواقق حملہ کیا تو یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑکر اُن کو قتل کرڈالا، چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ مین ہوئی تھی، اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کرلی گئی، اسپین مین اس قبیلہ کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہوگئی تھی، جو ملثمین کہلاتے تھے، جزائر اقصی کے جنوبی حصہ مین غالباً اسی قبیلہ کی یادگار اب بھی ایک قوم آباد ہے جس نے اپنی اس قدیم خصوصیت کو قائم رکھا ہے یعنی انکی عورتین بے نقاب اور مرد نقاب پوش رہتے ہین، یہ قوم اگرچہ مسلمان ہے لیکن اخلاق وعادات بلکہ اسلامی اصول وعقائد مین بھی مسلمانون بلکہ دنیا کی تمام قومون سے مختلف ہے، اور اپنی انہی عجیب وغریب خصوصیات کی بنا پر بہت سے مصنفین ومورخین کی دلچسپی کا ذریعہ بنی ہوئی ہے چنانچہ جزائر کے ایک نوجوان سید یحیٰی ابوقمن نے آجکل اس قوم کے حالات کی تحقیق کیلئے اُن مین پانچ سال تک قیام کیا اُن کے طور طریقے اختیار کرکے ان کے ساتھ نقاب پوش بنکر رہے اور اسی قبیلہ کی ایک عورت سے شادی بھی کرلی، اس طریقے پر انہون نے جو معلومات حاصل کی ہین وہ حسب ذیل ہین،

یہ قوم توارج کہلاتی ہے جو لفظ "تارجا" سے مشتق ہے، اور تارجا صحرائے فزان یا صحرائے غات

کا نام ہے جسکا دار السلطنت مرزک ہے جواب تک آزاد ہے، البتہ اٹلی اس پر قبضہ کرنے کی فکر مین ہے لیکن خود یہ قوم اپنے آپ کو توارج نہین کہتی، بلکہ "ایہافن" کہتی ہے جس کے معنی مجاہد یا غارت گر کے ہین، اور اس سے اس کی یہ اخلاقی خصوصیت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ قوم فطرۃً لوٹ مار کی خوگر ہے،

یہ لوگ نہایت سادہ اور پر از اطمینان زندگی بسر کرتے ہین، اور اسی سادگی نے ان کو خلوص و ایثار کا پیکر بنا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر فرد اپنے لئے نہین بلکہ اپنی قوم کے لئے زندہ رہتا ہے، اور اپنے قبیلہ کی حمایت مین اپنی جان دینے سے کبھی دریغ نہین کرتا،

یہ لوگ نہایت فقیرانہ اور بدویانہ زندگی بسر کرتے ہین جن مین تمدنی لطافت نام کو بھی نہین پائی جاتی جوار باجرا ان کی عام اور بہترین غذا ہے جسکو آگ مین بھون کر کھا لیتے ہین، اس سے بھی ان کی مرغوب ترین غذا ستو ہے جسکو باجرے اور کھجور وغیرہ سے بناتے ہین، اور پانی یا دودھ مین سان کر کھاتے ہین، مسافر لوگ اونٹون کی پشت ہی پر اس کو کھا بھی جاتے ہین، اور ساتھ ساتھ گاتے بھی جاتے ہین، کیونکہ ان پر یہ خدا کا بڑا احسان ہے جسکا شکرگذار ہونا ضروری ہے، کفایت شعاری کی وجہ سے یہ لوگ گیہون نہین کھاتے کیونکہ اس کے لئے مسالے وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے ساتھ اکثر قحط پڑجایا کرتا ہے، اس حالت مین انکی حالت اور بھی قابلِ رحم ہو جاتی ہے، غلّے کے اقسام مین کوئی چیز نہین ملتی اور گھاس پات پر گذر اوقات کرتے ہین، کھجور کی گٹھلیون کو بھون کر پیس لیتے ہین اور اس مین پیاز وغیرہ کو ملا کر کھاتے ہین، البتہ اس مصیبت کو وہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہین بلکہ خوشحالی کے زمانے مین بھی وہ کم کھانے کے عادی ہوتے ہین اور بسا اوقات بھوکے رہتے ہین اور اس پر فخر کرتے ہین،

انکی وجہِ معاش گیہون، جو، باجرا اور بعض قسم کے پھل اور ترکاریون کی کاشت ہے جنکو وہ چھوٹے چھوٹے حوضون مین بوتے ہین اور کنوون کے پانی سے ان کی آبپاشی کرتے ہین، ان کے ملک کے بعض حصون مین نہرین بھی ہین، لیکن وہ ملک کی دائمی سرسبزی و شادابی کے لئے کافی نہین ہین، وہ لوگ شکار کے بھی نہایت

شایق ہوتے ہین، اور یہ ان کا ایک پیشہ بھی ہے یعنی وہ لوگ شکار کے گوشت کو فروخت کرکے وجہ معاش پیدا کرتے ہین،

ان کی خوشحالی کا بہترین زمانہ فصل خریف مین آتا ہے جبکہ کھورین پکتی ہین اور باجرے کی کھیتی کاٹی جاتی ہے، اسی فصل مین وہ لوگ شکم سیر ہوکر کھانا کھاتے ہین شادیان اور خوشیان کرتے ہین، اور تجارت کی گرم بازاری کا بھی یہی زمانہ ہوتا ہے،

اُن مین انسانون کے تین درجے یا تین طبقے قائم ہین:-

(۱) **آمنوکال** یعنی بادشاہ اس لفظ کے معنی صاحب ملک یا صاحب طبل کے ہین کیونکہ اُن کے یہان بطور شاہی علامت کے بادشاہ کے لئے ایک بڑا طبل بنایا جاتا ہے، جو بوقت ضرورت دوانون پر لاد دیا جاتا ہے جسکو دو حبشی غلام بجاتے رہتے ہین،

سلطنت ان کے یہان ایک موروثی چیز ہے، اور ولی عہد ہمیشہ بادشاہ کا بھانجا ہوتا ہے، اُسکا بیٹا نہین ہوتا، وراثت کا یہ طریقہ ایک دوسرے اصول وراثت کی فرع ہے، اور وہ یہ کہ ان کے یہان ماموں کی جائداد کا شرعی وارث صرف بھانجا ہوتا ہے، بیٹا صرف اثاث البیت اور مویشیون کا وارث ہوتا ہے،

اس وقت ان کے ملک مین دو بادشاہ ہین ایک تو "ہکار" کے قبائل پر حکومت کرتا ہے اور اس کا دارالسلطنت "تمنغصت" ہے جو فرانس کی سرپرستی مین ہے، دوسرا بادشاہ قبائل "آزجر" پر فرمانروا ہے، اور اس کا دارالسلطنت "غات" ہے، اور یہ ایک آزاد سلطنت ہے، اور ان دونون قبائل مین باہم ہمیشہ جنگ رہتی ہے،

قبیلہ آزجر کی آبادی کے مغربی حصے مین ایک اور سلطنت تھی لیکن چونکہ اس کو فرانس کی سرپرستی سے انکار تھا اس لئے فرانس نے ہکار کی سلطنت مین اس کو شامل کر دیا، یہ سلطنت تین صدی سے

حاکم تھی اور توارج کے تمام ملک پر اس کا اثر تھا، اس نے اپنا دار السلطنت شہر "جانت" کو بنایا تھا جو منا ظر طبعی کی وجہ سے توارج کے تمام ملک میں بے مثال تھا، اس شہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جس قدر کھجور کے باغ ہیں وہ وقف ہیں، شہر کے لوگ اُن کے پھل تو کھا سکتے ہیں لیکن ان کو فروخت نہیں کر سکتے، ان باغون کی زمین اس وقت ہکار کے بادشاہ کے قبضہ میں ہے، اور اس کی طرف "جانت" کا جو شخص حاکم ہے وہی اس کا متولی ہے، وہ جسکو چاہتا ہے ان زمینوں کو دیتا ہے اور جس کے قبضے سے نکالنا چاہتا ہے نکال لیتا ہے، البتہ خود یہ حاکم اور بادشاہ اُن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس سلطنت کے فرمان رواؤن نے ان باغون کو اہل شہر پر کچھ تو سیاسی حیثیت سے وقف کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے ان کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع رکھیں، اور کچھ اقتصادی مصالح بھی مد نظر تھے، تاکہ اہل شہر کیلئے ایک مستقل ذریعۂ معاش ہو اور وہ فاقہ زدگی سے محفوظ رہیں، اس سلطنت کے بادشاہون کا ذکر خیر اب تک لوگوں کی زبانوں پر ہے، فرانس نے اگرچہ اب اس کا الحاق ہکار کی سلطنت سے کر دیا ہے، تاہم عصبیت کے لحاظ سے ان لوگون کا طبعی میلان قبیلۂ ازجر کی طرف ہے، اور وہ اپنا شرعی فرمانروا غات کے بادشاہ کو تسلیم کرتے ہیں،

(۲) **ایمکارن**، یہ رئیسون اور امیرون کا گروہ ہے جو صنعت و حرفت زراعت و تجارت غرض کوئی پیشہ نہیں کرتا، بلکہ اس نے یہ تمام چیزیں عام رعایا کے ہاتھ میں دیدی ہیں، البتہ خود رعایا پر اپنا قبضہ رکھتا ہے، اس کی رعایا جو کچھ پیدا کرتی ہے، اس میں سے یہ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں، ظالمانہ اور غاصبانہ طور پر لے لیتے ہیں، رعایا ان کے مظالم سے تنگ آگئی ہے لیکن اُن کے انسداد کی کوئی صورت نہیں، فرانس جس نے اس ملک کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا ہے، وہ اس ڈر سے ان مظالم سے آنکھ بند کر لیتا ہے کہ اگر اس نے سختی سے کام لیا تو تمام توارج بھاگ نکلیں گے اور ملک ویران ہو جائیگا،

یہ رئیس صحرا میں قیام رکھتے ہیں، اور ہر پیشہ کو اپنے لئے ذلیل سمجھتے ہیں، البتہ لوٹ مار کا پیشہ اُن کا ایک قابل فخر آبائی پیشہ ہے، اور بیٹا صرف اسی وصف میں باپ کی تقلید کرتا ہے، اسکے علاوہ وہ اور اپنے

مین ان کے یہان شرافت کا معیار صرف مان ہے، باپ کیسا ہی ذلیل ہو لیکن اگر مان شریف ہے تو بیٹا بھی شریف کہا جائیگا، اسی بناپر فرانس کے بعض علماء کا خیال ہے، کہ یہ دور اباحت کی یادگار ہے جس مین باپ غیر متعین ہوتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عورت کے اس اقتدار کا اثر ہے جو اس ملک مین اس کو مردون پر حاصل ہے،

(۳) **ایفاد** یعنی عام رعایا یہ لوگ زیادہ تر دیہاتون مین رہتے ہین کھیتی باڑی اور مختلف پیشہ کرتے ہین لیکن ان کی پیداوار رؤسا، وامراء کے لئے وقف رہتی ہے،

ان کا خط بعینہ فنیقی خط ہے جو عربی خط کی طرح داہنے سے بائین جانب لکھا جاتا ہے لیکن انکا خیال ہے کہ انکی ایک شاعرہ عورت اس خط کی موجد ہے، اور اس خط مین لکھنا پڑھنا صرف عورتون کے ساتھ مخصوص ہے، مرد بہت کم اس خط مین لکھ پڑھ سکتے ہین، البتہ عورتین عربی زبان بالکل نہین جانتین، عربی زبان صرف مرد بولتے ہین اور وہی قرآن اور شرعی علوم کے ماہر ہوتے ہین،

خود انکی زبان مین کوئی تصنیف نہین ہے، البتہ عورتون کے چند عاشقانہ خطوط ہین جنکو وہ انشاپردازی کا بہترین نمونہ سمجھتے ہین، اور انہین کا تتبع کرتے ہین، ان خطوط کا طرز نہایت سادہ اور فطری ہے، اور بلاغت کا سب سے بڑا طریقہ ان کے یہان الفاظ کی تکرار ہے، اس لئے جس چیز پر زیادہ زور دینا چاہتے ہین اسکو بار بار یہان تک کہ ایک لفظ کو دس دس بار لکھتے ہین،

ان کی زبان مین نظم کا حصہ نثر سے زیادہ ہے، جو چھوٹے چھوٹے قطعات، قصائد و حکایات پر مشتمل ہوتی ہین، عام طور پر ان کی نظمون مین شجاعانہ، مدحیہ، اور عاشقانہ خیالات ظاہر کئے جاتے ہین اور شاعر عموماً عورتین ہوتی ہین مرد نہین ہوتے اس لئے عورتین مردون کے ساتھ عشق و محبت کے خیالات ظاہر کرتی ہین اور عورتون کی مدح مین قصائد لکھتی ہین، ان کے یہان شاعرہ عورتون کی بڑی عزت کیجاتی ہے، اور ہر قبیلہ اپنی شاعرہ عورتون پر فخر کرتا ہے بعض اوقات مختلف قبائل کی عورتین جمع ہوکر باہم

شعر خوانی کرتی ہیں اور اس طرح فصاحت و بلاغت میں ان کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے، اور اس مقابلہ میں وہ اپنے فریق پر غالب ہونے کے لئے اپنے اشعار میں بڑے بڑے مغلق الفاظ کا استعمال کرتی ہیں جو بلاغت اور قادر الکلامی کی بڑی دلیل خیال کی جاتی ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ان کی زبان میں جس نے شعر کہا وہ ایک عورت تھی، اور اسی نے ان کے لئے حروف تہجی ایجاد کئے، غالباً اسی خیال کی بنا پر یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں، انکی زبان خالص بربری ہے، اس میں عربی زبان کی مطلق آمیزش نہیں پائی جاتی اس کے بخلاف جزائر کے اور قبائل کی زبانوں میں اس کثرت سے عربی الفاظ شامل ہو گئے ہیں کہ جو شخص بربری زبان نہیں جانتا وہ بھی ان کو سمجھ سکتا ہے، لیکن توارج کی زبان عربی سے بالکل الگ ہے، مذہبی الفاظ سے تو چارہ نہیں تاہم وہ ان میں بھی تصرف کر لیتے ہیں، اور "محمد" کو "محمذ" کہتے ہیں، (م ح ۔ ۔ ۔) "ع"

فن مقامات کا موجد کون تھا؟

ادبی اصطلاح میں چھوٹے چھوٹے مصنوعی قصوں کو جن میں ایک انشاپرداز شاعرانہ فلسفیانہ عاشقانہ اور ظریفانہ خیالات کو مسجع و مقفّی عبارت میں ظاہر کرتا ہے مقامات کہتے ہیں، اور عام طور پر مشہور یہ ہے کہ اس قسم کے قصوں کا موجد اول بدیع الزمان ہمدانی ہے، بدیع الزمان ہمدانی کے بعد اس فن میں سب سے زیادہ شہرت ابوالقاسم حریری نے حاصل کی لیکن اس نے ہمدانی ہی کو اس فن کا موجد اور اپنے آپ کو اس کا پیرو تسلیم کیا ہے، اور غالباً اسی کی تحریر سے عام طور پر یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ اس فن کی ایجاد کا شرف ہمدانی کو حاصل ہے لیکن بعض مورخین ادب کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن کا اصلی موجد ابن دُرید المتوفی ۳۲۱ھ تھا اور ہمدانی نے اوسی کی تقلید کی ہے، البتہ ابن دُرید نے اپنے قصوں کا نام "احادیث" اور ہمدانی نے اس کے بجائے ان کا اصطلاحی نام "مقامات" رکھا ہے اور غالباً اسی بنا پر مورخین نے غلطی سے فن مقامات کا موجد ہمدانی کو قرار دیا ہے

زہر الآداب کا مصنف ابو اسحاق مصری بدیع الزمان ہمدانی کے تذکرہ مین لکھتا ہے کہ "اس نے ابن دُرَید کے چالیس قصّون کو دیکھکر اپنے مقامات کی طرح ڈالی"، زہر الآداب کی یہ پوری عبارت یاقوت حموی نے معجم الادبا مین (جلد اوّل صفحہ ۹۸ و ۹۹) ہمدانی کے حال مین نقل کی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن کے بانی اول ہونیکا شرف ہمدانی کے بجائے ابن دُرَید کو حاصل ہے،

البتہ اس جدید تاریخی نظریے کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن درید صرف ایک لغوی اور راوی شخص تھا، انشا پرداز نہ تھا، اس لئے اس کے قصّے کیونکر بدیع الزمان جیسے انشا پرداز کے دل مین، اس کی تقلید کا جذبہ پیدا کر سکتے تھے؟ لیکن درحقیقت یہ قصّے ابن درید کے حدود سے باہر نہین ہین، کیونکہ اس نے بہت سے دلچسپ قصّے بدوون کی زبان سے نقل کئے ہین، اور ان مین متعدد قصّے امالی ابو علی قالی مین بھی مذکور ہین، اور دوسری ادبی کتابون مین بھی اسی قسم کے بعض قصّے اس کی روایت سے مروی ہین، اور ان سب سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے، کہ ہمدانی فن مقامات کا موجد نہ تھا، بلکہ اس نے سب سے پہلے اس کو انشا کی ایک مستقل صنف کی حیثیت سے پیش کیا، البتہ جو قصّے ابن دُرَید کی طرف "احادیث" کے نام سے منسوب ہین خود ان کے متعلق مزید بحث و تحقیق کی گنجایش ہے، کہ آیا اس نے کوئی مستقل مجموعہ ایسے افسانون کا لکھا تھا، یا ایسی ہی متفرق حکایتین ہین جنکو ادیبون نے اپنی کتابون مین اس کے نام سے نقل کر دیا ہے، نیز یہ کہ یہ چالیس حکایتین کیونکر پوری ہوتی ہین،

(مق ۴۶/۴)

"ع"

حبشہ مین مسلمانون کی بغاوت

حبشہ سے اسلام اور مسلمانون کو جو پرانا تعلق ہے وہ ظاہر ہے، یہی وہ ملک ہے، جو مکہ معظمہ کے بعد سب سے پہلے اسلام کے نور سے منور ہوا، اور جہان مسلمانون نے مکہ معظمہ کے رئیسون کے ظلم و ستم سے گھبرا کر پناہ لی اور وہان کے نجاشی نے ان نو واردین جلاء وطن مہمانون کو اپنے امن و امان کے سایہ مین جگہ دی، مسلمانون نے حبش کے

اسی احسان کو ہمیشہ یاد رکھا، اور یہی اس وقت جب تمام کرۂ ارضی اُن کے فاتح سپاہیوں کے گھوڑوں سے پامال ہو رہا تھا حبشہ کی سرزمین پر اُنہوں نے قدم بھی نہیں رکھا، البتہ جب عربوں کی وہاں نوآبادیاں قائم ہوئیں اور ملک کی قوموں میں اسلام پھیلا تو وہاں مسلمانوں کی بھی کہیں کہیں ریاستیں قائم ہوگئیں ان اسلامی ریاستوں کو کبھی کوئی بڑی زندگی حاصل نہیں ہوئی، اور ہمیشہ جنگ و جدل میں اُنکا خاتمہ ہوا، نویں صدی میں علامہ مقریزی نے "الالمام بمن فی الحبشۃ من ملوک الاسلام" کے نام سے ان واقعات کی مختصر تاریخ لکھی ہے جو چھپ گئی ہے، الہلال کلکتہ مرحوم میں اڈیٹر معارف کے قلم سے تاریخ اسلام کا ایک گم شدہ صفحہ" کے عنوان سے اس پر مضامین کے چند سلسلے نکلے تھے،

گذشتہ جنگ عظیم میں جہاں دنیا کے اور ملکوں میں انقلابات رونما ہوئے تھے، وہاں شاید بعض صاحبوں کو یاد ہو کہ حبشہ میں بھی اسلام و عیسائیت کا ایک خونین منظر دکھائی دیا تھا، جسکی تفصیل یہ تھی کہ اسلام حبشہ کے خاندان شاہی تک پہونچ چکا ہے، اور ایک شاہزادہ مسلمان ماں کے بطن سے ہے، اور مسلمان ہے، اس بڑی لڑائی میں وہ شاہزادہ ترک اور دوسرے مسلمان قبیلوں اور امیروں کی مدد سے حبشہ کے تخت پر قابض ہوگیا تھا، لیکن بعد کو اتحادیوں کی کوشش سے دوسرا عیسائی شہزادہ غالب آیا، اور حکمران قرار پایا،

بہرحال اس زمانہ سے اسلام و عیسائیت کی کشمکش حبشہ کے تخت حکومت کے لئے قائم ہے، اور وہی کشمکش اس وقت بھی جاری ہے، افواہ ہے کہ مسلمان شہزادہ بھی باسو قید سے نکل بھاگا ہے اور اُسکے حامیوں اور مددگاروں کی ٹولیاں اُس کے ارد گرد جمع ہو رہی ہیں اور حبشہ کی مسیحی حکومت اُن کے مقابلہ کی تیاری کر رہی ہے، مصر کا قبطی بطریق شاید اسی سلسلہ میں حبشہ گیا تھا،

(ماخوذ) "س"

آثارِ علمیہ و تاریخیہ

علامہ شبلی نعمانیؒ کے غیر مطبوعہ مکاتیب

بنام

میر مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ

تقریباً پچاسی سال کا عرصہ گذرا کہ حیدرآباد دکن میں بعض علماء او فضلاء نے عربی زبان کے قدیم علوم و فنون کے احیاء اور انکی اشاعت کے لئے مجلس دائرۃ المعارف کی بنا ڈالی، اس کے مخلص محرکین میں نواب عماد الملک مرحوم، ملا عبد القیوم صاحب مرحوم، اور مولانا انوار اللہ خان صاحب مرحوم کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے،

یہ تحریک چونکہ خالص علمی اور ادبی تھی اس لئے ہندوستان کے مشہور اکابر ملت او فضلائے قوم سے بھی دائرہ کے مقاصد و اغراض کے متعلق مفید مشورے اور اس کے دستور العمل کے لئے مفید تجاویز حاصل کئے گئے، تاکہ ان مجوزہ اصول پر دائرہ اپنے علمی خدمات پیش کر سکے، مولانا شبلیؒ، مولانا حالیؒ، اور سر سیدؒ خصوصیت سے قابلِ ذکر ارکان میں تھے، ان اربابِ علم نے وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں سے دائرہ کو فائدہ پہنچایا۔

ذیل میں علامہ شبلیؒ کے چند قیمتی خطوط[1] شایع کئے جاتے ہیں، جن میں دائرہ کے اہم مقاصد پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے، خدا سے دعا ہے کہ دائرہ کو وہی علمی مرکزیت نصیب ہو جو اس کے مخلص بانیوں کی نگاہ میں تھی، آمین ۔

(سید ہاشم ندوی رکن دائرۃ المعارف)

---

[1] یہ خطوط تذکرہ عماد الملک کے مسودہ کی فراہمی کے سلسلہ میں دائرۃ المعارف کے پرانے کاغذات میں ملے جو بہ اجازت جناب مہتمم صاحب دائرۃ المعارف شایع کئے جاتے ہیں،

مکتوب نمبر ۱

عالی جناب !

فرمان عالی مورخہ یکم صفر ۱۳۱۲ھ علی گڈہ سے واپس ہوکر اعظم گڈہ مین، جہان مین آجکل مقیم ہون وردو فرما ہوا،

مجھ کو اس مجلس کی شرکت نہایت فخر و ابتہاج کے ساتھ منظور ہے، مین اس مجلس کے ساتھ مدت سے غائبانہ عقیدت رکھتا تھا، میرا سفرنامۂ ٹرکی جولائی سنہ حال مین شایع ہوا ہے، مین نے اس مین ایک مناسب موقع پر اس مجلس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی علمی فیاضیون کا اعتراف کرکے لکھا ہے کہ جو کچھ اب تک ہو ہے ہم اس سے زیادہ فیاضیون کے امیدوار ہین،

مجلس کے دستور العمل اور دیگر کاغذات اب تک نہین پہونچے، ان کے آنے پر مین اپنی تجویزون کو ایک مفصل یادداشت کی صورت مین پیش کرونگا، فقط

شبلی نعمانی

ازمقام اعظم گڈہ ۱۵ اگست ۱۸۹۴ء

مکتوب نمبر ۲

عالی جناب !

نامۂ والا معہ قانون دائرۃ المعارف وردو فرما ہوا، مین اس وقت وطن مین ہون، اور سامان علمی میرے پاس جو کچھ ہے علی گڈہ مین ہے، ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو کالج کھلیگا، اس وقت ایک مفصل یادداشت مجلس مذکور کے متعلق تیار کرکے ارسال خدمت عالی کرونگا، اس مین ضروری مطالب یہ ہونگے،

(۱) تفریح و تعین کتب ائمۂ فن قابل طبع،

(۲) ان کتابون کی مختصر کیفیت جن سے اس کی خوبی اور ندرت کا اندازہ ہو،

(۳) تعینِ مقامات جہاں سے وہ کتابیں دست یاب ہوسکتی ہیں، (۴) طریقۂ اشاعت کتب مطبوعہ جو مجلس کے سرمایہ کی ترقی کا سبب ہو۔

سفرنامہ بذریعہ ویلیوپیبل ارسال خدمت عالی ہوا فقط

شبلی نعمانی، از مقام اعظم گڈھ

۱۲ ستمبر ۱۸۹۴ء

مکتوب نمبر ۳

یادداشت برائے دائرۃ المعارف النظامیہ

دفعہ ۱۔ میں نے جو یادداشت مجلس دائرۃ المعارف کے لئے تیار کی ہے، اس کا پہلا حصہ یہ ہے، اگرچہ یہ حصہ صرف قرآن مجید کی متعلق تصنیفات سے متعلق ہے لیکن وہ اصول جو اس یادداشت کے ہر حصہ سے یکسان تعلق رکھتا ہے، اس موقع پر ظاہر کردینا ضرور ہے،

دفعہ ۲۔ میرے نزدیک مجلس کا جو مقصد سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ قدماء کی تصنیفات زندہ کئے جائیں کیونکہ یہ امر عین الیقین کے درجہ تک پہونچگیا ہے کہ فن کے اصلی مسائل صرف انہی کی تصنیفات میں ملتے ہیں، اور متاخرین کی طبع آزمائیاں زیادہ تر ان امور پر مقصود ہوتی ہیں جو فن خارجی ہیں اور جن سے اصل فن پر کچھ اثر نہیں پڑتا اس کے علاوہ قدماء کی تمام تصنیفات کا عام انداز مجتہدانہ ہوتا ہے، اور اس وجہ سے ان کی تصنیفات سے مطالعہ کرنے والون میں اجتہادی مذاق پیدا ہوسکتا ہے، بخلاف اس کے متاخرین کی تصنیفات تقلید کے محدود دائرہ سے کبھی باہر نکلنے نہیں دیتیں،

اس امر کے بیان کرنے کے بعد میں اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہون یعنی جو اس حصۂ یادداشت کا خاص مقصد ہے،

یہ امر نہایت افسوس کے قابل ہے کہ آجکل جبکہ عربی علوم و فنون کی خدمت بڑی سرگرمی سے

کی جارہی ہے، اور جبکہ سینکڑون معمولی درجہ کی تصنیفات چھپ کر شائع ہو رہی ہین، قرآن مجید کیساتھ نہایت کم اعتنا کیا گیا ہے، نہ قرآن مجید کی مآخذ تفسیر چھاپی گئی، اور نہ وہ کتابین جو صرف قرآن مجید کی بلاغت و فصاحت یا مسائل کلامیہ یا احکام فقہیہ پر لکھی گئی ہین، ان مین سے کوئی کتاب شایع کی گئی ہے، بے شبہ اس قسم کی کتابین فی نفسہا کم ہین، تاہم ہین، اور ان کے شایع ہونے سے قرآن مجید کے متعلق بہت سے نئے معلومات کا ذخیرہ مہیا ہو جائیگا، ان مین سے جو خود میری نگاہ سے گزری ہین، اُن کو مین ذیل مین لکھتا ہون،

بصائر ذوی التمیز فی لطائف القرآن العزیز۔ یہ کتاب صاحب قاموس کی تصنیف ہے، وہ ہر سورہ کے متعلق وجوہ ذیل سے بحث کرتا ہے،

(۱) سورہ کے اساس کن مضامین پر ہین اور کیا مضامین اس مین ضمناً آگئے ہین، اس کے ثبوت مین وہ خاص خاص آیتون کو پیش کرتا ہے،

(۲) اس سورہ مین جن مضامین کو بیان کیا ہے، وہی مضامین جو دوسری سورتون مین مختلف عبارتون مین بیان کئے گئے ہین، ان کے اختلافِ الفاظ کی وجہ، اور یہ کہ ہر خاص پیرایہ کیساتھ کیا وجوہ بلاغت مخصوص ہین،

(۳) احکام فقہیہ وغیرہ،

اس کتاب کے دوسرے حصے مین صرف ان الفاظ سے بحث کی ہے، جو قرآن مجید مین مختلف معنون مین مستعمل ہوئے ہین، اس کتاب کی ضخامت پانچ چھ سو صفحون کی ہے، او رکتب خانہ عاشر آفندی واقع قسطنطنیہ مین موجود ہے، مین نے اس کتاب کو بغور پڑھا ہے، بے مثل کتاب ہے،

اسرار التنزیل، امام رازی کی تصنیف ہے، قرآن آیتون سے بحث کی ہے جو مسائل کلامی یا حقیقۃ و معارف سے متعلق ہین، نہایت عمدہ کتاب ہے، کتب خانہ خدیو مین ہے ضخامت تقریباً ۱۲۰ صفحہ

اعجاز القرآن باقلانی ۔ اعجازِ قرآن کے متعلق جس قدر کتابین لکھی گئی ہین، سب مین عمدہ

ابوبکر صولی نے اس کی نسبت کہا ہے کہ لم یصنف مثلہ، ضخامت قریباً (۲۵۰) صفحہ کتبخانہ خدیو میں ہے،

روضۃ البلاغۃ، قرآن مجید میں جو مضامین ہیں اور اس قسم کے مضامین جو شعرائے جاہلیت یا مخضرمین کے ہاں بندھے ہیں اُن کا موازنہ اور قرآن مجید کی ترجیح وجوہ بلاغت کے لحاظ سے، اس کا مصنف چھٹی صدی کے آغاز میں تھا، کتب خانہ خدیو میں ہے، ضخامت قریباً (۲۰۰) صفحہ،

اعجاز القرآن لابن ابی اصبع مولوی خدابخش خان پٹنوی کے کتبخانہ میں ہے، ان کے سوا اگر،

نظم القرآن عبد القاہر جرجانی
نظم القرآن جاحظ } میسر آسکین تو اُن کو مذکورہ بالا کتابوں پر بھی ترجیح ہے،
اعجاز القرآن امام رازی

دلائل الاعجاز عبد القاہر جرجانی میں بھی اکثر قرآن مجید کے حوالے ہیں، اور یہ کتاب کتب خانہ اسعد آفندی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہی،

نقل وکتابت کا انتظام مصر سے بآسانی ممکن ہے، اور آپ غالباً قسطنطنیہ سے بھی بوجہ احسن انتظام کرسکین

اگر میری اس مختصر یادداشت پر کچھ لحاظ کیا گیا تو مجھ کو زیادہ ہمت ہوگی اور فن ادب وحدیث، وتاریخ کے متعلق مفصل یادداشتین پیش کرونگا،

شبلی نعمانی

۲۲ر نومبر ۱۸۹۲ء از علی گڈھ

مکتوب نمبر ۴

بعالی خدمت، جناب نواب اقبال یار جنگ بہادر معتمد مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ،

مراسلہ مورخہ ۱۱ر رجب ۱۳۱۰ھ موصول ہوکر باعث تشرف وافتخار ہوا، مجھ کو خوشی ہے کہ میری یادداشت مورخہ ۲۴ر ستمبر ۱۸۹۲ء معرض قبول مین آئی، اور قابل لحاظ خیال کی گئی، متعاقب وقتاً فوقتاً اور علوم وفنون کے

کے متعلق اسی قسم کی یادداشتین اور معروضات ارسال ہوتی رہینگی،

چونکہ مراسلہ سامی مین کتب کی اشاعت و فروخت کے متعلق استفسار ہوا ہے، اس لئے اس عریضہ مین اس کے متعلق کچھ گزارش کرتا ہون، اخبارات کے ذریعہ سے کتابون کا جو اشتہار دیا گیا، اگرچہ وہ خود ایک ناکافی تدبیر تھی، تاہم اس مین بھی کچھ کامیابی ہوسکتی تھی بشرطیکہ اس تدبیر کو اچھی طرح برتا جاتا، جہان تک مجھ کو معلوم ہے بہت کم اخبارون مین اشتہارات دیے گئے، اور دیئے بھی گئے تو صرف ایک ایک دو دو دفعہ، اودھ اخبار، زمانہ، آزاد، نجم الاخبار، الوقت، اخبار عام، اردو گائڈ یعنی دار السلطنت وغیرہ وغیرہ اخبارون مین بکرات و مرات اشتہارات دینا چاہئے تھا، اشاعت کی اصلی تدبیر یہ ہے کہ ہندوستان کے وہ تاجر جو عربی کتابین بیچتے ہین، اور جنکی آڑھتین دور دور قائم ہین، ان کے پاس ان کتابون کے بہت سے نسخے رکھوائے جائین، اور ان کو فیصدی ۲۵ کمیشن دیا جائے، وہ اپنی سالانہ فہرستون اور آڑھتون کے ذریعہ سے بہت آسانی سے کتابین فروخت کردین گے، البتہ اعتماد و اطمینان کے لئے ان سے کسی قسم کی ضمانت حاصل کرنی چاہئے، یہ تاجر ہمیشہ عربی کی بڑی بڑی کتابین چھاپتے رہتے ہین، اور بکتی جاتی ہین، دارقطنی، تلخیص الحبیر، فتح الباری کس قدر ضخیم کتابین ہین، اور برابر فروخت ہوتی جاتی ہین، اس قسم کے سوداگرون مین مولوی عبد الاحد مالک مجتبائی دہلی کا کارخانہ آجکل بڑھا ہوا ہے،

اس کے ساتھ مصر و شام کے سوداگرون سے معاملہ کرنا چاہئے، ان مین سے دو شخص جنکے نام و پتہ ذیل مین درج ہے ان سے خط و کتابت کرنا مناسب ہوگا،

(۱) سید عبد الواحد طوبی، قریب الجامعۃ الازہر، قاہرہ، مصر، (۲) شیخ عبد الباسط الانسی، المکتبۃ الانسیہ، بیروت، سوریا، یہ لوگ جواب مین تصریح سے لکھینگے کہ انکو کس طرح پر معاملہ کرنا منظور ہے، انکے اعتبار اور راست معاملگی کی مین قطعی شہادت دیتا ہون،

کارکنانِ مطبع مین سے ایک شخص خاص اس قسم کے کامون کیلئے مامور ہونا چاہئے،

شبلی نعمانی، ۲۰ جنوری ۱۸۹۵ء،

اخبارِ علمیہ،

ایک عجیب تجربہ،

مس ایچ بی فیل نے جو کیمبرج کے دار التجربہ مین خیاتیات کے متعلق مزید تحقیقات مین مصروف ہے ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز تجربہ حال ہی مین کیا ہے، اس وقت تک لوگون کا خیال تھا کہ بچہ کی رحم مادر کے باہر زندگی محال ہے، اور اُس کے بڑھنے اور ترقی کرنے کا سوال تو مضحکہ ہی ہے، مگر مس فیل نے اپنے تجربہ سے یہ بات غلط ثابت کر دکھائی ہے، اس کا خیال ہے کہ غذا و حرارت کا ٹھیک ٹھیک خیال رکھا جائے تو کوئی وجہ نہین کہ بچہ جو گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے ترقی نہ کرے، چنانچہ اس نے اس کا تجربہ کیا اور ساٹھ دن مین وہ مضغہ گوشت نلکی کے اندر تگنا ہو گیا،

بڑے شہر کے باشندے،

موجودہ تمدن کی ایک بڑی نشانی وسیع شہر، ان کی فلک بوس عمارتین، اُن کے لاتعداد کارخانے اور اُن کی ہنگامہ خیز پرشور زندگی سمجھی جاتی ہے لیکن ماہرینِ سائنس کے نزدیک یہی چیزین انسانی صحت کے لئے سب سے بڑی لعنتین ثابت ہو رہی ہین، اُس وقت اڈیسن موجودہ زمانہ کا سب سے بڑا ماہرِ سائنس سمجھا جاتا ہے، برقی قوت لاسلکی وغیرہ اسی کے ذہن کی مرہونِ منت ہین لیکن خود اسکا یہ خیال ہے کہ اگر شہرون مین انسانون، کارخانون اور موٹرون وغیرہ کا یہی شور باقی رہا تو وہ دن زیادہ دور نہین جبکہ ان شہرون کے باشندے اپنی قوت سامعہ کھو بیٹھینگے،

کیا انسانی زندگی بڑھ رہی ہے،

ڈاکٹر ایل، الیت، ڈبلن، کا دعویٰ ہے کہ یہ اطلاع کہ گذشتہ دس سال مین انسانی عمر مین دو سال کا اوسطاً اضافہ ہو گیا ہے، بالکل بے بنیاد ہے، بلکہ ان کا بیان ہے کہ گذشتہ صدی مین اصولِ حفظانِ صحت کے

تعلق جو کچھ ترقیاں ہوئی ہیں اور انواع و اقسام کی جو جدید ادویہ و آلات ایجاد ہوئے ہیں، ان کے باوجود حیات انسانی کے شہور و سنین میں مطلقا کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے،

۱۹۳۰ء میں سورج گرہن اور چاند گرہن

امسال دو دفعہ سورج میں اور دو دفعہ چاند میں گرہن لگیگا، ۱۳ اپریل گذشتہ کو چاند میں معمولی سا گرہن لگا، اور ۲۸ اپریل کو سورج میں گرہن تھا جو بعض مقامات میں پورا تھا، آیندہ ۷ اکتوبر کو چاند میں معمولی گرہن اور ۲۱ اکتوبر کو سورج میں پورا گرہن لگے گا،

افق کی دوری،

افق جہاں دیکھنے والے کو آسمان کا کنارہ زمین سے لگا ہوا نظر آتا ہے، یہ کوئی حقیقی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کی حد نظر کا نام ہے، دیکھنے والے کی آنکھیں جتنی اونچی ہونگی اتنی ہی دور یہ منظر اس کو دکھائی دیگا، اگر کوئی ۲۰ فٹ اونچا ہوگا تو اس کو افق ۶ میل دور نظر آئیگا اور اگر ۵۰ فٹ بلند ہوگا تو افق اس سے ۹ میل اور کچھ کسر پر دکھائی پڑیگا، اور اگر ۱۰۰ فٹ اونچا کھڑا ہو تو اس کا بعد ۱۳ میل معلوم ہوگا، اور اگر ۵۰۰ فٹ کی اونچائی ہو تو بعد ۲۹½ میل ہوگا، اور اگر ایک ہزار اونچا ہو تو دوری ۴۱ میل ہوگی، اور اگر پانچ ہزار میل اونچا ہو تو بعد ۹۳ میل اور ۲۰ ہزار اونچائی پر ۱۸۶ میل کی دوری ہوگی،

"ن"

ایک نیا ستارہ،

آسٹریا کے پروفیسر جوہان پالیزن نے چھوٹے سے ایک نئے ستارہ کا پتہ معلوم کیا ہے، وائنا کی فنونی کی مجلس نے اس کا نام امریکہ کے نئے رئیس (پریسیڈنٹ) کے نام پر ہوور رکھا ہے کہ اسی کی کوشش نے جنگ عظیم میں یورپ کو بھوک کی مصیبت سے بچایا،

ڈارون کی یادگار،

انگریزوں نے اپنے مشہور حکیم اور مذہب ارتقا کے بانی ڈارون کی یادگار اس طرح قائم کی کہ اس کے

شہور مکان ڈاروِن ہوس کو جو لندن کے اطراف مین ہے، ڈاروِن کے پوتے پروفیسر چارلس گلٹن ڈاروِن سے خرید لیا، اور اس کی قیمت مسٹر جارج بکسٹن بروِن ایک انگریز سرجن نے ادا کی، اور اس مکان کو برطانی علمی مجلس کے سپرد کر دیا، گذشتہ موسم سرما مین عوام کے لئے یہ مکان ایک زیارتگاہ کی حیثیت سے کھول دیا گیا، یہی وہ مکان ہے جسمین ڈاروِن نے علم الحیات پر اپنی کتابین "اصل انواع" اور "تسلسل انسان" وغیرہ لکھین، علمائے طبعیات سے خواہش کی گئی ہے کہ ڈاروِن کے نظریۂ ارتقار کے سلسلہ مین ان کے پاس جو طبعیاتی نمونے ہون وہ اس عجائب خانہ مین رکھنے کیلئے تحفہ دین،

شمالی افریقہ کا مستقبل

نہر سویز کے بعد اسپینی انجینیر اور مہندس اس سے بھی زیادہ ایک حیرت انگیز قدم اٹھانے کی تیاری کر رہے ہین یعنی افریقہ کے خشک اور بے آب وگیاہ صحرا مین ایک عظیم الشان نہر بلکہ دریا بنا دینا چاہتے ہین جس سے یہان کی گرم ہوا ٹھنڈی ہو جا سکے، یہ پتہ چلا ہے کہ اس براعظم مین بہت سی خشک جھیلون کے نشانات ہین جو ایک دوسرے سے خشک نہرون کے ذریعہ سے ملی ہوئی تھین اور یہ سب کی سب سمندر کی سطح سے پست ہین، اب تجویز یہ ہے کہ بحر متوسط (میڈیٹرینین) سے افریقہ کی زمین کھود کر ان خشک جھیلون تک پانی لایا جائے، اس طرح اس براعظم مین تیس ہزار میل کی ایک جھیل بن جائیگی، اور جب جنوبی خشک ہوا چلیگی تو شمالی پہاڑون تک سمندر سے اٹھنے والے بخارات پہونچینگے، اور بادل بنکر برسینگے، اور اس تدبیر سے اس اقلیم کے طبعی موسم، آب وہوا اور خصوصیات مین انقلاب پیدا ہو جائیگا،

سترہوین اقوامی مجلس مستشرقین

مستشرقین کی بین الاقوامی مجلس کے سترہوین اجلاس کی جو آکسفورڈ مین ۱۹۲۸ء مین ہوا تھا، روداد انگریزی مین شائع ہوئی ہے، اس مین گذشتہ اجلاسون کی رپورٹین اور موجودہ مجلس کے عہدہ دارون مجلس اور ان حکومتون اور درسگاہون کے نام ہین جو اس مین نمایندگی کرتی تھین اور ان سب کمیٹیون کی روداد

ہیئۃ مجلس کے ماتحت قائم ہوئی تھین، یہ تو ذیلی مجلسین (سب کمیٹیان) تھین، ایک عام ذیلی مجلس، دوسری اشوری زبان اور اس کے ملحقات کی، تیسری مصر اور افریقہ کی، چوتھی وسط اور شمالی ایشیا کی، پانچوین مشرق اقصی کی، چھٹی کے تین حصے تھے، پہلا قدیم ہندوستان، دوسرا نیا ہندوستان یعنی جنوبی ہند اور سیلون تیرا ایران، آرمینیا اور کوہ قاف، ساتوین توراۃ سے متعلق قدیم عہد عبرانی و آرامی، اور آٹھوین اسلامی اور ترکی، اور نوین مشرقی فن کے متعلق، اس رو داد کی قیمت ساڑھے سات شلنگ ہے،

برقی تصویر کشی

برقی تارون کے ذریعہ سے دور دراز مسافتون سے تصویر اتارنے کی ایجاد روز بروز ترقی کر رہی ہے، یہان تک کہ اب لندن سے برلن مین، اور برلن سے لندن مین تصویر اُتار لی جاتی ہے، امید ہے کہ اب جرمنی کے مختلف شہرون سے ہولینڈ اور بلجیم تک یہ سلسلہ قائم کر دیا جائیگا، اور بھیجنے کا خرچ ایک مربع سنٹی میٹر پر ڈھائی آنے کے قریب خرچ ہوگا، مثلاً اگر تصویر ۱۸ سنٹی میٹر بڑی اور ۱۳ سنٹی میٹر چوڑی ہوئی تو اس کا خرچ ایک پونڈ کے قریب ہوگا،

مصری کتبخانہ کی فہرست

آجکل مصر کے خدیوی کتبخانہ کی نئی فہرست کی اشاعت کا سامان ہو رہا ہے، چنانچہ اب اُسکی چوتھی جلد شایع ہوئی ہے، کتبخانہ کی پہلی فہرست بالکل بھدے اور پرانے ٹائپ مین بدترین کاغذ پر چھپی تھی، امید ہے کہ یہ جلد ان عیوب سے پاک ہوگی، "س"

ادبیات

جنونِ آرزو

از

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیلؔ، ایم اے ال ال بی، اعظم گڈھ

(۱)

جناب سہیلؔ نے یہ نظم اعظم گڈھ کے ایک جلسہ مین پڑھکر سنائی تھی، جو بے حد پسند کی گئی تھی، اسمین طبعیات کے ایک مسئلہ کو ایک فلسفیانہ خیال کے قالب مین ڈھال کر ایک اخلاقی نتیجہ پیدا کیا ہے، نظم ابھی ناتمام ہے، تاہم ان بندون مین جو خیال ادا کیا گیا ہے وہ ناتمام نہین،

دامنِ کہسار سے رقصان چلی اک جوے آب
جستجوے منزلِ مقصود مین پا در رکاب

عزم راسخ جسکی سیرت سعی پیہم جس کی خو
بیقراری جسکی طینت جسکی فطرت پیچ و تاب

دید کے قابل جنونِ شوق کی وارفتگی
چند قطرون کی جماعت اور جہانِ اضطراب

جھوم کر منبع سے نکلی ایسی لہراتی ہوئی
پی کے میخانہ سے نکلے جسطرح رندِ خراب

ایک دلکش زمزمہ پیدا خرامِ شوق سے
جسکی موسیقی پہ صدقے نغمۂ چنگ و رباب

جیسے پاے شوق مین چھالے پڑین اور پھوٹین
ٹوٹتے رہتے ہین یون ہی راہ مین کتنے حباب

ایک دریا سا ابلتا آرہا ہے جوش مین
جس کی کوئی حد نہین جسکا نہین کوئی حساب

جو قدم راہِ طلب مین اٹھ گیا وہ اٹھ گیا
پیچھے ہٹنا معصیت دم بھر ٹھہر جانا عذاب

جرم ہے راہِ جنون مین دوسرونکا انتظار
ساتھ چلنا ہو جنھین وہ آپ ہولین ہمرکاب

خار و خس کی کیا حقیقت ہے جو آئیں سامنے　　　کوہ بھی آئے مقابل تو وہ ہے ناکامیاب
جس نے کھائی اسکی ٹکر چور ہو کر رہ گیا　　　جس نے اسکی راہ روکی خود ہوا خانہ خراب
ہر قدم پر موج نے زنجیر ڈالی پاؤن مین　　　پھر بھی رقصان لے چلا خود اسکا جوشِ اضطراب
سبزہ و گل نے قدم چومے سرِ ساحل مگر　　　جز تبسم کچھ نہ پایا اس خوشامد کا جواب
ہے فلک والون مین بھی دھوم اس سلوکِ شوق کی　　　آکے کسبِ فیض کرتی ہے شعاعِ آفتاب
عمر گزری جادۂ اخلاص پر چلتے ہوئے　　　پھر بھی تھکنا کیا وہی جوشِ جنون کا ہے شباب

رفتہ رفتہ طے ہوئی آخر رہِ دیدارِ جستجو　　　بحر کے آغوش مین یہ موج اب ہے کامیاب
بڑھ گیا لیکن یہان تو اور بھی جوشِ جنون　　　بنگیا ہے اب تو نصب العین اس کا ماہتاب
چاندنی نے ایک دزدیدہ نظر ڈالی جہان　　　ہوگیا سینے مین پیدا ایک جوشِ التہاب
شہسوارِ شب ہوا جس دم فلک پر جلوہ زن　　　جوش کہتا ہے لپک کر چوم لے اس کی رکاب
ایک حشرِ آرزو برپا ہے جانِ زار مین　　　جزر و مد کہیئے اسے یا ایک جہدِ انقلاب
جو دھوان اُٹھتا ہے اسکے سینۂ پرشور سے　　　وہ فضائے آسمان پر جاکے بنتا ہے سحاب
ابرِ رحمت بنکے پھر ہوتا ہے جب وہ شعلہ بار　　　حسنِ فطرت کا رخِ رنگین سے اُٹھتا ہے نقاب
باہجومِ لالہ و گل جنتِ نظارہ ہے　　　یا فروغِ تاجِ شاہی مین گہرہائے خوش آب

اک سرِ شوریدہ نے یہ حشر برپا کردیا
ایک دیوانے نے عالم مین اُجالا کردیا

(۲)

اے جنونِ آرزو اے جوشِ طوفانِ حیات　　　ایک تیرے دم سے ہے وابستہ پیمانِ حیات

زندگی شاید اسی کو سمجھے ہیں اربابِ ہوش — اہل دل کہتے ہیں جسکو داغِ دامانِ حیات
کس نے اس سادہ ورق کا زندگی رکھا ہے نام — خون کے چھینٹوں سے ہے گلرنگ دامانِ حیات
فکرِ فردا ننگ ہے اربابِ ہمت کے لئے — سرفروشی ہے فقط طغرائے عنوانِ حیات
تیرے دیوانوں سے آکر لیں نویدِ زندگی — جن کو اس صحرائے ہستی میں ہوا رمانِ حیات
زندگی کا راز کیا سمجھیں بھلا اربابِ ہوش — بیخودی ہے اولیں درسِ دبستانِ حیات
ایک مقصود گریزاں ہو نظر کے سامنے — اور تعاقب میں رواں ہو موجِ طوفانِ حیات
جان دیکر راہِ ملت میں ملے عمرِ دوام — ہو طلوعِ صبحِ ہستی چاک دامانِ حیات
گرمیِ سعیِ طلب ہو جس زمین پر خون فشاں — لہلہا اٹھے وہاں اک سنبلستانِ حیات
قطرۂ اشکِ محبت جذب ہو جس خاک میں — پھوٹ نکلے اس زمین سے موجِ عمّانِ حیات
پائے سالک چھوڑ جائے جس جگہ نقشِ قدم — خود بخود پڑ جائے واں بنیادِ ایوانِ حیات
کشتگانِ عشق کا جس خاک پر ٹپکے لہو — خود بخود اٹھے وہاں سے محشرستانِ حیات
ملتِ افسردہ سے کہدے کوئی میرا پیام — زندہ رہنا ہے تو پیدا کیجئے شانِ حیات
پہلے جذبِ شوق سے دریوزۂ آتش تو کر — جل کے پھر بجھتی نہیں شمعِ فروزانِ حیات

قطرۂ آبے کہ خود را غرقِ دریا می کند
در پئے ہر مرگ صد جانِ دگر پیدا کند

سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلیفہ اموی کے سوانحِ حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم ست عہ ضخامت ۱۹۰ صفحے، "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

جناب ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی پی ایچ ڈی پروفیسر الہ آباد

کے

تعقب و تبصرہ پر ایک تنقیدی نظر

از

مولانا اکرام اللہ خان صاحب ندوی، معاون ادبی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

جناب ڈاکٹر صاحب نے مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب کی نو تالیف کتاب المبین پر معارف کے گذشتہ نمبر مین تبصرہ فرمایا ہے، یہ طویل الذیل مضمون ۲۶ صفحہ پر ختم ہوا ہے، کیونکہ تبصرہ کے علاوہ اسمین اور کچھ بھی ہے جس کی توقع کم از کم ڈاکٹر صاحب جیسے شخص سے نہین کیجا سکتی تھی، اگر اس تبصرہ مین دل شکن استہزاء سے کام نہ لیا جاتا تو اچھا تھا، ہم کوشش کرینگے کہ اپنی تنقید نفس مسئلہ تک محدود رکھین، تنقید مین ہم نے تبصرہ نگار کی ترتیب کو ملحوظ نہین رکھا ہے،

صفحہ ۲۰ کے ذیلی نوٹ مین ڈاکٹر صاحب ارشاد فرماتے ہین:

"امام رازی نے تفسیر کبیر کی پہلی جلد مین صفحہ ۰ سے صفحہ ۹ تک اشتقاق اکبر کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر یہ کہین سے ثابت نہین کہ اُنھون نے اسکی صحت کو مان لیا ہے، بلکہ انھون نے اسکی خرابیون کی طرف توجہ دلائی ہے (دیکھو جلد ۱ صفحہ ۰ المسئلۃ الثانیہ) اسی طرح جلد ۱ صفحہ ۲۲ پر اس نظریہ کو سعی باطل" اور

عمل صائع کہا ہے، کہ ایک لفظ دوسرے سے مشتق کیا جائے "۔

اس کے بعد صفحہ ۲۲ پر ارشاد ہوتا ہے :۔

"سیوطی کے لفظوں کا ترجمہ اوپر دیدیا گیا، خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ اشتقاق اکبر کے مقابلہ مین جس چیز کو اشتقاق اصغر کہتے ہین وہ تو ایک مستند چیز ہے، گر خود اشتقاق اکبر محققون کے نزدیک کوئی چیز نہین بلکہ وہ زبان مین فساد پیدا کرتا ہے اور اس کو عربی زبان مین تلاش کرنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی عنقا کی تلاش مین سرگردان رہے اور ہوا کے سوا کچھ بھی اس کے ہاتھ نہ آئے، یہ ہے "المبین" کا مبنیٰ"۔

گذارش :۔ پہلی گذارش یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث مین جہان تک الفاظ کا بدل کر بامعنی رہنا ہے اس حد تک اسکی صحت کا معیار لغت کی کتابین ہین، کسی ثلاثی لفظ کو لیکر اشکال ستہ کی طرف منقلب کیجئے اس کے بعد اُن الفاظ کے معانی لغت مین تلاش کیجئے، صحیح طریق عمل یہی ہے، اس سے کیا بحث کہ متقدمین یا متاخرین نے اسکو تسلیم بھی کیا ہے یا نہین ؛

اسلیے کہ یہ ظاہر ہے کہ اگر ثلاثی کے حروف کو منقلب کرین تو اسکی چھ صورتین ہونگی، واقعہ یہی ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کسی زبان کے سہ حرفی لفظ کو لیکر دیکھ لیجئے، اب رہی یہ بحث کہ اس الٹ پلٹ کے بعد وہ بامعنیٰ بھی رہے گا یا نہین ؛ تو لغت کی کتابین موجود ہین، اُن مین تلاش کیجئے، اگر وہان معنیٰ موجود ہین تو پھر کسی کے انکار کے کیا معنیٰ ! اور اگر نہین موجود ہین تو پھر کسی کے اقرار سے کیا حاصل ؛

دوسری گذارش یہ ہے کہ "المبین" نے کہین یہ دعویٰ نہین کیا کہ اشتقاق اکبر اس بنا پر صحیح ہے کہ ابن جنی نے ایسا لکھا ہے، بلکہ اس کے ثبوت مین پینتالیس الفاظ ایسے پیش کئے ہین، جنکی چھ شکلون مین سے پانچ کے معنی معتبر ہین اور ایک کے ضائع، اس کے علاوہ تقریبًا سو سے زیادہ ایسے الفاظ پیش کئے ہین جنکی چھ کی چھ شکلین مستعمل و معتبر ہین، کیا اثبات دعویٰ کے لیے اتنی مثالین کافی نہین ؟

تیسری گذارش یہ ہے کہ از راہ لطف و کرم یہ فرمایا جائے کہ اعتراض دعوے کے کس حصہ پر ہے آیا

ثلاثی کے ہر استعمال ہونے پر، یا اُن کے بامعنی رہنے پر، یا اس پر کہ ان استعمال شدہ مین ایک مشترک معنی پیدا نہین ہوتے، اول الذکر دو صورتون کا جواب اوپر عرض کیا گیا، لیکن اسی سلسلہ مین اس قدر اور گذارش ہے کہ چھ یا پانچ شکلون کے بامعنی رہنے کی مثالین زیادہ ہین، پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ۴، ۳ ۔ اور ۲ کے بامعنی رہنے کی، البتہ ایسی صورت کہ جس مین ایک ہی شکل معتبر اور بقیہ پانچ متروک و ضائع ہون، تو اس کے مواقع وہی ہین جنکو استقرار کرکے مصنف نے لکھدیا ہے (ملاحظہ ہو المبین از حصہ آخر صفحہ ۷ تا اوائل صفحہ ۹)

اب ان الفاظ کے علاوہ اگر کچھ اور الفاظ ایسے پیش کئے جائین جن کے ایک معنی معتبر اور پانچ ضائع ہون، اور وہ الفاظ عربی ہون تو ان کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ النادر کالمعدوم کے حکم مین آجائین گے،

غرض اب آخری صورت پر اعتراض کی گنجایش رہ گئی یعنی اس امکان کی نفی کہ وہ الفاظ جو مقلوب و بامعنی ہین ان مین کسی معنی کا مشترک قرار دینا ممکن نہین، بلکہ محال ہے، یہ اس بنا پر کہ کوئی چیز بھی فرض کر لیجئے وہ ممکن ہوگی یا واجب یا ممتنع، صورت موجودہ مین امکان کی تو نفی کیگئی، تو پھر وجوب کا کوئی موقع نہین اسلیے محال ہی سمجھنا چاہیئے، لیکن بانیہمہ مصنف المبین کے دعویٰ کو کوئی جنبش نہین ہوئی وہ اپنی جگہ پر قائم ہے، وہ امکان کے قائل ہین آپ امتناع کے، اگر اس معاملہ مین ہم آپکا ہم نوا بنجاؤن، جب بھی الفاظ کا مقلوب ہوکر بامعنی رہنا تو اپنے موقع پر مسلم ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، لغت کی کتابین اسکی بہترین شاہد ہین، تبصرہ کے صفحہ ۱۶ سے ۲۳ تک کے متعلق اس قدر عرض کرنا کافی ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جستہ جستہ مقامات سے المبین کے الفاظ نقل کردیئے جائین تاکہ جن اصحاب نے المبین کا مطالعہ نہین کیا وہ بھی یہ معلوم کرسکین کہ اشتقاق کبیر کی بحث المبین مین کیون لکھی گئی اور مصنف کا اس سے کیا مقصد ہے؟

ملاحظہ ہو المبین صفحہ ۹۶،

"صغیر مین مادہ مشتق منہ ہے، اور دوسرے کلمات ماضی، مضارع، ظرف وغیرہ مشتق ہین لیکن کبیر

معنی ہونا بمنزلۂ مشتق منہ ہے، اور دوسرے کلمات مشتق ہیں، گویا صغیر میں اشتقاق
ن ہوا ہے اور کبیر میں بمعنی اصطلاحی جس کا مقصد یہ ہے کہ جب حروف کی ترکیب
رتبہ تک پہنچ جائے کہ اسکی دلالت کسی معنی پر ہوتی ہو تو اب اگر ان حرفوں کی ترتیب
رہ لفظ تبدیل شدہ مہمل نہ ہوگا، بلکہ اس کا بامعنی و موضوع ہونا ایسا مستحکم ہو گیا
ی پر اسکی دلالت ہو رہی ہوگی، تبدیلِ ہیئت سے تبدیلِ معنی البتہ ہوگا، لیکن
ب لفظ موضوع بامعنی ہیئت کے بدل جانے سے بے معنی و مہمل ہو جائے،
ق منہ کے معنی سارے مشتقات میں جیسا کہ مشترک ہوتے ہیں، ایسی ہی اشتقاق
ی ہونا سب میں مشترک ہوگا"

نے لفظ قمر کی اشکال ستہ کو بامعنی دکھا کر ان پانچ مواقع کا ذکر کیا ہے، جہاں الفاظ
یا شکل تقلیبی مقبول نہ ہوگی اور بعد بیان مواقع خمسہ یہ لکھا ہے،

لع کے ہر صورت میں لفظ چھ شکل اختیار کریگا، اور بامعنی رہیگا، پھر ان سب کے
یے جائیں گے جو ہر ایک میں مشترک ہوں"

ے اشتقاق کا صحیح مصداق فی الحقیقت اشتقاق صغیر ہی ہے اسلئے کہ یہاں ایک
خوذ ہوتا ہے، لیکن اشتقاقِ کبیر میں کسی ایک کو دوسرے سے نہ مشتق کہہ سکتے
شتق ہے، اس لیے کہ قمر نہ رقم سے ماخوذ ہے، نہ رقم، قمر سے بنایا گیا ہے، ان میں
تقل معنی رکھتا ہے"

ظر کیجیے صاحبِ المبین لکھتے ہیں:۔

ر میں نے ۲۲ مادوں کی شکل بدل کر دکھائی ہے لیکن فی الحقیقت کچھ کم دو تہائی
یے ہیں کہ جنمیں اشتقاق کبیر جاری ہے، اسلیے کہ اگر قمر کی چھ شکلیں ہوتی ہیں تو

اسکی کوئی وجہ نہیں جو رقم کی چھ شکلین نہ کیجائین یا رمق کے متعلق یہ دعویٰ نہ کیا جائے،
یا سلیے کہ باعتبار واقعہ اشکال ستہ مین سے نہ کوئی ماخذ مشتق منہ ہے نہ کوئی ماخذ مشتق، اس تو ڑ
پھیر سے صرف اس امر کی طرف رہنمائی منظور ہے کہ لفظ موضوع کا عربی زبان مین پایہ کتنا
بلند و مستحکم ہے"؛

اب صفحہ ۱۱۱ دیکھئے،

"وجوہ ثلثہ کی طرف توجہ دلانے سے مقصد یہ ہے کہ اشتقاق کبیر کا قاعدہ اپنی جگہ پر صحیح ہے
کثیر تعداد الفاظ کی تو ایسی ہی ہے، جو اشکال ستہ قبول کرتی ہین، اوران کے معانی لغات متداو
مین پائے بھی جاتے ہین لیکن ایسے الفاظ بھی ہین جنکی پانچ یا چار شکلین ہین، بقیہ دو یا ایک
شکل کے معنی لغت مین موجود نہین لیکن باعتبار واقعہ بے معنی وہ بھی نہین ہین، ان کی طرف
توجہ یون نہ ہوئی کہ اسی معنیٰ مین ان سے فصاحت مین بلند مرتبہ لفظ موجود تھا، ہمیشہ قاعدہ اور
ضابطہ مین کثرت کا لحاظ کیا جاتا ہے، قلیل تعداد شاذ و نادر کے ذیل مین آجاتی ہے"؛

اب اسی سلسلہ مین صفحہ ۱۴۸ بھی پڑھ لیجئے، جہان رباعی وخماسی سے اشتقاق کبیر پر بحث کی گئی ہے
ثلاثی کے جملہ کلمات مین اشتقاق کبیر کا عمل ہوگا، اور کثیر اشکال کے معنی لغات متداولہ مین ملجائینگے
تقریباً سو مین ۹۵، لیکن رباعی کی شکلین ۲۴ ہونگی، اور خماسی کی ایک سو بیس، مگر رباعی کی
اشکال مقلوبہ کثرت سے متروک ہونگی، پانچ، چھہ اور سات شکلون سے زیادہ کے معنی نہ ملینگے،
خماسی کی یہ حالت ہوگی کہ مشکل دو ایک صورتین مستعمل المعنی ہون، یہان سب کی سب متروک
ہونگی، اس ترک کی بھی علت وہی ہے کہ عرب زیادہ حروف سے کلمات کا ترکیب دینا سہولت
اور اسکے منافی جانتے ہین، اگر خماسی اور رباعی کی کل اشکال مقبول ومستعمل ہوجاتین تو چند ہی الفاظ
مقلوب سے رباعی اور خماسی کا ذخیرہ ہوجاتا اور اس کثرت سے زبان کی نفاست مین فرق آتا

اسی وجہ سے مصادر و افعال کا خماسی وزن ہی نہین آتا یعنی کوئی مصدر اور فعل ایسا نہ ہوگا جس کے حروف اصلیہ پانچ ہون"

ان مندرجۂ بالا عبارات کے نقل کرنے کے بعد یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ المبین نے یہ کہان کہا ہے کہ اشتقاق کبیر حقیقی معنی مین اشتقاق ہے؛ نیز یہ کہان کہا ہے کہ اشکال مقلوبہ مین باہم مشتق اور مشتق منہ کی نسبت ہے، بلکہ ہر جگہ اس کی نفی کی ہے، اور بار بار صاف و واضح الفاظ مین ماخذ و ماخوذ یا مشتق و مشتق منہ کہنے سے انکار کیا ہے جیسا کہ صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۸ کی منقولہ عبارتون سے واضح ہوا،

البتہ یہان یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب الفاظ مقلوبہ مین مشتق و مشتق منہ کی نسبت نہین تو پھر اس بحث سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب مصنف المبین کے الفاظ مین یہ ہے کہ "اس لوٹ پھیر سے صرف اس امر کی طرف رہنمائی منظور ہے کہ لفظ موضوع کا عربی زبان مین پایہ کتنا بلند و مستحکم ہے" صفحہ ۱۰۰ کی عبارت منقولہ کے سلسلہ مین یہ فقرہ اوپر آچکا ہے،

علامہ سیوطیؒ کی تحقیق سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اشتقاق کبیر کے بیان کرنے کے بعد الفاظ مقلوبہ کو مشتق و مشتق منہ قرار دینے اور اس بحث مین لفظ اشتقاق کو حقیقی معنی مین لیکر قاعدۂ اشتقاق کو جاری کرنے مین جو خرابیان ہین ان سب کو مدلل و مفصل طریقہ سے بیان کیا ہے، لیکن المبین کی عبارتین نقل کر دینے کے بعد اب یہ کہنے کی حاجت نہین کہ سیوطی کا یہ بیان درحقیقت مصنف المبین کی تائید ہے اور تائید بھی مدلل،

البتہ اگر سیوطی اشکال ستہ کا انکار کرتے، یا یہ کہتے کہ الفاظ مقلوب ہو کر بے معنی ہو جاتے ہین، یا یہ کہتے کہ الفاظ کا بدلنے کے بعد بامعنیٰ رہنا کچھ عربی زبان کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ دوسری زبانون مین بھی ایسا ہوتا ہے یا یہ کہتے کہ لفظ بدل کر اگر بامعنیٰ رہ جائے تو لفظ معنی دار کے لیے یہ رزانت و استحکام کی دلیل نہین تو البتہ مصنف المبین یا ابن جنی کا رد و ابطال ہوتا،

صاف ظاہر ہے کہ علامہ سیوطی کا مقصد یہ ہے کہ اشتقاق صغیر تو حقیقی معنی مین اشتقاق ہے اس لیے قدمائے

اسے اختیار کرکے اس کے لیے قواعد و ضوابط بنائے، رہا اشتقاق کبیر وہ چونکہ حقیقی معنی میں اشتقاق نہیں اسلیے یہاں اشتقاق کا قاعدہ جاری کرنا اور اس سے مقصد حاصل کرنا عنقائے مغرب کی جستجو ہے، اس ساری بحث کے مطالعہ سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ جو کچھ مصنفِ المبین نے کہا ہے، علامہ سیوطی بھی وہی کہتے ہین،

امام رازی کا بیان
تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۵۹
مسئلہ ثانیہ

امام رازی نے یہ بیان کیا ہے کہ اشتقاق اصغر تو سہل ہے معتاد ہے مالوف ہے، لیکن اشتقاق اکبر صعب ہے دشوار ہے، اور اس کے وجوہ وہی بیان کیے ہین جو صاحب المبین نے لکھے ہین، مثلاً خماسی کی شکلون کا خال خال بامعنی ہونا، رباعی کی اشکال مین بامعنی کم اور متروک و ضائع زیادہ وغیر ذالک، پھر ثلاثی کی چھ شکلون مین سے بعض کا متروک ہونا، جیسا کہ المبین نے بھی لکھا ہے، لیکن اسکی خرابیون کا کہین ذکر نہین، دشواری اور خرابی ہم معنی نہین، لیکن ان دشواریون کے تذکرہ کے باوجود امام رازی لکھتے ہین، "ومع ذالك فان القدر الممكن منه هو لغاية القصوى فی تحقيق الكلام فی المباحث اللغوية" یعنی باوجود ان دشواریون کے جس قدر بھی ازروے اشتقاق اکبر ممکن ہو وہ لغوی مباحث مین کلام کی تحقیق کا انتہائے کمال ہے،،

اس فیصلہ کے بعد مسئلہ ثالثہ مین لفظ کلمہ، مسئلہ سادسہ مین لفظ قول، مسئلہ سابعہ مین لفظ لغت، مسئلہ تاسعہ مین لفظ عبادت ان سب کا اشتقاق کبیر کرکے اپنے فیصلہ پر شہادت پیش کردی ہے، لطف یہ کہ مسئلہ سابعہ مین ابن جنی کی اس فروگذاشت کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے لفظ لغت کا اشتقاق کبیر کرکے معنی نہ بتائے "قلت ابن جنی قد اعتبر الاشتقاق الاکبر فی الکلمة والقول ولم يعتبر ههنا وهو حاصل فيها" یعنی مین کہتا ہون کہ ابن جنی نے اشتقاق اکبر کا کلمہ اور قول مین تو اعتبار کیا، اور یہان یعنی لفظ لغت مین اس کا اعتبار نہ کیا حالانکہ وہ یہان حاصل ہے،

مباحث لغویہ مین غایۃ قصوی کہنا، پھر چار لفظون کا اشتقاق اکبر کرنا، الفاظ مقلوبہ مین معنی مشترک قائم کرنا، ابن جنی کی فروگذاشت پر توجہ دلانا کیا خرابیون کا اظہار کرنا ہے ؟

تفسیر کبیر امام رازی
جلد ا صفحہ ۲۳

اس باب کو کوئی تعلق اشتقاق صغیر اور اشتقاق کبیر سے نہین ہے، یہان اسم جنس اور مشتق کے احکام مذکور ہین، ان کے الفاظ یہ ہین :-

اسماء الاجناس سابقة بالرتبة على الاسماء المشتقة لان الاسم المشتق متفرع
على الاسم المشتق منه فلو كان اسمه ايضا مشتقا لزم اما التسلسل واما الدور
وهما محالان فيجب الانتهاء فى الاشتقاقات الى اسماء موضوعة جامدة والموضوع
غنى عن المشتق والمشتق محتاج الى الموضوع فوجب كون الموضوع سابقا بالرتبة
على المشتق ويظهر هذا ان هذا الذى ليعتاده اللغويون والنحويون من التبليغ
فى ان يجعلوا كل لفظ مشتقا من شئ آخر سعى باطل وعمل ضائع،

اس کا ماحصل یہ ہے کہ اسمار مشتقات کی انتہا اگر اسم جامد پر نہ ہو، بلکہ جامد کو بھی کسی کا مثل اسم مشتق کے مشتق
کیا جائے تو یا دور لازم آئیگا یا تسلسل اور یہ دونون محال، پس مشتق کا جامد پر منتہی ہو جانا ضرور ہے اور نحویون
ولغویون کا ہر لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے مشتق بنانا سعی باطل وعمل ضائع ہے،

تبصرہ کے صفحہ ۴۲ پر دوسری بحث کا آغاز ڈاکٹر صاحب نے اسطرح کیا ہے۔

"چھٹے باب کے دوسرے نصف مین (ص ۱۱۴-۱۳۲) معرب ودخیل کی بحث ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کسی زبان مین دوسری زبانون کے لفظون کا داخل
ہوجانا اس کے لیے ننگ وعار کا باعث ہے، مین بادب ان کی خدمت مین پھر ایک بار عرض
کرنا چاہتا ہون کہ یہ میدان مطالعہ اور غور وفکر کا ہے، نہ کہ متعصبانہ مناظرہ کا، اس مین کے
بعض فقرے ملاحظہ ہون:

"اس زمانہ تک کہ اہل مشرق کے قواے دماغیہ یورپ کی غلامی سے آزاد تھے کسی فرد واحد کو
اس کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ عربی زبان غیر عربی زبانون سے مستعار الفاظ لیکر بنی ہے" الخ
ان پرجوش فقرون کے استعمال کی حاجت مصنف کو ہرگز نہ ہوتی، اگر انھون نے سیوطی کے یہ
الفاظ پڑھے ہوتے الخ"

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ تفسیر کبیر اور المزہر میں جو کچھ بھی ہے، اس کا فیصلہ تو عربی دان ہی کر سکتے ہیں، اور وہ بھی اُس وقت جب یہ کتابیں اُن کے پیش نظر ہوں، لیکن یہاں خود ڈاکٹر صاحب نے مصنف المبین کے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں، وہی بحث کا تصفیہ کرنے کے لیے کافی ہیں یعنی مصنف المبین عربی زبان کا غیر زبانوں سے بننا تسلیم نہیں کرتے ہیں، نہ یہ کہ غیر زبان کا کوئی لفظ عربی زبان میں نہیں ہے، اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا کہ مصنف المبین کا مطالعہ کس حد تک وسیع ہے، البتہ یہ جانتا ہوں کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے المبین کا غور سے مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ کم از کم یہ اعتراض تو نہ کرتے ،

مزید اطمینان کے لیے میں المبین (صفحہ ۱۱۶) سے عبارت کا ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں جس سے بخوبی واضح ہو جائیگا کہ اس کے متعلق مصنف المبین کا کیا خیال ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"واقعہ یہ ہے کہ کسی زبان میں غیر زبان کا لفظ پایا جانا اور کسی زبان کا کسی زبان سے ماخوذ ہونا یہ دونوں حقیقتیں جداگانہ ہیں، بے شک عربی زبان میں بعض عجمی الفاظ مستعمل ہیں، اسے ہر شخص جانتا ہے یہ کوئی نئی تحقیق ہے نہ انوکھی بات، نحو میر پڑھنے والا بھی جو سلسلۂ نحو کی محض ابتدائی کتاب ہے یہ جانتا ہی کہ منجملہ اسباب منع صرف عجمہ بھی ایک سبب ہے، اگر عربی میں کوئی لفظ عجمی مستعمل نہ ہوتا تو عجمہ کو منع صرف کا سبب کیوں قرار دیتے لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا ہی کہ خود عربی الفاظ بھی عجمی الفاظ سے ماخوذ و منقول ہیں، یہ اصطلاح یاد رکھنی چاہئے کہ عربی کے سوا کل زبانوں کو عجمی کہا جاتا ہے خواہ عبرانی ہو یا سریانی، انگریزی یا جرمنی غرض عربی کے سوا جو زبانیں ہیں وہ سب عجمی ہیں"

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد المبین کی وہ عبارت پڑھیے جو ڈاکٹر صاحب نے نقل کی ہی کیا اس کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان لائق تسلیم ہے کہ

"مصنف المبین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کسی زبان میں دوسری زبانوں کے لفظوں کا داخل ہو جانا اس کے لیے ننگ و عار کا باعث ہے"

اس امر کا فیصلہ اب ناظرین کے ہاتھ ہے ،

ڈاکٹر صاحب تبصرہ کے صفحہ ۹ پر ارشاد کرتے ہین:۔

"صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۲۲ تک صفات حروف پر بحث ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے کہ عربی زبان کی ہر منفرد آواز بھی ایک معنی پر دلالت کرتی ہے، اس بحث مین اس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے کہ عربی زبان بالکل ایک مصنوعی چیز معلوم ہوتی ہے"۔

اس کے بعد صفحہ ۲۰ پر ارشاد ہوتا ہے،

"یہ تعجب کی بات ہے کہ سیبویہ ایسے محقق کو ذرا تنبہ نہ ہوا کہ آوازون کی صفات کے وہ جو نام رکھ رہا ہے وہ ان لفظون کے معنون کی طرف رہبری کر رہے ہین، جنمین وہ آوازین آگئی ہین، عربی لغت کی اس اعجوبہ خصوصیت کو سیبویہ نے نہین پہچانا تو خیر، اس کے استاد خلیل عروضی نے شعر کی لے کو تاڑ کر بحرین تو قائم کر دین مگر حرفون کے نغمون کو وہ بھی نہ پہچان سکا"

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کے متعلق بادب گذارش ہے کہ مصنف المبین نے تو صاف لکھدیا ہے کہ اسکی بنیاد سیبویہ و خلیل ہی نے رکھی ہے، ملاحظہ ہو،

"جب برکاتِ اسلام نے اس بحرِ فیض کی لہرون کو عجمیون تک پہنچایا اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اہل عجم کو درسِ عربی کے ساتھ زبان کے اس نظم و خوبی کو بھی سمجھایا جائے، چنانچہ سیبویہ و خلیل نے اس تعلیم کی بنیاد رکھی، ابن جنی نے اس پر ایک عمارت تعمیر کی جسے جلال الدین سیوطی کی توضیح و تشریح نے نگارستان بنا دیا۔ (المبین صفحہ ۱۳)

مصنف المبین کے بیان کی تصدیق ملاحظہ ہو،

"وقد عقد ابن جنی فی الخصائص باباً لمناسبة الالفاظ للمعانی وقال هذا موضع شریف نبّه علیه الخلیل وسیبویه وتلقته الجماعة بالقبول الخ (المزهر علامه سیوطی ج ۱ صفحه ۲۱)

اور ملاحظہ کیجئے امام رازی (المسئلۃ التاسعۃ والعشرون مین) اس مسئلہ مین چند الفاظ خصائص سے نقل کر کے فرماتے ہین:-

"ولھذا الباب امثلۃ کثیرۃ ذکرھا ابن جنی فی الخصائص (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۱ صفحہ ۳۲)

یعنی اس باب مین جو مسئلہ مذکور ہوا، اسکی مثالین بہت ہین جیسے ابن جنی نے خصائص مین لکھا ہے۔

اب ذرا خصائص کا بیان بھی سن لیجئے، ابن جنی (باب فی امساس الالفاظ اشباہ المعانی) مین سیبویہ و خلیل کے بتائے ہوئے اصول کو بنیاد قرار دیکر اور نہایت تفصیل و وضاحت سے قریباً ۱۶ صفحون مین گوناگون مثالون سے اس حقیقت کو سمجھا کر کہتا ہے:-

"ومن ذلک قولھم خضم وقضم فالخضم لاکل الرطب کالبطیخ والقثاء و القضم للصلب الیابس فاختاروا الخاء لرخاوتھا للرطب والقاف لصلابتھا للیابس الخ (ملخصاً خصائص ابن جنی جلد اول صفحہ ۵۲۹)"

یعنی اگر نرم چیز مثل خربزے و ککڑی کے کھائین تو اسے خضم کہین گے، اور اگر خشک و سخت چیزین ہون تو قضم کہین گے، خا، حرف رخوہ ہے اور قاف شدیدہ، اور یہ ظاہر ہے کہ رخوہ کی مناسبت نرم و تازہ سے ہے اور قاف کی صلابت خشک و سخت سے،

مصنف المبین نے صفحہ ۳۱ و ۳۲ مین جو الفاظ اور اُن کے معانی کی مناسبت بیان کی ہے، وہ سب خصائص مین، المزہر مین اور بعض تفسیر کبیر مین موجود ہین، خصائص مین ان کے سوا اور بھی مثالین ہین اور بہت ہین،

ہان یہ ضرور ہے کہ ان مثالون کو دیکھکر مصنف کے استقرار نے ایک قاعدہ کی صورت سہولت مشق کے خیال سے بنا کر پیش کر دی، اب یہ عرض ہے، کہ اگر سیبویہ و خلیل نے کوئی بنیاد اسکی نہین رکھی تو غلط انتساب کا الزام ابن جنی پر ہے پھر اس غلط انتساب کو نہ فخر الدین رازی نے جانا نہ سیوطی نے

ان دونون کے بعد کسی تیسرے کا نام لینا کیا ضرور ہے؟ اسکے بعد ڈاکٹر صاحب تبصرہ کے ص پر ارشاد فرماتے ہین،

"تفشی کے جو معنی سیبویہ نے لیے ہین وہ آواز کے بھرپور ہونے کے ہین اور یہ صفت محض "ش" ہی مین نہین بلکہ "ر" مین بھی بتائی ہے، علاوہ اس کے خود شین کی صفت علاوہ تفشی کے رخاوہ بھی بتائی ہے پس "ش" کو خاص کر تفشی کہنا (المبین صفحہ ۱۶) درست نہین"

اس کے متعلق گذارش ہے کہ مخارج وصفات سے بحث کرنا درحقیقت فن تجوید وقرأت کا موضوع ہے، صرف کی کتابون مین عموماً اور بعض نحو ولغت کی کتابون مین بھی اس سے بحث کیجاتی ہے، لیکن یہان قواعد کا استقصا نہین کیا جاتا، مناسب تو یہ ہے کہ صفات ومخارجِ حروف کے متعلق جو کچھ کہا جاے وہ ہمیشہ تجوید کی مستند کتابون سے کہا جائے یا اگر صرف ونحو ہی کی کتابون سے کہنا ہے، تو اس مقام کا حوالہ دینا چاہیے، جہان صفات ومخارج کا بیان ہو، ادغام کے قواعد سے صفاتِ حروف ثابت کرنا اصل مسئلہ کو مدغم کرکے کھو دینا ہے،

ڈاکٹر صاحب تفشی کے معنی "بھرپور" فرماتے ہین، اور المبین مین "پھیلنا وبکھرنا" لکھا ہے، جب دونون نے لفظ کے معنی جدا جدا لیے ہین تو پھر اعتراض کہان رہتا ہے؟ لفظ زید کو صرفی معتل کہے گا اور نحوی صحیح، اسلئے کہ دونون کے یہان صحیح کے معنی مختلف ہین، فلسفی جب بالفعل کہے گا تو یہ لفظ بالقوۃ کا مرادف سمجھا جائیگا جس سے زمانۂ حال مراد ہوگا، لیکن منطقی جب کہے گا تو اس سے مراد تین زمانون مین سے کوئی ایک یعنی ماضی، حال، استقبال، منطقی کلمہ کہے گا اور اس سے مراد فعل ہوگا یعنی اسم وحرف کا قسیم، لیکن نحوی کلمہ کہیگا اور اس سے مراد لفظ مفرد با معنی ہوگا جس کی قسمین اسم، فعل وحرف ہین، غرض اعتراض تو جب ہوتا جبکہ دونون لفظ تفشی کو ایک ہی معنی مین لیتے،

غرض لفظ تفشی کے جو معنی "المبین" نے بتائے ہین وہی قرّاء ومجودین مین معتبر ہین، لغت کی کتاب لسان العرب جس کا حوالہ دینے کی ڈاکٹر صاحب کو عادت ہے، اس نے بھی یہی معنی بتائے ہین مثلاً "انتشر، ذاع، عمّ" بھرپور کا پتہ کہین سے نہ چلا۔

نہین معلوم ڈاکٹر صاحب نے یہ کہان سے فرمایا کہ

"تفشی کے جو معنی سیبویہ نے لیے ہیں وہ آواز کے "بھرپور" ہونے کے ہیں"

آیا یہ معنی لغت کی کتابوں میں ہیں یا سیبویہ نے کہیں اسکی تشریح کی ہے، یا جناب ڈاکٹر صاحب کا اجتہاد ہے، میں بادب عرض کرونگا کہ تفشی کے معنی "پھیلنا بکھرنا" ہی ہیں، قاعدہ ادغام کی جو عبارت ڈاکٹر صاحب نے نقل فرمائی ہے، وہاں بھی یہی معنی ہیں تفشی کے معنی بھرپور کہنا گویا سیبویہ کے متعلق یہ کہنا ہے کہ صفات حروف کا یا تو اُسے علم نہ تھا، یا حروف کو صفات کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہ تھا،

آخر میں اطلاعاً یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ المبین کے صفحہ ۱۶ پر جو صفات حروف دیگئی ہیں وہاں شاید آپ نے ایضاً کی قائم مقام علامت کو نفی کی علامت سمجھ لیا، جو بشکل دو زبر (") اس بات کی علامت ہے کہ صفت بالا اس حرف میں بھی ہے" اب ذرا اسکو علامتِ اثبات سمجھ کر ملاحظہ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اعتراض رہا یا گیا، اگر ڈاکٹر صاحب ممدوح صفحہ ۱۶ کی اس علامت کو ذرا غور سے ملاحظہ فرما لیتے تو نہ دو صفحے لکھنے کی جناب ممدوح کو ضرورت ہوتی اور نہ اس خاکسار کو،

تبصرہ کے صفحہ ۷ کے آخر اور شروع میں ارشاد ہوتا ہے:-

"تیسرے باب میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر ثلاثی مادّے کے پہلے دو حرفوں (یعنی ف اور عین کلمے) کی صوتی صفات کے لحاظ سے مادے کے معنی معین ہوئے ہیں"

پھر اسی صفحہ کی اخیر اور ۸ کی ابتدائی سطر میں تحریر فرمایا ہے:-

"قبل اس کے کہ میں ان لفظوں کے معنوں کی تشریح کروں یہ عرض کر دینا ضروری جانتا ہوں کہ جب کسی لفظ کی اصل کی تحقیق کیجاتی ہے تو اس کے ابتدائی مفہوم سے بحث کیجاتی ہے، اور مرادی یا تشبیہی معنی یا وہ معنی جو بعد کو پیدا ہوئے ہیں، بحث سے قطعاً خارج کر دیئے جاتے ہیں"

جن اصحاب نے المبین کا مطالعہ نہیں کیا ان کا تو ذکر نہیں لیکن جس کے سامنے المبین موجود ہے وہ کیونکر تسلیم کرے گا کہ مصنف المبین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صوتی صفات کے لحاظ سے مادّے کے معنی متعین ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو

"اقسام صفات سے علاوہ ان دو خصوصیتوں کے جنکا تعلق ادا سے حروف کے ساتھ ہے، ایک عجیب فائدہ علیہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر اس لفظ کے صحیح ادا کرنے مین اسکی ہیئت صوتی کی صحت پر خاص لحاظ رکھا جائے اور سامع بغور اس صحیح تلفظ کی سماعت کرے تو نوعیت معنی کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے" (المبین صفحہ)

نتیجہ حکایت صوتی معنی کا خاکہ سامنے لائی اُدسکے معنی متعین نہین کیے،

اور ملاحظہ ہو،

"الفاظ کی اپنے معانی پر اس طرح دلالت کہ لفظ کے پہلے حرف نے معنی کے اعراض اولی و ثانوی کو ظاہر کر دیا ہو، پھر ترتیب و ترکیب حروف نے اس کے مرتبۂ فصاحت کی خبر دیدی ہو یہ کمال صرف عربی زبان ہی کا خاصہ ہے" (المبین صفحہ ۳۰)

نتیجہ حروف کی دلالت اعراض پر ہے معنی متعین نہین کرتے،

اب تیسرا باب ملاحظہ ہو، یعنی ترکیب حروف کا اثر تقریب معنی پر (صفحہ ۴۳)

"اس بحث کے بعد اب ایک قدم آگے بڑھا کر الفاظ عربیہ کی اس خصوصیت کا مطالعہ کرنا ہے کہ دو حرفون کی باہمی آمیزش کیونکر لفظ کے معنی کو قریب و قرین کرتی ہے،

لفظ کا پہلا حرف معنی کے عوارض پر کیونکر دلالت کرتا ہے، اس کے لیے اس حرف کے کل صفات کا محفوظ رکھنا ضروری ہے، لیکن جب کسی کلمہ کے دو حرفون کو باہم ملا کر یہ دیکھنا چاہین کہ اس تشکل حروف نے معنی کے کس پہلو کو روشن کیا تو وہان حروف کی انفرادی صفات کا لحاظ نہ ہوگا بلکہ ان دونون کی آمیزش سے اب جو ایک مزاج ترکیبی پیدا ہوا ہے، اسے دریافت کرکے معنی کے ساتھ اسکو تطبیق دین گے" (المبین صفحہ ۴۴)

نتیجہ (۱) معنی کو قریب و قرین کرتا ہے (۲) عوارض پر دلالت کرتا ہے (۳) معنی کے ساتھ تطبیق دینگے لیکن مصنف نے یہ نہین لکھا کہ صوتی صفات کے لحاظ سے مادہ کے معنی متعین کرینگے، سینکڑون مثالین جو اپنے ...

موقع پر پیش کیگئی ہین وہان بھی اسی کا اظہار ہے کہ اس لفظ کے جو معنی قرار دیے گئے ہین اس ہین یہ جز ہے یہ علت بنا
اب نہ رہا مگر ایک ضعیف شبہ یعنی یہ کہ کیا کسی نے یہ لکھا ہو کہ دو حرف ن کی آمیزش معنی کی طرف رہنمائی کرتی ہے
اس کے متعلق صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو جوجی دیوان کو یہ کہکر کہ عربی مین مادہ دو ہی حرف کا ہوتا ہے
ثلاثی بھی فی الحقیقت ثنائی ہے مغالطہ دینے کا موقع نہ ملتا، سردست ناظرین کے خیال سے دو حوالے پیش کئے جاتے ہین
حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے تاسیس ندوۃ العلماء کے موقع پر ایک رسالہ التنظیم لنظام
التعلم والتعلیم تحریر فرمایا تھا اس کے صفحہ ۵ پر فرماتے ہین :-

"پھر بعض امور کلیہ ہین اہل لغت کے نزدیک کہ ان کا جاننا ضروری ہے جس سے بیشتر لغات کے
معنی معلوم ہوجاتے ہین مثلاً جس لفظ کے اول مین "ن" اور "ف" ہو وہ ذہاب پر دلالت کریگا
جیسے نفی، نفل، نفر، نفد نفذ وغیر ذلک، التنظیم"

اور ملاحظہ ہو،

"ان الجیم والنون مدا لان ابداً علی الستر تقول العرب للدرع جنۃ واجنۃ اللیل
وھذا جنین ای فی بطن امہ" (المزھر جلد ۱ صفحہ ۲۰۰)

یعنی بے شک "ج" اور "ن" ہمیشہ پوشیدگی پر دلالت کرتے ہین عرب زرہ کو جنہ کہتا ہے، اور رات
ہوجانے کو اجنۃ اللیل اور پیٹ مین جو بچہ ہے اسے جنین کہتا ہے"

علامہ سیوطی نے مثال مین وہ لفظ پیش کیا جس کا تیسرا حرف بھی نون ہے کیونکہ نون کا نون مین ادغام
پوشیدگی کو اور عیان کردیتا ہے، اگر تیسرا حرف سوائے نون کے اختیار کرتے تو سمجھنے والے کو ذرا غور و تامل کرنا
پڑتا اور شاید کوئی کہہ اٹھتا کہ معنی مین کھینچ تان ہے، بہرحال اس بارہ مین اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت
نہین ارباب ذوق خود غور کرکے فیصلہ کرین،

ہان اس قدر اور عرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی لفظ کی اصل کی تحقیق کیجاتی ہے تو اس کے ابتدائی مفہوم

بحث کیجاتی ہے لیکن یہاں لفظ کی اصل کی تحقیق نہیں ہے، اسے تو محققین تحقیق کر چکے، یہاں تو یہ بتانا ہے کہ اس معنی کے لیے یہ لفظ کیون وضع کیا گیا، مثلاً نرم و تازہ چیز کے لیے خضم اور خشک و یابس کے لیے قضم کیون مقرر ہوا اگر اس کا برعکس ہوتا تو کیا ہوتا، اس تعلیل و توجیہ کے لیے صفات حروف کی دلالت جو عوارض معنی پر ہو رہی ہو بہترین توجیہ و تعلیل ہے۔

اب صرف تبصرہ کے ایک حصہ کے متعلق کچھ عرض کرنا اور باقی ہے، المبین کی اس قدر عبارت کہ ہمزہ و با جب کسی کلمہ مین جمع ہونگے تو اس کے معنی مین دوری یا جدائی، یا تنافر و توحش کا مضمون ہوگا، نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہوتا ہے کہ

"ابد کے ابتدائی معنی "دہر" یا "بہت طویل زمانے" کے ہین؛ اور اس مین دوری ضرور ہے، مگر جانور کے بھڑکنے کے معنی بعد کے ہین"

ملاحظہ ہو۔

(۱) "ابد، دہر، دائم" اور "تابید ہمیشہ (کسی جگہ رہنا)" "ابد بالمکان" وہ ایک ہی جگہ رہا، وہان سے نہ ہٹا،

(۲) "ابدت البہیمۃ" جانور نے وحشت دکھائی، (جانور کو) نر ہو تو آبد اور مادہ ہو تو آبدۃ کہتے ہین، او کہا جاتا ہے کہ یہ نام یعنی ابد یا آبدۃ (جانور کو) اسلیے دیا گیا کہ اس کا توحش ہمیشہ باقی رہتا ہے خواہ کتنا ہی سدھایا جائے،

لسان العرب کی اس تشریح کے بعد تو کوئی شبہہ نہین رہا کہ اس لفظ کے ابتدائی معنی توحش کے نہین ہین؛ بلکہ ہمیشگی کے ہین، پھر اس مین وہ خامیین کہان جس کے لیے مصنف المبین اسے بحث مین لائے ہین؟

اس کے متعلق عرض ہے کہ مصنف المبین نے ابد کے معنی لکھے ہین "وحشت کھائی بھاگا" معنی ابتدائی بیشک نہین لکھے، اس سے مصنف کی نظر کا قصور تو ضرور ثابت ہوا، لیکن قاعدہ تو مضبوط و مستحکم ہوگیا، اسلیے کہ ابتدائی معنی دہر یا بہت طویل زمانہ کے ہین اور اس مین "دوری ضرور ہے" یہ الفاظ تو ڈاکٹر صاحب ہی کے ہین، اور صاحب المبین نے بھی یہی کہا تھا (المبین صفحہ ۳۶) کہ دوری یا توحش کے معنی ہون گے یہان توحش کے معنی مسلم ہے

صفحہ ۱۱ کے آخر مین ارشاد ہوتا ہے:-

۰ ابہ کے معنی ہین (کسی چیزکو) یاد کیا، بھولی ہوئی چیزکو یاد کرلیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مصنف نے اپنے دعویٰ

کی دلیل مین ابہ عن الشئی کو پیش کیا ہے اس پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہین،

پہلے یہ کہ اس کے جو معنی مصنف نے لکھے ہین وہ ابہ عن کے معنی ہین بلکہ تابہ عن کے ہین۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے یہ کہ ابہ اور تابہ دونون ثلاثی مزید فیہ سے ہین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ثلاثی مجرد کو پیش کرنا چاہیے

تیسرے یہ کہ عن نے فعل کے معنون کو متناقض کردیا، عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ اکثر فعلون

کا صلہ جب عن آتا ہے تو مخالف معنی پیدا ہوجاتے ہین، مثلاً رغب عن الشئی کے معنی ہوئے، اس

چیز سے منھ پھیر لیا یا اسے ناپسند کیا رغبت ایسا لفظ ہے جس کے معنی ہر اُردو دان بھی جانتا ہے،

سخت حیرت ہے کہ مصنف نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی"

بے شبہہ یہ صحیح ہے کہ رغب عن الشئی کے یہی معنی ہین کہ اُس چیز سے منہ پھیر لیا، اسی کی مثل شغل عن الشئی

کے یہ معنی ہین کہ اس چیز سے بے نیاز ہوگیا، لیکن کیا رمیت السہم عن القوس کے یہ معنی نہین کہ مین نے تیرکو

کمان سے پھینکا، اور نیز بلغوا عنی ولو آیۃ یعنی پہنچا دو میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیۃ ہو، کیا ان مثالون

مین عن نے فعل کے معنی کو متناقض کردیا،

قرآن مجید مین ہے ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہٖ خدا ہی کی ذات ہے جو بندون کی توبہ

قبول فرماتا ہے، اسی طرح رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے، کیا یہان بھی

فعل کے معنی نے عن کو متناقض کردیا،

یہ بھی گذارش ہے کہ بحث ابہ سے ہے نہ کہ "رغب" سے آپ نے دو معنی اس کے لکھے ہین،

"یاد کیا، بھولی ہوئی چیزکو یاد کرلیا" اب ان دونون کے ساتھ عن ملائیے، اور متناقض معنی بیان کیجئے،

بھولی کی نقیض "یاد" اور "بھولی ہوئی چیزکو یاد کرلیا" کی نقیض "یاد کی ہوئی چیزکو بھول گیا" لغت سے

ابہ عن کے یہ معنی ثابت فرمائے جائین، اس کے بعد مین بھی عرض کرونگا کہ مصنف کا قول کس طریقہ سے ثابت ہے

تبصرہ کے صفحہ ۲۱ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

"ابث" گالی دی" میں تنافر ضرور ہے، مگر اس لفظ کے ایک اور معنی بھی ہیں" اونٹنی کا دودھ پیا" جس میں وہ کوئی بات نہیں ہے جسے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہیں اور قرینہ یہی ہے کہ اونٹنی کا دودھ پینا ابتدائی معنی ہیں"

ابتدائی معنی قرار دینے کے لیے معزز تبصرہ نگار کا "غالب یہ ہے" اور کہیں "قرینہ یہ ہے" فرمادینا کافی ہے، اس لیے سردست اس بحث کی ضرورت نہیں، لیکن نہایت ادب سے گذارش ہے کہ دوسرے معنی کے حذف و تخفیف کی کیا مصلحت ہے ؟

لسان العرب میں ہے، " وقال ابو عمر اَبِثَ الرجل یَابَثُ وھو ان یشرب اللبن حتی ینتفخ ویأخذہ کھیئۃ السکر و قال لا یکون ذلک الا من البان الابل"

یعنی ابو عمر نے کہا کہ اَبِثَ الرجل یَاْبَثُ کے معنی یہ ہین کہ اُس نے دودھ پیا، یہان تک کہ پیٹ پھول گیا اور متوالے کی طرح اُسکی ہیئت ہو گئی، اور یہ بھی کہا کہ ایسی حالت اونٹ ہی کے دودھ سے ہوتی ہے۔ کیا نفخ اور سکر کی ہیئت قابلِ انس ہے، کیا جب پیٹ پھول جائے تو اُس وقت کھانے پینے کی رغبت ہوگی یا نفرت، لسان العرب کے علاوہ دوسری کتابون مین بھی مطلق دودھ پینا نہ ملیگا ایسلیے کہ یہ اسکے پورے معنی نہیں ہین۔

ڈاکٹر صاحب کہین دوری کے معنی تسلیم کرتے ہین کہین تنافر کا اقرار فرماتے ہین، لیکن با اینہمہ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ وہ خاصیتین کہان ہین، جن کے لیے مصنف المبین اسے بحث مین لائے ہین، ایسی حالت مین اگر کوئی یہ کہے کہ (ابر) "نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالا" یہان مواصلت سے پہلے دوری ہے تو شاید ڈاکٹر صاحب اسکو قبول نفرمائین جہان مفہوم بالکل عیان ہو، جب وہ قبول نہین ہوتا تو یہ کیون منظور ہوگا،

آخر مین عرض ہے کہ مین نے جو کچھ عرض کیا ہے، حتی الامکان ڈاکٹر صاحب کے احترام کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا ہے، تاہم اگر کسی جگہ بلا ارادہ کوئی نامناسب لفظ قلم سے نکل گیا ہو تو مین اسکے لیے ڈاکٹر صاحب سے معذرت کرتا ہون کیونکہ ایک خالص علمی بحث کو اپنے حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے،

مطبوعات جدیدہ

القانون المسعودی، مسلم یونیورسٹی جب کالج تھا، اور مسٹر یوسف ہارویز وہان عربی کے پروفیسر تھے، تو علامہ بیرونی کی معرکۃ الآراء کتاب القانون المسعودی کی کالج کی طرف سے اشاعت کی تحریک شروع ہوئی تھی، اس وقت سے برابر اس پر کچھ نہ کچھ صرف ہوتا رہا، مگر نتیجہ ہمیشہ صفر رہا، پچھلے دنون مولوی محمد فاروق صاحب ایم ایس سی معلم ریاضیات مسلم یونیورسٹی نے اپنے ذاتی شوق سے اس کی طرف توجہ کی، اور قانون مسعودی کے چوتھے مقالہ کو مع اصل اور اس کے انگریزی ترجمہ کے شایع کیا، اور ترجمہ پر انگریزی مین حواشی لکھے، ضرورت تھی کہ یونیورسٹی چند علماء اور جدید ماہرین ہیئت سے اس رسالہ پر استصواب کرتی اور اگر یہ ترجمہ مناسب ٹھہرتا تو چندے مترجم کو جواب یونیورسٹی کی تعلیمی خدمت سے شاید سبکدوش ہو چکا ہے، اس خاص کام پر مقرر کرتی، یہ رسالہ شاید مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ سے ملے،

قول حق، مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اس نام سے ایک اصلاحی کتاب لکھی ہے، جو درحقیقت دو مستقل حصون پر منقسم ہے، پہلے حصہ مین اسلام کے اندرونی فرقہ وارانہ اختلافات اور بدعات کی ملکی تاریخ ہے اور دوسرے حصہ مین ضلالت و گمراہی کے اسباب، تقلید جامد، اسلاف پرستی، جاہ پسند علماء، الحاد پناہ صوفی، خودپسند و شکم پرور لیڈر، المجنون کا طوفان بتائے ہین، پھر اسلام کی آسانی، اسلامی تعلیمات، رسالت، اختلافات صحابہ، قرآن مجید، قرآن مجید کے بعض مضامین، تفاسیر اور عروج و زوال اور دنیا کے مفہوم پر خود قرآن مجید کی آیتون سے استدلال کیا گیا ہے، کتاب کے پہلے حصہ مین گو تاریخی مسامحات کچھ موجود ہین تاہم اس مفید و کارآمد کتاب کی تصنیف پر ہم مصنف کو مبارکباد دیتے ہین، اور اس "قول حق" کے اظہار مین کوئی باک نہین کہ مصنف نے مسلمانون کی بہت حد تک صحیح نبّاضی کی ہے، اور مریض کیلئے

صحیح نسخہ لکھا ہے۔ قیمت ۶؍، پتہ منیجر عبرت، نجیب آباد،

جنتی دو پھول، حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام کے مختصر حالات مین مولوی میر نذر علی صاحب درد کاکوروی نے یہ رسالہ نہایت آسان و سلیس زبان مین لکھا ہے، امام شہید کے حالات مین کربلا کے واقعات بھی آگئے ہین، عورتون اور بچون کے مطالعہ کے لائق ہے، قیمت ۵؍ پتہ ملک چنن الدین لگے زئی تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور،

القول المتین فی حقیقۃ الیمین یہ رسالہ اس بحث پر کہ قرآن مجید مین قسمون کا فلسفہ کیا ہے، مولوی احمد دین صاحب سیالکوٹی نے لکھا ہے، مولوی صاحب عربی و انگریزی دونون کے عالم ہین، اس لئے اُن کا یہ رسالہ قدیم و جدید دونون طبقون کے لئے مفید ہوگا، اگر اس سلسلہ مین مصنف نے اس بحث کی سب سے بہتر کتاب الامعان فی اقسام القرآن مصنفہ مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن نہین دیکھی تو اب انکو دیکھنی چاہئے تاکہ بحث کے آیندہ اجزاء مین نئے مطالب ہاتھ آئین، قیمت ۲؍ پتہ مولوی احمد دین صاحب پال محلہ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ،

معراجِ سخن، موجودہ اساتذۂ سخن مین جنہون نے اپنی کہنہ مشقی، مہارتِ فن، اور کمالِ سخندانی سے اگلے بزرگون کے نام کو زندہ کر رکھا ہے، جلیل القدر نواب فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن صاحب جلیل کا جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، مولوی سید عبد الغفور صاحب شہر ندوی نے جو حافظ صاحب کے تلمیذ رشید ہین، معراجِ سخن کے نام سے اپنے استاد ممدوح کی نعتیہ غزلون منقبتون اور سلامون کا یہ مجموعہ بہت حسن و خوبی کے ساتھ چھپوایا ہے، حافظ صاحب کے کلام کی بلندی پختگی اور کہنہ مشقی کی داد کون نہ دیگا، مگر اس سے بڑھکر ان کے وہ روحانی جذبات ہین جو کلام موزون کی صورت مین ظاہر ہوئے ہین، پتہ :۔ مولوی سید عبد الغفور شہر ندوی بھوپال ہوس لال باغ لکھنؤ،

تابشِ خیال، نئے دور کے اردو شاعرون مین جناب افسر امروہوی کا نام بھی داخل ہے، رسالون

ور اخبارون مین اُن کا کلام اکثر نکلتا رہتا ہے، تابش خیال کے نام سے اُنھون نے اپنے نئے کلام کا مجموعہ مرتب کیا ہے، شروع مین ایک مقدمہ ہے جو اب گویا نئے اصول دیوان سازی کے مطابق پرانی تقریظ کی جگہ رائج ہو رہا ہے، پرانی تقریظ اور نئے مقدمہ مین فرق اس قدر ہوتا ہے کہ تقریظ آخیر مین ہوتی تھی اور مقدمہ شروع مین ہوتا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ تقریظ نری لفاظی ہوتی تھی اور مقدمہ مدلل ہوتا ہے، بہرحال آفسر کے کلام مین اچھے، پر درد، بلند، اور فلسفیانہ وصوفیانہ اشعار کی تعداد خاصی ہے، مگر انہین کے پہلو بہ پہلو دوسرے قسم کے اشعار بھی ہین، مثلاً

اس نقطۂ شباب کی بدقسمتی نہ پوچھو ۔۔۔ محدود ہو جو دائرۂ اضطراب سے

قیمت عہ، پتہ:۔ شاہد علی امجد علی امروہوی، رام سوامی نسروان کمپونڈ متصل نیو ورکشاپ کراچی،

ذکر مبارک، مولانا عبد الرحمن صاحب نگرامی ندوی مرحوم خدا اُن کو غریق رحمت کرے، سرور کائنات علیہ السلام والتحیات کے حال مین مختصر سے مختصر اور سہل سے سہل لفظون مین یہ رسالہ لکھا تھا جس کو اُنکی وفات کے بعد شبلی بک ڈپو لکھنؤ نے شایع کیا ہے، بچون اور عورتون کے پڑھنے کے قابل اور عام مسلمانون مین تقسیم کرنے کی چیز ہے، قیمت ۱۰/ پتہ:۔ شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

اسلام اور عبادت، ڈاکٹر سید احمد صاحب بریلوی سابق اڈیٹر ہمدرد دہلی، اصلاحی اور مذہبی مسائل مین بڑی خوبی سے آسان وسہل لیکن دلچسپ طرز ادا مین اچھے اچھے مضامین اور رسالے لکھتے رہتے ہین، اسی سلسلہ مین یہ رسالہ بھی لکھا ہے اس مین اسلامی عبادت کے فلسفہ اور اُس کی حکمتون اور مصلحتون کو خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے، اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے مصالح بتائے ہین،

قیمت ۸/ پتہ:۔ منیجر نظام المشایخ پوسٹ بکس نمبر ۱۱ دہلی،

"ص"

عدد ۶	ماہ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۰ء	جلد بست و پنجم

مضامین

تصحیح

صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱ میں "معرّی" کے بجائے ہر جگہ "مقرّی" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کر لیں۔

شذرات

معارف کے صفحات مین سندھ کے کتبخانہ پیر جھنڈا کا نام اکثر آیا ہے، گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ مین ایک مقام ہے، جہان ایک زمانہ سے بزرگون کی ایک مسند بھی ہے، جسپر بیٹھنے والے عام پیرومشائخ سے ایسی بالاتر ہستیان تھین، جنھون نے اپنی نفس کی خدمت کے بجاے علم ودین کی خدمت اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا، آجکل اس خانوادہ کا پانچوان رکن یہان مسندنشین ہے، تیسرے مسندنشین نے زمانہ کا رنگ دیکھکر، صلاح امت کی خاطر دو بڑے کام کئے، ایک تو ایک مذہبی مدرسہ کی بنا ڈالی، جسمین خالص علوم دین کی تعلیم دیجائے اور مبتدعانہ مراسم سے بچایا جائے، اور دوسرے ایک نادر عربی کتبخانہ کی بنیاد رکھی، یہ دونون خیر جاری، اب تک نہ صرف جاری بلکہ روبہ ترقی ہین،

اس مدرسہ کا نام **دار الرشاد** ہے، اس کا مستقل نظم ونسق اور باقاعدہ سلسلۂ تعلیم سنہ ۱۳۱۹ھ مین صورت پذیر ہوا، چوتھے مسندنشین اس کے چندہ کے لیے اپنی جیب خاص اور اپنے معتقدین ومتوسلین سے سالانہ سرمایہ فراہم کرتے رہے، مگر اب اس مدرسہ کا نظام اتنا بڑھ گیا ہے کہ تنہا ایک حلقہ خواہ وہ کتنا ہی وسیع ہو، کافی نہین،

پچھلے سال مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، جسکی صدارت کے لیے ارکان نے راقم الحروف کا انتخاب کیا تھا، اور مین سفر کے لیے تیار بھی تھا کہ دفعۃً لکھنو تک پہنچکے ندوہ کے دورہ نے اس دورہ کو روک دیا، اور معذرت کرنی پڑی، اسلئے گو اپنی آنکھون سے مین اس درسگاہ کی زیارت نہ کرسکا، مگر ناظم صاحب مدرسہ نے میرے لیے مدرسہ کے متعلق ضروری معلومات لکھکر بھیجے، اور جن کو پڑھکر مین اس نتیجہ پر پہنچا کہ سندھ مین ایک ایسے مدرسہ کی جو کتاب وسنت کی تعلیم دے

اور بدعات فاسدہ سے مسلمانون کو محفوظ رکھے، سخت ضرورت ہے، اور اس لیے یہ مدرسہ نہ صرف متوسلین پیر جھنڈا بلکہ سندھ کے تمام مسلمانون کی اعانت کا مستحق ہے، امید ہے کہ سندھ کے اہل کرم اس چشمۂ فیض کی طرف توجہ کرینگے جو دریاے سندھ کے ساتھ ساتھ ان کی آبیاری اور سیرابی مین مصروف ہے،

عام اخبارات مین اور معارف کے نام بھی ایک مطبوعہ تحریر مصر مین مقیم ایک ہندوستانی مسلمان شیخ محمود احمد عرفانی صاحب کی موصول ہوئی ہے جسمین مصر سے اردو زبان مین اسلامی دنیا نام ایک صحیفہ کی اشاعت کا اعلان ہے اور جس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی ملکون کو باہم ایک دوسرے سے متعارف کرنا، گو کہ مصر مین اسی مقصد بلکہ اس سے وسیع مقصد سے ایک عربی رسالہ الرابطۃ الشرقیہ نام نکل رہا ہے، تاہم اردو کا یہ مجوزہ صحیفہ بھی اپنی جگہ پر مفید ہوگا، یہ شیخ محمود احمد صاحب مولوی ابو تراب صاحب احمدی اڈیٹر رسالہ الحکم قادیان کے صاحبزادہ ہین، اس لیے ان کی خدمت مین یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ وہ اپنے مجوزہ صحیفہ کو امید ہے کہ اختلافی مذہبی مسائل سے بھی پاک رکھین گے، اور جس خالص نیت کا انھون نے اظہار کیا ہے، اُسی خلوص نیت پر وہ قائم بھی رہین گے، ایسا نہ ہو کہ یہ دنیاے اسلام، دنیاے اسلام کے اتحاد و اتفاق کی دعوت کے بجاے اختلاف و افتراق کا آرگن بنجائے،

علامہ شبلی مرحوم کے مضامین کے دو مجموعے مقالات اور رسائل کے نام سے مدت ہوئی کہ چھپ چکے ہین، مگر اب تک ان کے سینکڑون مضامین متفرق اخبارات و رسائل مین منتشر ہین، قدر دانون کا تقاضا تھا کہ ان بکھرے ہوے موتیون کو بھی جنکر کسی رشتہ مین منسلک کر دیا جائے، اب یہ کام شروع کر دیا گیا ہے، اور بہت سے مضامین یکجا ہو گئے ہین، اور بہت سے پرانے اخبارات و رسائل کے فائل الٹے جا رہے ہین، اس سلسلہ مین کوئی صاحب اگر ہم کو مدد دینا چاہین تو ہم شکریہ کے ساتھ قبول کرینگے

اندازہ ہے کہ یہ مضامین دس جلدون مین سماسکینگے، رسائل اور مقالات اور عالمگیر والے مضامین بھی اسی کے اندر ہونگے، جلدون کی تقسیم عنوانات پر ہوگی یعنی مذہبی ایک جلد، تعلیمی ایک جلد، سیاسی ایک جلد، وغیرہ اس وقت تک اس کے حسب ذیل عنوانات قائم کئے گیے ہین مذہبی، علمی، تعلیمی، تنقیدی، ادبی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، قومی، اور آخری جلد اُن کے خطبات اور تقریرون کی ہوگی،

اڈیٹر معارف نے ۱۹۲۹ء مین "عرب وہند کے تعلقات" پر جو خطبے ہندوستانی ایکاڈیمی الہ آباد مین دیے تھے وہ اب چار سو صفحون کی ایک مبسوط و مفصل کتاب کی صورت مین ایکاڈیمی مذکور کی طرف سے خوبصورت ٹائپ مین چھپکر اور مجلد ہوکر شائع ہوگئی ہے، اور وہین چار روپیے مین ملے گی، امید ہے کہ یہ نیا مبحث اہل علم اور عام ناظرین بلکہ ہندو مسلمان دونون کے لیے مفید ہوگا،

دارالمصنفین کی "موتی مسجد" (تشبیہ صرف چھوٹی مگر لطیف ہونے مین ہے) الحمدللہ کہ تعمیر ہورہی ہے، دیوارین دس بارہ فیٹ بلند ہوچکی ہین، مسجد کا طول و عرض اس قدر ہے کہ سو آدمی اس کے دو کمرون مین پچیس پچیس کی چار صفون مین آسکین، طرز تعمیر مین قدیم و جدید دونون نمونون کی تقلید کیگئی ہے، مولانا مسعود علی صاحب ندوی دن کو اس کی عملی عبادت، اور رات کو اسی کے تصوری مراقبہ مین مصروف رہتے ہین، امید ہے کہ اس مسجد کے اختتام تک ان کی اس طاعت و عبادت کا ذوق اگر اسی طرح قائم رہا، تو آیندہ سال خانۂ خدا کے بعد بندگان الٰہی کے لیے بھی چند گھر دارالمصنفین کے احاطہ کے اندر بنوانے مین وہ کامیاب ہوجائینگے،

مقالات

تاریخ کے بعض پوشیدہ اوراق

ابن بطلان کی دو ضمنی تحریرین

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

اسلامی دورِ حکومت مین جو عیسائی، یہودی، اور مجوسی حکما پیدا ہوے، مسلمانون نے کمال بے تعصبی کے ساتھ اُن کو حکماے اسلام میں شامل کر لیا، اور جو کتابین اس موضوع پر لکھی گئین ان مین نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے حالات درج کئے، ابن بطلان جس کی بعض تحریرون کا ذکر ہم اس مضمون مین کرنا چاہتے ہین اسی قسم کا ایک عیسائی طبیب ہے،

[1]ابن بطلان کا پورا نام ابوالحسن مختار بن حسن ہے، وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور کرخ کے عیسائی علماء سے تعلیم حاصل کی تھی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء مین لکھا ہو کہ اس نے ابوالفرج عبداللہ بن طیب سے بہت سی حکمت کی کتابین پڑھین، اور ثابت بن ابراہیم بن زہرون حرانی کی خدمت مین بھی مدتوں رہا اور اس سے طبی فوائد حاصل کئے، وہ علی بن رضوان طبیب مصری کا معاصر تھا اور ان دونون مین باہم مناظرات رہتے تھے، یہان تک کہ ان دونون مین جو شخص کوئی کتاب لکھتا دوسرا اسکی تردید ضرور کرتا، اس نے ۴۳۹ھ مین علی بن رضوان کی ملاقات کے لیے بغداد سے مصر کا سفر کیا اور جزیرہ، موصل اور دیار بکر سے گذرتا ہوا پہلے حلب مین پہنچا، اور وہان معزالدولہ ثمال ابن صالح نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی،

[1] یہ مضمون اخبار الحکماء اور طبقات الاطباء سے ماخوذ ہے،

علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ جب وہ حلب میں پہنچا تو جس بادشاہ نے اس وقت حلب پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اس سے درخواست کی کہ اس کو عیسائیون کی عبادت کا متولی بنا دیا جائے چنانچہ اس نے اس کو اس کا متولی بنا دیا، اور غالباً وہ یہی معز الدولہ ثمال ابن صالح تھا، بہرحال ابن بطلان نے اس جلیل القدر منصب کو حاصل کر کے عیسائیون کے اصول و شرائط کے موافق ان کے دینی قوانین بنائے جن کو وہان کے عیسائیون نے ناپسند کیا اور اس قدر برہم ہوئے کہ اسکی ہجو مین لکھین،

سوء اتفاق سے حلب مین ایک عیسائی طبیب جس کا نام حکیم ابوالخیر بن شرارہ تھا موجود تھا، وہ جب ابن بطلان سے ملتا تھا اور اس سے طبی مسائل کے متعلق مناظرہ کرتا تھا تو ابن بطلان اس کو منطقیانہ دلائل سے ساکت کر دیتا تھا اور وہ بظاہر مناظرے مین بند ہو جاتا تھا لیکن جب اس کے یہان سے آتا تھا تو اس غصے سے اسکی غیبت کرتا تھا اور حلب کے عیسائیون کو اس کے خلاف بھڑکاتا تھا، اور کہتا تھا کہ اس کے عقائد اچھے نہین، ان اسباب سے ابن بطلان نے حلب مین قیام کرنا پسند نہین کیا اور وہان سے روانہ ہو کر جب مصر پہنچا، اور ابن رضوان سے ملاقات کی، لیکن یہان بھی دونون مین سخت ناگوار مناظرے ہوئے، یہانتک کہ اس کو مصر بھی چھوڑنا پڑا اور وہان سے روانہ ہو کر انطاکیہ پہنچا، جہان پہنچکر کثرتِ سفر اور ناسازگار صحبتون نے اس کو دنیا سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا اور اس نے انطاکیہ کے ایک گرجے مین قیام کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور اسی حالت مین ۴۴۴ھ مین وفات پائی[1]،

معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس راہبانہ زندگی کے وہ انطاکیہ کے راہبون کو بھی خوش نہ رکھ سکا، چنانچہ ایک انطاکی راہب کا بیان ہے کہ جس گرجے مین ابن بطلان کا معبد ہے، جب اس مین چراغ جلایا جاتا ہے تو بجھ جاتا ہے، اس کے متعلق اس قسم کے اور واقعات مذکور ہین، اور اگر وہ سچ ہین تو حکماے اسلام کو اپنے ہم مذہب لوگون کے جور و تعدی کا کوئی گلہ نہین کرنا چاہیے،

[1] اخبار الحکماء قفطی، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے اسکی کتابون کا جو سالِ تالیف لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سن کے بعد بھی مدت تک زندہ رہا ہے،

ابن بطلان نے مختلف موضوع ومباحث پر بہ کثرت کتابین لکھین جنکے نام حسب ذیل ہین،

نام کتاب	کیفیت
کناش الادیرۃ والرہبان	
کتاب شراء العبید	نام سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامون کی خرید و فروخت پر کچھ لکھا ہوگا،
تقلیب الممالیک والجواری،	یہ بھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے غلامون اور لونڈیون کے متعلق ہوگی
کتاب تقویم الصحۃ	
مقالۃ فی شرب الدواء المسہل	
مقالۃ فی کیفیۃ دخول الغذاء فی البدن وہضمہ،	
مقالۃ فی سقی الادویۃ المسہلۃ وترکیبہا	
مقالۃ الی علی بن رضوان	جب وہ سنہ ۴۴۱ھ مین فسطاط مین پہنچا ہے تو علی بن رضوان کے نام یہ مضمون اس کے ایک مضمون کے جواب مین بھیجا ہے
مقالۃ علۃ نقل الاطباء المہرۃ تدبیر اکثر الامراض التی کانت تعالج قدیما بالادویۃ الحارۃ الی التدبیر المبرد،	یعنی اس بحث پر مضمون کہ قدیم زمانے مین جن امراض کا علاج گرم دواؤن سے کیا جاتا تھا ماہر اطبا، ان کا علاج سرد دواؤن سے کیون کرنے لگے؟ اس مین اس نے قدما ر اطبا کی رایون سے جو قرابادینون مین درج ہین مخالفت کی ہے
مقالۃ فی الاعتراض علی من قال ان الفرخ احر من الفروج،	یعنی ان لوگون پر اعتراض جو یہ کہتے ہین کہ مرغی کا بچہ چوزے سے زیادہ گرم ہے؟ اس نے سنہ ۴۴۱ھ مین بہ مقام مصر یہ مضمون لکھا تھا،

نام کتاب	کیفیت
کتاب المدخل الی الطب	
کتاب دعوۃ الاطباء	اس نے یہ کتاب امیر نصیر الدولہ ابی نصر احمد بن مروان کے لیے لکھی تھی
کتاب دقعۃ الاطباء	
کتاب دعوۃ القسوس	یعنی پادریون کی دعوت ؛
مقالۃ فی مداواۃ صبی عرضت لہ حصاۃ	یعنی اس بچے کا طریقہ علاج جس کے مثانون مین پتھری پڑ گئی ہو

ان رسالون اور کتابون کے علاوہ اس کے بعض خطوط اور تحریری مناظرے ہین جو قدیم زمانے مین ایک نادر چیز خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین لکھا ہے،

وکانت بین ابن بطلان وابن رضوان المراسلات العجیبۃ والکتب البدیعۃ انتہیٰ
ابن بطلان اور ابن رضوان کے درمیان نہایت عجیب و غریب خط وکتابت ہوئی ہے،

اور اس کے طرز تحریر کی یہ ادبی خصوصیت بتائی ہے،

وکان ابن بطلان اعذب الفاظاً واکثر ظرفا وامیز فی الادب وما یتعلق بہ
ابن بطلان کے الفاظ نہایت شیرین ہوتے تھے، اور وہ ایک چرب زبان انشا پرداز اور ادب اور متعلقات ادب مین ممتاز تھا

خوش قسمتی سے علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما مین اس کا ایک خط جو ایک رئیس ہلال بن محسن بن ابراہیم کے نام ہے، نقل کیا ہے، اور مصر مین ابن رضوان سے اس نے جو مناظرے کئے ہین، ان کے سلسلے مین اس کو جو خط لکھا ہے، اس کو بھی علامہ موصوف نے اس کتاب مین درج کیا ہے، یہ دونون خطوط اگرچہ اخبار الحکما کے ساتھ چھپ گئے ہین، لیکن بایں ہمہ وہ عام ناظرین کے لیے ایک یادگار قلمی تحریر کی حیثیت رکھتے ہین، اسلیے ہم اس موقع پر ان کا خلاصہ درج کرتے ہین،

ہلال بن محسن کے نام اس نے جو خط لکھا ہے، وہ درحقیقت اس کا مختصر سا سفرنامہ ہے جسکو اس نے

اس کے پاس اسلیے بھیجا ہے کہ ایک تاریخی کتاب مین درج کیا جائے، چنانچہ لکھتا ہے کہ "مین جب بارگاہ عالی سے رخصت ہوا تو دل مین یہ نیت کرلی کہ جن اطراف و بلاد کی سیاحت کرون اس کے نامہ اور اعجوبہ خیز واقعات کے مطالعہ سے بارگاہ عالی مین اپنی یاد تازہ کرتا رہون تاکہ اس طریقہ سے اس کتاب کی جو محاسن و مفاخر کی تاریخ اور معانی و مآثر کا مجموعہ ہے خدمت کرون، تاکہ جناب ان مین سے جن باتون کو پسند فرمائین ان کو اس مین درج کردین، مین بغداد سے نکلا تو اور شہرون کے مشائخ و خواص سے ملاقات کی اور ان کے آثار و عجائب قلمبند کئے، مجھ سے عجیب و غریب خبرین بیان کیگئین، اور مجھکو عمدہ اور لطیف اشعار سنائے گئے، لیکن وقت کی تنگی اور قاصد کی جلد بازی سے اس کے اکثر حصے کو نظر انداز اور تھوڑے سے حصے کو درج کرتا ہون، مین خدا کا نام لیکر رمضان ۴۴۰ھ مین نہر عیسیٰ کو عبور کرکے انبار کے قصد سے نکلا اور انیس منزلین طے کرکے رحبہ مین پہنچا، رحبہ ایک پاکیزہ شہر ہے، اور اس مین طرح طرح کے بیشمار میوہ جات ہین، اور صرف انیس قسم کے انگور ہین، وہ انبار، حلب، تکریت، موصل، سنجار اور جزیرہ کے درمیان واقع ہے، اور اس مین اور قصر رصافہ کے درمیان چار دن کا راستہ ہے، مین رصافہ سے حلب کو روانہ ہوا اور چار منزلین طے کرکے وہان پہنچا، حلب سفید پتھر کی چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے چھ دروازے ہین، اور چار دیواری کے پہلو مین قلعہ ہے، جس کے اوپر ایک مسجد اور دو گرجے ہین، ان دونون گرجون مین سے ایک مین وہ قربان گاہ ہے، جس مین حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے، قلعے کے حصۂ زیرین مین ایک غار ہے جس مین ان کی بکریان رہتی تھین، چنانچہ جب وہ ان بکریون کو دوہتے تھے، تو ان کے دودھ سے لوگون کی مہمانی کرتے تھے، اس لیے لوگ باہم یہ پوچھتے رہتے تھے کہ حَلَبَ اَمْ لَا یعنی انھون نے دودھ دوہا یا نہین؟ اسی بنا پر اس کا نام حلب پڑگیا، اس شہر مین ایک جامع مسجد

چھ گرجے، اور ایک چھوٹا سا شفاخانہ ہے، اور فقہا رامامیہ مذہب کے موافق فتوے دیتے ہین[1] شہر کے لوگ تالابون کا پانی پیتے ہین، اس کے دروازہ پر ایک نہر ہے، جو قویق کے نام سے مشہور ہے، جاڑون مین اس کا پانی بڑھ جاتا ہی اور گرمیون مین خشک ہوجاتا ہی، شہر کے وسط مین علو معشوق بحتری کا مکان ہی، یہان میوے، ترکاریان اور نبیذ کی پیداوار کم ہوتی ہے، بجز ان کے جو روم سے آتی ہین، حلب مین کوئی ویران جگہ نہین ہی، ہم حلب سے انطاکیہ کو روانہ ہوے، اور حلب اور انطاکیہ مین صرف ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہی، ہم نے ایک رومی شہر مین[2] جسکا نام عم ہے رات بسر کی، اس شہر مین ایک نہر ہے جس مین مچھلی کا شکار کیا جاتا ہے، اور اس مین ایک پن چکی چلتی ہے، اس شہر مین سورون، بدکار عورتون، زنا اور شرابون کی نہایت کثرت[3] ہی، اس مین چار گرجے ہین اور ایک جامع مسجد جس مین خفیہ طور پر اذان دیجاتی ہے[4]، حلب اور انطاکیہ کے درمیان جو مسافت ہی اس مین کوئی غیر آباد جگہ نہین ہی، صرف زیتون کے درختون کے پہلو مین جو اور گیہون کے کھیت ہین، اس کے گانون باہم ملے جلے ہوئے ہین، اس کے باغات سرسبز و شاداب ہین، اس مین خوب پانی جاری ہی، انطاکیہ ایک عظیم الشان شہر ہے اس کے چارون طرف چار دیواری اور ایک فصیل ہے، اس کی چار دیواری پر تین سو ساٹھ برج ہین جس پر باری باری چار ہزار پہرہ دار گھومتے رہتے ہین، یہ لوگ قسطنطنیہ کے بارگاہ شاہی سے روانہ کئے جاتے ہین اور ایک سال تک شہر کی حفاظت کرتے ہین، اور دوسرے سال انکا تبادلہ ہوجاتا ہے، شہر کی شکل نصف دائرہ کے مثل ہے، جس کا قطر ایک پہاڑ سے ملا ہوا ہے، چار دیواریان پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئی ہین، اور ایک دائرہ کی صورت اختیار کرلی ہے،

[1] کیونکہ اس وقت شام کے ملک کا بڑا حصہ مصر کے اسمٰعیلی بادشاہون کے ہاتھ مین تھا، [2] رومی یعنی یونان اس وقت شام کے بعض ساحلی مقامات پر قابض تھے، [3] اس سے عیسائی ممالک کی اخلاقی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہی، [4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی شہرون مین مسلمانون کو مذہبی آزادی حاصل نہین تھی،

چار دیواری کے اندر پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ ہے جو شہر سے دور ہونے کی بنا پر چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے، یہ پہاڑ سورج کو چھپا لیتا ہے، اس لئے اس شہر مین دوسرے گھنٹے مین سورج طلوع ہوتا ہے، چار دیواریان جو پہاڑ کے علاوہ ہین ان مین پانچ دروازے ہین اور ان کے وسط مین قلعہ قیسانی ہے جو قیسان شاہ یعنی اس بادشاہ کا مکان تھا جس کے لڑکے کو حواریون کے سردار بطرس نے زندہ کیا تھا، وہ ایک ہیکل ہے جس کا طول سو قدم اور عرض اسّی قدم ہے اور اس پر ایک گرجا ہے جو ستونون پر قائم ہے، ہیکل کے گرد رواق بنے ہوئے ہین جسمین جج فیصلہ کے لئے بیٹھتے ہین، اور نحو و لغت کے معلم تعلیم دیتے ہین، اس گرجے کے ایک دروازہ پر گھڑیون کی پیالی جو متصل رات اور دن مین بارہ گھڑی بناتی ہے، اور وہ عجائباتِ دنیا مین شمار کی جاتی ہے، اس ہیکل کے اوپر پنج منزلہ ہے اور پانچوین منزل مین حمام، باغ اور عمدہ عمدہ عمارتین ہین، اور اس سے پانی گرتا ہے، یہان اور بھی بے شمار گرجے ہین، جو سب کے سب زرین نگینون، رنگین شیشون، اور منقش پتھرون سے بنے ہوئے ہین، شہر مین ایک شفاخانہ ہے جسمین خود بشپ مریضون کی دیکھ بھال کرتا ہے، اس شہر مین ایسے حمام ہین جنکی لطافت اور پاکیزگی اور کسی شہر کے حامون مین نہین پائی جاتی، اسمین خوشبودار لکڑی کا ایندھن استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا پانی ہمیشہ روان رہتا ہے، شہر کے بیرونی حصے مین ایک نہر ہے جو مقلوب کے نام سے مشہور ہے، جنوب سے شروع ہو کر شمال مین جا کر ختم ہو گئی ہے، اور وہ نہر عیسی کے مثل ہے، شہر کے باہر دیر سمعان ہے، اور وہ تقریبًا خلیفہ کا آدھا گھر ہے، جسمین سیاحون کی مہمان نوازی کیجاتی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار ہے، یہین سے جبل لکام پر چڑھا جاتا ہے، اس پہاڑ پر اس قدر گرجے صومعے، باغات، چشمے

نہرین زاہد سیاح ، صبح کے وقت بجنے والے ناقوس ، اور نماز کی خوش الحانیان (دیکھنے) اور سننے مین آتی ہین کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ جنت مین ہے، انطاکیہ مین ایک شیخ ہے ، جس کا نام ابو نصر بن عطار ہے ، وہ شہر کا قاضی القضاۃ ہے ، اور علوم مین اس کو کافی دستگاہ حاصل ہے،

مین انطاکیہ سے نکل کر لاذقیہ کو روانہ ہوا ، وہ ایک یونانی شہر ہے ، اور اسمین بندرگاہ، تماشاخانہ اور گھوڑون کے لئے ایک گول میدان ہے ، اس مین ایک بتخانہ تھا جو اب گرجا ہے ، لیکن ابتدائے اسلام مین وہ ایک مسجد تھا[1] ، اسمین مسلمانون کا ایک قاضی اور ایک جامع مسجد ہے ، اور پانچون وقت اس مین اذان دیجاتی ہے ، رومیون کی یہ عادت ہے کہ جب اذان سنتے ہین تو ناقوس بجاتے ہین[2] ، یہان مسلمانون کا جو قاضی ہے ، وہ رومیون کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے ، اس شہر کے عجائبات مین سے ایک عجیب بات یہ ہے ، کہ محتسب[3] فاحشہ عورتون اور روم کے عیاشون کو ایک حلقہ مین جمع کر کے نیلامی بولی بولتا ہے ، اور یہ بدکار لوگ خوب بڑھ بڑھ کے بولی بولتے ہین ، تاکہ ان کے ساتھ ایک رات بسر کرین ، پھر انکو ہوٹلون مین لیجاتے ہین ، جو مسافرون کے قیام کی جگہ ہین ، لیکن اس سے پہلے ان مین ہر بدکار عورت پادری کی انگوٹھی لیتی ہے ، تاکہ اس کے ساتھ مین ایک دستاویز ہو اور والی اس پر گرفت نہ کر سکے ، کیونکہ وہ جب کسی زانی کو کسی زانیہ کے ساتھ بغیر پادری کی انگوٹھی کے پاجاتا ہے تو اس پر

---

[1] یہی عیسائی ہین جو ہم پر بت خانون اور دوسری قومون کی عبادت گاہون کے ڈھانے کا الزام لگاتے ہین ، اور خود مسجد کو گرجا بنا لیتے ہین ، [2] کیا مذہبی اشتعال کا یہ طریقہ کبھی کبھی ہندو انھین عیسائیون سے سیکھ لیتے ہین ؟ [3] بر عکس نہند نام زنگی کافور ،

جرم قایم کردیتا ہے،

شہر مین راہب اور زاہد اس کثرت سے ہین کہ ان کے حالات اور ان کے الفاظ جو ان کے ذہن صافی اور عقل روشن سے نکلے ہین، تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہین ہو سکتے،

ابن رضوان کے نام اس نے جو طویل خط لکھا ہے، وہ اگرچہ ایک مناظرانہ تحریر ہے تاہم چونکہ اس سلسلے مین بہت سے دلچسپ فلسفیانہ مسائل آگئے ہین، اور اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ تحریری مناظرات مین قدماء کا لب ولہجہ کیا تھا؟ اس لئے ہم اس کا ضروری ملخص اس موقع پر درج کرتے ہین، علامہ جمال الدین قطفی نے خود اس کا بہت سا حصہ حذف کر دیا ہے، اور ہم ان سے زیادہ اختصار سے کام لین گے، وہ لکھتا ہے کہ:-

ہمعنی ایک قسم کی برادری، معاہدہ، اور حرمت وعصمت ہے، انصاف کے ساتھ پیش آنا اس کا ادنےٰ ترین حق ہے، اور اس کا ایک فرض ظلم وعدوان سے بچنا ہے، مجھے شیخ کی جانب سے چند پیغامات پہنچے ہین، جنکو اگر مین شیخ کے اشتعال آمیز طبیعت پر قیاس کرون تو تقریباً ان کی تصدیق کر سکتا ہون، لیکن اگر مین اس کے علم کی طرف ان کو منسوب کرون تو ان کو یقینی طور پر جھوٹ سمجھتا ہون، بہرحال مین اس سلسلے بعض کلام سے چشم پوشی کرنا ضروری سمجھتا ہون، کیونکہ گو وہ اس وقت باطل کی طرف میلان رکھتے

لہ عیسائی دنیا کے اس شرمناک واقعہ کے بعد جسکو خود ان کے ہم مذہب ایک عیسائی نے بیان کیا ہے، ہم پیرس کے ہوٹلون کو انطاکیہ کے ہوٹلون کی نقل نہ سمجھین تو کیا سمجھین؟ پیرس کے عیاشون نے تو اب تک کوئی مذہبی سند حاصل نہین کی تھی، لیکن رومی عیاشون نے پادری کی انگوٹھی کی سند بھی حاصل کرلی، کیا اس وقت کے عیسائی پادریون نے دین کو دنیا کے ہاتھ نہین فروخت کیا تھا، جب یہ ان کے قدماء کا حال تھا تو متاخرین کا کیا کہنا،

لیکن باوجود ان زاہدون کے شہر کی اخلاقی حالت کس قدر شرمناک تھی؟

ہین، تاہم مجھے اعتماد ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرین گے، بالخصوص ایسی حالت مین جب کہ مین نے صرف دوستانہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے، آپ کی جانب سے میرے پاس چند مسائل آئے تھے، جن کا مین نے اسی وقت جواب دے دیا، لیکن اسی دوستانہ کے قائم رکھنے کے لیے اب تک مین ان کو نہ بھیج سکا، اس کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ نے مباہلہ کی طور پر فرمایا کہ مین آپ سے ہزار مسئلے پوچھون، اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ پوچھین گے، اگر مین اُس کی توضیح کرنا چاہون تو کر سکتا ہون لیکن

قومی ھم قتلوا امیم اخی فاذا رمیت یصیبنی سھمی

میرے بھائی کو خود میری قوم نے مار ڈالا، تو اگر مین اس کے بدلے مین ان پر تیر چلاؤن تو میرا تیر خود مجھکو لگیگا،

میرا عقیدہ ہے کہ جماعت مثل میرے اعضا کے ہے، جو کبھی بیمار ہو جاتے ہین اور کبھی تندرست ہین، بالکل اسی روش پر قائم رہا، یہانتک کہ بعض عظیم الشان اطراف سے مجھے اشارہ ہوا کہ مین اس مضمون کو لکھون، جس کی مخالفت کرنا میرے امکان مین نہین،

یہ مضمون سات فصلون مین ہے،

(۱) پہلی فصل اس بحث مین ہے کہ جو شخص علمار سے ملتا جلتا رہا ہے وہ اس سے افضل ہے جس نے صرف کتاب سے درس حاصل کیا ہے،

(۲) دوسری فصل مین یہ بیان ہے کہ جس نے کتاب سے خراب قسم کا علم حاصل کیا ہے، اس کے شکوک کا حل کرنا دشوار ہے،

(۳) تیسری فصل کا مضمون یہ ہے کہ جس عقل مین محال نہین سمایا ہے، اس کے حق کا ثابت کرنا آسان ہے، بہ نسبت اس شخص کے جس کے دماغ مین محال سرایت کر گیا ہے،

(۴) چوتھی فصل کا حاصل یہ ہے کہ فضلاء کی عادت یہ ہے کہ جب وہ قدماء کی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان میں ان کو تناقض و اختلاف نظر آتا ہے، تو ان سے بدگمان نہیں ہو جاتے، بلکہ ہمیشہ بحث و جستجو میں مصروف رہتے ہیں،

(۵) پانچوین فصل مین چند مسائل ہین، جو صحیح دلائل و مقدمات سے ثابت ہین، اور برہانی طریقہ سے ان کا جواب بھی مطلوب ہے،

(۶) چھٹی فصل مین اس مضمون پر بحث ہے، جس مین مجھ سے یہ مباہلہ کیا گیا ہے، کہ مین آپ سے ہزار مسئلے پوچھون اور آپ مجھ سے صرف ایک مسئلہ دریافت کرین،

(۷) ساتوین فصل مین آپ کے اس مضمون پر بحث ہے جو نقطۂ طبیعہ کے متعلق ہے، اور اس مین اس تسمیہ کے متعلق اعتراض کے موقع کی تعیین کیگئی ہے،

مین نے معذرت کے ساتھ تعمیل ارشاد کی، لیکن مین آپ کو خدا اور توحید فلاسفہ کی قسم دلاتا ہون کہ جب آپ قلم کی باگ ڈھیلی کرین تو بندے کو سفاہت سے معاف رکھین، اور نفس سوال کا جواب صاف دلی کے ساتھ اس طرح دین کہ ٹھیک بات واضح ہو جائے، ثامسیطوس کہتا ہے کہ حکماء کے دل خدا کے عبادت خانے ہین، اس لئے اس کے عبادت خانون کا پاک رکھنا ضروری ہے، فیثاغورس کا قول ہے کہ عوام سمجھتے ہین کہ خدا صرف عبادت خانون مین رہتا ہے، اس لئے ان عبادت خانون مین اپنے اخلاق کو بہتر بنا لیتے ہین، اسی طرح جو لوگ یہ جانتے ہین کہ خدا ہر جگہ ہے، انکو ہر جگہ اپنے اخلاق کو اسی طرح بہتر بنانا چاہئے، جس طرح عوام انکو عبادت خانون مین بناتے ہین،

دوسری فصل اس بات کی وجہ کہ "جو شخص مطلب کو اچھی طرح نہین سمجھتا اس کے شکوک حل نہین ہوتے،" یہ ہے کہ یہ شک قصور علم سے پیدا ہوا ہے، اور علم جس قدر خراب ہوتا ہے اسی قدر شک کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اور جس قدر شک قوت پکڑتا ہے اسی قدر علم خراب ہوتا ہے

تو علم کا ضعف شک کو قوت پہونچاتا ہے، اور شک کی قوت علم کو ضعیف کرتی ہے، یہ دونون چیزین باہم ایک دوسرے کی علت بھی ہین، اور معلول بھی جس طرح سودا، کہ وہ خیالات فاسدہ کا سبب ہی لیکن خود خیالات فاسدہ سے اخلاط مین احتراق پیدا ہوتا ہے، اور وہ سودا کی طرف مستحیل ہو جاتے ہین، اور سودا جس قدر قوت پکڑتا ہے، خیالات کو خراب کرتا ہے، اور خیالات جس قدر خراب ہوتے ہین، سودا کو اسی قدر قوت حاصل ہوتی ہے، اور چونکہ جن لوگون کے خیالات خراب ہوتے ہین، وہ اس خرابی کو محسوس نہین کرسکتے، اس لئے اُن کا مرض جلد زائل نہین ہوتا، جس طرح کتے کا کاٹا ہوا آدمی سمجھتا ہے کہ پانی اسکو مار ڈالے گا، حالانکہ پانی ہی اس کی زندگی کا سبب ہے، اور جس قدر وہ پانی سے پرہیز کریگا اسی قدر اس کی ہلاکت ہوگی، یہی وہ لاعلاج مرض ہے جس کے علاج سے اطبا عاجز ہین، بعینہ اسی طرح جو لوگ ضعیف رایون کو صحیح سمجھتے ہین، وہ یہ نہین محسوس کرتے کہ یہ رائے اچھی نہین اور حقیقۃً اس کی علت تلاش کرتے ہین لیکن چونکہ ان کو اپنے قصور علم کا علم نہین، اس لئے علما ان کے شکوک کو زائل نہین کرسکتے، اور بجز ذات خداوندی کے لطف و کرم کے اس کے لئے شفا کی امید نہین، آرا، فاسدہ اسی طرح پیدا ہوتی ہین، اور جو لوگ حقیقت سے دور ہین، اسی طرح ان کو قبول کرتے ہین، اور جو لوگ کاہل اور عیش پسند ہین، اسی طرح ان کی تقلید کرتے ہین، رفتہ رفتہ ان کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہی نیچر اور فطرت ہے، تو وہ اس سے مانوس ہو جاتے ہین، اور انھین کی بنیاد پر ان کی نشو و نما ہوتی ہے، اور عادت کی وجہ سے اس کا چھوڑنا پسند نہین کرتے، اور اس کی طرف بڑھتے ہین، اور علوم صحیحہ سمجھکر اس کے لئے تعصب کا اظہار کرتے ہین، اس طرح ایک عقلی وبا پھیل جاتی ہے، اور ذہن طبیعتین مرجاتی ہین، جس طرح آب و ہوا کی خرابی سے اجسام کو موت آجاتی ہے، ارسطو کہتا ہے، کہ جاہل انسان مردہ ہے، جاہل بنا ہوا یا بنایا ہوا آدمی مریض ہے، اور عالم زندہ اور تندرست ہے، اب یہ ثابت ہوگیا کہ جو کتابون سے خراب علم حاصل کرتا ہے، اس کے شکوک کا حل

کرنا مشکل ہے، اور ہم یہی ثابت کرنا چاہتے تھے،

چوتھی فصل، فضلار کی عادت ہے کہ جب وہ قدمار کی کتابیں پڑھتے ہیں، تو ان کے متعلق یقینی طور پر جب تک کہ اصل حقیقت کو معلوم نہ کر لیں کوئی خیال نہیں قایم کرتے، کیونکہ قدیار کی یہ عادت ہے کہ جب مطالب کے سمجھنے میں انکو رکاوٹ پیش آتی ہے، یا ان میں اختلاف اور تناقض نظر آتا ہے، تو تلاش وجستجو کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور جلد بازی کرکے مطلب کو ملیامیٹ نہیں کرتے، جو قوس وقزح چاند کی روشنی سے پیدا ہوتی ہے، ارسطو نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کی رصد میں صرف کیا، لیکن وہ اسکو صرف دو بار نظر آئی، انقباض نبض کے بعد جو سکون پیدا ہوتا ہے، جالینوس نے سالہا سال میں اس کا پتہ پایا، ہمارے شیخ ابو الفرج عبد اللہ بن طیب نے ۲۰ سال تفسیر مابعد الطبیعۃ میں صرف کئے، اور اس کے غور وفکر میں ایسا بیمار ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہوگیا، ان میں ہر ایک نے طلب علم میں اپنی عمر صرف کردی، اور جو بات انکو بالفعل حاصل ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو ابھی تک قوت سے فعل میں نہیں آئی ہے، اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارا التقویٰ، ہمارے فعل سے زائد ہے، بایں ہمہ ہم ہمیشہ ان پر طعن کرتے رہتے ہیں، حق ہم پر ہنستا ہے، اور ہم نے اپنے اندر کی بہترین چیز کو کھو دیا ہے، اس لئے ہر عالم پر جو ان سے کم رتبہ ہے، یہ فرض ہے کہ جب ان کے اقوال کو باہم تناقض دیکھے، ان کی نسبت بغیر کامل اعتماد کے کوئی قطعی رائے نہ قایم کرے، مثلاً جب ہم یہ دیکھیں کہ ارسطو کتاب السماء میں لکھتا ہے، کہ ستارون کی طبیعت پانچوین طبیعت ہے، جو نہ پیدا ہوئی ہے، نہ فنا ہوگی، لیکن کتاب الحیوان میں اس کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کی طبیعت عناصر اربعہ سے ہے، تو ہم کو جلد بازی کے ساتھ یہ نہ کہدینا چاہئے کہ اس نے خود اپنی تردید کی اور اپنی رائے اور اپنے مذہب کو بھول گیا، اسی طرح جب ہم یہ دیکھیں کہ وہ بقاء عقل ہیولانی کے متعلق ایک ایسی بات کہتا ہے جو مابعد الطبیعۃ میں اس کے قول کے منافی ہے، تو ہمکو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے اس طرزِ عمل کی

دو حیثیتین ہین، ایک حیثیت نہین ہے، کیونکہ ارسطو ہی نے ہم کو نقیض کے شرائط سکھائے ہین، ان اصحاب کے متعلق جو اس دنیا مین روشن ستارون کے قایم مقام ہین، اور ہماری نگاہون کو ان کی نگاہون کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دن کی روشنی مین چمگادڑ کی آنکھ کو گدھون کی آنکھ کے ساتھ ہوتی ہے، جناب کا خیال بھی اسی قسم کا ہے، بالخصوص حنین بن اسحاق کے نسبت کہ خدا نے لوگون کو قدما کے علوم اسی کے ذریعہ سے سکھائے، اور لوگ اس کے علمی احسان پر زندگی بسر کر رہے ہین، اس بنا پر مین جناب کے لئے یہ نہین پسند کرتا کہ آپ واقعہ خارجی کو رد کر دین، اجماع کی مخالفت کرین عقل جس چیز کی شہادت دیتی ہے، اور دلیل جس چیز کی تصدیق کرتی ہے اسکو جھٹلائین کیونکہ اس مین بہت سی رسوا کن خرابیان ہین، ایک تو بقراط صاحب فن کے معاہدہ کی عہد شکنی جس نے علما کی تعظیم و تکریم کی وصیت کی ہے، دوسرے اس شخص کا کفران نعمت اور ناشکری کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نہ جناب اور نہ کوئی اور طب کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا، تیسرے یہ کہ استاد روحانی باپ ہے، اور مین جناب کے لئے باپ دادون کے حق سے سرتابی کو پسند نہین کرتا، چوتھے یہ کہ جس شخص نے قدما سے چھیڑ چھاڑ کی وہ توفیق الٰہی سے محروم رہا، اگر جناب غور فرمائین گے تو اس سے آپ کو نصیحت حاصل ہوگی، اس لئے یہ آپ کو ناگوار نہ ہو، کیونکہ جب دوا کی غایت معلوم ہو جاتی ہے تو اسکی تلخی گوارا ہو جاتی ہے، اہل عرب کا قول ہے، کہ تمھارا بھائی وہ ہے جو تم کو نصیحت کرے، اور انسان بسا اوقات اپنے دشمنون سے بھی فائدہ حاصل کر لیتا ہے، ان تمام تصریحات کی بنا پر جناب کا فرض ہے کہ ائمہ فن پر جو عیوب لگاتے ہین اس سے رجوع کرین، بلکہ درگاہ خداوندی مین اس گناہ سے توبہ کرین، اور اس سے معافی چاہین تاکہ قیامت مین اس سے ملین تو روشن چہرے کے ساتھ ملین، اور نئے نئے طلبا کے دل مین ان معائب کو ڈال کر ان کو کتب فن کے پڑھنے سے نہ روکین، جو مریضون کی ہلاکت کا باعث ہو،

تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر قدما کی کتابون کا مطلب کسی کی سمجھ مین نہ آئے تو وہ جلد بازی

ساتھ اس کے مذہب کو رد نہ کرے، بلکہ بحث و جستجو میں مصروف ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مفسرین علوم قدیمہ کو جب اس قسم کے مواقع پیش آئے اور ان کی کتابوں میں تناقض و اختلاف نظر آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ مجاز ہے، کاتب یا ناقل کی غلطی ہے، یا جس زبان سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اس میں یہ جائز تھا، لیکن جس زبان میں ترجمہ کیا گیا اس میں جائز نہیں، مثلاً ایک ایسا اسم جو یونانیوں کی زبان میں نہ مذکر ہے نہ مؤنث، یا وہ حاشیہ و تعلیق ہے، اصل کتاب میں شامل نہیں ہے، یا یہ کہ ضروری مطلب سے یہ زائد بات ہے جس کو اس نے مبالغۃً لکھ دیا ہے، مثلاً بقراط کا یہ قول "فقار الظہر کہ فقار خود پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں، پھر اس کے ساتھ ظہر یعنی پیٹھ کا لفظ لانا مبالغہ زائد از ضرورت ہے، یا جیسا کہ شعرا کہتے ہیں کہ سفید دودھ، ترتیل، یا وہ بطور جدل و خطابت کے ہے، اور اگر کوئی لفظ مکرر آجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے اسکو تاکیداً استعمال کیا ہے، اور اسمار کے متعلق یونانیوں کی جو عبادت ہے اس سے اس پر دلیل لاتے ہیں، مثلاً وہ ہر گرم مرض کو فلغمونی کہتے ہیں، اور اگر کتاب میں کوئی ایسی مثال ہو جو ممثل لہ کے مطابق نہ ہو جیسا کہ کتاب القیاس میں اس قسم کی مثالیں پائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ مثالوں کی پروا کم کرتا ہے، اور اگر کسی قضیہ میں کوئی تناقض دیکھتے ہیں تو اس کے محمول کو اسم مشترک بنا لیتے ہیں، یا یہ کہ نقیض کے جو شرائط ہیں اس کو منع کرتے ہیں تاکہ تناقض اٹھ جائے، اور اگر ان کو نظر آتا ہے کہ مصنف نے ضدین میں سے صرف ایک سے بحث کی ہے جیسا کہ ارسطو نے اسمار میں کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ایک ضد کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ دوسرے ضد کے ذریعہ سے وہ سمجھ میں آجائے، اور اگر تقسیم میں تمام اقسام کا ذکر نہیں کیا ہے، تو کہتے ہیں کہ اس موقع پر جس قسم کی ضرورت تھی صرف اسی کو بیان کیا ہے، اور اگر صاحب فن ایسے نام کا ذکر کرتا ہے جو اپنے معانی پر دلالت نہیں کرتے، جیسا کہ اطبار فم معدہ کو فواد یعنی دل کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قدمار کے لیے یہ جائز ہے کہ بعض چیزوں کو ان ناموں سے یاد کریں جنھیں باہم شرکت تعلق یا مشابہت پائی جاتی ہے، اور اگر مصنف شروع کتاب میں کسی بات کو مکرر بیان کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ چونکہ اس نے شرح میں طوالت اختیار کی ہے، اس لیے ایک بات کو دوہرا دیا ہے تاکہ کلام میں ربط پیدا ہو جائے جیسا کہ ایساغوجی میں اس قسم کی تکرار پائی جاتی ہے، اور اگر یہ تکرار آخر کتاب میں ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اسکو

بطور نتیجہ وخلاصہ کے دوبارہ بیان کر دیا ہے،

پانچوین فصل، ان مختلف مسائل کے بیان مین جو براہین صحیحہ اور مقدمات صادقہ سے ثابت ہین اور ان کا جواب برہانی طریقہ سے مطلوب ہے،

دوسرا مسئلہ، یہ کیا بات ہے کہ انسان بعض اوقات پیشاب کو ضبط کرکے سوجاتا ہے، اور اس کو خواب مین نظر آتا ہے کہ وہ پیشاب کر رہا ہے، لیکن وہ درحقیقت پیشاب نہین کرتا، لیکن جب اٹھتا ہے تو فوراً پیشاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اسکو پیشاب کرنا پڑتا ہے، لیکن یہی انسان خواب مین دیکھتا ہے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس وقت اس سے ضبط نہین ہو سکتا یہانتک کہ اٹھتا ہے تو اس کا کپڑا تر ہوتا ہے، مین نہین جانتا کہ کس چیز نے اس گرم پیشاب کو روک لیا؟ اور باوجود کثرت مقدار کے بیدا ہونے تک اس مین رکاوٹ ڈال دی؟ اور منی باوجودیکہ اس کی مقدار کم تھی روان کر دیا اور بیدار ہونے تک کی فرصت نہ دی، حالانکہ یہ دونون مادے فضلہ ہین، یہ مسئلہ اگرچہ معمولی ہے، لیکن فن طب کے جاننے والون کے لیے مفید ہین اور ہم نے اسکو اپنی کتاب دعوۃ الطبیہ مین بیان کیا ہے،

چوتھا مسئلہ، فلسفہ الٰہی کی کتابون مین ثابت ہو چکا ہے کہ نفس ناطقہ لازوال اور ابدی ہے، تو اب موت سے اس کے محل کے فنا ہو جانے کے بعد یا تو وہ بذات خود قائم رہیگی یا اپنے محل مین پائی جائے گی، یا دوسرے محل مین اس کا وجود ہوگا، لیکن اگر وہ بذات خود قائم ہو، تو لازم آئے گا کہ خدا کے علاوہ ایک اور چیز بھی قائم بالذات ہے، اور اگر اپنے فانی شدہ محل کے ساتھ قائم رہے، حالانکہ اس کی تحلیل عناصر کی صورت مین ہو چکی ہے، تو لازم آئے گا کہ وہ اس سے منفصل بھی ہو اور متصل بھی، اور مردہ زندہ ہو جو محال ہے، اور اگر وہ دوسرے محل کی طرف منتقل ہو تو وہ اس کے مناسب ہوگا یا غیر مناسب، اگر مناسب ہو تو لازم آئیگا کہ وہ اس کی طرف مکانی حرکت کرے، حالانکہ وہ جسم نہین ہے، اور حرکت جسم ہی کی صفت ہے، لیکن اگر وہ اس کے غیر مناسب ہو تو لازم آئیگا کہ ہر صورت ہر ہیولی مین حلول کر سکتی ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ ہیولی

کا صورت کے مناسب ہونا ضروری نہین، اور اگر یہ صحیح ہو تو نعوذ باللہ فلسفہ ہی باطل ہو جائے ،

چھٹی فصل، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فلسفی نے ایتھنز کے کسی امین کے پاس ایک کپڑا امانت رکھا جو اسکے یہان سے ضائع گیا، فلسفی کو اس کا سخت غم ہوا، لوگون نے اسکو اسپر ملامت کی تو اس نے کہا کہ ایک ابابیل نے کسی قاضی کی کچہری مین گھونسلا لگایا، ایک سانپ آیا اور اس کے بچون کو اٹھائے گیا، اور پرندون نے اسکو تسلی دی لیکن اس کو صبر نہ آیا، اس پر اسکو ملامت کیگئی تو اس نے کہا کہ مین اس مصیبت پر گریہ و بکا نہین کرتی، رونا ہے تو یہ ہے کہ مجھ پر خود عدالت مین ظلم کیا گیا،

ساتوین فصل، جناب کے اس اعتقاد سے کہ مقناطیس لوہے کو چند خطوط کے ذریعہ سے جو اس کے اندر سے نکلتی ہین، جذب کرتا ہے، لازم آتا ہے کہ جسقدر وہ لوہے کو جذب کریگا اسی قدر اس مین کمی پیدا ہو گی اور لوہے مین اضافہ ہو گا بشرطیکہ ان خطوط مین میل طبعی پایا جائے، اور چونکہ وہ خطوط اجسام طبعی ہین، اسلیے لازم آتا ہے کہ وہ ایک مکان مین ایسی حرکت کرین جو زمانہ مین واقع نہ ہو، اور یہ محال ہے. میرے دل مین ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، جس کو آپ انھی ایک ہزار مسئلہ مین شمار کرین جس کے پوچھنے کی مجھکو اجازت دیگئی ہے، اور وہ یہ کہ لوہا شوقیہ مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے؟ یا مقناطیس بجبر و اکراہ اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے، ہم اسکو مشاہدۃً محسوس کرتے ہین، اس لیے ہم کو وہ بداہتہً معلوم ہونا چاہیے، اگر ہم اس سوال کے متعلق حنین صاحب اغلاط کثیرہ کی طرف رجوع نہ کرین تو حیران و سرگردان رہین گے ،

مضمون کی ایک فصل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کو اشتعال آگیا ہے، غصہ تیز ہو گیا ہے، لعاب دہن تلخ ہو گیا ہے، رگین پھول گئی ہین، شور و غل کے ساتھ مجھے گالیان دینا شروع کی ہین، اور میرے نام کی طرف اشارہ کیا ہے، اور میرے متعلق ہم فنی کے حق و حرمت کا لحاظ نہین رکھا ہے، مجھکو غبی بنایا ہے، اور یہ قطعی فیصلہ ہے کہ مین نے قدما کے علوم کو بالکل نہین پڑھا ہے، اور لکھا ہے کہ اگر مین نے ان علوم کو پڑھا ہوتا تو مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ابن بکش نے جو مشائخ اطباء مین داخل ہے، اپنے کناش مین لکھا ہے کہ قلب کے اندر ایک نقطہ ہے جس سے

زندگی پیدا ہوکر تمام بدن مین ساری ہوجاتی ہے، مین کہتا ہون کہ جناب نے حسب عادت اس موقع پر بھی جلد بازی کی ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ ابن کشکتی یونان کا مترجم اور طب کا معلم ہے، اور آپ کو یہ معلوم نہین کہ یہ ایک اندھے کا بیٹا ہے، شراب پیتا ہے اور بدمست رہتا ہے، ابن الخمار نے اطبا رکے امتحان کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس مین اس کے متعلق کہا ہے کہ بغداد مین اب طب کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جو شخص ایک اندھے کو دو مہینے تک راستہ دکھاتا ہوا چلے اور ایک دوکان کھول لے، وہ طبیب ہو سکتا ہے، یہ ابن کشکتی شفاخانے سے بالکل الگ ہے، اور لوگ تین باتون کی وجہ سے اس کے طب سے محترز رہتے ہین، ایک تو یہ کہ دائمی شراب نوشی سے اوسکی عقل مین فتور آگیا ہے، دوسرے یہ کہ ہاتھ کے رعشہ کیوجہ سے وہ نبض ٹھیک طور پر نہین دیکھ سکتا، تیسرے یہ کہ قارورہ تک اس کی نگاہ نہین پہنچتی، حنین کے مسائل پر اسی نے شکوک کئے ہین، اور یہی شکوک جناب کو بھی مل گئے ہین، جناب کو اگرچہ اس کی کتاش سے نہایت دل آویزی ہے، تاہم مین آپ کو اس کا جہل بتانا چاہتا ہون وہ کہتا ہے کہ مرد کے جسم مین ایک پسلی عورت سے کم ہوتی ہے، لیکن اس کو یہ معلوم نہین ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو وہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہے، تمام انسانون سے اسکو تعلق نہین ہے،

القضاء فی الاسلام

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اردو مین جدید موضوع پر ایک پر از معلومات رسالہ جس مین طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے اسلامی اصول و قوانین کی تشریح کیگئی ہے، ضخامت ۹۲ صفحے،

قیمت ۱۲ر

"منیجر"

لاادریت

یعنی

فلسفۂ تشکیک

پر

جناب میر محمد تقی میر کے شاعرانہ خیالات

از جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری بی اے

یہ دو ہی صورتین ہین، یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا (میر)

زمین و آسمان کے وجود پر غور و فکر کرنے والے، دن اور رات کی تبدیلیون سے کسی آئندہ واقعے کی نشانی لینے والے، تاریخی نگاہون سے جذباتِ انسانی کے ارتقار، اور وجود "عقل" کا پتہ چلانے والے اور پھر با وجود داعیِ عقل ہونے کے گرویدۂ جذبات ہو کر مذہب کے اٹل قوانین مین پناہ لینے والے اگر ذرا غور کر کے خیال کرین تو معلوم ہوگا کہ "عقل و سمجھ" پر انسان فطرۃً کوئی دعوے رکھنے کا حق نہین رکھتا، بنی آدم مین جذبات کی طرح عقل کو کوئی اہمیت نہین ہا لبتہ عقل کو "تجربے" کے معنی مین لیکر انسان کو عاقل کہین تو زیادہ مناسب ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ابتدا مین انسان مظاہرِ قدرت کی جلالی و جمالی کیفیات پر شیدا تھا، رعد کی گرج اس کے دل کو رعب و ہیبت مین ڈالکر اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ ان مظاہر کو کسی "خدا" کی طرف منسوب

ہے ۔ اور چونکہ ایسی کیفیتون کا تجربہ ہر موسم مین ہوا کرتا تھا اس لیے رعب و ہیبت کے جذبات اس احساس
تجربے سے پختہ کرکے عالمِ کائنات کا خیال بھی پختہ کر دیتے تھے، وہ ان کیفیات کو "اندر" کا مقدس نام
پکار ان کی پرستش بھی کرنے لگتا تھا، اب چونکہ اپنی معاشرت کے علاوہ تجربے کی کوئی اور مثال مہیا نہین
ہو سکتی، اسلیے بجلی "اندر" کا نیزہ سمجھی گئی، اسی طرح نیچر کے جمالی کرشمے بھی زندگی کے دلفریب پہلوؤن سے
مطابق کر لیے گئے، اور انسان داعیِ عقل بنگیا اور دنیا مین تہذیب کا وجود ہوگیا، یہ دوسری بات ہے کہ کسی
زمانے کی تہذیب مین "انا الحق" کہنے والے پیدا ہون اور کسی زمانے کے لوگ اپنے وجود کا پتہ محض تنجیرؔ
یا کپڑے کے ٹکڑون مین لگائین[1] ع

"فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست"

دنیا مین جتنے بڑے بڑے فلسفی، ریاضی دان اور اہلِ سائنس ہوئے ہین، سب نے اپنے کمال اور
علمی تجربات کی انتہا پر پہنچ کر یہی کہا ہے کہ ابھی ہم تحقیق و تلاش کی سیڑھی پر ہین، منزلِ مقصود کا تو کہین
نشان و گمان تک نہین، بلکہ یہ بھی نہین معلوم کہ آیا ہم منزلِ مقصود کے صحیح راستے پر ہین یا نہین اور اکثر تحقیقین
بالکل ناگہان ہوگئی ہین، یعنی خیال کچھ کیا اور ہو کچھ گیا، گراموفون کی ایجاد، برق کا شعلے کی صورت مین
حاصل ہونا فوٹو اور عہدِ جدید کے دوسرے نہایت ہی حیرت انگیز کرشمے کسی شخص کی عقل کارفرمائیون کا
نتیجہ نہین بلکہ دوسرے نصب العین کی تلاش مین سلسلۂ تجربات کی درمیانی گرفت یا اتفاقیہ تحقیقات
کا نتیجہ ہین، زہے قسمت ع،

"گئے تھے آگ کو لینے پیمبری پائی"

پس سچے فلسفی وہی ہین جو نظامِ عالم کے حیرت انگیز وجود پر غور و فکر کرلے اور تجربات کی
کسوٹی پر اپنے افکار کو آزمانے کے بعد یہ کہتے ہین کہ کسی چیز کی "علتِ اولیٰ" کی تحقیق دماغی قوت

---

[1] ڈارون "ORIGIN OF SPICIES"

کی دسترس سے باہر شے ہے، جب یہ بات ہے تو "علتِ اولی" تک تجربات کی انتہا یعنی عقل کب پہنچ سکتی ہے، وہان تو صرف "لا احصی" اور "لا ادریت" کا فلسفہ اپنے مفہوم کے سچے معنی کا مصداق ہو سکتا ہے، خسرو

اے زخیال ما برون در تو خیال کے رسد

با صفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

بس معلوم ہوا کہ دنیا مین اگر کوئی فلسفہ اپنے تام نہاد مفہوم پر فلسفہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو یہی "فلسفہ تشکیک"[1] ہے، فلاسفہ جرمنی مین کینٹ، عربون مین ابن رشد اور قدیم ہندوستان مین کپل وغیرہ نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ جو چیزین ہمارے تجربہ مین نہ آسکتی ہون ان پر تخیل آزمائی کرنا شاعری کرنے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، مثلاً خدا کے وجود اور ما فوق الادراک مسائل مین دخل دینا،

کینٹ نے نہایت بے تکلفی سے لکھا ہے کہ

"عقل انسانی اپنے احاطۂ ادراک کے ایک پہلو مین ان مسائل کو غور کرنے پر مجبور کیجاتی ہے جو فطری طور پر خود بخود درپیش ہو جاتے ہین، لیکن ان پر کوئی قابلِ اطمینان رائے قائم کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ ان کی گرفت دماغ کی ہر قوت سے پرے ہوتی ہے، اور یہ دقت عقل کی کسی تقصیر کا نتیجہ نہین ہوتی، بلکہ عقل (تجربہ کے) ابتدائی اصولون کی روشنی مین آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، کیونکہ تجربے کی آب وہوا مین یہ (ابتدائی اصول) بہت ضروری ہین اور ان کی صداقت و کفایت تجربے سے ہی بہم پہنچتی ہے، ان ابتدائی اصول سے ہم قسم قوانین کی ماتحتی مین عقل آگے بڑھنا شروع ہوتی ہے، (یہانتک کہ اسکو) زیادہ بلند مسئلہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح عقل کی تمام کوششین ہمیشہ ناتمام رہتی ہین، کیونکہ نئے مسائل کا پیدا ہونا رک نہین سکتا اس لیے عقل کو مجبوراً انھین اصول کی پابندی اختیار کرنا پڑتی

[1] ہکسلے "Method and Results" سے Agnosticism.

ہے جو تجربون کی پہنچ سے بالاتر ہین اور جو عقل عامہ مین بغیر کسی تشکیک کے اٹل سمجھے جاتے ہین،
(مثلاً فوق الفطرۃ اسرار جنکی نمایان مثال مذہبی اصول ہین) عقل کے مفہوم کی یہ وہی تفسیر ہے
جس کو غالب نے اپنے ٹھوس فلسفے مین سمیٹ کر ایک مصرعے مین کسی قدر اختلاف سے ظاہر کیا ہے کہ ع

"عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے"

پس چونکہ عقل علم کی ماتحت تھی اور علم بغیر تجربے کے ناممکن تھا اس لیے خدا کی ذات اور مذہب کی غرض و غایت کا ذکر کرنے سے کینٹ نے انکار کر دیا، اور کہدیا کہ اگر مین ایسا کرون گا تو حوادث و تجربات کو بھی مذہب مین داخل کرنا پڑے گا اور ان سے کنہ حقیقت کے راز پر ذرہ برابر بھی روشنی نہین پڑ سکتی ہی اسلیے "مجھے کیا ضرورت کہ علم کو منسوخ کر کے عقیدے کو قائم کرون[2]"

لاادریت یا تشکیک کی بنا اصول اور نظریون کے نہ ختم ہونے والے سلسلے پر مبنی ہے، اس کا ما حصل "اعتراف لاعلمی" ہے، اس پر عمل کرنا "مسئلہ جبر" پر ایمان لانا ہے، اور انسان کو محض جذبات کا بندہ تسلیم کرنا ہے، کیونکہ "اگر انسان کو جذبات پر کوئی قابو ہوتا تو قانون جرائم کی ضرورت ہی نہ ہوتی[3]"، عہد ماضی مین لاادریت بذات خود ایک فلسفہ تھا، چنانچہ قدیم ہندوستان کے "فلسفۂ نیائے" مین بھی اس کی جھلک نمایان ہے، کینٹ اور ہیوم نے عہد حاضر مین اس کو اہمیت دی، اور ہکسلے نے اس کو علحدہ فلسفے کی صورت مین تسلیم کیا، عہد خلافت عباسیہ مین چونکہ فلسفہ عروج پر تھا اس لیے مسلمانون مین امام رازی اس کے بڑے حامی تھے،

شاعری اور نظم مین صرف فلسفۂ تشکیک ہی ایک اہم اور مستند حیثیت رکھتا ہے خصوصاً مشرقی شعرا تو مسائل جبر و تشکیک کے بندے ہین، مثلاً ایران مین حافظ، ہندوستان مین کبیر صاحب اور

---

[1] کینٹ دیباچۂ کتاب "Critique of Pure Reason" [2] ایضاً،

[3] VOLTAIRE ON CRIMINOLOGY

اردو زبان مین "تیز" وغیرہ۔ ان کا متفقہ مذہب تھا کہ انسان اپنی زندگی کی ضرورتون اور معاشرتی محاسن و معائب کو خالص عقلی نقطۂ نظر سے ثابت نہین کر سکتا، کسی ایک سبب سے مختلف نتائج پیدا ہو جایا کرتے ہین، ایک ہی بات سے کوئی خوش ہوتا ہے کوئی مغموم، کوئی امیدوار ہوتا ہے کوئی مایوس، ایک کے دل مین محبت پیدا ہوتی ہے، دوسرے کے دل مین نفرت، پس معلوم ہوا کہ "لاف آف نیچر" تجربات و مشاہدات کا مجموعہ ہے، عقل اس فطری قانون کے ادراک کا نام ہے، اور یہ استدراک ہر زمانے مین بدلتا رہتا ہے، فلسفۂ تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اہل یونان کی "عقل" دماغی تجربون کا نتیجہ تھی اہل روم نے سیاست کو اسی عقل مین ملا کر قوانینِ معاشرت بنائے، اہل مشرق نے اسی "عقل" مین روحانیت کو دخل دیکر چار چاند لگائے اور اہلِ اسلام نے وحدانیت و تصوف کے پیرایے مین اسکو "ما فوق العقل" سے ملا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جب تک انسان کے جذبات تجربون کے اصول سے مستفید ہوتے رہین گے، اور جب تک اس نام نہاد عقل کا شائبہ بھی جذبات مین شامل رہے گا، اسکو آرزوؤن سے بے نیازی حاصل نہین ہو سکتی،

لیکن نئے مسائل اور آرزوؤنکا پیدا ہونا ہی سائنس کے وجود اور ترقی کا باعث ہے، پس لا ادریت کے مفہوم یعنی اعترافِ لاعلمی سے یہ مطلب نہین کہ انسان کو کچھ کرنا ہی نہ چاہیئے، اگر اس نظریے کا پابند ہو کر انسان خود کو مجبور محض سمجھنے لگتا تو آج نہ کہین "تجلّی طور" کا نام سنتے نہ "نعرۂ منصور" کی آوازین آتین، جذباتِ انسانی روحانیت و وحدانیت کی سمجھ تک ترقی نہ کرنے پاتے، اور اب بھی انسان سورج و چاند کی پرستش کرتا نظر آتا، یا یون کہیے کہ انسان ابتک وحشی رہتا جگنو پکڑ پکڑ کر اپنے تاریک غارون کو روشن کرتا، کیونکہ اسکو یہ سمجھ ہی نہ آتی کہ بجلی کو آسمان سے اتار کر بڑے بڑے محلون کو روشن کردے، یا لاسلکی لگا کر مریخ سے نامہ و پیام کی کوشش کرے، پس جو نشانیان ہمارے سامنے موجود ہین انپر غور و فکر کرنا ہی انسان کو تمام مخلوق پر شرف دیے ہوے ہے، اور صرف دماغ کی استفہامی خاصیتون کی وجہ سے وہ داعیِ عقل ہو سکتا ہے، اسی بنا پر قرآنِ حکیم مین کہا گیا ہے کہ جن چیزون کی نشانیان

سامنے موجود ہین ان پر غور و فکر کرنا انسانی فطرۃ کا تقاضا ہے اور اسی بنا پر انسان "عاقل" بھی کہا گیا ہے، لیکن جن باتون تک عقل رسا نہ ہوسکے اور جو ما فوق الادراک ہون ان مین پڑنے سے انسان گھبرا جاتا ہے اور مولانا معنوی کے اس اعتراض کا مصداق ہے کہ ؎

با سبہا از مسبب غافلی سوے این روپوشہا زان مائلی

غرض غور و فکر کی بنا پر انسان کو قرآن حکیم مین "اولی الالباب" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ پس صاحب عقل وہی لوگ ہین جو "یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض" کا مصداق ہو کر تخلیق عالم اور نظام کائنات پر غور اور پر تقدیس تعجب کی نگاہین ڈالتے ہین، کیونکہ "اختلاف اللیل والنہار" اور تغیرات عالم کے دیگر کرشمے صاحب عقل کے لیے "آیات" یا نشانیان ہین، یعنی دماغی جستجو اور خیال و فکر کی راہ مین مشاہدات و تجربہ کی مشعل ہین، اگر انسان ان سے متحیر ہو کر اپنے جذبات کو کائنات کے "وجود خود بین" مین محو کر کے تنظیم تخلیق سے ہم آہنگ کرے تو گویا اس نے انتہائی سکون و مسرت کے راستے کو اگر پایا نہین تو کم از کم دیکھ ضرور لیا، اور اسکی روح کے سامنے حقیقت کی متبسم کرنین کچھ کچھ نمایان ہوگئین، یہی وہ روشنی تھی جو شہزادہ سدھارتھ کے دماغ مین ایک برگد[1] کے نیچے ضوفشان ہوئی، اور یہی وہ سرور ہے جس نے منصور کو انتہاے جذبات تک پہنچا کر آپے سے باہر کر دیا ؎

عام ہے یار کی تجلی میر خاص موسیٰ و کوہ طور نہین،

اسی بنا پر صوفیاے کرام نے تصوف کو شریعت سے الگ کر کے طریقت کے لقب سے عام کیا ہے جس کا نصب العین ادراک حقیقت ہے، جس کی ابتدا اعتراف لاعلمی اور لاادریت ہے اور انتہا فلسفۂ جبر اور مشاہدۂ حقیقت[2] ہے، اس فلسفے کے ابتدائی مدارج پر دنیا کے تمام اہل علم اور ائمۂ مذہب گامزن ہے،

---

[1] گوتم بدھ کو ایک برگد کے درخت کے نیچے نور عرفان حاصل ہوا تھا۔ [2] ذوق ؎

رسائی کچھ نہین دشوار بام تک اوسکی لگائین زینہ جو اقرار نارسائی کا

ہین لیکن اسلام نے وحدانیت کا داعی ہوکر اسکو انتہاے کمال تک پہنچایا، اور "اکملت لکم دینکم" کا سچا مصداق ہوا، اب چاہے کوئی اسکو محض عام فہم اور سادہ[1] مذہب کہے۔ یا بے لچک کہکر اسکی تعلیم کو پابندِ فطرۃ سمجھکر اپنی معاشرت مین شامل کرے، داعی فطرت نے پہلے ہی کہدیا کہ "لکم دینکم ولی دین" یہ حسنِ سماعت ہے کہ دورِ جدید مین نغمۂ وحدت سننے والے اسلام کو دنیا کے لیے نہایت ضروری[2] اور ترقی پذیر سمجھتے ہوئے زبان سے اقرار کرین مگر دل سے نہ مائل ہون، اور اگر ہم بیجا تاریخی حملون سے برگشتہ ہوکر دادخواہی چاہین تو "صمٌ بکمٌ" ہوکر بالکل خاموش ہوجائین، زہے انسانیت، ع

"گوش اگر گوش تو و نالہ اگر نالۂ من"

خیر مذہب تو جیسا کیسا اسلامی لٹریچر کی نسبت تو خیالات بالکل غیر قابل برداشت نظر آتے ہین، خصوصًا عہدِ جدید مین غریب اردو جو محض مسلمانانِ ہند نہین بلکہ تمام ہندوستان کی متفقہ زبان ہے، خواہ مخواہ ایسے بیجا خیالات کا شکار بنائی گئی ہے، اس غریب کو بھی توہمات کی برچھیون نے ایسا گھائل کردیا کہ اب ہم شکوے کرتے کرتے بالکل عاجز آگئے، حسرت ؎

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہمپر بھی ہوا لازم	دلِ مجبور کو خوگر دہٗ آزار کرلینا

لیکن ہندوستان کی پیاری زبان اردو فلسفہ و تاریخ، آرٹ و سائنس وغیرہ کی تکمیل مین اپنے ملک کی دوسری زبانون سے پیچھے نہین رہی، یہ کہنا کہ اردو مین بلند خیالی بالکل نہین، نیچریت کا کہین پتہ نہین اور یہ بالکل خط و خال کی مبالغہ آمیز رام کہانی ہے[3]، سراسر ظلم ہے، اس وقت ہم صرف اسکی بلند خیالی کو مدِ نظر رکھکر کچھ مثالین پیش کرینگے وہ بھی اردو نظم سے، کیونکہ نظم زیادہ بدنام کی گئی ہے، اور نظم مین بھی قدیم زمانے کی شاعری مقصود ہے، کیونکہ عہدِ حاضر مین اقبال کے خیالات کا مقابلہ

۱؎ کارلائل اور انفسٹن وغیرہ کہتے ہین کہ اسلام ایک عام فہم اور سادہ (Simple) مذہب ہے،

۲؎ Bernard Shaw ۳؎ K. B. Chuklant

دنیا مین بڑے بڑے نہین کر سکتے، اس لیے ہم نہایت ابتدائی نظم یعنی شعراے متقدمین مین میر صاحب کے کلام کو انتخاب کرتے ہین جنکے زمانے مین اچھی طرح اردو زبان بھی نہ کھلی تھی، لیکن یہ خیال رہے کہ فارسی شاعری کی طرح لا ادریت وتصوف پر اردو فلسفۂ خیال بھی مبنی ہے، خصوصًا میر کے کلام مین تشکیک کا عنصر اور تصوف کا خمیر زیادہ ہے، میر ؎

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے　　پردہ اٹھا تو لڑیان آنکھین ہماری ہم سے

اگر سچ پوچھیے تو ہر فلسفے کی ابتدا تشکیک ہی سے ہوتی ہے، شاعری کو اگر فلسفے کی عینک سے دیکھیے تو وجدانی کیفیت اور ترنم خیال سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہ نظر آئے گی، اور "نیچر لزم" تو کوئی فلسفہ نہین، بلکہ محض دماغی تفریح کا نتیجہ ہے، کیونکہ اگر معمولی آدمی صبح وشام کی نیرنگیون کو دیکھکر خود بخود گانے لگتا ہے تو ایک عالم اور فلسفی یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ

زمین و آسمان مین اک کرشمہ ہے جانان کا　　مئے وحدت سے متوالا ہی ہر گل گلستان کا

اور چونکہ اردو پر فارسی اثرات زیادہ غالب ہین اسلیے عشق ومحبت کی محفل مین گل وبلبل کو نمایان طور پر جگہ دیگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو مین گل وبلبل سے کوئی نظم خالی نہین ؎

باغ مین بلبل وگل بزم مین پروانہ وشمع　　بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہی محبت میری

لیکن میر صاحب نے جہان کہین فلسفیانہ خیالات ظاہر کئے ہین، وہان گل وبلبل کو بہت کم دخل دیا ہے، لا ادریت کے متواے قیصر روم[۱] کی طرح میر صاحب نے اپنے فلسفے کو بالکل اعتدال پر رکھا ہے قیصر مذکور نے اپنی کتاب "محویت خیال"[۲] مین لکھا ہے کہ نظام کائنات یا تو کسی زبردست طاقت کے ماتحت ہے یا عناصر کا محض بے ترتیب منظر ہے، اگر یہ قانون کسی حاکم کے ماتحت ہے تو انسان سے بڑھکر کوئی خوش قسمت مخلوق نہین ہوسکتی، اگر اسمین کوئی ترتیب نہین تو انسان کو بے ترتیب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ

---

[۱] Marcus Aurelius　[۲] Meditations

اس کی فطرت مین ایک ایسی کیفیت پوشیدہ ہے، جو مخلوقات مین کہین نظر نہین آتی، میر صاحب کے دماغ مین بھی اسی قسم کے (Agnostic) خیالات اپنی جھلک دکھلاتے ہین، اور بمقتضاے پسند عام و معاشرت وقت پھر غائب ہوجاتے ہین، اگر میر صاحب ان پر غور کرتے تو شاید ہمارے لیے ایک باترتیب فلسفہ مہیا ہوجاتا، غرض تخلیقِ عالم کی نیرنگیون سے متحیر ہوکر میر صاحب فرماتے ہین،

یہ دو ہی صورتین ہین یا منعکس ہے عالم یا عالم آئینہ ہے اس یارِ خود نما کا،

لیکن کائنات کی اس ظاہری نمود مین وہ "حقیقتِ منتظر" ظاہر نہین، اسلیے میر صاحب فرماتے ہین،

کہتے ہین حجابِ رخِ دلدار ہے ہستی دیکھین گے اگر یون ہے کہین جان بھی جائے

پھر باوجود اس پوشیدگی کے وہ ہر جگہ موجود ہے، اس طرح اس تضاد سے ایک ایسی تشکیک ظاہر ہوتی ہے، جس کے لیے کوئی موزون نام بھی نہین ملتا، میر ؎

نہ عالم مین ہے نے عالم سے باہر یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے،

بقول کینٹ کے اگر تجربے کی روشنی مین عقل حقائق کی ٹوہ لگائے تو اپنی ترقی کے ہر زینے پر ایک نئے راستے کو کھلا ہوا پائے گی، ہان اگر عوام الناس کی طرح غور و فکر کئے بغیر زندگی کے دن کاٹ دیئے جائین تو صرف معمولی معاشرتی باتون تک عقل و تجربے کی دنیا بھی محدود رہے گی، میر ؎

سرسری تم جہان سے گذرے ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

ہمارے فطری شعور کا تقاضا ہے کہ ہم مخلوقات کے ہر "پیکرِ تصویر" کو ادراک و عقل کی گرفت مین لانے کی کوشش کرین، ذرہ ذرہ ہم کو مشاہدات و تجربات کے ذرائع کی طرف مدعو کرتا ہے، دنیا بلا شرکت غیر انسانی قبضہ و اقتدار مین کردیگئی ہے لیکن بغیر غور و فکر کئے ہوئے اسکی کوئی اہمیت نہین، اسلیے یہ ضروری ہے کہ احساس و شعور کی قوتین ترتیبِ دماغ کے لیے خیالات کا ذخیرہ جمع کرنے مین بھی صرف کیجائین، کیونکہ خود انسان مین ایسے ایسے کرشمے موجود ہین کہ انکی تحقیق ابھی تک ممکن نہین ہوسکی

اس سب مضمون کو میر صاحب نے شاعری سے آراستہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے ؎

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر — منھ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں — شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ

صوفیائے کرام اور فلاسفۂ مغرب کے اعترافِ لاعلمی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ جذبات کے بندے رہ کر اعتقاد و شریعت کے دریوزہ گر ہیں، کیونکہ تسکینِ لاعلمی کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہونا ضروری ہے، فرض کرو روشنی کی علتِ اولی دریافت کرنے کے لیے کسی فلسفی نے عقل و تجربے کو دخل دینا شروع کیا، رات، دن، آگ، بجلی، آفتاب، ماہتاب، اور ستاروں کی کیفیتیں غرض تمام چیزوں پر عقل دوڑائی حتی کہ نظامِ کائنات کی تخلیق کے سوال تک پہنچ گیا، اب آگے خیالات کو بڑھنے کے لیے مشاہدات کی مشعل بھی ممکن نہیں ہو سکتی، اسکی عقل عاجز ہو جاتی ہے، اور جذبات اس کو آگے نظر نہ آنے والے مناظر سے برگشتہ کر دیتے ہیں، خواہ مخواہ فلسفۂ لاادریت کے ماتحت ہو کر جذبات کی تحریک کے ساتھ اعترافِ لاعلمی کے آگے اپنے تمام دماغی ہتھیار ڈال دیتا ہے اور ایک "استفہامی" کیفیت کے ساتھ صرف یہ "مشکوک" نظریہ پیش کرتا ہے کہ

اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر سحر — کوئی تو ماہ پارہ ہے میر اس رواق میں

خود حضرتِ انسان کی حالت کو لیجئے: "عاقل" ہونے کے باوجود ہمیشہ نئے نئے رنگ بدلا کرتے ہیں، ایسی حالت میں کیا فطرتِ انسانی کسی ایسے معیار کا دعویٰ رکھ سکتی ہے جو انسان کو "صاحبِ عقل" ثابت کر سکے؟ وہ تو ہمیشہ امید و بیم، خوشی و غم، اور آس و یاس کی متضاد و مختلف حالتوں میں مبتلا رہتا ہے، ان سب باتوں پر نظر کر کے مسئلۂ جبر کا دوسرا عنصر یعنی انسان کا بے اختیارِ محض یا پابندِ "جبر" ہونا ظاہر ہے، مشرقی شعرا نے اس خیال کو بہت برتا ہے اور بار بار یہی کہا ہے کہ "ظلوم و جہول" انسان گو اپنی عقل پر بہت نازاں ہے، لیکن اس کا کوئی کام اس کے ذاتی اختیار

وارادے سے نہین ہوتا، نہ وہ کوئی بات کسی سائنٹفک دلیل سے ثابت کرسکتا ہے، یون اپنے کو وا عی عقل سمجھا کرے، میر؎

پاتے ہین اپنے حال مین مجبور سب کو ہم کہنے کو اختیار ہے، پر اختیار کیا

تو پھر آسمان و زمین کے قلابے ملانے، سیر مریخ کی ہوا باندھنے، چند مادی مکاشفات پر بھولکر "مسبب الاسباب" کی کنہہ حقیقت معلوم کرنے کا دعویٰ کرنے اور عاجز آجانے پر دائرۂ ادب سے باہر ہوجانے والے دماغون کا کیا حشر ہوگا، یہ ظاہر ہے کہ جسکو خود اپنی خبر نہ ہو وہ اپنے پیدا کرنے والے تک عقل کو کیونکر رسا کرسکتا ہے، بقول، میر؎

کام کیا آتے ہینگے معلومات یہ تو سمجھے نہین کہ کیا ہین ہم

ہان تو پھر کیا ماہرین فلسفہ و داعیانِ تصوّف کے لیے عقائد شریعت کے اٹل قوانین ضروری نہین ہین؟ کیا اس لاادریت کے باوجود پردۂ حقیقت کا ایک گوشہ بھی اٹھانے کی کوئی جرأت کرسکتا ہے؟ بالکل ناممکن، جو خود کو نہ سمجھے وہ دوسرے کو کیا سمجھے گا، میر؎

لکھے دفتر کتابین کین تصنیف پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے

لیکن اس سے یہ مطلب نہین کہ "کل یوم هو فی شان" کی صفت سے موصوف ہونے والے کو ہماری باطنی آنکھین بھی نہین دیکھ سکتین، بیشک اس تک ہماری ظاہری نگاہین نہین پہنچ سکتین، ہمارے خیال کو رسائی نہین ہوسکتی، ہماری عقل اس کے خیال سے بھی قاصر ہے، تاہم جذبۂ محبت اس تک ہمین پہنچا سکتا ہے، اور سویدائے قلب پر اس کی تجلی ہر وقت نمایان ہے، خسرو؎

ہست بہ تختگاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب لیک بجلوۂ چنان چشم خیال کے رسد

"تختگاہِ دل" کے علاوہ عالم ظاہری کی نیرنگیون مین بھی اس کے جلوے نمایان ہین، نگاہ چاہیے کیونکہ اس کی کوئی خاص صورت نہین، میر؎ ،

گہ گل ہے، گاہ رنگ، گہے باغ کی ہے بو
آتا نہین نظر وہ طرحدار ایک طرح

البتہ خصوصیاتِ تشکیک کی بنا پر اتنا منہ سے ضرور نکل جاتا ہے کہ تیر؎

وجہ بیگانگی نہین معلوم
تم جہان کے ہو وان کے ہم بھی ہین

اور یہ شاید "کل یوم ھو فی شان" کا اثر ہے یا کوئی اور وجہ ہے کہ ہماری حالت بھی کبھی دنیا مین ایک سی نہین رہتی اور ہمیشہ جذبات کے کرشمے ہم کو اپنا کھلونا بنائے رکھتے ہین، غرض بقول میر صاحب؎

آن مین کچھ ہین، آن مین کچھ ہین،
تحفۂ روزگار ہم بھی ہین،

لہذا ان تبدیل ہونے والی "مختلف النوع" خاصیتون کی وجہ سے ہم کو بھی نظام فطرت کی ترتیب کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے اور اگر فخر ہو تو یہی ایک بات ہمارے لیے مایۂ ناز ہے؎

ہین مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہین میر ہم ہین
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

اس قلبی اطمینان اور فخر کی بنا پر ہم کبھی کبھی آپے سے باہر بھی ہو جاتے ہین اور بے ساختہ منہ سے یہ نکل جاتا ہے کہ میر؎

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
مین ورنہ وہی خلوتیِ رازِ نہان ہون

اور دل کے بہلانے کے لیے شیطان کی بدعتون، اور نفس کو ڈرانے یا پھسلانے کے لیے دوزخ وجنت کی مثالین قائم کرنا بھی بے جا نہین، انسان ہر حالت مین اشرف المخلوقات ہے اس لیے میر صاحب کا یہ خیال بھی حقیقت سے خالی نہین کہ؎

فرشتہ جہان کام کرتا نہ تھا
مری آہ نے برچھیان ماریان

لاادریت کے دو پہلو یعنی اعترافِ لاعلمی اور محویتِ جذبات پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین اب تیسرا رخ یعنی تجربات کے ذریعے سے مستقبل پر رائے زنی کرنے کا بیان باقی ہے گو یہ رائے زنی بالکل مشکوک سمجھنا چاہیے، اگر مشکوک نہ ہوتی تو لاادریت کے تحت مین اس کا ذکر نہ کیا جاتا، غرض دنیاوی

زندگی کی عارضی نمود مین انسان کو بمقتضائے ضروریات یا محویت جذبات مین ایسے تجربے حاصل ہوجاتے ہین، کہ ان سے آئندہ باتون پر اظہار خیالات کا موقع مل سکے، مثلاً جذبات کی اس کیفیت پر اظہار تشکک میں

ہمین جس جا پہ کل غش آگیا تھا　　وہین شاید کہ اُس کا آستان تھا

بعض نامعلوم واقعات اور مستقبل باتون کی بنا پر دل و دماغ مین پوشیدہ مراسلت بھی ہوتی رہتی ہے اور خود بخود ایسی باتین نکل جاتی ہین جو شاعر کا نصب العین نہین ہوتین نہ اُنکے اظہار کا وہ ارادہ کرتا ہے، میر ؎

ہستی اپنی ہے بیچ مین پردہ　　ہم نہ ہوین تو پھر حجاب کہان

ایسے ہی خیالات پر تکیہ کر کے چند مشکوک سوالات کا تذکرہ کر دینا بھی لازمۂ لاادریت ہے کیونکہ جب کسی بات کا شک ہوتا ہے تو طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہین، اسی لیے میر صاحب کے منھ سے بھی نکل گیا کہ ؎

کوئی بیگانہ گر نہین موجود　　منھ چھپانا یہ کیا ہے پھر ہم سے

اور انھین خیالات کی بنا پر شاعرانہ تعلّی کو بھی دخل دے دیا جاتا ہے، اور شاعر اپنے زعم تصوف مین تنگ ظرفیِ منصورؔ[1] کو بھول کر کہہ اٹھتا ہے، میر ؎

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہین　　اپنے سوائے کسکو موجود جانتے ہین

جذباتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ انسان لاادریت کے اس عالم مین پہنچکر ذرا اپنی سمجھ پر ناز بھی کرنے لگے، جیسے کہ موجودہ فلسفی اور ائمۂ سائنس اپنے تحقیق و مکاشفات کے زعم مین خدا کی ہستی کے منکر ہوجاتے ہین، اسی طرح شاعر بھی قوانینِ شریعت پر نونک جھونک کرنے لگتا ہے جو خواہ کتنے ہی صحیح کیون نہ ہون شاعر کے ظرف کی کمی کو ظاہر کرتے ہین، مگر میر صاحب اعتدال سے متجاوز نہین ہوتے ؎

مکے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا　　جیسا گیا تھا ویسے ہی چل پھر کے آگیا

[1] غالب ؎ قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن　　ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہین،

اور چونکہ بظاہر اس شعر مین مسئلۂ حج کی تحقیر ہے اس لیے اہلِ شریعت ان باتون پر بھی اعتراض کا حق رکھتے ہین، پس اگر ایسے خیالات کسی قدر اعتدال کے ساتھ ظاہر کیے جائین تو اہلِ شریعت کو بھی برا نہ معلوم ہو، مثلاً میر صاحب کا یہ شعر ؎

یارانِ دیر و کعبہ دونون بلا رہے ہین   اب دیکھین میرا اپنا جانا کدھر بنے ہے

اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو خیالات مین بانکپن اور جذباتِ تشکیک مین رعنائی پیدا ہو جائیگی، مثلاً یہ شعر ؎

تسبیحین ٹوٹین، خرقہ مصلے پھٹے چلے   کیا جانے خانقاہ مین کیا میر کہہ گئے

اگر اس سے متجاوز ہون تو خیالات فلسفیانہ اور کیف آمیز نہ رہینگے، بلکہ ان مین ظرافت کی جھلک آ جائیگی جو محض تفریحِ طبع کا ذریعہ ہوگی، مثلاً میر ؎

بہر فردوس ہو آدم کو الم کاہے کو   وقفِ اولاد ہے وہ باغ تو غم کاہے کو

میر صاحب نے مذہب، قرآن، اور شریعت وغیرہ کے اشارے بھی شاعری مین شاذ و نادر کئے ہین، عمر خیام اور سودا کے اشعار کی طرح میر صاحب کی شاعری علماے دین کی نظرون مین "خوبصورت ناگن" نہین کہ زہر اگلے بلکہ میر صاحب کے دلخراش نشتر مجروحانِ الفت کو اور بھی زیادہ مجروح کر کے وارستہ و بے اختیار کر دیتے ہین،

لیکن فلسفۂ لاادریت کی کسوٹی پر اگر شاعر کے وہ خیالات آزمائے جائین جو آئندہ واقعات سے نسبت رکھتے ہین تو معلوم ہوگا کہ میر صاحب نے چند اشعار مین براؤننگ[1] ایسے مغربی شعرا کے تمام فلسفے کو ادا کر دیا، ایسے اشعار پڑھنے کے بعد نظم "ربی بن عذرا"[2] میر کے چند اشعار کی تفسیر معلوم

---

[1] Browning

[2] Rabbi ben Ezra

ہوتی ہے، براؤننگ کا فلسفہ صرف اس ایک خیال مین تمام ہوجاتا ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی ارتقاے انسانیت کے راستے مین صرف ایک منزل یا پڑاؤ کی طرح ہے، یہ دنیا آیندہ زندگی کی تیاری کرنے کے لیے مثل ایک اسکول کے قائم کی گئی ہے "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" ہے اور یہ کہ آئندہ زندگی مین ہماری عقل اسقدر محدود نہ ہوگی کیونکہ اس زندگی کے حدود زیادہ وسیع ہوجائین گے، غرض دنیا ازل سے ابد تک سفر کرنے والے مسافر کی راہ مین ایک منزل یا پڑاؤ سے زیادہ وقعت نہین رکھتی؛ اسی خیال کو میر صاحب کیا ہی سادے الفاظ مین ظاہر کرتے ہین، یہ شعر تو نظم "ربی بن عذرا" کی پیشانی پر لکھنے کے قابل ہے ؎

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　　یعنی آگے چلین گے دم لیکر

اور اس خیال کو سمجھا بجھا کر بیان کیا ہے تا کہ اسکی اہمیت اہل نظر کے خیالات مین استقلال کی صورت اختیار کرسکے، میر ؎

وقفۂ مرگ اب ضروری ہے　　　راہ طے کرتے تھک گئے ہین ہم

کون پہنچے ہے بات کی تہ کو　　　ایک مدت سے بک رہے ہین ہم

یہ اشعار پڑھنے سے اردو شعرا کی نسبت یہ شکایت بھی رفع ہوجاتی ہے کہ وہ کوئی بات سوچ سمجھ کر نہین کہتے اور اگر حقائق ان کی زبان سے ظاہر ہوجاتے ہین تو محض بیساختگی اور وارستگی مین، مگر متذکرۂ بالا اشعار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے بخوبی سوچ سمجھکر یہ خیالات ظاہر کیے ہان یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ غریب میر کے زمانے مین لوگ ایسے خیالات کے اہل نہ تھے، لیکن اہل علم اور بلند خیال لوگ ہمیشہ ستایش و صلے سے مستغنی رہتے ہین، ان کی طبیعت ان کو مجبور کرتی ہے کہ ایسے خیالات کو ظاہر کرین، مبارک ہے وہ قوم جسمین ایسی اعلیٰ خیال ہستیان پیدا ہوئی ہون، لیکن وہ قوم اور بھی زیادہ مبارک ہے جو اپنے باکمال افراد کی قدر کرے، بقول امیر مینائی مرحوم ؎

لطف حسرت کی نگاہوں کا تو جب تھا کہ میرؔ ان نگاہوں کا کوئی چاہنے والا ہوتا

غرض میرؔ نے اپنی کمسن اردو زبان میں جس طرح بڑی نہایت نزاکت اور بھولے پن سے فلسفۂ لاادریت کو بغیر یہ خیال کیے ہوئے کہ آئندہ زمانے میں اس قسم کے خیالات بذات خود فلسفے کا ایک اسکول یا مذہب ہو جائیں گے ظاہر کر دیا، شاید میرؔ کی اسی قابلیت پر ناسخؔ نے کہا تھا کہ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"۔ اور غالبؔ نے اس کی تصدیق کی تھی[1] میرؔ صاحب اپنے زمانے کی معاشرت سے مجبور تھے، اس لیے ان کے جوہر زیادہ کھلنے نہ پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ذاتی خیالات بہت مشکل سے چھ دیوانوں کے ضخیم دفتروں میں منتخب کیے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے بلند خیالات پر اشعار بکثرت موجود ہیں، لیکن ان کی چھان بین کرنے میں کافی دماغی ورزش کرنے کی ضرورت ہے۔

لاادریت میرؔ کا معیارِ کلام ہے، کیونکہ ان کا ہر شعر جذبات میں ڈوبا ہوتا ہے، اور جذبات سے خواہ مخواہ انسان کے خیالات مافوق الادراک چیزوں کی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً میرؔ ؎

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا

اور عشق و عاشقی کے پیرایہ میں بھی یہی رنگ ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً ؎

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشان مشتِ غبار لیکے صبا نے اڑا دیا

کیا کسی زبان کا شاعر ذیل کے اشعار کی طرح دردناک انداز میں حقیقتِ خیالات پر روشنی ڈال کر عبرت کی تفسیر اس آراستگی سے بیان کر سکتا ہے؟ میرؔ ؎

سحر گوشِ گل میں کہا میں نے جا کر کھلے بندوں مرغِ سحر سے ملا کر
لگا کہنے فرصت ہے یاں اک تبسم سو وہ بھی گریبان میں منھ چھپا کر

[1] غالبؔ۔ غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"

صرف ان خیالات اور ایسے جذبات کی بنا پر میرؔ کو اردو شاعری کا بانی مبانی کہنا بیجا نہ ہوگا، وہ شعر نہیں کہتے تھے بلکہ اپنا دل نکال کر سامعین کے سامنے رکھدیتے تھے، میرؔ ؎

یا روئے یا رلایا اپنی تو یونہی گذری		کیا ذکر ہم صفیر و یاران شاد مان کا

اپنے زمانے کے اردو شعراء سے میرؔ کے خیالات کہین بالاتر تھے، ان کا فلسفہ عہد جدید کے لا ادری یا تشکیکی (Agnostic) خیالات پر نمایان طور پر مبنی تھا، غالبؔ نے میرؔ سے بہت کچھ حاصل کیا جس کا اعتراف بھی جا بجا کردیا ہے، غالبؔ اور میرؔ کے فلسفے مین صرف فرق اتنا ہے کہ میرؔ کے کلام مین جذبات کی آمیزش زیادہ ہے، الفاظ سادے اور زبان روان ہے، اندازِ بیان نہایت نازک اور پیارا ہے، غالبؔ نے فلسفے کو استعارون مین لپیٹ کر کسی قدر پیچیدہ کردیا ہے، خیال آفرینی کے ساتھ ساتھ ان کی ترکیب مشکل اور زبان مین فارسیت زیادہ ہے، اندازِ بیان مین رعنائی کے ساتھ ساتھ کہین کہین بانکپن[1] کی بھی جھلک پائی جاتی ہے، فلسفے کے اعتبار سے دونون مین لا ادریت اور تشکیک کی کوئی انتہا نہین، اگر کلامِ غالبؔ کا انتخاب نہ ہوگیا ہوتا تو میرؔ کی طرح انکی بھی خوبیان بہت کچھ پوشیدہ رہتین، جس کا اعتراف غالبؔ نے خود کیا ہے کہ

"شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے"

المختصر میرؔ نے غالبؔ سے کہین زیادہ اسرار و حقائق ظاہر کیے ہین اور باوجود اس بلند خیالی کے عقلِ انسانی کی کوتاہی کا یقین رکھتے ہوے جگہ جگہ اعترافِ لاعلمی بھی کیا ہے کہ ؎

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے

سو بھی اک عمر مین ہوا معلوم

---

[1] مثلاً غالبؔ کا یہ شعر ؎

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایکدن		ورنہ ہم چھیڑین گے رکھ کر عذرِ مستی ایکدن

محاکات اور فطری تشبیہین

دقیقی، فرخی، منوچہری، امیر خسرو اور قاآنی

از

مولوی عبدالقوی صاحب فانی ایم اے لکھنؤ یونیورسٹی،

شعر شاعری ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہے جو احساس سے تعلق رکھتی ہے، یہ احساس اثر کا نتیجہ ہے جس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوتے ہین، شعر درحقیقت انھین احساسات اور جذبات کی ایک دلکش اور دل پر اثر پیدا کرنے والی تصویر ہے جو الفاظ مین کھینچی جاتی ہے،

محاکات اس شاعرانہ مصوری کو اصطلاح مین محاکات کہتے ہین یعنی کسی چیز یا حالت کا اس طرح بیان کرنا کہ اسکی تصویر آنکھون مین پھر جائے، اس مین کلام نہین کہ تصویر مین مادی چیزون کے علاوہ حالات یا جذبات بھی مثل خوشی، رنج، فکر، حیرت اور پریشانی وغیرہ کے دکھائے جاسکتے ہین مگر بہت سے طرح طرح کے ایسے حالات، واقعات، وارداتِ، کیفیات اور جذبات ہین جو تصویر مین نہین نمایان کیے جاسکتے اور نہ تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ دے سکتی ہے، چنانچہ خود قاآنی کا اس پر یہ فتوے ہے،

زصنع ایزدی محو ند و مات و ہائم و حیران
اگر لوشا[1] اگر ارژنگ[2] اگر مانی[3] اگر آذر،

---

[1] ایک رومی حکیم، اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تنگ تھا، [2] ایک چینی نقاش کا نام ہے [3] یہ ایک ایرانی نژاد شخص ہے جو ایک مذہب کا بانی تھا اور جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا، شاپور کے پوتے بہرام کے حکم سے وہ بری موت مارا گیا، اس کی سات کتابین تھین چھ سریانی زبان مین ایک پہلوی مین، گبن انگریزی مشہور مورخ کا خیال ہے کہ اس کا مذہب زردشتی اور مسیحی اصولون کے اتحاد و تطبیق کی ایک کوشش تھی جو دونون مذہبون کی بے رحمانہ نفرت پر منتج ہوا،

تخیل محاکات مین حسن و خوبی تخیل سے پیدا ہوتی ہے، تخیل قوتِ اختراع کا نام ہے جو محاکات میں رنگ آمیزی کرتی ہے اور ترتیب و تناسب پیدا کرتی ہے،

مصور اور شاعر مین فرق مصور اور شاعر مین فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کی تصویر کھینچے وہ ہو بہو اصل کے مطابق ہو اور اس کا ایک ایک خط و خال دکھایا جائے ورنہ تصویر ناقص رہے گی، بخلاف اس کے شاعر کے لیے یہ ضروری نہین ہے، وہ صرف ان چیزون کو نمایان کرتا ہے جن سے جذبات متاثر ہوتے ہین، وہ مصور کی طرح تصویر کا ہر جزء نہین دکھاتا ہے مگر ایسی تصویر کھینچتا ہے جو اصل سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت نظر آتی ہے لیکن وہ قوتِ تخیل سے کام لیکر دوسرون کی طبائع پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو پہلے محض ایک سرسری نظر سے دیکھا تھا اور بنا برین اس کا پورا حسن نظر نہ آیا تھا،

محاکات کے لیے تشبیہ کی ضرورت محاکات کے لیے تشبیہ بہت ضروری ہے، اکثر موقعون پر تشبیہ سے جیسی اصلی تصویر دکھائی جا سکتی ہے، دوسرے طریقہ سے ممکن نہین،

قبل اس کے کہ ہم اس سلسلہ مین قاآنی کا کلام نمونۃً پیش کرین دیکھنا یہ ہے کہ متقدمین جن کا قاآنی مقلد ہے محاکات کی کیسی تصویر کھینچتے تھے، اور قاآنی نے اس کو کہان سے کہان پہنچایا،

دقیقی اور پھولون کی تصویر، نمونۃً ہم دقیقی کو پہلے لیتے ہین جو سامانی دور کا شاعر ہے اور چوتھی صدی ہجری مین گذرا ہے، ایک قصیدہ مین جو میر ابو سعید کی مدح مین ہے، خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولون کی تصویر یون کھینچتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) الیعقوبی کہتا ہو کہ شاپور بن اَرْدَشیر کے زمانہ مین مانی ظاہر ہوا، نور و ظلمت دوئی کے دو مشہور بنیادی اصول اس کے مذہب کا سنگ بنیاد ہین، ایک نیکی کا خدا مانا جاتا ہو اور دوسرا برائی کا، بعض کا خیال ہو کہ اس مذہب کا مواد قدیم بابلی اور بودھ مذہب سے ماخوذ ہے، کہتے ہین کہ نقاشی اور مصوری کو وہ اپنا معجزہ بتاتا تھا اور اس نے تصویرون کا ایک مرصع تیار کیا تھا (تاریخ ادبیات فارسی جلد اول، براؤن) ۲؎ حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے جو بہت بڑے بت تراش تھے،

سحرگاہان کہ باد در بزم جمشید | بجنبانند درخت سرخ وا صفر (زرد)
تو پنداری کہ از گردون ستارہ | ہمی بارید ہ بر دیبای اخضر
نگار اندر نگار و نون در نون | ہزاران دُر شدہ پیکر بہ پیکر (گرداب)

فرخی اور شاہی داغگاہ کی تصویر،

اس کے بعد ہم فرخی کے کلام کا نمونہ دیتے ہین جو سلطان محمود کے دربار کا شاعر ہے، اور اس سے پیشتر امیر ابوالمظفر چغانی کا جو سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، مداح رہ چکا تھا، اس[1] کا ابتدائی واقعہ یہ ہے کہ فرخی فکر معاش سے بہت تنگ تھا، امیر ابوالمظفر کی قدردانی کا شہرہ سنکر بلخ پہنچا، امیر اسوقت داغگاہ مین تھا، جہان وہ سال مین ایک دفعہ بچھیڑون کا جائزہ لینے جایا کرتا تھا فرخی امیر کے مختار کل عمید اسعد سے جا کر ملا، عمید نے امتحاناً اس کے سامنے داغگاہ کا پورا نقشہ کھینچکر کہا کہ پہلے داغگاہ کی تعریف مین قصیدہ لکھکر لاؤ تو مین تم کو امیر کے دربار مین لیچلون، فرخی نے رات بھر مین قصیدہ تیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے جا کر پڑھا، عمید سنکر دنگ رہ گیا اور فوراً امیر کے پاس لیجا کر فرخی کو یون پیش کیا کہ دقیقی کے بعد سے آج تک اس پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا اور کل واقعہ بیان کیا، امیر نے فرخی کو دربار مین ایک اچھی جگہ دی، جب فرخی نے امیر کو داغگاہ کی تعریف مین اپنا قصیدہ سنایا وہ بہت ہی متحیر ہوا اور نہایت خوش ہوا اور اُسے بہت کچھ انعام واکرام دیا، یہین سے فرخی کی ترقی کی ابتدا ہوئی اور اس کی امارت اور شان وشوکت رات دن بڑھنے لگی، اس قصیدہ کے چند اشعار لکھے جاتے ہین،

چون پرند نیلگون بر روی پوشد مرغزار (چادر) | پرنیان ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار
خاک راچون ناف آہو مشک زاید بیقیاس | بید راچون پر طوطی برگ روید بیشمار
دوش وقت صبحدم بوئے بہار آورد باد | حبذا باد شمال و خرما بوئے بہار

[1] چہار مقالہ، مقالہ دوم، صفحہ ۴۹ تا ۴۷، مطبوعہ نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۲۲ء،

بادگوئی مشک سودہ دارد اندر آستین　　　باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد بر کنار

نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ　　　ارغوان لعل بدخشی دارد اندر گوشوار

. . . .

باغ بوقلمون لباس شاخ بوقلمون نمائے　　　آب مروارید گون و ابر مروارید بار

. . . .

سبزہ اندر سبزہ بینی چون سپہر اندر سپہر　　　خیمہ اندر خیمہ بینی چون حصار اندر حصار

ہر کجا خیمہ است خفتہ عاشقے با دوست مست　　　ہر کجا سبزہ است شادان یارے از دیدار یار

سبزہا با بانگ چنگ مطربان چرب دست　　　خیمہا با بانگ نوش ساقیان مے گسار

عاشقان بوس و کنار و نیکوان ناز و عتاب　　　مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار

بر در پردہ سرائے خسرو پیروز بخت　　　از پئے داغ آتشے افروختہ خورشید وار

. . . .

داغہا چون شاخہائے بسد یاقوت رنگ　　　ہر یکے چون نار دانہ گشتہ اندر زیر نار

مرکبان داغ ناکردہ قطار اندر قطار　　　دیدگان خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف

خسرو فرخ سیر بر بارۂ (اسپ) دریا گذر　　　باکمند اندر میان دشت چون اسفندیار

ہمچو زلف نیکوان خوردسالہ تاب خورد　　　ہمچو عہد دوستان سال خوردہ استوار

میر عادل بوالمظفر شاہ با پیوستگان　　　شادمان و شاد خوار و کامران و کامگار

ہر کرا اندر کمند شصت تاری در فگند　　　گشت نامش بر سرین و شانہ و روئش نگار

ہر چہ زین سو داغ کرد از سوئے دیگر ہدیہ داد　　　شاعران را با لگام و زائران را با فسار

ان اشعار میں شاعر نے شاہی داغگاہ کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ اس کا پورا نقشہ ہوبہو

آنکھون کے سامنے پھرجاتا ہے، کمال یہ ہے کہ بلا دیکھے صرف عمید اسعد کے بیان پر محاکات کی ایسی اعلیٰ تصویر کھینچی گئی ہے کہ خود عمید اسعد اور امیر تک متحیر رہ گئے، یہان شاعر نے یہ دکھلایا ہے کہ کوسون تک سبزہ زار ہے، پہاڑ تک سبزہ پوش ہین، جابجا چشمے بہ رہے ہین، موسم بہار کی ہوائین چل رہی ہین پھولون کی مہکین آرہی ہین، ابر موتی ایسا پانی برسا رہا ہے، باغ دلہن بنا ہوا ہے، جدھر دیکھو خیمون کی قطارین چلی گئی ہین بے تکلف احباب جمع ہین، تانین اڑ رہی ہین، شراب کا دور چل رہا ہے، خیمون مین عیش وعشرت کے جلسے جمے ہوئے ہین، شاہی خیمہ کے قریب گھوڑون کو داغ دینے کے لیے آگ جل رہی ہے، بادشاہ ایک ہاتھ مین کمند لیے ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہے، جس گھوڑے کی گردن مین کمند ڈالدیتا ہے وہ داغ دیا جاتا ہے اور شاعرون اور دوسرے لوگون کو انعام مین مل جاتا ہے،

زبان کی صفائی، شستگی، سلاست اور روانی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، جو قاآنی کے ساتھ مختص سمجھی جاتی ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو خوبیان قاآنی کے کلام کو دوسرون سے ممتاز کرتی ہین، وہی فرخی کے کلام مین جسکو صدیان گذر چکی ہین بدرجۂ اتم موجود ہین، لطیف تشبیہین، چست بندش اور خوش نوائی بھی ذرا ملاحظہ ہو،

منوچہری پرندون کی حالت اور بہار کا سمان

متقدمین مین منوچہری بھی مناظر قدرت اس خوبی سے دکھاتا ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے، جہان کہین بہار کا سمان دکھایا ہے گویا فطرت کی ایک تصویر ہے جو سامنے ہے، اس وصف مین بجز قاآنی کے کوئی اس کو نہین پہنچتا، بہار کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ جانورون اور پرندون تک کی حالت دکھاتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین ایک مسمط کے چند بند ملاحظہ ہون،

کبکان بے آزار کہ برکوہ بلندند (چکور)	بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند
جز خار بنان جایگہ خود نہ پسندند (خارزار)	بر پہلو از این نیمہ بآن نیمہ بدنند (پھدکتے ہین)

هر ساعتگی سینه بمنقار بر زنند
چون جزع[1] بر سینه و چون بسّد (یاقوت) منقار

شبگیر ز گل فاختگان بانگ برآرند　　گوئی که سحرگاه همی خواب گذارند
ماه و سر شبه (صبح، هلال) از بر گردن بنگارند　　از غالیه بے آنکه همی غالیه دارند
صد بار بروزے در پرها بشمارند
چون نیم دبیرے که غلط کرده باشد شمار[2]

هر ساعتگی بط سخنے چند بگوید　　درآب جهد جامه دگر بار بشوید
درآب کند گردن و درآب برو ید　　گوئی که مگر چیزے درآب بجوید
چون سینه بجنباند و یک لخت بپوید
از هر سر پرش بجهد صد درِ شهوار

دراج کند گرد گیا راه بگاپوے　　از غالیه عجمی ببرد بر سر هر موے
هر مان بکند بانگ نمازی بلب جوے　　تا سرخ کند گردن و تا سبز کند روے
در سجده رود خیزے با لالهٔ خود روئے
سرخی نه بشنگرف و سبزی نه بزنگار

منوچہری نے ایک دوسری جگہ بہار کی ایک نئے انداز سے تصویر کھینچی ہے، چند شعر لکھے جاتے ہیں، سادہ تشبیہیں، جدّتِ ادا اور مناسبات لفظی و معنوی ملاحظہ ہون،

نوبهار آمد و آورد گل و یاسمنا　　باغ همچون تبت و راغ بسانِ عدنا

---

[1] سفید و سیاہ مہرہ [2] قمریان دن بھر مین بار بار اپنے پرون کو اس طرح گنتی ہین یعنی کھولتی ہین جیسے کوئی نوسکھیا محاسب جو بار بار حساب بھول جاتا ہے اور ہر کاغذ الٹتا پلٹتا ہو،

بوستان گوئی ہمچون بت فرخار شدہ است | مرغکان چون شمن[1] و گلبنکان چون وثنا[2]
. . . .

کبک ناقوس زن و شارک[3] سنتور زنست | فاختہ نای زن و بط شدہ طنبور زنا
پردۂ راست زند نارو[4] بر شاخ چنار | پردۂ بادہ زند قمری بر نارونا
کبک پوشیدہ یکے پیرہن خز کبود | کردہ با قیر مسلسل دو بر پیرہنا
. . . .

فاختہ راست بگردار یکے لعبت گراست | در فگندہ بگلو حلقۂ مشکین رسنا
از فروغ گل اگر اہرمن آید بر تو | از پری باز ندانی دو رخ اہرمنا
نرگس تازہ چو چاہ ذقنی شد بمثل | گر بود چاہ ز دینار و ز نقرہ ذقنا
چونکہ زرین قدحے بر کف سیمین صنمے | یا درفشندہ چراغے بمیان پرنا[5]
آن گل نار بگردار یکے شبزرم[6] سرخ | بستہ اندر بر او لختے مشک ختنا
. . . .

ارغوان بر طرف شاخ تو پنداری راست | مرغکا نند عقیقین زدہ بر باب زنا
. . . .

لالہ چون مریخ اندر شدہ لختے بکسوف | گل دو رو[7] ے چو بر ماہ سہیل یمنا

قاآنی، ہوا کا چلنا اب دیکھیے قاآنی نے کن شیرین الفاظ مین ایک موقع پر بہار کا سمان کھینچتے ہوے ہوا کا اٹھلا اٹھلا کر چلنا دکھایا ہے،

---

[1] بت پرست، [2] بُت [3] مینا [4] ستار یا سارنگی کی طرح کا ایک باجا، [5] ایک خوش آہنگ چڑیا، [6] ایک منقش ریشمی کپڑا [7] ایک قسم کا پودا،

نرم نرمک نسیم زیر گلان می خسزد　　غبغب این می مکد عارض آن می مزد
گیسوئے این می کشد گردن آن می گزد　　گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می وزد

گاہ بشاخ درخت گہ بہ لب جوئبار

شاعر کہتا ہے ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولون مین جاگھسی، کسی پھول کا گال چوما، کسی کی ٹھوڑی چوسی، کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کبھی کیاریون مین کھیلی، کبھی چنبیلی کے پاس پہنچی اور یون ہی درختون کی ٹہنیون سے اٹکھیلیان کرتی ہوئی نہر کے کنارہ پہنچ گئی،

کیسا نقشہ کھینچا ہے گویا متحرک تصاویر کا تماشا دکھایا ہے، یہ وہ سمان ہے جو مصور کی تصویر کے بس کا نہین،

بہار کا عالم، بنفشہ اور لالہ کی تشبیہ

ایک دوسرے مخمس کے ایک بند مین جدتِ تشبیہ ملاحظہ ہو، بہار کا عالم، قوتِ نمو کا اُبھار، خون کا جوش، ولولون کا بڑھنا تصویر کا ایک دوسرا رخ ہے جو بارش ہو چکنے کے بعد دکھایا گیا ہے۔

بنفشہ رُستہ از زمین بطرفِ جوئبارہا　　ویا گسستہ حورِعین ز زلفِ خویش تارہا
ز سنگ اگر ندیدۂ چسان جہد شرارہا　　ببرگہائے لالہ بین میان لالہ زارہا .

کہ چون شرارہ می جہد ز سنگ کوہسارہا

اس مخمس مین شاعر نے عالمِ بہار کا نقشہ کھینچتے ہوے جو لطیف رنگ آمیزی کی ہے وہ اس درجہ مؤثر اور ولولہ انگیز ہے کہ کوئی کتنا ہی مردہ دل کیون نہ ہو، ایک دفعہ تو اس مین تروتازگی کی نئی روح ضرور ہی دوڑ جائیگی اور اس کے قلب مین وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی جس نے شاعر سے ایسا روح افزا مخمس کہلوایا ہے،

کہتا ہے ندیون کے کنارے کنارے کوسون تک بنفشہ اگا ہوا چلا گیا ہے، وہ اس طرح

لہلہا رہا ہے گویا حورانِ جنت نے اپنی زلفین بکھیر دی ہین، اگر تو نے یہ منظر نہین دیکھا ہے کہ پتھر سے شرارے کیونکر نکلتے ہین تو آ اور لالہ زار کو دیکھ! بنفشہ کو حورون کی زلفون سے اور برگ لالہ کو شرارہ سے تشبیہ دیکر کیسی جدت طرازی کی ہے،

امیر خسرو بہار کا سامان اور لالہ کی تشبیہ، خسرو اور قاآنی کی تشبیہ کا فرق

اسی لالہ کے متعلق حضرت امیر خسرو ایک دوسری نوعیت سے اظہار خیال کر چکے ہین، صرف تشبیہ کا فرق ہے، قاآنی نے لالہ کو شرارہ سے تشبیہ دی ہے اور امیر خسرو نے خون سے، چنانچہ بہار کا سامان دکھلاتے ہوے کہتے ہین، جدتِ مضمون کے علاوہ لطیف استعارات کے ساتھ جو مصوری کیگئی ہے ملاحظہ ہو،

بوستان بشگفت و روی لالہ خندان گشت باز　　بر رخِ گل طرۂ سنبل پریشان گشت باز

سبزہ خطّے چند بہرِ خواندنِ بلبل نوشت　　بلبل آنگہ از خطِ خوبان غزل خوان گشت باز

خونِ لالہ گوئیا خواہد چکید از تیغِ کوہ　　یا چکید آن خون کہ کوہ آلودہ دامان گشت باز

قاآنی، یادِ معشوق کی ایک نئی تصویر اور جدتِ تشبیہ

اسی متذکرۂ بالا مسمط کے ایک دوسرے بند مین قاآنی نے ایک نئی تصویر کھینچی ہے، لفظی صنعتین تشبیہ کی عمدگی لطافت اور جدت ملاحظہ ہو،

بہار را چہ میکنم چو شد ز بر بہارِ من　　کنارہ کردم از جہان چو او شد از کنارِ من

خوشا و خرما آن دمے کہ یار بود یارِ من　　دو زلف مشکبارِ او و چشم اشکبارِ من

دو چشمۂ کہ اندرو شنا کنند مارہا

کہتا ہے ایسی بہار کو کیا کرون جبکہ میری بہار یعنی میرا معشوق میرے پاس سے چلا گیا مین نے دنیا ہی کو چھوڑ دیا جب وہ میرے پہلو سے اُٹھ گیا، کیا ہی اچھا زمانہ تھا جب میرا معشوق میرا دوست تھا، اس زمانہ کی یاد مین آٹھ آٹھ آنسو روتا ہون اور میری اشک آلود آنکھون مین محبوب کی زلفون کا عکس ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چشمہ مین سانپ تیر رہے ہین،

بارش اور ژالہ باری کے بعد پھولون اور باغ کی تصویر

ایک جگہ کہتا ہے اور دیکھیے بارش اور اولون کے گرنے کے بعد پھولون کی اور باغ کی جو حالت ہوتی ہے اس کی کیسی سچی تصویر کھینچتا ہے،

عذارِ گل خراشیدہ خطِ ریحان تراشیدہ   زبس الماس پاشیدہ بباغ از ژالۂ بیضا

پھولون کے رخسار سے موسلادھار مینہ اور اولون سے چھل گئے ہین اوران کے خطون کی گویا حجامت ہوگئی ہے جس سے ان کا جوبن اور بھی نکھر گیا ہے، اور باغ مین سفید سفید براق اولون کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نے ہیرے کی کنیان مٹھیان بھر بھر کر بکھیر دی ہین، یہان "عذارِ گل خراشیدہ" اور "خطِ ریحان تراشیدہ" کے استعارے نہایت لطیف اور خوبصورت ہین اور ژالہ کی تشبیہ نے تو جو الماس سے دیگئی ہے شعر مین جان ڈالدی ہے، ریحان کی معنوی رعایت بھی ملاحظہ ہو جس سے مضمون مین بہت لطافت آگئی ہے، علاوہ نازبو کے پھول کے سبز پتیون اور ایک قسم کے خط کو بھی ریحان کہتے ہین،

لالہ اور قطرۂ شبنم کی اچھوتی تشبیہین

ایک قصیدہ کے دو شعر ملاحظہ ہون،

زخاک رستہ لالہا چو لُسبّدین پیالہا   ببرگ لالہ ژالہا چو در شفق ستارہا

بہار کے زمانہ مین جو سرخ پھول زمین پر کھلے ہوے ہین بالکل مونگے کے پیالون کا دھوکا دیتے ہین اوران پھولون کی پتیون پر جو اس کے قطرے پڑے ہوئے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ستارے شفق مین چمک رہے ہین، رنگ کی شوخی کے لحاظ سے لالہ کے پھول کو مونگے کے پیالہ سے تشبیہ دینا اور لالہ کی سرخ پتیون پر اس کے قطرون کی چمک کو شفق مین ستارون کی چمک سے تشبیہ دینا کیسی اچھوتی اور موزون تشبیہین ہین،

آبشارون مین پانی کا بہنا اور نئی تشبیہ

زریزش سحابہا برآبہا حبابہا   چو جوے نقرہ آبہا روان در آبشارہا

بادلون کی بارش سے پانی پر جو بلبلے اٹھتے ہین وہ ٹوٹ ٹوٹ کر چاندی کی نہر کے مانند

موجین مارتے ہوتے ہوے آبشارون مین بہ رہے ہین، جوئے نقرہ کی نئی تشبیہ ملاحظہ ہو،

ان دونون شعرون مین علی الترتیب لالہ کی اور لالہ کی پتیون پر اوس کی اور آبشارون مین پانی بہنے کی سادہ اور لطیف تشبیہون کے ذریعہ سے کیسی دلکش تصویر پیش نظر کردی ہے۔

بہار کی آمد اور فصل سرما کا اختتام جدید تشبیہیں اور ایک لطیف تلمیح

اب محاکات کا ایک اور نمونہ دیکھیے اور جدت تشبیہ کی داد دیجئے،

ہلہ! نزدیک شد اے دل کہ زمستان گذرد
عہد بُستان شود و دورِ شبستان گذرد

ابر بر طرفِ چمن گریان پدید،
لالہ بر صحنِ دمن خندان گذرد

ہر سحر کبک چو از راغ خرامد سوئے باغ
طفل گوئی بہ شبستان ز دبستان گذرد

مشک بپراگندہ اندر ہمہ آفاق نسیم
بسکہ بر یاسمن و سنبل و ریحان گذرد

ساق بالا زند اندر شمرِ آب کلنگ
(تالاب)

ہمچو بلقیس کہ بر صرحِ سلیمان گذرد

کہتا ہے: اے دل آگاہ ہو قریب ہے کہ فصل سرما ختم ہو، گلگشت چمن کا وقت آرہا ہے اور خانہ نشینی کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، ابر برستا ہوا تیزی سے باغ کی طرف جا رہا ہے اور گھورون پر بھی لالہ کے پھول کھل رہے ہین، ہر صبح جب تیتر وادیون سے باغ مین آتے ہین ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بچے مکتب سے گھر آتے ہین، نسیم نے دنیا بھر مین مشک پھیلا دی ہے کیونکہ وہ چنبیلی، سنبل اور ریحان کے پھولون پر سے گذرتی ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائینچے چڑھاتا ہے جیسے بلقیس حضرت سلیمان

کے شیشے والے مکان مین،

اس آخری شعر مین تلمیح یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ملی کہ بلقیس ملکۂ صبا کی پنڈلیون پر بڑے بڑے بال ہین تو اس کی تحقیق کے لیے دربار کے سامنے ایک ایسا بلوری فرش لگایا گیا جس سے سطحِ آب کا دھوکا ہوتا تھا، جب بلقیس کو طلب کیا گیا تو انھون نے پانی کے خیال سے گھبرا کے دامن چڑھا لئے جس سے پنڈلیون کا کپڑا ہٹ گیا، اور اصلیت ظاہر ہوگئی، کہ غلط عیب لگایا گیا تھا، قاآنی اس واقعہ سے کام لیکر کلنگون کی تصویر یون کھینچتا ہے، کہتا ہے، کلنگ تالاب مین اس طرح پائنچے چڑھاتا ہے، جیسے بلقیس، سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ مین بلوری فرش پر پانی کے دھوکے مین پائنچے چڑھا کر احتیاط سے پانی مین اتر رہی ہین،

بہار کی تصویر، پرندون کے زمزمے اور نئی تشبیہین

قاآنی نے ایک جگہ بہار کا سمان کھینچا ہے، دیکھئے کس رنگ مین اور کیسے دل ربا انداز مین بہار کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے، جس سے مصور کا تصور عاجز ہے، چند اشعار ملاحظہ ہون،

نسیمِ خلد می وزد مگر ز جویبار ہا — کہ بوے مشک می دہد ہوا ے مرغزار ہا
فرازِ خاک و خشتہا دمیدہ سبز کشتہا — چہ کشتہا بہشتہا نہ دہ نہ صد ہزار ہا
بچنگ بستہ چنگہا بنا ے ہشتہ زنگہا — چکاد ہا، کلنگہا، تدرو ہا، ہزار ہا
زنا ے خویش فاختہ دو صد اصول ساختہ — ترانہا نواختہ چو زیر و بم تار ہا

. . . .

فگندہ اند ہمہ کشیدہ اند زمرمہ — بشاخِ سرو بن ہمہ چہ کبکہا چہ سار ہا
نسیم روضۂ ارم جہد بمغز دمبدم — ز بس دمیدہ بیش ہم بطرف جویبار ہا
بہار ہا، بنفشہا، شقیقہا، شکوفہا — شما ہما، خجستہ ہا، ادا کہا، عرار ہا

. . . .

زریوش سحابہا بر آبہا حبابہا — چو جوئے نقرہ آبہا روان در آبشارہا

فراز سرو بوستان نشستہ اند قمریان — چو مقریان نغز خوان بزمردین منارہا

فگندہ اند غلغلہ دو صد ہزار یکدلہ — بشاخ گل پے گلہ ز رنج انتظارہا

. . . .

درین بہار دلنشین کہ گشتہ خاک عنبرین — زمن ربودہ عقل و دین نگارے از نگارہا

الفاظ کیا ہین چمنستان کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جو خود اپنے منھ سے بول رہی ہے، لطف بیان، زبان کی صفائی، روانی، شستگی، برجستگی اور خوش نوائی کی سحر آفرینیان خود اپنی آپ داد طلب ہین،

نظیر اکبرآبادی کے متعلق لوگ کہتے ہین کہ وہ ڈنڈا بجانے والے فقیرون پر احسان کر گیے ہین مگر ہمین شک ہے کہ شاید ہی اس قدر ترنم خیز اور نغمہ زا الفاظ ان کی کسی نظم مین ہون جو قاآنی نے استعمال کئے ہین، ذرا روانی سے پڑھیے آپ خود تال دینے لگین گے،

باغ و بہار کی دلچسپیون اور حریفان بادہ خوار کی مستانہ کیفیتون کی تصویر اور منظر چمن کی کیفیت

اب ایک دوسرے رنگ کی بہار دیکھیے جس مین قاآنی نے باغ و بہار کی دلچسپیون اور حریفان بادہ خوار کی مستانہ کیفیتون کی جو تصویر کھینچی ہے وہ محاکات کا بہترین نمونہ ہے، ایک ایک جزئی حالت اس طرح ادا کی ہے کہ پورا نقشہ آنکھون کے سامنے کھنچ جاتا ہے،

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید — بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنون بستند بر ہر شاخ و ہر برگے — ز بس بانگِ تدرو و صُلصُل و دُراج و سار[1] آید

بجو شد مغزِ جان چون بوے گل از بوستان خیزد — بپرد مرغِ دل چون بانگِ مرغ آشنا سار آید

خروشِ عندلیب و صوتِ سار و نالۂ قمری — گہے از گل گہے از سرو بن گاہ از چنار آید

---

[1] ایک سیاہ رنگ کی خوش آواز چڑیا،

. . . .

یکے برکف نہد لالہ کہ ترکیب قدح دارد — یکے برگل کند تحسین کزو بوئے نگار آید
یکے با دلبر سادہ بصحن بوستان گردد — یکے با ساغر بادہ بطرف جوئبار آید
یکے مینو چمن رابے تأمل مرحبا گوید — یکے بوید سمن را مات صنع کردگار آید
یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہی ہی رنگ مے دارد — یکے از گل بوجد آید کہ بخ بخ بوئے یار آید
یکے بر سبزہ می غلطد یکے در لالہ می رقصد — یکے گاہے رود از ہش یکے گہ ہوشیار آید
ز ہر سوئے نوائے ارغنون و چنگ و نے خیزد — ز ہر گوشے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے اینجا نوا زد نے یکے آنجا گسار د مے — صدائے ہائے ہو و ہی ز ہر سوئے ہزار آید

. . . .

الا یا ساقیا مے دہ بجان من پیاپے دہ — دما دم ہی خورد ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

شاعر کہتا ہے، بہار آگئی کیونکہ باغون سے بلبلون کی آوازین آرہی ہین اور سبزہ زارون سے ہر وقت چڑیون کے چہچہے سنائی دے رہے ہین، چکور، فاختہ، تیتر اور سار کی آوازون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ٹہنی اور پتے پر ارگن باجہ بندھا ہوا ہے، جب پھولون کی مہک باغ سے آتی ہے روح وجد کرتی ہے اور جب مرغان چمن درختون پر چہکتے ہین مرغ دل اڑنے لگتا ہے، بلبلون کے نغمے، سار کی آوازین اور قمری کے نالے کبھی پھول، کبھی سرو اور کبھی چنار سے سنائی دیتے ہین، کوئی لالہ کے پھول کو ہاتھ مین لیتا ہے، کیونکہ اس کی صورت جام شراب کے مانند ہے، کوئی پھول پر عش عش کر رہا ہے کیونکہ اس سے معشوق کی خوشبو آرہی ہے، کوئی اپنے محبوب کیساتھ گلگشت چمن مین مصروف ہے اور کوئی جام بکف نہر کے کنارے جا رہا ہے، ایک باغ کو دیکھکر بے اختیار داد دے رہا ہے، دوسرا پھول کی خوشبو سونگھ کر خدا کی صنعت مین محو ہو رہا ہے، کوئی لالہ پر پانون دے دے مارتا ہے کہ اہاہا وہ شراب کے ہمرنگ ہے اور کوئی پھول کو دیکھکر بے حال ہوا جاتا ہے

کرواہ واس سے محبوب کی خوشبو آتی ہے، کوئی لالہ پر لوٹ لگا رہا ہے اور کوئی سبزہ پر ناچ رہا ہے، کوئی بے ہوش ہوا جاتا ہے اور کوئی ہوش میں آرہا ہے، ہر طرف ارگن، چنگ اور بانسری کی آوازیں آرہی ہیں، ہر گلی میں بربط، طنبور اور ستار بج رہے ہیں، کوئی یہاں جام پر جام چڑھا رہا ہے، کوئی وہاں بانسری بجا رہا ہے، ہر طرف سے ہوہا کی آوازیں آرہی ہیں، ہاں! اے ساقی شراب دے اور میری جان کی قسم برابر دیے جا، خود پی اور لگاتار پلائے جا کیونکہ مجھ کو ڈر ہے کہ خمار نہ آجائے،

تلخیص و تبصرہ

توارج ملثمین

عورت

اس تلخیص کا پہلا حصہ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا تھا، اب مقتطف میں اس کا دوسرا ٹکڑا بھی آیا ہے جو پہلے سے زیادہ دلچسپ ہے، اسلئے اسکی تلخیص بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہے، مضمون نگار پہلے اس قوم کی عورتوں کے متعلق لکھتا ہے:

"اس قوم کی عورتیں ذہانت میں مردون سے ممتاز ہوتی ہیں، لیکن نسوانی حسن وجمال سے بالکل بے بہرہ ہیں، بلکہ اس کے برعکس حسن وجمال کا حصہ مردون کو ملا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس قوم میں شاعرہ زیادہ تر عورتیں ہوتی ہیں، مرد بہت کم شاعر ہوتے ہیں، کیونکہ مردون کے حسن کی کشش عورتوں کے شاعرانہ جذبات کو بھڑکاتی ہیں، اور عورتوں کی بداندامی مردون کے شاعرانہ جذبات کو سرد کر دیتی ہے، اور غالباً اسی وجہ سے مرد ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہین کرتے، اور پہلی عورت کو طلاق دیکر دوسری عورت کو عقد نکاح مین نہین لاتے، لیکن طلاق و تعدد ازدواج کی رسم کے جاری نہ ہونے کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس قوم مین عورتوں کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہے، اس لیے نکاح وطلاق کا معاملہ تمامتر ان کے ہاتھ مین ہے، لیکن باوجود اس اقتدار کے بجز مجبورانہ صورتون کے عورت اپنا نکاح بذات خود نہین کرسکتی، بلکہ اس معاملے مین اپنے اوپر کسی قدر مرد کے اثر و اقتدار کو بھی تسلیم کرتی ہے، بلکہ جو عورت عمر بھر نکاح نہین کرتی وہ اس قوم مین بہت زیادہ قابلِ ستائش خیال کیجاتی ہے،

اس قوم مین لڑکیون کو لڑکون سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، چنانچہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو باہم

ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہین اور دعوتین کرتے ہین، اور جب وہ بالغ ہوتی ہے تب بھی جلسے کرتے ہین اور دعوتین دیتے ہین، اور اس موقع پر وہ ایک مجمع عام مین شریک ہوتی ہے، اور نوجوان لوگ بالکل نقاب پوش ہوکر اور عمدہ لباس زیب تن کرکے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتے ہین، اور ان مین ہر نوجوان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس کا انتخاب کرلے، لیکن ادب کے مارے کوئی شخص زبان سے اس خواہش کا اظہار نہین کرسکتا، بلکہ وہ خود بالکل بے پردہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے سے گذرتی ہے، اور جب ان مین سے کسی کا انتخاب کرلیتی ہے، تو بقیہ لوگ نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آتے ہین، اور کامیاب شخص نہایت مسرت کے ساتھ فخر و غرور کے نشہ مین جھومتا ہوا لوٹتا ہے، اس کے بعد نکاح سے پہلے کچھ دنون تک دوستانہ زندگی بسر کرتے ہین، ایک کی دوسرے کے یہان آمد و رفت رہتی ہے اور باہم تنہائی مین ملتے جلتے رہتے ہین، پھر مجمع عام مین آکر عورت اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے، اور اس مین تمام شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، یہ شریفانہ اخلاق چند معمولی رسمی چیزین ہین، مثلاً اگر کوئی مرد اپنی بی بی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے سامنے کھاپی لے، یا بے نقاب ہوجائے تو یہ بی بی کی سخت ناقابل معافی توہین خیال کیجاتی ہے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ مرد عورت کے سامنے اس قسم کا کوئی کام ہی نہ کرے، اس قوم مین یہ بات اور تمام قومون کے خلاف پائی جاتی ہے، کیونکہ عرب بربر اور دوسری قومون مین اس کے برعکس یہ دستور ہے کہ عورتین ہی مردون کے سامنے کھاپی نہین سکتین ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس قوم مین مرد جب عورت سے ملتا ہے تو نہایت عمدہ لباس اور عمدہ ہیئت مین ہوتا ہے، لیکن عورت اس سے نہایت معمولی لباس مین ملاقات کرتی ہے، اور جب باہم ملتے ہین تو صرف عشق و محبت کی باتین کرتے ہین، لیکن باوجود اس عشق و محبت کے مرد عورت کا بوسہ نہین لے سکتا کیونکہ یہ ان کے یہان نہایت ننگ و عار کا سبب ہے، بلکہ بوسے کے بجائے وہ اس کو پھول کی طرح سونگھتا ہے،

جب کوئی نوجوان لڑکی شوہر کا انتخاب کرلیتی ہے تو اس کا باپ اس کے ساتھ اس کا نکاح کردیتا ہے،

اوراس موقع پر مجبوراً عورت کو زیب زینت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس آرایش کی صورت یہ ہے، کہ وہ اپنے بالون کو کوئلہ اور زیتون کے تیل سے رنگ لیتی ہے، اور جب صبح کو سوکر اٹھتی ہے، تو یہ سیاہی اس کے چہرہ، گردن اور سینے پر پھیل کر نہایت بدنما منظر پیش کرتی ہے،

اس قوم کے بدو قبائل مین شادی وبرات کا طریقہ یہ ہے کہ عورتین گاتی بجاتی ہوئی ایک میدان مین نکل جاتی ہین، اور تقریباً دس مرد اونٹون پر سوار ہوکر ناچتے ہین، آخر مین جس عورت کی شادی ہونے والی ہوتی ہے، وہ اپنے دوپٹے کو ایک چھڑی مین لٹکا کر ہلاتی ہے اور وہ شتر سوار اس کے لینے کو دوڑتے ہین، اور جو شخص اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیتا ہے، اس کو بڑا فخر حاصل ہوجاتا ہے، شہری قبائل مین تنہا مرد ناچتے ہین، اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک مرد اپنا نیزہ ہاتھ مین لے لیتا ہے، اور ایک پاؤن پر کھڑے ہوکر ناچتا ہے، لیکن اس کے برعکس جزائر کے بربر اور بعض قبائل عرب بلکہ اسپین اور یورپ مین یہ دستور ہے کہ شادی وبرات مین صرف عورتین ناچتی ہین، اور مرد گاتے ہین، اور اگر اسکی یہ وجہ ہے کہ عورت کی غلامی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ مرد نے اسکو ایک کھیل تماشے کی چیز سمجھ لیا تھا، اس کے ناچنے کے لیے اسکو مخصوص کرلیا تھا تو یہ ماننا پڑیگا کہ توارج کے یہان عورت کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس نے مرد ہی کو ایک کھیل تماشے کی چیز بنا لیا ہے،

عام متمدن ملکون مین نکاح کے بعد عورت گمنام ہوجاتی ہے، اور اس کو صرف مرد کے نام سے موسوم کرتے ہین مثلاً زوجہ فلان یا مس فلان، لیکن توارج کے یہان اس کے برعکس مرد ہی گمنام ہوجاتا ہے، اور اس کو صرف اس طرح موسوم کرتے ہین، فلان عورت کا شوہر، فلان عورت کا بیٹا، فلان عورت کا باپ اور اس سے بھی عورت کے غیر معمولی اقتدار کا اندازہ ہوتا ہے،

توارج کی اجتماعی زندگی عام مسلمانون سے جن وجوہ کی بنا پر مختلف ہے، ان مین ایک یہ ہے کہ رات کے کھانے سے فارغ ہوکر عورتین اپنے مکان سے قریب کسی کھلی ہوئی جگہ مین نکل جاتی ہین اور ایک یا متعدد

یون مین منقسم ہو کر بیٹھ جاتی ہین، اور ان مین سے ایک مغنیہ گانا بجانا شروع کرتی ہے، ان کے یہان ایک
د بغیر نکاح کے بھی عورتون سے دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتا ہے اور اس کو عیب نہین خیال کیا جاتا،
نانچہ مرد بھی نقاب پوش ہو کر اور عمدہ لباس زیب تن کر کے آتے ہین، اور اپنی حبیبہ کے پہلو مین اپنا نیزہ ہلاتے
ہین، اجازت ملنے پر اس کے پہلو مین نہایت ادب سے بیٹھ جاتے ہین، اور ادھر ادھر مطلق نہین دیکھ سکتے،
جو لوگ ان مجمعون سے دور ہوتے ہین وہ خاص ان کے لیے اونٹ رکھتے ہین، اور جب مجمع کے پاس پہنچتے
ہین تو سلام کرتے ہین، اور اونٹ بٹھاتے ہین، لیکن جب تک صدر مجلس جو ہمیشہ ایک عورت ہوتی ہے اجازت
نہ دے اونٹ سے اتر نہین سکتے، ان مجمعون مین مرد عورت کی آواز سے نہ اپنی آواز بلند کر سکتا نہ گا بجا سکتا،
لبتہ اگر وہ خوش گلو ہو، اور عورتین خواہش کرین، اور اس کی محبوبہ اجازت دے تو وہ گا سکتا ہے، جب
رات زیادہ گذر چکتی ہے تو صدر مجلس مجمع کے منتشر ہونے کا حکم دیتی ہے، اور اس وقت عاشق و معشوق لوگون
کی نگاہ سے دور کسی تنہا مقام پر ملتے ہین، اور یہ خلوت صبح تک رہتی ہے، لیکن اس مین منکرات اور
فواحش کی آمیزش نہین ہوتی صرف پاک محبت کا اظہار ہوتا ہے،

لباس

سخت سردی کے موسم مین اہیر کے لوگ عبا اور چمڑے کی ٹوپیان استعمال کرتے ہین اور ان
کے علاوہ اور لوگ اونی اورکوٹ پہنتے ہین، عورت اور مرد دونون کا لباس یکسان ہوتا ہے، اور وہ سنا
اور موٹے کپڑے سے تیار کیا جاتا ہے جو انگلینڈ سے آتے ہین، اور یہ لوگ ان کو نیلگون رنگ مین رنگ
لیتے ہین، بلکہ جو عبا جس قدر زیادہ نیلی اور چمکدار ہو اسی قدر عمدہ خیال کیجاتی ہے یہ لوگ کپڑون کو بالکل
نہین دھوتے، اور جب تک وہ بدن سے پھٹ کر خود اتر نہ جائین اُن کو بدن سے نہین اتارتے،
یہ لوگ منھ اور ہاتھ پاؤن نہین دھوتے، اور نماز کے لیے صرف تیمم کرتے ہین، حالانکہ وہ مریض نہین

ہوتے اور پانی موجود ہوتا ہے، یہ لوگ نہایت سادے جوتے پہنتے ہین، جو زرافہ یا نیل گاؤ کے چمڑے کے ہوتے ہین، اوران پرایک نرم اور منقش چمڑہ بھی لگا لاتے ہین، اوراس کو شوق و نمائش کی چیز سمجھتے ہین، مرد کا جوتا چوڑا اوراس کے پاؤن سے بڑا ہوتا ہے، لیکن عورت کا جوتا اس کے پاؤن ہی کے برابر ہوتا ہے، یہی حالت اور لباسون کی بھی ہے،

مردون کی نقاب بھی معمولی پہننے کے کپڑون کی ہوتی ہے، اور چمکدار اور نیلا رنگ اس کے لیے بھی لازمی ہے، مرد صرف گھر مین جب تنہا ہوتے ہین، تو نقاب کو چہرے سے اتار سکتے ہین، عورتون بالخصوص اپنی بیویون کے سامنے بے نقاب ہونا سخت عیب خیال کیا جاتا ہے، اس نقاب پوشی کی ایک وجہ تو سردی، گرمی اور غبار سے محفوظ رہنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے لوٹ مار کے موقع پر صورت چھپ جاتی ہے،

عقائد مذہبی

یہ لوگ مسلمان ہین اور صرف اپنے آپ کو سچا مسلمان سمجھتے ہین، "جانت" ان کا مقدس شہر ہے اوران کا خیال ہے کہ مکہ معظمہ پہلے یہین ایک پہاڑ کے قریب تھا لیکن ایک روز ایک سیاہ کتا آیا اوراس مکہ اور آفتاب کے درمیان کھڑا ہوگیا جس سے اس پر روشنی نہ پڑسکی، اس لیے وہ حجاز کی طرف منتقل ہوگیا، یہ لوگ اب تک اس پہاڑ کو "مکت" کہتے ہین، ان کے یہان لڑائی کے بہت سے واقعات مشہور ہین، جنہین وہ اپنے بہادرون کو اوصاف الٰہی کے ساتھ متصف کرتے ہین، یہ لوگ سنوسی ہین اور شیخ سنوسی کی بڑی تعظیم کرتے ہین، البتہ عام مسلمانون کی طرح اولیاء کو خدائی درجہ نہین دیتے، اور انھون نے کفار سے یہ طریقہ سیکھا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم مسافر آکر مساجد کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے اس کی جانچ پڑتال کرتے ہین، اگر وہ مرد ہوتا ہے تو اس کو وضو کراکے مسجد مین جانے کی اجازت دیتے ہین، اور اگر تحقیقات سے عورت ثابت ہوتا ہے

تو مسجد مین جانے نہین دیتے، یہ تحقیقات اس لیے ضروری خیال کی گئی کہ بعض عورتین مردانہ لباس مین آئین، اور یہ لوگ سمجھے کہ یہ مرد ہے، جس نے ڈاڑھی مونچھ منڈالی ہے، اس لیے اس کو مسجد مین جانے کی اجازت دیدی، بہرحال اسی وجہ سے یورپین لوگون نے یہ غلط خیال قائم کرلیا ہے کہ مسلمان عورتون کو مسجد مین جانے کی اجازت نہین دیتے،

مذہبی حیثیت سے یہ لوگ ہر قدیم چیز کو مانتے ہین، اور جدید چیز کے منکر ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ تصوف کو بدعت خیال کرتے ہین، کیونکہ اب تک اس پر اتنا زمانہ نہین گذرا ہے کہ اس کو قدامت کا شرف حاصل ہو،

ان کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع عشرہ محرم مین ہوتا ہے، جس مین وہ مختلف ٹولیان بناکر ناچتے ہین، اور اس مین تمام قبائل باہم مقابلہ کرتے ہین، جس ٹولی کا ناچ پسند کیا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہوگی، بقیہ مذہبی اجتماع وہی عام مسلمانون کی عیدون کی صورت مین ہوتا ہے، البتہ وہ خطبہ کے بعد امام کو کنکری مارتے ہین، اور اس کو چومتے ہین، "ع"

دیوان میرزا کامران

مرتبہ مولوی محمد محفوظ الحق، ایم اے، لکچرار عربی و فارسی، پریسیڈنسی کالج، کلکتہ،

دیوان کامران کا صرف ایک نسخہ پٹنہ مین محفوظ ہے، جو خود کامران کی حیات مین لکھا گیا تھا، اس پر جہانگیر و شاہجہان کے ہاتھ کی تحریرین اور سلاطین و امرائے مغلیہ کی مہرین موجود ہین، یہ دیوان اسی نسخہ سے چھاپا گیا ہے، مرتب نے ایک مقدمہ لکھا ہے جس مین کامران کے سوانح، بذلہ سنجی بدیہہ گوئی اور شاعری پر تبصرہ ہے، کامران کے وہ اشعار جو اس قلمی دیوان مین موجود نہین، مرتب نے بیسیون تذکرون تاریخون اور بیاضون کی ورق گردانی کے بعد جمع کیے ہین، اس کتاب مین بلاک کی چار تصویرین دیگئی ہین جن مین بابر، ہمایون، جہانگیر اور شاہجہان کی تحریرون کے عکس ہین، ان کے علاوہ مشہور ایرانی خطاط خواجہ محمود شہابی (کاتب دیوان کامران) کی تحریر کا بھی عکس دیا گیا ہے اردو دیباچہ کا خلاصہ انگریزی زبان مین دیا گیا ہے، کتابت و طباعت بہترین ہے، کاغذ اعلیٰ قسم کا لگایا گیا ہے، قیمت عہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ (یوپی)

اخبارِ علمیّہ

شہر اریحا کا اکتشاف

توراۃ مین شہر اریحا کے نذرِ آتش کئے جانے کا تذکرہ آیا ہے جن اتفاق سے ماہرینِ تنقیب اس کے سراغ لگانے مین کامیاب ہو گئے ہین، اور نہایت سرگرمی سے کھدائی شروع ہو گئی ہے جس سے ایسے بہت سے قدیم آثار نکلے ہین جن سے توراۃ کی تفصیلات کی تائید و توثیق ہوتی ہے، اس کے آثار مین شمالی حصہ کے شہر پناہ کی دیوار کے کھنڈر خاص طور پر قابلِ ذکر ہین،

ایک نئے قسم کی عینک کی ایجاد،

جرمن ماہرِ چشم ڈاکٹر لیو بولڈ عائن نے ایک نئے قسم کی عینک ایجاد کی ہے، یہ آنکھوں پر لگانے کے بجائے آنکھوں مین پپوٹون کے اندر رکھی جائیگی، گویا اسکی حیثیت ایسی ہی ہو گی، جیسے مصنوعی دانت لگائے جاتے ہین یہ عینک نہایت صاف شفاف اور ہلکی تیار ہوئی ہے، اس سے نہ آنکھوں مین کسی قسم کی کھٹک ہو گی، اور نہ پلکوں پر کوئی بار پڑیگا، البتہ ابتدا مین لگاتے وقت کسی قدر زحمت ضرور پیش آئیگی، لیکن نگاہوں کے عادی ہونے کے بعد یہ بات بھی جاتی رہیگی،

یہ عینک آجکل کی مروجہ عینکوں سے چند حیثیت سے قابلِ ترجیح ہے، اوّلاً اس کے زمین پر گرنے کا خطرہ نہین ہے اور نہ اس پر گرد و غبار جمنے پائیگی، آنکھوں کی رطوبت سے ہر وقت دُھلتی رہیگی، اس لیے خیال ہے کہ یہ زیادہ رواج پائیگی،

سینما کی تعلیم یونیورسٹی مین

مغرب مین ابتک سینما کی تعلیم و ترقی ملک کے مختلف ادارون مین ہوتی رہی ہے، مگر اب اس کو

یونیورسٹیوں میں بھی داخل کیا جانے لگا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں جنوبی کلو فورنیا کی یونیورسٹی نے سب سے پیشقدمی کی، اور اس میں اس کا ایک مستقل شعبہ کھولا گیا ہے، اس فن کے ممتاز ماہرین بطور پروفیسر مقرر ہوے ہین، جو طلبہ کے سامنے اس موضوع پر لکچر اور محاضرات دیتے ہین،

شاہی انجمن جغرافیہ لندن کی صدسالہ جوبلی

انجمن جغرافیہ لندن کی صد سالہ جوبلی اس سال ماہ اکتوبر مین منعقد ہونے والی ہے، جوبلی کے افتتاح کے مراسم غالباً خود شاہ انگلستان کے ہاتھون انجام پائین، ۱۲ر اکتوبر کو ان کی افتتاحی تقریر ہوگی، اس کے بعد مختلف ماہرین فن کے مختلف موضوع پر خطبے ہونگے جنمین انجمن جغرافیہ کی سرگذشت، اور صد سالہ دور مین علم جغرافیہ کی عام ترقیون خصوصاً قطب جنوبی وشمالی کی مہمون اور فضائی راستونکی تخطیط وغیرہ پر تبصرہ کیے جائینگے،

گائے اور بکری کا خون

مذبوحہ جانورون کا خون بالعموم ضائع ہوجاتا ہے، لیکن اہل امریکہ نے اسکو بھی کارآمد بنا لیا ہے چنانچہ ولایات متحدہ مین ہر سال پندرہ ملین گائین اور بکریان ذبح ہوتی ہین اور ان سے جس قدر خون نکلتا ہے، اس کو مختلف مصرف مین لاتے ہین، بالعموم اس کو پیپون مین بھر کر اسکی کھاد بنائی جاتی ہے، اسی طرح اسکو ایک سرخ سیال مادہ کی صورت مین بدل کر خشک کر لیا جاتا ہے، پھر تحلیل کرکے ایک قسم کا پوڈر بنا لیا جاتا ہے جو چمڑون کے رنگنے کے کام آتا ہے، اور علاوہ ازین بعض طبی ضرورتون مین بھی اس سے کام لیا جاتا ہے،

کانون مین مصنوعی روشنی

کانکن بالخصوص کوئلے کی کانون مین کام کرنے والے مزدور سورج کی قدرتی روشنی سے بالکل محروم رہتے ہین، اور صرف برقی روشنی مین مفتون کام کرتے ہین، یہی وجہ ہے کہ عموماً ان کی صحت بہتر حالت مین نہین رہتی، اس بنا پر ایک امریکن عالم نے ایک خاص قسم کا چراغ ایجاد کیا ہے، جو سورج کی قدرتی روشنی کا قائم مقام ہے، اور طبی رپورٹون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی روشنی کا اثر مزدورون کی صحت پر اچھا پڑ رہا ہے، اور توقع ہے

کہ اس کا استعمال اور دوسری کانون مین بھی ہونے لگے گا،

مکھن، دودھ اور بچہ

برطانی طبی مجلس کے ڈاکٹرین نے اس کی تحقیق کیلئے کہ بچہ پر دودھ کا کیا اثر پڑتا ہے، اس نے پانچ سو بچون کو لیا، اور ان کو دو حصون مین منقسم کردیا، ایک کو وہ ایسی غذائین کھلاتا رہا جنمین دودھ اور مکھن رہتا تھا، اور دوسرے کو ایسی غذائین دیتا رہا، جنمین یہ چیزین نہ تھین چار برس کے بعد جو امتحان کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ دودھ اور مکھن والی غذائین کھانے والے بچون کا وزن دوسرے کے مقابلہ مین ۴ پونڈ سے ۶ پونڈ تک زیادہ تھا، اور قد وقامت مین بھی پہلے بچے دوسرے بچون سے دو انچ سے ڈھائی انچ تک بڑے تھے،

مصر سے بصرہ تک

مصر سے بصرہ تک جہاز کے ذریعہ سے بحری سفر مین ایک مہینہ کے قریب وقت صرف ہوتا تھا، مسافر مصر سے سویس، سویس سے باب المندب، وہان سے بمبئی اور بمبئی سے بصرہ، اب شاہی ہوائی جہازون کی کمپنی نے جو ہوائی راستہ نکالا ہے اس کے ذریعہ سے یہ سفر چند گھنٹون مین طے ہوگا، لوگ مصر کے پردازگاہ مدینۃ الشمس (ہیلیو پولس) سے صبح ۵ بجے روانہ ہونگے اور شام کی چاے کے وقت غزہ، آبار رطبہ، اور بغداد ہوکر بصرہ پہنچ جائینگے،

خیالات کی قیمت

امریکہ مین اگر کوئی شخص کوئی نیا خیال یا نیا علمی نظریہ قائم کرتا ہے تو اس کی نہایت گران قیمت ملتی ہے، اور اس کے متعلق اخبارات مین بہت سے لوگ اشتہارات شائع کرتے ہین کہ وہ ان خیالات کو معقول قیمت پر خریدنا چاہتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۸ء مین اس طرح پر جو انکار و خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت ڈھائی ملین ڈالر تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تجارت کو روز بروز ترقی ہو رہی ہے

ہے، کیونکہ اس سے پہلے جو خیالات فروخت ہوئے تھے ان کی قیمت اس سے ایک ملین ڈالر کم تھی،

ایک نئی روسی توپ

آج کل بالشویک کی سرخ فوج مین ایک نوایجاد توپ کا اضافہ ہوا ہے، اس کا موجد ایک روسی دجتاریف نامی ہے، جو کسی روسی کارخانہ مین کام کرتا ہے، یہ توپ اپنے فیر کے لحاظ سے لوئس کی مشہور توپ سے بھی بازی لیگئی، لوئس کی توپ ایک منٹ مین ۱۲۵ فیر کرتی ہے، اور یہ نوایجاد روسی توپ ایک منٹ مین ۱۵۰ فیر کرتی ہے، لوئس کی توپ کا وزن ۳۱ پونڈ تھا، اور اس کا صرف ۱۸ پونڈ ہے، اس کا طول وعرض ۴۰۰ سے ۸۰۰ میٹر تک ہے

آہنین تمدن

آجکل دور حاضر کی مدنیت کو "تمدن آہنین" سے موسوم کیا جا رہا ہے، کیونکہ لوہے کا خرچ سال بسال زیادہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ۱۹۲۶ء مین صرف ولایات متحدہ مین کانون سے جو عام لوہا نکالا گیا، اسکی تعداد ۶۲ ملین ٹن سے زیادہ تھی جسکی قیمت ۱۳ ملین پونڈ ہوتی ہے،

فلک بوس عمارتین

اس وقت امریکہ اس قسم کی عمارتون سے بھرا ہوا ہے جنکی بلندی کی کوئی حد نہین، سب سے عجیب بات یہ ہو کہ انکی بلندی صرف فضا ہی تک محدود نہین ہوتی، بلکہ زمین کے نیچے بھی ان کے متعدد درجے ہوتے ہین، اس قسم کی عمارتون مین اس وقت سب سے بلند عمارت کولیسکر کمپنی کی ہو جسکی بلندی سطح زمین سے ۸۰۰ انچ ہی اور زمین کے نیچے کے درجون کے سوا اسکے ۶۰ درجے اوپر کے ہین، اسکے بعد ولورث کی عمارت کا درجہ ہو جسکی بلندی ۷۹۵ انچ ہی اور زمین کے اوپر اسکے ساٹھ درجے ہین، پھر بیمہ کمپنی کی ایک عمارت ہو جسکی بلندی ۷۰۰ انچ ہے، اور زمین کے اوپر اس کے ۵۶ درجے ہین،

علمی تجربون سے ثابت ہوتا ہو کہ ہوا بالخصوص آندھیون کے چلنے سے ان عمارتون مین حرکت پیدا ہوجاتی ہو لیکن ان مین رہنے والون کو یہ حرکت محسوس نہین ہوتی، تاہم زلزلون کا اثر ان پر وہی پڑتا ہو جو عام عمارتون پر پڑتا ہے،

ادبیات

پارہاے دل

از

جناب مرزا عزیز صاحب ارپوری لاہور

بندۂ سرمایہ داران نیستم — مدح خوانِ شہریاران نیستم
کار با صوفی ندارم زانکہ من — از گروہِ گوسفندان نیستم
کشتہ می خواہم شدن در راہِ دین — مرثیہ خوانِ امامان نیستم
آنکہ زہرِ فرقہ بازی خورد و مرد — شکر للہ آن مسلمان نیستم
قوتِ من از قوتِ بازوے خویش — بر متاعِ غیر نازان نیستم
مومن استم، ساکنِ دنیاستم — ترکی و مصری و افغان نیستم
قدرہ ایمانم بہ از کون و مکان — مثلِ زاہد جنسِ ارزان نیستم
کاہ گیرد کاہ سازد کوہ را — بے خبر از زورِ ایمان نیستم
ہر چہ بینم پیش، دانم کردنی است — از گروہِ موشگافان نیستم

در بغل قرآن و من خوار و زبون — خاتمے دارم سلیمان نیستم
روحِ بیجان جسمِ بے تاب و توان — نیستم پیدا و پنہان نیستم

دردِ دارم بے تپش اے وائے من بہرِ دردِ قوم درمان نیستم
قالبم خالی ز قلبِ زندہٗ یک تنم مشتِ گلم، جان نیستم

قیمتِ دل کس نمی یابد ز حسن بندِ دامِ حسنِ خوبان نیستم
جان براہِ جانِ جان دادن بقاست در تلاشِ آبِ حیوان نیستم
در گلستانِ جہان چون نرگسم این نگر دانم کہ حیران نیستم
جان بنالد "در غلامی سوختم" دل بگوید "زیرِ فرمان نیستم"
باغِ من پُر لالہ و بے سبزہ است اشکِ خونم، ابرِ نیسان نیستم
رازِ عشقم، عقدۂ لاینحلم در جہان یک کارِ آسان نیستم
ما سوا را وا بسوزد سوزِ دل عاشقم، بے برگ و سامان نیستم
دل بدامانم کہ گیرم دامنت اے گلِ من گل بدامان نیستم
زندہ از شورِ جنونم شہرہا ذرۂ دشت و بیابان نیستم
از سکون بیزار و ہیم بیقرار موجم و کمتر ز طوفان نیستم
نغمہ ام پر درد و پر سوز است و تلخ بلبلے ہستم خوش الحان نیستم

پارہ ہائے دل بقرطاس آورم
اے عزیزِ من غزل خوان نیستم

شعاعِ شمس

از نواب زادہ سید شمس الحسن صاحب شمس بی اے خلف شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان لکھنؤ،

مدت ہوئی ہے دید کا ارمان کئے ہوئے دل کو حریفِ لذتِ حرمان کئے ہوئے

برسون ہوئے ہین درد کا درمان کئے ہوئے — رگ رگ مین نیش عشق کو پنہان کئے ہوئے
پھر کر رہا ہے آتش دل کوئی مشتعل — ہر داغ دل کو شمع شبستان کئے ہوئے
پھر جی مین ہے کہ کیجئے عرض متاع شوق — خون جگر کو زینت دامان کیے ہوئے
پھر لے رہا ہون درس محبت جنون سے مین — شیرازۂ حواس پریشان کیے ہوئے
اے دل تجھے نوید کہ قاتل چلا ہے آج — تیغ شعاع حسن کو عریان کیے ہوئے
پھر کر رہا ہے خون تمنا ستم شعار — دل کو سپرد دشنۂ مژگان کیے ہوئے
پھر آ رہا ہے آج وہ رشک صد آفتاب — ہر ذرہ ہائے راہ کو رخشان کیے ہوئے

اے دل ابھی گئین نہ تری کفر خیزیان
مدت ہوئی اگرچہ مسلمان کیے ہوئے

باب التقریظ والانتقاد

اسلامی کارنامے

مؤلفہ

جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی

از سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

حجم ۱۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت مجلد عمر، پتہ: مسلم بکڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی چند سال سے اسلامی علوم تاریخ کی خدمت مین مصروف ہین اوران کے مختلف چھوٹے چھوٹے رسالے "اسلامی مساوات" "اسلام اور غیر مسلم" اور "اسلام اور غلامی" وغیرہ شائع ہو چکے ہین، اوراس سلسلہ مین ان کا آخری کارنامہ زیر تبصرہ رسالہ "اسلامی کارنامے" ہے، جس مین اسلام کی تمدنی ترقیون کو نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے، رسالہ حسب ذیل ابواب "فتوحات اسلامی" "مسلمانون کے علمی کارنامے" "اسلامی صنعت وحرفت" اور "اسلامی عمارتین" مین منقسم ہے، جن کے مباحث کا اندازہ اپنے اپنے عنوان سے ہوجاتا ہے، رسالہ مین بغداد، دمشق، اور الحمرا وغیرہ کی تصویرین جا بجا اپنے اپنے موقع سے منسلک ہین، اور رسالہ کے آغاز مین مولانا مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے ڈائرکٹر صیغہ تعلیمات ریاست بھوپال کا ایک مختصر مقدمہ اور آخر مین رسالہ کے سال طباعت کے قطعات تاریخ منسلک ہین

جناب مؤلف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ اپنے اس مختصر سے مجموعہ کو ایسا گلدستہ بنا کر پیش کیا، جس میں اسلام کی تمدنی ترقیوں کے رنگ برنگ کے پھول اپنے اپنے موقع پر چنے ہوئے ہیں، اور جس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف کو اس کی آراستگی میں صرف اردو علم تاریخ وادب کے گلشن سے خوشہ چینی کرنی پڑی، لیکن کمال دیانتداری سے اردو کتابوں کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہیں، جسکو اب تک ہمارے مصنفین اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے ہیں، لیکن اگر ان حوالوں کے ساتھ ساتھ مؤلف "اسلامی کارنامے" اپنے ماخذوں کے حوالے میں کوئی خاص فرق وامتیاز نہ رکھتے تو زیادہ مناسب تھا، کیونکہ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اردو کی صرف انھی کتابوں کے حوالے درج کیے گیے ہیں جو کسی غیر زبان سے منتقل ہوکر آئی ہیں، چنانچہ تمدنِ عرب موسیو لیبان، اخبار الاندلس مسٹر اسکاٹ اور علوم عرب جرجی زیدان وغیرہ کے حوالے بے تکلفی سے درج کئے گیے ہیں، لیکن انھی کے پہلو بہ پہلو اردو کے بعض ممتاز اہل قلم کی بعض کتابوں اور مضامین سے معلومات لیے گئے ہیں، لیکن وہ بغیر کسی استناد کے درج کردیے گئے ہیں، جسکی وجہ سے رسالہ کے اہم مباحث خصوصًا پہلا باب "فتوحات اسلامی" اور پھر "اسلامی مدارس" "اسلامی شفاخانے" اور "اسلامی کتب خانے" وغیرہ اپنے ماخذ کے لیے تشنہ رہ گئے ہیں، یہی صورتِ واقعہ "اسلامی صنعت وحرفت" اور آخری باب "اسلامی عمارتیں" میں ہے، حالانکہ اس کے ایک ایک بیان کو حوالہ سے ہونا چاہیے تھا، خصوصًا "دوربین" اور "ہوائی جہاز" وغیرہ کی ایجاد کو عہد اسلامی میں بغیر کسی حوالہ کے بتانا موزون نہ تھا، اس موقع پر جناب مؤلف سے ان تمام معلومات میں جزوی حوالہ کا صرف اس لیے مطالبہ ہوا کہ رسالہ کی یکسانیت قائم رکھی جاتی، اس لیے اگر حوالے تھے تو سب کے ہوتے ورنہ درحقیقت ایسے مختصر رسالوں میں کسی حوالہ کی چنداں کوئی ضرورت بھی نہیں تھی، محض "عرض حال" میں حوالوں کا جو اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے وہ کافی تھا۔

اس کے بعد ایک خاص امر جو جناب مؤلف کی خدمت میں پیش کرنا ہے وہ یہ کہ ترتیبِ کتاب کے وقت مؤلف کا یہ ایک نہایت نازک فریضہ ہوتا ہے کہ ماخذوں کے مطالب نہایت حزم واحتیاط

سے اس طرح سمجھنے کی کوشش کیجائے کہ کتاب کا اصل منشا پورے طور پر آئینہ ہوجائے، کیونکہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف اہل قلم مختلف زاویۂ نگاہ سے قلم اٹھاتے ہین، کوئی کسی ایک پہلو کو نمایان کرتا ہے تو کوئی دوسرے پہلو کو پیش کرتا ہے، اور بسا اوقات محض طرز ادا کے اختلاف سے ایک کا بیان دوسرے سے بہ ظاہر متضاد نظر آتا ہے، جو درحقیقت ایک مسئلہ کے مختلف پہلو ہوتے ہین، اس لیے ضرورت ہوتی ہے، کہ ان تمام بیانات پر ہر ایک کے زاویۂ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے، اور اگر واقعۃً کوئی ایک بیان دوسرے کے متضاد ہو تو اون مین اپنے دلائل سے ترجیح دیجائے، ورنہ سب کے بیانات سامنے رکھتے ہوئے، واقعہ کی ایک مرتب شکل تیار کرلیجائے۔ افسوس ہے کہ مؤلف "اسلامی کارنامے" نے یہ اصول پیش نظر نہین رکھا، اور اپنے ماخذ پر ایسی سرسری نظر ڈالی کہ دو مختلف کتابون کے بیانات جو دراصل ایک امر واقعہ کے دو مختلف پہلو ہین، ان کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دیدیا، اور پھر بغیر کسی معقول استدلال کے ایک دوسرے پر ترجیح دیدیگئی ہے۔ مثلاً مسٹر اسکاٹ اور مولانا شبلی کے بیانات مین، اندلس کی علمی و تعلیمی ترقیون کا بیان آیا ہے، مسٹر اسکاٹ وہان کی ذہنی، علمی اور تعلیمی ترقیون کا عام خاکہ کھینچتے ہین اور مولانا شبلی اپنے مضمون "اسلامی مدارس اور دار العلوم" مین علامہ مقریزی صاحب نفح الطیب کی روایت پیش کرتے ہوئے ظاہر کرتے ہین کہ اسلامی عہد حکومت مین وہان جو نظام تعلیم جاری تھا، اس مین درس و تدریس کے لیے کوئی مستقل عمارت نہین ہوتی تھی، بلکہ قدیم اسلامی نظام تعلیم کے طریقے پر تمام چھوٹے اور بڑے مدرسے مسجدون مین قائم تھے،

مؤلف "اسلامی کارنامے" کے پیش نظر ایک طرف مولانا کا یہ بیان تھا جس کا دارومدار اندلس کے ممتاز ترین مستند مورخ مقریزی کی تصریح پر ہے، اور دوسری طرف مسٹر اسکاٹ کی کتاب اخبار الاندلس تھی جسمین نہایت شان و شکوہ سے وہان کے نظام تعلیم کا تذکرہ ملتا ہے، جس مین "یونیورسٹی" "کالج" "اسکول" "پروفیسر" "رجسٹر" اور "حاضری" وغیرہ جیسے مرعوب کن الفاظ استعمال کیے گئے

ہین، اور سرسری مطالعہ سے یہی پریشان وشوکت الفاظ ہمارے دوست کے لیے بھی فریب دہ ثابت ہوئے ہین، اور وہ مقریزی اور اسکاٹ کے بیانات کوایک دوسرے کے مخالف سمجھ کر چھ سات صفحون مین ایک تفصیلی اظہار رائے کر ڈالتے ہین، حالانکہ اگر ان دونون بیانون کو دقت نظر سے دیکھا جاتا تو دونون اپنی اپنی جگہ صحیح تھے،

مسٹر اسکاٹ وہان کی عام علمی وتعلیمی ترقیون کو بیان کر رہے ہین، اور مولانا شبلی کا موضوع بحث صرف "اصطلاحی مدارس" ہے،

اصطلاحی مدارس سے مولانا شبلی کی مراد یہ ہے کہ اساتذہ وطلبہ کی ایک ہئیت اجتماعی کسی ایسی عمارت مین قائم کیگئی ہو جو محض درس وتدریس کے مقصد سے "مدرسہ" کے نام سے تعمیر ہوئی ہو" اسی کو پیش نظر رکھ کر مولانا فرماتے ہین ،۔

"اس تمام وسعت مین کسی کالج یا اسکول کا ہمکو نشان نہین ملتا"

مولانا شبلی کا یہ بیان علامہ مقریزی کے اس بیان پر مبنی ہے کہ

"تمام اسپین مین ایک بھی مدرسہ نہین ملتا، صرف مسجدون کے صحن تھے، جنہین تمام علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے"

لیکن اس کا ہرگز یہ مقصود نہین کہ اندلس کی علمی وتعلیمی ترقیون سے انکار کیا گیا ہو کہ وہ مسٹر اسکاٹ کی روایت کے مخالف قرار پائے، جس طرح مسٹر اسکاٹ وہان کی تعلیمی ترقیون کے مداح ہین اسیطرح مولانا شبلی بھی معترف ہین، صرف فرق یہ ہے کہ مولانا شبلی تصریح سے زیادہ کام لیتے ہین، اور وہان کے نظام تعلیم سے متعلق متعین طور پر اظہار فرما دیتے ہین کہ اسلامی عہد حکومت مین روز اول سے تعلیم کا جو نظام قائم ہوا اندلس بھی اسی پر گامزن رہا، چوتھی صدی سے قبل تمام عالم اسلامی مین بڑے سے بڑے مدرسے مسجدون ہی مین ہوتے تھے، پانچوین صدی کے آغاز کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار علاقون

مین ایک جدید نظام قائم ہوا، اور مدارس کے لیے مستقل عمارتین تعمیر ہونے لگین لیکن اندلس اپنی قدیم روش پر قائم رہا، اور وہان مدرسون کے لیے مستقل عمارتون کا رواج نہین ہونے پایا، بلکہ انہی مدارس سے جو مسجدون مین قائم تھے، وہان کی تمام علمی و تعلیمی ترقیان ہوئین، اور ہم اساتذہ کے فرقِ مراتب، اور طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے انہی مدرسون کو مجازاً اسکول، کالج اور یونیورسٹی کہہ سکتے ہین، جو درحقیقت واقعہ نفس الامر کے لحاظ سے اپنی علمی و تعلیمی خدمات مین آجکل کی موجودہ تعلیمگاہون سے کسی طرح فروتر نہین تھے اور اسی لیے اگر مسٹر اسکاٹ ان کو مجازاً یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے نام سے یاد کرتے ہین تو وہ بھی موردِ الزام نہین ہین، لیکن اگر اصطلاحی طور پر بحث کیجائے گی تو جس طرح بغداد مین مدرسہ نظامیہ قائم ہوا اندلس مین اس کی کوئی مثال نہین ملتی، اگرچہ وہی مدرسے جو وہان کی مسجدون مین قائم تھے، اپنی تعلیمی خدمات مدرسہ نظامیہ سے بھی بیش از بیش انجام دیئے، اسلیے مولانا شبلی نے نہایت تصریح سے فرمایا کہ

"بے شبہہ قرطبہ کی علمی شہرت بغداد سے کم درجہ پر نہین، بے شبہہ یورپ کی استادی کا فخر اسپین ہی کا خاص حصہ ہے، لیکن اس وقت اصطلاحی مدارس سے بحث ہے جس کے معنی اتنے ہی حد تک محدود ہین کہ خاص درس و تدریس کی غرض سے کوئی عمارت تیار کیگئی ہو"

لیکن مولانا شبلی کی ان تصریحات کے باوجود مولف "اسلامی کارنامے" مسٹر اسکاٹ کے مجازی الفاظ سے اس درجہ فریب خوردہ رہے کہ انھین اس پر اعتبار نہ آیا، اور مولنا کے جواب مین مسٹر اسکاٹ کی کتاب اخبار الاندلس کے طویل اقتباسات درج کر دیئے، مثلاً جنمین مسٹر اسکاٹ یون لکھتے ہین:-

"اندلس کی اسلامی یونیورسٹیون کے تمام طالب علم بلا کسی استثنا کے سائنٹفک مضامین پر مخاطبات مین شامل ہوتے تھے۔۔۔ اندلس و صقلیہ کے مدارس مین یورپ کے تمام ملکون سے شوقین طالب علم تحصیلِ علم اور شہرت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے"

چنانچہ اسی قسم کے اقتباسات درج کرنے کے بعد وہ آخر مین نتیجۂ بحث کے طور پر یہ الفاظ سپرد قلم کرتے ہین

"جس دار العلوم میں گیارہ ہزار طلبا کی روزانہ حاضری ہو یہ کبھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ طلبا کو مسجدوں کے صحن میں تعلیم دیجاتی ہوگی، صرف قرطبہ میں ۸۰۰ مدرسے تھے، کیونکہ اسپین کی ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ کا ہونا بھی ضرور تھا" (ص ۸۵)

اسلامی عہد حکومت کے قدیم نظام تعلیم کا صحیح مرتبہ بتا دینے کے بعد اصل یہ کہ چوتھی صدی سے اسلامی نظام تعلیم میں جو تغیرات ہوئے اور پانچویں اور چھٹی صدی میں عام طور پر جدید نظام تعلیم کے ماتحت جو جو اسلامی مدرسے قائم ہوئے وہ صرف عالم اسلام کے مشرقی حصوں میں قائم ہوئے، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جدید نظام تعلیم صرف خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار و زیر اثر علاقے میں رائج ہوا، اسکو مغربی ممالک اندلس اور صقلیہ وغیرہ میں قبولیت حاصل نہیں ہوئی ان ممالک میں جو قدیم طرز قائم تھا وہی باقی رہا، اور اسی قسم کے مدرسوں میں یورپ کے مختلف ملکوں کے شوقین طلبہ آکر تحصیل علم کرتے رہے، صقلیہ کی پوری اسلامی تاریخ چھان ماریئے لیکن کسی ایک ایسی عمارت کا پتہ نہ چلیگا جو مدرسہ یا دار العلوم کے نام سے موسوم ہو، لیکن وہاں کے انھی مدرسوں کی علمی خدمات جو مسجدوں میں قائم تھے، اس قدر وقیع ہیں کہ مسٹر اسکاٹ کا یہ بیان یقیناً مبالغہ آمیزی سے پاک ہی کہ

"اندلس اور صقلیہ کے مدارس میں یورپ کے شوقین طلبہ تحصیل علم اور شہرت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے"

یا یہ کہ

"ہیرو، ایراٹاس، تھی نیس، اقلیدس، اور بطلیموس کی کتابیں ان طالبعلموں میں متداول تھیں، جو بلرم (پلرمو) اور سینا (صقلیہ) کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے"

اور باوجودیکہ مدرسے مسجدوں میں قائم تھے، لیکن ان کا تعلیمی نظام اس قدر ترقی یافتہ تھا کہ صقلیہ کے صرف ایک شہر بلرم میں اساتذہ کی تعداد ۳۰۰ تھی، یاقوت لکھتا ہے،

والغالب علی اهل المدینة المعلمون فکان اہل شہر میں زیادہ تر معلمین رہتے ہیں، اور صرف

بلرم فیہا ثلثمائۃ معلم (معجم البلدان ج ۲ ص ۳۶۶) بلرم میں تین سو معلم تھے،

بغداد وغیرہ میں مدرسون کی مستقل عمارتوں کا رواج چوتھی صدی میں ہو چکا تھا، اور ابن جبیر چھٹی صدی میں صقلیہ پہنچا ہے، اور دو سو برس گذر جانے کے باوجود اسکو یہان ایک بھی ایسا مدرسہ نہین ملا جو کسی مستقل عمارت مین مدرسہ کے نام سے قائم ہو، بلکہ جس قدر مدرسے تھے وہ سب کے سب مسجدون مین قائم تھے، بلرم کی ایک اہم خصوصیت وکثرتِ مساجد بھی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ سنکر حیرت ہوگی، وہ مسجدین صرف نمازیون کے لیے نہین تھین، بلکہ طلبہ واساتذہ کے درس وتدریس سے معمور تھین، چنانچہ وہ لکھتا ہے

اما المساجد فکثیرۃ لا تحصی و اکثرھا محاضر لمعلمی القرآن (رحلۃ ابن جبیر ص) لیکن مسجدین تو وہ بے شمار ہین جو زیادہ تر قرآن کی تعلیم گاہین ہین،

بلکہ ان مغربی ممالک مین مسجد کو "تعلیمگاہ" ہونے سے اس درجہ مناسبت تھی کہ اگر کسی تعلیمگاہ کی تعمیر کی ضرورت بھی پڑی تو بغداد و دمشق کے دارالعلوم کے طرز پر نہین بلکہ "مسجد" کی شکل مین عمارت تعمیر کی گئی اور اس کا نام "مدرسہ" یا "دارالعلوم" نہین بلکہ "مسجد" ہی قرار پایا، ابن حوقل کی روایت سے زیادہ مستند اور کون روایت ہوسکتی ہے، وہ لکھتا ہے،

وفی ھذہ العشرۃ المساجد التی ذکرتھا مسجد یصلی ابو محمد القفصی والی جانبہ بنحو عشرین خطوۃ مسجد لولدہ ابتناہ لیتفقہ فیہ

ان دسون مسجدون مین جنکا ذکر مین نے کیا ایک مسجد ہے جس مین ابو محمد القفصی نماز پڑھتے ہین اور اُسی کے پہلو مین ۲۰ قدم پر ایک مسجد ان کے لڑکے کے لیے بنائی گئی کہ وہ اس مین علم حاصل کرے،

اس سے یہ خود بخود آشکارا ہوتا ہے کہ ان ممالک مین تعلیمگاہ کے لیے اس طرز پر عمارت تعمیر نہین ہوتی تھی، جو مشرقی ممالک مین رواج پذیر تھی، بلکہ مسجدون مین درس وتدریس کا سلسلہ قائم تھا، اور چھوٹے بڑے تمام مدرسے مسجدون مین قائم تھے، اور اگر مدرسہ کے لیے کسی مستقل تعلیم گاہ کی ضرورت

پڑتی تو، دارالعلوم کی تعمیر کے بجائے مسجد تعمیر کیجاتی تھی،

آخر مین یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ان جزوی فروگزاشتون کے باوجود کتاب اپنے معلومات کی یکجائی اور ترتیب و تبویب کے لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے، زبان بھی صاف اور سلیس ہے، اگرچہ ایک دوجگہ معمولی فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین، مثلاً "گھڑی کا ایجاد" لیکن اس قسم کا سہو قلم لائق التفات نہین ہے، ہم جناب مؤلف کو اس مفید تالیف پر تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہین،

ادبی خطوط غالبؔ

مرتبہ

مرزا محمد عسکری بی، اے، لکھنوی،

مرزا غالب نے صرف اردو شاعری ہی مین ایک نئی طرز کو ایجاد کرکے انقلاب عظیم نہین پیدا کیا، بلکہ انھون نے قدیم نثر کا اسلوب بھی بالکل بدل دیا، اور آج موجودہ زمانہ مین اردو انشا پردازی کا جو سادہ نمونہ قائم ہوگیا ہے اس کے موجدِ اول درحقیقت مرزا غالب ہی ہین، لیکن اس زمانہ مین ان کا مختصر سا دیوان اس قدر مقبول عام ہوا کہ لوگ مرزا کی نثر کو بالکل بھول گئے، اور دیوان غالب کے مختلف اڈیشنون نے ہماری الماریون کے خانون کو اس قدر گھیر لیا کہ اردوے معلی اور عود ہندی کے رکھنے کی ان مین جگہ نہین رہی، لیکن اب مرزا غالب کی نثر کی طرف بھی توجہ مبذول ہوئی ہے، اور سردست مرزا محمد عسکری بی اے لکھنوی نے ان کے خطوط سے جو اردوے معلی اور عود ہندی مین مندرج ہین صرف ادبی خطوط کا انتخاب کرکے ایک مجموعہ "ادبی خطوط غالب" کے نام سے شائع کیا ہے، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس مجموعہ کے ابتدا مین مرزا صاحب نے ۳۲ صفحہ کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جس مین سب سے پہلے ان کے خطوط کے جمع و ترتیب کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی سلسلے مین عود ہندی وغیرہ کی طبع و اشاعت کا حال لکھا ہے، اس کے بعد مرزا کی طرزِ تحریر کی خصوصیات گنائی ہین، اور مرزا سے پہلے

اور مرزا کے زمانے میں جو طرز تحریر جاری تھا اسکی متعدد مثالیں مختلف لوگوں کے خطوط سے جمع کی ہیں، جن کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعہ سے اردو نثر کے طرز میں کیسا عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے، انھوں نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آج تک لوگوں نے مرزا غالب کے خطوط کو جو محض اس غرض سے جمع کر کے چھپوا لیا ہے کہ ان کو پڑھکر لوگ ہنسیں، خوش ہوں، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ مرزا کی جدت طرازیوں کی داد دیں، مرزا کے خطوط کی شان اس سے بالاتر ہے، وہ صرف ایک مجموعۂ شوخی و ظرافت نہیں ہیں بلکہ ایک تاریخی اور علمی چیز ہیں جن سے بہت سی مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور اگر ان حیثیتوں کو پیش نظر رکھکر ان خطوط کو جمع کیا جاتا تو آج اردوے معلی اور عود ہندی اپنی موجودہ شکل سے مختلف قالب میں نظر آتیں، لیکن مرزا محمد عسکری صاحب نے اس مجموعے کے ذریعہ سے یہی کمی پوری کی ہے، اور صرف ان کے علمی خطوط کا انتخاب کر کے ان کی سب سے بڑی خصوصیت کو نمایاں کیا ہے،

چنانچہ ان خطوط کی تعداد ۹۶ ہے جو ۷۶ صفحوں میں آئے ہیں، اور چونکہ ایک ایک خط میں مختلف علمی باتیں آگئی ہیں، اسلیے نمبر شمار کے بعد مختصر الفاظ میں ان کا خلاصہ لکھدیا ہے، اور اس کے بعد مختلف عنوانات قائم کر کے ان مختلف معلومات کو الگ الگ کر کے نمایاں کر دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ مجموعہ خشک علمی مسائل کا مجموعہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتیں ہیں، مثلاً شوخی و ظرافت بذلہ سنجی و بے تکلفی سب کا لطف یکساں طور پر ملتا ہے، لیکن یہ ادبی نکات جیسا کہ ایک شاعر اور محقق زبان سے توقع ہو سکتی ہے، الفاظ کی تحقیق، اور مطالب شعر کی توضیح وغیرہ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اس کے ساتھ مرزا چونکہ فارسی کے شاعر ہیں اور ان کے احباب و تلامذہ بھی فارسی زبان کا ذوق رکھتے ہیں، اسلیے فارسی زبان اور فارسی اشعار کے متعلق اردو زبان سے زیادہ معلومات ملتی ہیں،

ان خطوط کے بعد مرزا محمد عسکری صاحب نے نہایت محنت و عرق ریزی سے تقریباً سو صفحات سے زائد کا ایک ضمیمہ لکھا ہے جس میں بعض ان لوگوں کے حالات جمع کئے ہیں جنکے نام مرزا نے خطوط لکھے ہیں،

اور درحقیقت یہ ایک نہایت عجیب چیز ہے، کیونکہ ان کے حالات کے پڑھنے سے ایک طرف تو ان خطوط کے متعلق بہت سی باتین معلوم ہوسکتی ہین دوسری طرف بہت سے ایسے لوگون کے حالات معلوم ہوجاتے ہین جو کسی اور طریقہ سے معلوم نہین ہوسکتے تھے، بہرحال اگر اس مجموعہ کے مقدمہ و ضمیمہ کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کتاب کو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت دیجاسکتی ہے، خود رقعات کا انتخاب جس دقت نظری کیسا تھ کیا گیا ہے، اور ان کی توضیح و تشریح جس طریقہ پر کیگئی ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ ایک مستقل تصنیف ہے، محض دوسرے شخص کے چند خطوط کا مجموعہ نہین ہے، کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر چھپی ہی، ضخامت مع مقدمہ تقریبًا ۲۰۵ صفحات قیمت ۶؍ مصنف سے حسب ذیل پتہ پرمل سکتی ہے،

حکیم عبدالعزیز روڈ لکھنؤ،

"ع"

مطبوعات جدیدہ

سید البشر، مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ، حجم ۸۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۸/ پتہ :- مولوی نواب الدین اینڈ سنز تاجران کتب سیالکوٹ،

جناب غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول سیالکوٹ نے سیرۃ النبیؐ پر یہ کتاب سید البشر لکھکر اسکول کے طلبہ کے سامنے بطور اسوۂ حسنہ پیش کی ہے، کتاب تین ابواب مین منقسم ہے، پہلا باب آپ کے سوانح حیات مین ہے، جو پوری جامعیت سے ۵۳ صفحون مین ختم ہوگیا ہے، اس کے بعد "ذاتی اخلاق" کے عنوان سے آپ کے اخلاق و عادات مختلف عنوانون کے ماتحت سبق آموز طرز ادا مین پیش کئے گئے ہین، جو بچون کے لیے مفید ہونگے، اس کے بعد "آپ کا کام" کے عنوان سے سہل، آسان اور عام فہم زبان مین آپ کی تعلیمات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے،

جناب مؤلف کتاب کے حسنِ ترتیب اور اسکی دوسری خوبیون کے لیے ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ بچون کے لیے یہ ایک مفید ترین خدمت انجام دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان خوبیون کے ساتھ اس کتاب مین زبان کی صحت کی طرف سے عام بے توجہی برتی گئی ہے، حالانکہ یہ ایسے کمسن اور ناسمجھ بچون کے ہاتھ مین جانے والی ہے جو ہر مطبوعہ تحریر کو صحیح و درست سمجھ کر اس کے اتباع کی کوشش کرتے ہین، اس لیے ایسی کتابون مین زبان کی غلطیان سخت گرفت کے قابل ہین، مثلاً محض شروع کے چند صفحون مین سے ذیل کے چند جملے بطور نمونہ پیش ہین،

ص ۵ مین ہے "اور بعض قبیلون نے عیسائی مذہب بھی اختیار کرلیا ہوا تھا" ص ۱۲ "چونکہ اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت آپ کو عطا کرنا تھا" ص ۱۵ "اس زمانہ مین لوگون نے آپ کو امین کا خطاب

دیا ہوا تھا، اسی طرح اسی میں ۵ اثین پھر ہے، آپ کے معاصرین آپ کی خوبیوں کے عام طور پر قائل ہو گئے ہوئے تھے، ایک طرف زبان کی یہ غلطیان ہیں اور دوسری طرف اردو میں کی متاز کتابوں سے بڑان کے پیراگراف عوض یا قوسین میں نہیں بلکہ اصل کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ساری کتاب کی عبارت میں باہمی تسلسل اور سلاست قائم نہیں رہا ہے، مثلاً حضرت عمر فاروق کے قبول اسلام کا واقعہ لفظاً لفظاً الفاروق سے منقول ہے، لیکن ان خورده گیریوں سے قطع نظر کر کے کتاب اپنے معانی و مقاصد میں نہایت کامیاب ہے، اور ہم مدارس کے عام طلبہ سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اسکا ضرور مطالعہ کریں۔

الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان، مترجمہ جناب مولوی غلام ربانی صاحب

سابق نائب مدیر روزنامہ زمیندار لاہور، حجم ۱۰۴ صفحے معارف سائز لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عمر، پتہ :- محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

یہ علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہے، علامہ موصوف نے اس رسالہ میں علم تصوف پر بحث کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر سے تصوف اسلام کی حقیقی روح پیش کرنا چاہی ہے، اور اس سلسلہ میں اولیاء رحمن یعنی صوفیائے کرام اور "اولیاء شیطان" یعنی متصوفین کے متضاد مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے علم تصوف کے مختلف نظریے زیر بحث آئے ہیں، جنپر کتاب و سنت اور مختلف صوفیائے کرام مثلاً حضرت سلیمان درانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور ابو عثمان نیشاپوریؒ وغیرہ کے عقائد، اعمال اور اقوال سے سند لاتے ہوئے مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطۂ نظر سے ایک صحیح معنوں میں حامل شریعت و طریقت اور صاحب کشف و کرامات صوفی کے اوصاف بیان کئے ہیں، رسالہ اپنے موضوع اور تنوع مباحث کے لحاظ سے نہایت دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہے، اور ہم جناب محمد شریف و عبدالغنی صاحبان کے شکرگذار ہیں کہ انھوں نے ترجمہ کیساتھ اصل عربی رسالہ بھی شامل کر دیا ہے جو دو صفحون میں آیا ہے، اور جو دونوں کی مجموعی قیمت ہے،

نغمۂ ایمانی از جناب مولوی مرتضیٰ حسین صاحب مطیر ردولوی "فاضل شرقیات" حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی،

یہ جناب مطیر ردولوی کے دو نعتیہ ہیں جن میں موصوف نے اپنے جذبات عقیدت نظم کی صورت میں آستان نبوی پر صاف اور سادہ زبان میں پیش کیے ہیں، ان نظموں کی یہ قابل ذکر خصوصیت ہے کہ یہ ان غیر معتدل عقائد اور شاعرانہ مبالغہ آمیزیوں سے پاک ہیں، جو کبھی کبھی نبوت والوہیت کی تفریق بھی مٹا دیتی ہیں، اس میں خالص اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہوئے سیرت نبوی کی صحیح مصوری کی گئی ہے، شائقین صرف دو پیسے کے ٹکٹ بھیجکر بلاقیمت مصنف موصوف سے محلہ صوفیانہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے پتہ سے طلب کرسکتے ہیں،

سلک مروارید از مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب سابق طبیب خاص ریاست بڑودہ حجم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط، پتہ:- آفتاب منزل بابو پور ضلع سیتاپور،

جناب مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی، اور حکیم عبد العزیز صاحب لکھنوی جیسے باکمال بزرگوں کے فیض صحبت کے تربیت یافتہ اور اس وقت مغتنم زمانہ ہیں، زیر تبصرہ رسالہ موصوف کے کلام کا مختصر مجموعہ ہے، جس میں مختلف عنوان "حمد" "نعت" "اعمال حسنہ و اخلاق عظیمہ" "راستی" "ایفائے عہد" "حرص و طمع" اور "قناعت" "ہمدردی" وغیرہ کے ماتحت مختلف نظمیں درج ہیں، طرز ادا صاف، سادہ اور سلیس ہے

انقلاب افغانستان از جناب ابرار حسین صاحب فاروقی ایم اے، ال ٹی لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ حجم ۶۰ صفحے تقطیع بڑی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ:- مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علیگڈھ،

جناب ابرار حسین صاحب فاروقی ایم اے نے افغانستان کے موجودہ حالات کو درامے کے طرز میں ترتیب دیکر "انقلاب افغانستان" کے نام سے شائع کیا ہے، اس میں شاہ امان اللہ خان کی تخت نشینی افغانستان اور حکومت ہند کی جنگ، شاہ موصوف کا مغربی اصلاحات کے نفاذ کی وجہ سے ملک میں بغاوت انگیزی، شاہ موصوف کی حکومت سے دستبرداری اور امیر عنایت اللہ خان کے برسر حکومت ہونے تک کے حالات دکھائے گئے ہیں، زبان صاف اور سلیس ہے، اور ڈرامے میں جو سین کھینچے گئے ہیں وہ بھی غیر موزون نہیں ہیں،

ہندستانی اکاڈیمی صوبہ متحدہ الہ آباد،

(۱) ازمنۂ وسطیٰ میں ہندوستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات

از علامہ عبداللہ بن یوسف علی، ایم اے، ایل ایل ایم، سی بی ای، قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ (عہ) غیر مجلد عہ

(۲) اردو زبان اور ادب یعنی زبان اور ادب کی مختصر تاریخ

از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب، ایم اے، قیمت غیر مجلد ایک روپیہ عہ،

(۳) عرب و ہند کے تعلقات، از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مجلد ۴۰۰ صفحات قیمت چار روپیہ للعہ،

(۴) ناتن (جرمن ڈراما) ترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے، ایم آر اے ایس، مجلد ۵۰۰ صفحات قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ، عہ،

(۵) فریبِ عمل (انگریزی ڈراما) ترجمہ بابو جگت موہن لال صاحب رواں مجلد ۲۴۰ صفحات قیمت دو روپیہ عہ،

زیرِ طبع

(۱) قرونِ وسطیٰ کا ہندوستانی تمدن، از رائے بہادر مہامہوپادھیائے پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا

(۲) ہندی شاعری، از ڈاکٹر اعظم کریوی،

(۳) ترقی زراعت

از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت،

ملنے کا پتہ

جنرل سکریٹری، ہندوستانی اکاڈیمی، یو پی، الہ آباد،